فتاویٰ برطانیہ

تالیف

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ۔ لندن (برطانیہ)

حسب ارشاد

حضرت قبلہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم

(لندن)



ناشر

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ انٹرنیشنل مسلم موومنٹ

والتھم سٹو۔ لندن۔ برطانیہ

فتاوی برطانیہ

تالیف

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ۔ لندن (برطانیہ)

حسبِ ارشاد

حضرت قبلہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم

(لندن)



ناشر

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ انٹرنیشنل مسلم موومنٹ

والتھم سٹو، لندن۔ برطانیہ

نام کتاب ـــــ فتاویٰ برطانیہ ـ

مصنّف ـــــ استاذ العلماء، علامہ مفتی غلام رسول صاحب

ناشر ـــــ انٹرنیشنل مسلم سوو منٹ والتھم سٹو لندن (برطانیہ)

کتابت ـــــ غلام حسین خوشنویس
نفیس دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ (ضلع گوجرانوالہ)

صفحات ۷۷۶

قیمت

سن طباعت ـــــ جنوری ۱۹۹۲ء

پاکستان میں ملنے کے پتے

دار العلوم حشتیہ غوثیہ کچہری روڈ منڈی بہاؤ الدین
ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

انتساب

میں فتاوٰے برطانیہ کا
انتساب قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین،
منبع الارشاد، مرجع الافراد، مجدّدِ دوراں،
غوث زماں، حامی الشریعۃ، امیر الملۃ، حضرت الحاج
الحافظ پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری
قدس سرہ العزیز کی طرف
کرتا ہوں۔

مُفتی غلام رسُول
"دار العلوم قادریہ جیلانیہ" لندن برطانیہ

مصنف کی دیگر تصانیف

- فتاویٰ جماعتیہ حصہ اول
- فتاویٰ جماعتیہ حصہ دوم
- نور الفرقدین علی رفع الیدین
- سنت سید الانام علی القرأۃ خلف الامام
- انوار الشریعت
- السلطان القوی
- القول المسعود
- القول التنقیح علی العمل با التلفیح
- التعاقب علی التعاقب
- القول علی المقالہ
- مجدد دین وملت، حضرت امیر الملت
- سیرت انور
- السہم الحق فی کبد مختار الحق
- خلل اندازی نماز کے متعلق فتویٰ
- الصاعقۃ الوہاب
- الصدقات حرام علی السادات
- حسب ونسب
- معراج النبی

دار العلوم قادریہ جیلانیہ — والتھم سٹو لندن (برطانیہ)

فہرست مسائل

تعارف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
حامداً ومصلیاً

زیرِ نظر کتاب "فتاویٰ برطانیہ" ہے، جہاں تک فتاویٰ کی ترتیب تدوین کا تعلق ہے تو اس کا آغاز چھٹی صدی ہجری میں ہوگیا تھا اگرچہ عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم بھی اسلام اور نزولِ وحی کے ساتھ ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی لیکن چونکہ خاص ترتیب انداز کے ساتھ زمانۂ نبوت و دورِ خلافت میں یہ علوم مدون نہ ہوئے تھے اور نہ ہی ان کو فنی حیثیت حاصل تھی اس لیے وہ کسی شخصیت کی طرف منسوب نہ ہو سکے جب دوسری صدی ہجری میں ترتیب تدوین کا سلسلہ شروع ہوا تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز کے ساتھ ترتیب کی وہ ان کے بانی کہلائے اسی مناسبت سے امام ابو حنیفہؒ کو فقہ کا بانی اور امام شافعی کو اصولِ فقہ کا بانی کہا جاتا ہے امام محمدؒ اور امام زفر وغیرہ نے اصولِ تفریع مرتب کیے۔ ان کے بعد ہلال الرائی اور احمد خصاف نے کافی حد تک فقہ حنفی پر کام کیا ان کے بعد ابو جعفر طحاوی اور ان کے بعد ابوالحسن کرخیؒ اور امام جرجانی اور علامہ کاسانی وغیرہ فقہ حنفی کے زبردست مؤید پیدا ہوئے۔ اور چھٹی صدی ہجری میں تو فقہ حنفی پر بہت کام ہوا اور اسی صدی میں فتاویٰ کی ترتیب شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی تک کافی فتاوے لکھے گئے اور فتاویٰ عالمگیری جو گیارہویں صدی میں لکھا گیا اس کو زبردست شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی پھر تیرھویں صدی

ہجری کے عشرۂ آخر اور چودھویں صدی کے ربع اول میں فتاوٰی رضویہ لکھا گیا جو کہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے جس کو عوامی شہرت اور زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور استاذی المکرم مفتی غلام رسول صاحب جو مرکزی دار العلوم نقشبندیہ علی پور سیداں شریف پاکستان، میں تقریباً ۲۷ سال بحیثیت مفتی و صدر مدرسین افتاء اور تدریس کے فرائض سر انجام دیتے رہے ہیں اور وہیں آپ نے دیگر تصانیف کے علاوہ فتاوٰی جماعتیہ دو جلدوں میں مرتب و مدوّن فرمایا اور اسکو حضرت امیر الملت نور اللہ مرقدہٗ کے اسم گرامی سے منسوب کیا اور اس فتاوٰی جماعتیہ کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور قبلہ مفتی صاحب علوم عقلیہ و نقلیہ پر عبور رکھتے ہیں اور آپ فتوٰی نویسی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور قبلہ مفتی صاحب نے حفظ قرآن اور ابتدائی کتابیں للہ ٹاؤن دللہ شریف، ضلع جہلم پاکستان میں پڑھیں پھر دیگر تمام کتب بالاستیعاب حاصلا نوالہ ضلع گجرات پاکستان میں استاذ الاساتذہ حضرت علامہ سلطان احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھیں جو کہ حافظ مہر محمد صاحب اچھروی لاہوری کے تلمیذ رشید ہیں اور یہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے شاگرد رشید ہیں اور حضرت شیخ الجامعہ المتوفی ۱۳۶۷ھ حضرت مولانا فضل حق رامپوری کے اور یہ مولانا عبد الحق خیر آبادی المتوفی ۱۳۱۸ھ کے اور یہ مولانا فضل حق خیر آبادی المتوفی ۱۲۷۸ھ کے اور یہ مولانا فضل امام خیر آبادی المتوفی ۱۲۴۴ھ کے گویا کہ مفتی صاحب کا تعلق علمی سلسلہ کے لحاظ سے علماء حق خیر آباد سے ہے اور طریقت میں شرف بیعت پیر طریقت رہبر شریعت حضرت قبلہ پیر سید افضل حسین شاہ صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ حضرت امیر الملت علی پور سیداں شریف سے ہے۔ اور حضرت قبلہ مفتی صاحب ۱۹۸۵ء میں علی پور سیداں شریف سے برطانیہ چلے آئے اور یہاں بھی فتوٰی نویسی کا سلسلہ جاری

رہا اور ۱۹۸۵ء کے آخر میں والتھم سٹو لندن میں علمائے اہل سنت و جماعت کی اتفاق رائے سے "سنی حنفی شرعی کونسل یوکے" کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے صدر علامہ پیر سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی خطیب اعظم نوٹنگھم۔ اور جنرل سیکرٹری علامہ نثار بیگ صاحب قادری خطیب اعظم مانچسٹر۔ اور ناظم جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب قادری نائب مدرس دار العلوم قادریہ جیلانیہ، اور رکن علامہ حافظ فضل احمد قادری صاحب، خطیب اعظم ڈربی اور کونسل کے مفتی استاذی المکرم مفتی غلام رسول صاحب مقرر ہوئے اور کونسل کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ یہاں کے مسلمان باشندوں کو آئے دن جو شرعی مسائل پیش آتے رہتے ہیں ان کا شرعی فیصلہ کیا جائے اور جہاں تک یورپ کی تہذیب و ثقافت کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے کہ اس جگہ جو مسلمان رہتے ہیں وہ یہاں کے معاشرے سے متاثر ہیں بالخصوص نئی پود، نوجوان نسل، آوارگی کا شکار۔ فحاشی، لذت کوشی کے فریفتہ، مغربی تہذیب کے دلدادہ اور دینی اقدار سے منحرف، ایسے لوگوں کے ہی خانگی معاملات میں آئے دن بگاڑ، ان حالات میں معاشرتی زندگی کا الجھاؤ ظاہر ہے۔ بایں وجہ یہاں نکاح و طلاق اور دیگر مسائل کا پیش آنا بھی ظاہر ہے جبھی سے سنی حنفی شرعی کونسل قائم ہوئی اسی وقت سے استفتاء اور سوالات کونسل کی وساطت سے اور براہ راست بھی مفتی صاحب کے پاس آتے رہے اور مفتی صاحب نہایت تحقیق اور ذمہ داری سے تمام سوالات کے جواب لکھتے اور ان کی نقلیں بھی محفوظ رکھتے رہے اور ان کو تدریجاً ترتیب بھی دیتے رہے جو کہ فتاوٰی برطانیہ کی صورت میں قارئین حضرات کے پیش خدمت ہے۔ آخر میں ہم مفکر اسلام حضرت قبلہ پیر سید عبد القادر شاہ صاحب گیلانی مدظلہ العالی کے تمام مریدین اور معتقدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنہوں نے فتاوٰی برطانیہ کی اشاعت کا اہتمام کیا جو کہ

تمام ہی نہایت مخلص اور فرض شناس ہیں اور یہاں برطانیہ اور یورپ میں
اپنی مساعی جمیلہ سے نہایت ہی اہم ملی اور دینی خدمات سرانجام دے رہے،
اللہ تعالیٰ مزید توفیق عمل عطا فرمائے۔

آمین!

(صاحبزادہ) سید مزمل حسین شاہ جماعتی

خطیب برمنگھم "یو کے"

خطبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا فی البدایتہ لمعرفۃ
الھدایتہ ورعانا بعین العنایۃ فی النھایۃ
عن الجھل والغوایتہ وجعلنا ممن آمن
بما انزل واتبع الرسل ووفق للدرایۃ و
خصنا باھلیۃ الشھادۃ علی الامم بفضل منہ وکمال
الرعایۃ وخلقنا فی امتہ الذی فاز رتبۃ الی قاب
قوسین والصلوٰۃ علی رسولہ الکریم مادام طلوع
النیرین محمد ن المبعوث الی الاسود والاحمر
بالکتاب العربی المعجز المنور وعلی آلہ و
اصحابہ القائمین بنصرۃ الدین الازھر والصفوۃ
المجتھدین من امتہ الوارثین لعلم العزیز الانور
لاسیما امامنا الاعظم ذوی الفضل الاقدم وعلینا
معھم وبھم ولھم یا ارحم الرحمین۔
والحمد للہ رب العالمین!

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ، والتھم سٹو لندن، برطانیہ

تقدیم

ہم نے فتاویٰ جماعتیہ جلد اوّل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے لیکر آج تک فقہ پر چھ دور بڑے اہم گزرے ہیں اور فتاوٰے جماعتیہ جلد ثانی میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے علم فقہ کو امام ابوحنیفہؒ نے مدوّن کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی۔ جس میں اپنے ہزار ہا شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن کو منتخب فرمایا اور ان کے زیر نگرانی فقہ کی ترتیب و تدوین ہوئی۔ جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ امام محمد بن حسن المتوفی ١٨٩ھ ۲۔ امام ابویوسف المتوفی ١٨٢ھ
- ۳۔ امام زفر المتوفی ١٥٨ھ ۴۔ مالک بن مغول المتوفی ١٥٩ھ
- ۵۔ داؤد طائی المتوفی ١٦٠ھ ۶۔ مندل بن علی المتوفی ١٦٨ھ
- ۷۔ نصر بن عبد الکریم المتوفی ١٦٩ھ ۸۔ عمرو بن میمون المتوفی ١٧١ھ
- ۹۔ حبان بن علی المتوفی ١٧٢ھ ۱۰۔ ابوعصمہ المتوفی ١٧٣ھ
- ۱۱۔ زہیر بن معاویہ المتوفی ١٧٣ھ ۱۲۔ قاسم بن معن المتوفی ١٧٥ھ
- ۱۳۔ حماد بن ابوحنیفہ المتوفی ١٧٦ھ ۱۴۔ ہیاج بن بسطام المتوفی ١٧٧ھ
- ۱۵۔ شریک بن عبد اللہ المتوفی ١٧٨ھ ۱۶۔ عافیہ بن یزید المتوفی ١٨٠ھ
- ۱۷۔ عبد اللہ بن مبارک المتوفی ١٨١ھ ۱۸۔ محمد بن نوح المتوفی ١٨٢ھ
- ۱۹۔ ہشیم بن بشیر اسلمی المتوفی ١٨٣ھ ۲۰۔ ابوسعید یحییٰ بن زکریا المتوفی ١٨٤ھ
- ۲۱۔ فضیل بن عیاض المتوفی ١٨٧ھ ۲۲۔ اسد بن عمرو المتوفی ١٨٨ھ

- ۲۳۔ علی بن مسہر المتوفی ١٨٩ھ ۲۴۔ یوسف بن خالد المتوفی ١٨٩ھ
- ۲۵۔ عبد اللہ بن ادریس المتوفی ١٩٢ھ ۲۶۔ فضل بن موسیٰ المتوفی ١٩٢ھ
- ۲۷۔ علی بن ظبیان المتوفی ١٩٢ھ ۲۸۔ حفص بن غیاث المتوفی ١٩٤ھ
- ۲۹۔ وکیع بن جراح المتوفی ١٩٧ھ ۳۰۔ ہشام بن یوسف المتوفی ١٩٧ھ
- ۳۱۔ یحییٰ بن سعید قطان المتوفی ١٩٨ھ ۳۲۔ شعیب بن اسحاق المتوفی ١٩٨ھ
- ۳۳۔ ابوحفص بن عبد الرحمٰن المتوفی ١٩٩ھ ۳۴۔ ابومطیع بلخی المتوفی ١٩٩ھ
- ۳۵۔ خالد بن سلیمان المتوفی ١٩٩ھ ۳۶۔ عبد الحمید المتوفی ١٩٩ھ
- ۳۷۔ حسن بن زیاد المتوفی ٢٠٤ھ ۳۸۔ ابوعاصم نبیل المتوفی ٢١٢ھ
- ۳۹۔ امام مکی بن ابراہیم المتوفی ٢١٥ھ ۴۰۔ حماد بن دلیل المتوفی ٢١٥ھ

یہ تھے وہ ماہرین فن جن کے زیر نظر فقہ حنفی کی ترتیب ہوئی اس مجلس شوریٰ میں یہ التزام تھا کہ جب تک مجلس تدوین فقہ کے تمام ارکین جمع نہ ہو جاتے کوئی مسئلہ طے نہ پاتا اس طرح ١٢١ھ سے لے کر ١٤٤ھ تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ جب منصور عباسی نے امام ابوحنیفہؒ کو قید میں ڈال دیا تب بھی یہ سلسلہ جاری رہا یعنی ١٥٠ھ تک اور یہی ١٥٠ھ آپ کا سال وفات ہے۔ اس طویل مدت میں امام ابوحنیفہؒ نے اپنے رفقاء کار کے تعاون سے قانون اسلامی کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا فقہ حنفی کا یہ عظیم مجموعہ پانچ لاکھ مسائل پر مشتمل تھا جس کے ۸۳ ہزار قواعد مقرر فرمائے جن سے ۳۸ ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور ۴۵ ہزار کا تعلق معاملات اور حدود سے تھا جس روز یہ مجموعہ تکمیل کو پہنچا امام ابوحنیفہؒ نے اپنے تمام تلامذہ کو کوفہ کی جامع مسجد میں جمع کیا اس دن آپکے پورے ایک ہزار شاگرد موجود تھے مفتیان واعیان ممالک اور امراء شہر اس کے علاوہ تھے آپ نے ایک بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی جس میں آپ

نے اپنے تلامذہ کو بالخصوص فرمایا میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ اب لوگ تمہارے نقش قدم کو تلاش کریں گے اور اس پر گامزن ہوں گے تمہارے ایک ایک لفظ کی تلاش کریں گے میں تم سب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے علم کا جو تم کو ملا ہے اور اس کی جلالت وعظمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچائے رکھنا بہر صورت فقہ کے مؤلف اوّل امام ابو حنیفہؒ ہیں اور ابو حنیفہؒ کا یہ فقہی مجموعہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قلم سے ان کتب کے نام سے مرتب ہوا۔ کتب ظاہر روایۃ اور کتب نوادر، ظاہر الروایت کتابوں میں یہ چھ کتابیں خاص طور پر مشہور ہیں۔

(۱) جامع صغیر اس میں امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی روایت سے امام اعظم کے ۳۳۵ مسائل کو جمع کیا ہے ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن سے امام محمدؒ نے اختلاف کیا ہے، جامع الصغیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ اس کی پچاس سے زیادہ شروح لکھی جا چکی ہیں ان شروح میں علامہ ابو اللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ۔ فخر الاسلام بزدوی المتوفی ۴۸۲ھ، شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ کی شروح بہت مشہور ہیں۔

(۲) جامع کبیر یہ کتاب بھی جامع الصغیر کی طرح ہے اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ کے فتاوی کے علاوہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفر کے اقوال اور فتاوی بھی موجود ہیں ہر ایک مسئلہ دلیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، فقہاء مابعد نے اصول فقہ کے مسائل اسی کتاب "جامع کبیر" سے اخذ کیے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو جامع کبیر کہا جاتا ہے۔ اس کی بھی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ شیخ ابو بکر رازی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ، علامہ ابو اللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ قاضی ابو زید المتوفی ۴۳۰ھ، شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ کی شروح بہت مشہور ہیں۔

(۳) مبسوط یہ اس سلسلہ کی تیسری کتاب ہے یہ بھی امام محمدؒ کی تالیف ہے اس کا دوسرا نام اصل ہے۔ اس کتاب میں امام محمدؒ نے ایسے ہزاروں مسائل کو جمع کر دیا ہے جن کا جواب امام ابو حنیفہ نے مرحمت فرمایا ہے اس کتاب میں ایسے مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے اس کی شروح بھی لکھی گئیں جیسے شرح از شیخ الاسلام خواہر زادہ المتوفی ۴۳۳ھ شرح مبسوط از شمس الائمہ حلوانی المتوفی ۴۴۸ھ۔

(۴) زیادات یہ جامع الصغیر اور جامع الکبیر کا تکملہ ہے یعنی اس میں وہ مسائل ہیں جو ان کتب میں ضبط ہونے سے رہ گئے۔

(۵) سیر صغیر یہ اس سلسلہ کی پانچویں کتاب ہے اس کتاب میں جہاد و حکومت اور سیاست ملکی سے متعلقہ احکام ہیں۔

(۶) سیر کبیر یہ کتاب ایک سو ساٹھ اجزاء پر مشتمل تھی یہ امام محمد کی کتب ظاہر روایات میں آخری تالیف ہے۔ فقہاء نے اس کی بھی شرحیں لکھی ہیں کتب نوادر جو آئمہ مجتہدین ظاہر روایات کے سوا اور کتابوں سے ثابت ہیں جیسے رقیات یعنی وہ مسائل جو امام محمد نے شہر رقہ میں جمع کیے تھے اور کیسانیات یعنی وہ مسائل جو امام محمد نے ابن عمر و سلیمان بن شعیب کیسانی کو لکھوائے تھے اور ہارونیات جو امام محمدؒ نے ہارون الرشید کے عہد میں جمع کیے تھے۔ اور کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں اسی طرح نوادر ابن رستم المتوفی ۲۱۱ھ اور نوادر ابن سماعہ المتوفی ۲۳۳ھ وغیرہ ان کو نوادر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ظاہر روایت کی طرح مشہور نہیں ہیں۔ اور چھ کتب ظاہر روایت کو علامہ ابو الفضل مروزی المتوفی ۳۳۴ھ نے اپنی کتاب کافی میں درج کیا

تھا اس کتاب کافی کی ایک مبسوط شرح شمس الائمہ سرخسی المتوفی سنہ ۵۰۰ھ نے پندرہ جلدوں میں قید خانے میں تصنیف کی جو مبسوط سرخسی کے نام سے مشہور رہے ان تالیفات کے علاوہ بھی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی متعدد تصانیف ہیں۔ جیسے کہ کتاب الآثار امام ابو یوسف، موطا امام محمدؒ، کتاب الحج وغیرہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمدؒ کے بعد فقہاء احناف میں ہلال الرائی المتوفی سنہ ۲۴۴ھ علامہ احمد خصاف المتوفی سنہ ۲۶۴ھ ہیں۔ یہ کتاب الوقف اور کتاب الحیل کے مصنف ہیں ان کے بعد ابو جعفر طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ ہیں جن کی تالیف کتاب الکبیر فی الشروط شہرۂ آفاق ہے، ان کے بعد فقہائے احناف کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو مذہب حنفی کے مؤید اور مقلد تھے ان حضرات کی تالیفات سے فقہ حنفیہ میں بڑی وسعت پیدا ہوئی جیسے کہ ابوالحسن کرخی المتوفی سنہ ۳۴۰ھ اور امام ابو عبداللہ جرجانی المتوفی سنہ ۳۹۸ھ جو خزانۃ الاکمل کے مصنف ہیں، علی بن محمد بزدوی المتوفی سنہ ۴۸۲ھ صاحب کتاب الاصول، علامہ ابوبکر کاسانی المتوفی سنہ ۵۸۷ھ مؤلف صنائع فی ترتیب الشرائع ہیں۔ اور چھٹی صدی ہجری میں برہان الدین مرغینانی المتوفی سنہ ۵۹۳ھ نے کتاب الہدایہ" لکھی جس کی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ کہ جس قدر حواشی اور شروح اس کتاب کی لکھی گئی ہیں شاید ہی فقہ حنفیہ میں کسی کتاب کی اس قدر شروح و حواشی لکھے گئے ہوں "الہدایہ" کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ الفوائد اس کی دو جلدیں ہیں ہدایہ کی سب سے پہلے یہی شرح لکھی گئی اس کے مصنف حمید الدین علی بن محمد بخاری المتوفی سنہ ۶۶۷ھ ہیں۔

۲۔ نہایۃ الکفایۃ فی درایۃ الہدایہ مصنفہ تاج الشریعت عمر بن صدر الشریعۃ الاول عبیداللہ محبوبی المتوفی ۶۷۲ھ۔

۳۔ الغایہ شرح ہدایہ مصنفہ قاضی ابوالعباس احمد بن ابراہیم السروجی الحنفی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ۔

۴۔ تکملہ غایۃ چونکہ غایۃ شرح ہدایہ کئی جلدوں پر مشتمل تھی قاضی ابوالعباس نے اس کو ابھی مکمل نہیں کیا تھا کہ قاضی ابوالعباس کا انتقال ہو گیا اس کے بعد قاضی سعید الدین محمد دیری نے اس کو مکمل کیا قاضی سعید کا سن وفات سنہ ۷۶۰ھ ہے۔

۵۔ النہایہ شرح ہدایہ مصنفہ حسام الدین المتوفی سنہ ۷۱۰ھ

۶۔ خلاصۃ النہایہ فی فوائد الہدایۃ مصنفہ جمال الدین محمود بن احمد سراج قونوی المتوفی سنہ ۷۷۰ھ۔

۷۔ معراج الدرایۃ مصنفہ قوام الدین محمد بن محمد بخاری المتوفی سنہ ۷۴۹ھ

۸۔ غایۃ البیان اس کے مؤلف قوام الدین امیر کاتب بن امیر عمر الاتقانی المتوفی سنہ ۷۵۸ھ ہیں۔

۹۔ الکفایہ فی شرح الہدایہ مصنفہ سید جلال الدین المتوفی سنہ ۷۶۷ھ۔

۱۰۔ شرح ہدایہ اس کے مصنف حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی المتوفی سنہ ۷۱۰ھ ہیں۔

۱۱۔ فتح القدیر مصنفہ کمال الدین ابن ہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ یہ ہدایہ کی شرح نہایت مشہور و مقبول ہے۔

۱۲۔ نتائج الافکار مصنفہ شمس الدین قاضی زادہ المتوفی سنہ ۹۸۸ھ۔

۱۳۔ التوشیح مصنفہ سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی المتوفی سنہ ۷۷۳ھ۔

۱۴۔ العنایہ شرح الہدایہ اس کے مصنف شیخ اکمل الدین ہیں جن کا سن وفات سنہ ۷۸۶ھ ہے۔

۱۵۔ شرح ہدایہ مصنفہ علاؤالدین علی بن محمد الخلاطی المتوفی سنہ ۷۰۸ ھجر۔

۱۶۔ شرح ہدایہ مصنفہ علاؤالدین علی بن عثمان ترکمانی المتوفی سنہ ۷۵۰ ھجر یہ خود اس شرح کو مکمل نہیں کرسکے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے جمال الدین عبداللہ المتوفی سنہ ۷۶۹ ھجر نے اس کو مکمل کیا۔

۱۷۔ البنایہ شرح الہدایہ اس کے مصنف قاضی بدرالدین محمودؒ بن احمد عینی المتوفی سنہ ۸۵۵ ھجر ہیں۔

۱۸۔ نہایۃ النہایہ مصنفہ محب الدین ابن شحنہ المتوفی سنہ ۸۹۰ ھجر لیکن یہ شرح مکمل نہیں ہے۔

۱۹۔ شرح الہدایہ مصنفہ ابوالمکارم احمد بن حسن تبریزی جاربردی المتوفی سنہ ۷۴۶ ھجر۔

۲۰۔ شرح ہدایہ مصنفہ تاج الدین احمد بن عثمان ترکمانی ماردینی المصری المتوفی سنہ ۷۴۵ ھجر۔

۲۱۔ شرح الہدایہ اس کے مصنف یوسف الحشی الرومی ہیں اس کو یہ مکمل نہ کرسکے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی ان کے بعد ان کے بھتیجے محمد بن مصطفٰے رومی المتوفی سنہ ۱۰۲۹ ھجر نے اس کو مکمل کیا۔

۲۲۔ شرح الہدایہ مصنفہ شمس الدین محمد بن عثمان الحریری المتوفی سنہ ۷۲۸ ھجر۔

۲۳۔ شرح الہدایہ مصنفہ شیخ علی محمد المتوفی سنہ ۸۵۵ ھجر۔

۲۴۔ ارشادالدرایہ شرح الہدایہ مصنفہ مصلح الدین مصطفٰی بن زکریا قرمانی المتوفی سنہ ۸۰۹ ھجر۔

۲۵۔ شرح الہدایہ مصنفہ ابن عبدالحق ابراہیم بن علی دمشقی المتوفی سنہ ۷۴۴ ھجر۔

۲۶۔ شرح الہدایہ مصنفہ احمد بن حسن زرکشی المتوفی سنہ ۷۳۸ ھجر۔

۲۷۔ شرح الہدایہ اس کے مصنف تاج الدین ابومحمد احمد بن عبدالقادر المتوفی سنہ ۷۴۹ ھجر ہیں۔

۲۸۔ شرح الہدایہ مصنفہ نجم الدین ابوالطاہر اسحاق بن علی المتوفی سنہ ۸۱۱ ھجر۔

۲۹۔ شرح الہدایہ مصنفہ السید الشریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی سنہ ۸۱۶ ھجر۔

۳۰۔ شرح الہدایہ[1] اس کے مصنف علامہ سعدالدین تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ ھجر ہیں

---

[1] بعض علماء نے لکھا ہے کہ علامہ تفتازانی نے ہدایہ کی شرح نہیں لکھی بلکہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور خطبہ کی شرح کرچکے تھے مگر موت نے اس کی تکمیل کی مہلت نہ دی علامہ تفتازانی امیر تیمور لنگ المتوفی سنہ ۸۰۷ ھجر کی بارگاہ کے مقربین میں سے تھے۔ امیر تیمور لنگ آپ کا بڑا معتقد تھا اور بہت احترام کرتا تھا۔ اور جب آپ نے مطول شرح تلخیص المفتاح لکھی اور امیر تیمور کی خدمت میں اس کو پیش کیا تو امیر تیمور نے اس کو بہت پسند کیا اور اس کو قلعہ ہرات کے دروازہ پر معلق کیا میر سید شریف جرجانی آپ کے ہم عصر تھے ان کا بھی امیر تیمور کے ہاں آنا جانا تھا اور علامہ تفتازانی کے ساتھ ان کا بحث و مباحثہ رہتا تھا ایک مرتبہ سید شریف نے امیر تیمور کی مجلس میں علامہ تفتازانی کی اس عبارت پر اعتراض کردیا جو شرح کشاف میں استعارہ تبعیہ اور تمثیلیہ کے جواز اجتماع کے متعلق تھی۔ جس پر محفل امیر تیمور میں مناظرہ کی شکل پیدا ہوگئی ہر دو فاضلوں نے فیصلہ کے لیے نعمان معتزلی کو فیصل تسلیم کرلیا دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ کے دلائل پیش کیے میر سید فصیح زبان رکھتے تھے اور علامہ تفتازانی کی زبان میں قدرے لکنت تھی نیز نعمان معتزلی علامہ تفتازانی کے ساتھ کچھ رنجش بھی رکھتا تھا لہٰذا اس نے میر شریف کے حق میں فیصلہ صادر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر تیمور نے علامہ تفتازانی پر سید شریف کا مرتبہ بڑھا دیا، علامہ تفتازانی کو اس سے سخت صدمہ ہوا، بایں وجہ کہ دربار تیمور میں میر سید شریف کی رسائی محض علامہ تفتازانی کی وجہ سے ہوئی تھی جب صدمہ بڑھ گیا صاحب فراش ہوگئے علاج کیا مطلقاً فائدہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ۲۲ محرم الحرام سنہ ۷۹۲ ھجر پیر کے روز سمرقند میں وفات پائی اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا اس کے بعد ۹ رجادی الاول میں بدھ کے روز مقام سرخس میں منتقل کیا گیا، علامہ ابن نجیم، علامہ طحطاوی اور صاحب کشف الظنون نے آپکو الخ (بقیہ صفحہ آئندہ)

۳۱۔ شرح الہدایہ مصنفہ تقی الدین ابوبکر بن محمد الحصنی الشافعی المتوفی ۸۲۹ھ ہجر۔

۳۲۔ شرح الہدایہ مصنفہ نجم الدین ابراہیم بن علی طرطوسی الحنفی المتوفی ۸۲۹ھ ہجر۔

ان شروح کے علاوہ بھی ہدایہ کی شرحیں لکھی گئیں۔ ہدایہ کی افادیت کے پیش نظر متعدد علماء نے اس کے حواشی اور اس کے شروح پر حواشی اور اس کے اختصار و تلخیص اور ہدایہ کے مسائل کی تجرید (مسائل کا دلائل کے سوا جمع کرنا) اور اس پر جرح اور تنقید کے جوابات پر کام کیا۔ اس کے علاوہ ہدایہ پر تعلیقات بھی لکھی گئیں اور بعض علماء نے شرح الاجزاء یعنی ہدایہ کے کسی ایک آدھ جزء اور حصّہ کی شرح بھی تصنیف کی ہیں۔ ان پر کام کرنے والے مشہور فقہا اور علماء کے نام درج ذیل ہیں، محب الدین المتوفی ۸۵۹ھ ہجر، مصطفٰے بن شعبان السروری المتوفی ۹۶۹ھ، ابن بالی صاحب الذیل المتوفی ۹۹۲ھ ہجر، ابراہیم بن احمد الموصلی المتوفی ۶۵۲ھ ہجر، قاضی علاؤالدین محمود بن عبداللہ الحارثی المتوفی ۶۰۶ھ ہجر، کمال الدین محمد بن احمد طاش کبری المتوفی ۱۰۳۰ھ، محمد بن عثمان بن الاقرب المتوفی ۷۴۴ھ، سعداللہ بن عیسٰی المتوفی ۹۴۵ھ، سراج الدین عمر بن علی الکنانی المتوفی ۸۲۹ھ ہجر، ابوالسعود بن محمد العمادی المتوفی ۹۸۲ھ ہجر، محمد بن علی بیرکلی المتوفی ۹۸۱ھ ہجر، بابازادہ محمد القرمانی المتوفی ۹۴۴ھ ہجر، عبدالحلیم بن محمد باخی زادہ المتوفی ۱۰۱۳ھ، زکریا بن بیرام المفتی المتوفی ۱۰۰۱ھ ہجر، المولی صاری کرز زادہ المتوفی ۹۹۰ھ، یعقوب بن ادریس رومی المتوفی ۸۳۳ھ ہجر، احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی ۹۴۰ھ ہجر، یوسف سنان پاشا بن خضر بیگ المتوفی ۸۹۱ھ ہجر، محی الدین محمد بن مصطفٰے الشیخ زادہ المحشی المتوفی ۹۵۱ھ، سیف الدین احمد حفید السعد التفتازانی المتوفی ۹۰۶ھ ہجر، احمد بن مصطفٰے طاش کبری زادہ المتوفی ۹۶۲ھ ہجر۔ چونکہ ہدایہ فقہ کی کتاب تھی اس میں مصنف احادیث بھی لے آئے لیکن احادیث کی تخریج کا ذکر نہ کیا بعض شافعی المذہب علماء نے اس پر اعتراض کیا کہ جو صاحب ہدایہ نے احادیث ذکر کی ہیں وہ ثابت نہیں ہیں چنانچہ اس اعتراض کی بناء پر فقہا و محدثین نے ہدایہ کی تمام احادیث کی تخریج کی اور تمام اسناد کا ثبوت مہیا کر دیا چنانچہ ایسے علماء و محدثین کے نام یہ ہیں، شیخ محی الدین عبدالقادر بن محمد القرشی المتوفی ۷۷۵ھ ہجر، شیخ علاؤالدین علی بن عثمان ترکمانی ماردینی المتوفی ۷۵۰ھ ہجر، شیخ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ ہجر، حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ ہجر، غرضیکہ چھٹی صدی ہجری میں یہ کتاب "الہدایہ" ہر لحاظ سے بہتر جامع ومانع، مدلل و مربوط لکھی گئی ہر دور کے علماء و فقہا اور ماہرین قانون اس سے برابر استفادہ کرتے رہے اور کر رہے ہیں اس کے بعد تقلید مطلق کا زمانہ آیا اور ایسے فقہاء پیدا ہوئے جنہوں نے اجتہاد قطعًا موقوف کر کے تقلید پر اکتفا کی ان حضرات نے فقہ حنفیہ پر مختصر متون تحریر کیے ان کے بعد ان مختصر متون کی بڑی چھوٹی شرحیں لکھی گئیں اور اسی چھٹی صدی ہجری میں فتاوٰے جمع کرنے کا کام بھی شروع ہوا لیکن فقہا نے ان متون کو شروح سے مقدم سمجھا ہے اور شروح کو فتاوٰی سے زیادہ معتبر سمجھا ہے تقلیدی دور میں قدوری کا متن سب سے زیادہ معتبر اور مستند سمجھا گیا ہے۔ قدوری پانچویں صدی ہجری کی تصنیف ہے اس کے مصنف احمد بن محمد قدوری المتوفی ۴۲۸ھ ہجر ہیں۔ متاخرین کے نزدیک دور تقلید کے متون

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ) حنفی مسلک قرار دیا ہے اور ملا حسن چلپی، علامہ کفوی اور جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ علامہ تفتازانی شافعی مسلک تھے۔

(شذرات الذہب ص۶۶ جلد ۸، نیل الامانی شرح مختصر المعانی ص۱۵)

مفتی غلام رسول "یوکے"

۲۶ نومبر ۱۹۸۸ء

ہیں یہ چار متن جو متون اربعہ کے نام سے مشہور ہیں بڑے معتبر اور مستند سمجھے گئے ہیں

(۱) وقایہ اس کے مصنف تاج الشریعت محمود محبوبی المتوفی سنہ ۶۷۳ ہجری ہیں۔

(۲) مختار اس کی شرح اختیار اس کے مصنف علامہ عبد اللہ موصلی المتوفی سنہ ۶۸۳ ہجری ہیں۔

(۳) مجمع البحرین اس کے مصنف ابن ساعاتی المتوفی سنہ ۶۹۴ ہجری ہیں۔

(۴) کنز الدقائق اس کے مصنف حافظ نسفی المتوفی سنہ ۷۱۰ ہجری ہیں۔

یہ متون اربعہ کی آخری کتاب ہے لیکن تمام متون میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول ہے اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ہیں، جن میں سے مشہور شرحیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ تبیین الحقائق مصنفہ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی المتوفی سنہ ۷۴۳ ہجری۔
۲۔ بحر الرائق مصنفہ ابن نجیم مصری المتوفی سنہ ۹۷۰ ہجری۔
۳۔ رمز الحقائق قاضی بدر الدین عینی المتوفی سنہ ۸۵۵ ہجری۔
۴۔ المطلب الفائق مصنفہ علامہ بدر الدین دیری المتوفی سنہ ہجری۔
۵۔ النہر الفائق مصنفہ عمر بن نجیم مصری المتوفی سنہ ۱۰۰۵ ہجری۔
۶۔ المستخلص الحقائق مصنفہ ابراہیم بن محمد القاری المتوفی سنہ ہجری۔
۷۔ الفوائد فی حل المسائل مصنفہ مصطفٰے بن بالی زادہ المتوفی سنہ ۹۹۲ ہجری۔
۸۔ مسالک رمز مصنفہ عبد الرحمٰن عیسٰی عمری المتوفی سنہ ہجری۔
۹۔ شرح کنز مصنفہ ملا مسکین المتوفی سنہ ہجری۔
۱۰۔ شرح کنز مصنفہ قاضی ابن شحنہ المتوفی سنہ ۹۲۱ ہجری۔
۱۱۔ شرح کنز مصنفہ الخطاب بن ابی القاسم المتوفی سنہ ۷۳۰ ہجری
۱۲۔ شرح کنز مصنفہ شمس الدین محمد بن علی حصاری المتوفی سنہ ۹۶۳ ہجری۔
۱۳۔ شرح کنز مصنفہ قاضی زین الدین عینی المتوفی سنہ ۸۶۴ ہجری۔
۱۴۔ شرح کنز مصنفہ علی بن محمد غانم المقدسی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ ہجری۔
۱۵۔ شرح کنز مصنفہ شیخ قوام الدین کرمانی المتوفی سنہ ۷۴۸ ہجری۔
۱۶۔ شرح کنز مصنفہ ابن سلطان قطب الدین صالحی المتوفی سنہ ۹۸۸ ہجری۔
۱۷۔ شرح کنز ابو حامد محمد بن احمد مکیؒ المتوفی سنہ ۸۵۶ ہجری۔

ان کے علاوہ کتب فقہ حنفیہ میں علمائے متاخرین کی یہ کتب بھی مشہور ہیں۔

۱۔ جامع الفصولین مؤلفہ قاضی سماوہ المتوفی سنہ ۸۱۸ ہجری۔
۲۔ درر الاحکام شرح غرر الاحکام مصنفہ ملا خسرو المتوفی سنہ ۸۸۵ ہجری۔
۳۔ ملتقی الابحر مصنفہ علامہ حلبی المتوفی سنہ ۹۵۶ ہجری
۴۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مصنفہ داماد آفندی المتوفی سنہ ۱۰۸۷ ہجری
۵۔ تنویر الابصار مصنفہ علامہ تمرتاشی المتوفی سنہ ۱۰۰۴ ہجری۔
۶۔ درمختار شرح تنویر الابصار مصنفہ علاؤ الدین علی الحصفکی المتوفی سنہ ۱۰۸۸ ہجری
۷۔ غنیہ ذوی الاحکام مصنفہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی المتوفی سنہ ۱۰۶۹ ہجری۔
۸۔ شرح نقایہ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ ہجری
۹۔ ردّ المحتار مصنفہ علامہ ابن عابد بن شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ ہجری۔

جیسے کہ چھٹی صدی ہجری میں فقہ حنفیہ کے متون اور شرح تصنیف کیے گئے اسی طرح اسی صدی میں فتاوٰی جمع کرنے کا کام بھی شروع ہوگیا تھا، فتاوٰی کی تالیف و ترتیب کا خیال سب سے پہلے علامہ عبد الرشید والوالجی المتوفی سنہ ۵۴۰ ہجری کو ہوا۔ آپ والوالج کے رہنے والے تھے جو کہ ملک بدخشاں کا ایک مشہور شہر تھا آپ نے فتاوٰی والوالجیہ تالیف کیا اور کتب فتاوٰی میں اہمیت و جامعیت

کے لحاظ سے والواجیہ کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور چھٹی صدی ہجری میں یہ فتاویٰ پہلا فتاویٰ شمار ہوتا ہے۔

(۲) فتاویٰ عتابیہ، فتاویٰ والواجیہ کے بعد قابلِ ذکر کتب فتاویٰ میں فتاویٰ عتابیہ ہے جو کہ چھٹی صدی ہجری میں ہی تالیف کیا گیا اس کے مؤلف احمد بن محمد بن عمر عتابی المتوفی ۵۰۲ھ ہیں آپ شہر بخارا محلہ عتاب کے رہنے والے تھے اس لیے عتابی مشہور ہوئے۔

(۳) فتاویٰ دیناری اس کے مصنف عبدالکریم بن یوسف دیناری المتوفی ۵۹۰ھ ہیں آپ بہت بڑے فقیہ تھے لیکن اہلِ فتویٰ نے آپ کے فتاویٰ دیناریہ کو اتنی اہمیت نہیں دی۔

(۴) فتاویٰ برہانی اس کے مصنف صدر الاسلام طاہر محمود بن احمد بن برہان الدین کبیر عبدالعزیز بخاری حنفی المتوفی ۵۰۴ھ ہیں یہ فتاویٰ چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں لکھا گیا لیکن اس کو عام مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔

(۵) فتاویٰ قاضی خان، اس کے مصنف حسن بن منصور قاضی خان المتوفی ۵۹۲ھ ہیں آپ فرغانہ (مملکت غزنی) کے رہنے والے تھے آپ کے جدِ اعلیٰ محمود فخر الدین قاضی خان کے نام سے مشہور تھے اسی وجہ سے آپ کو بھی قاضی خان کہا جانے لگا۔ فتاویٰ قاضی خان فقہاء احناف کے ہاں بہت معتبر فتاویٰ ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے یہ فتاویٰ ہر دور میں معتبر سمجھا گیا ہے۔

(۶) ملخص الفتاویٰ اس کے مؤلف علامہ محمد بن احمد بن ابی سعد المتوفی ۶۰۴ھ ہیں آپ ایک عظیم فقیہ تھے لیکن آپ کے ملخص الفتاویٰ کو اتنی شہرت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

(۷) فتاویٰ ظہیریہ اس کے مصنف محمد بن احمد بن عمر بخاری ظہیر الدین المتوفی

۶۱۹ھ ہیں آپ کا یہ فتاویٰ ظہیریہ نہایت معتبر اور مستند ہے آپ بخارا میں محتسب کے بلند و عظیم منصب پر فائز تھے فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب فقہ و فتاویٰ میں اس کے حوالے موجود ہیں۔

(۸) فتاویٰ کامل اس کے مصنف محمد بن عثمان سمرقندی المتوفی ۶۲۳ھ ہیں آپ کا تعلق سمرقند کے مضافاتی بستی علی آباد سے تھا آپ ایک عظیم فقیہ اور اصولی ہونے کے علاوہ بہت بڑے مفسر تھے آپ کو علمِ کلام پر بھی بڑا عبور حاصل تھا۔ فتاویٰ میں آپ کی تالیف فتاویٰ کامل کے نام سے مشہور تھے لیکن یہ فتاویٰ کامل عوامی شہرت حاصل نہیں کر سکا۔

(۹) فتاویٰ طرطوسیہ، اس کے مؤلف ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد طرطوسی المتوفی ۷۵۸ھ ہیں آپ طرطوس شہر کے رہنے والے تھے جو کہ شام کی سرحد پر واقع ہے آپ دمشق میں قاضی القضاۃ تھے فقہاء کرام میں آپ کا فتاویٰ طرطوسیہ بہت مقبول ہوا ہے اس فتاویٰ طرطوسیہ کا دوسرا نام انفع الوسائل ہے فتاویٰ عالمگیری میں اس کے قدرے قدرے حوالے ہیں۔

(۱۰) فتاویٰ نوریہ اس کے مؤلف علامہ حسین بن مبارک بن یوسف موصلی ہیں آپ بہت بڑے فقیہ اور اصولی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مفتی تھے آپ کے فتاویٰ کو اتنی شہرت حاصل نہیں ہوئی جتنی کہ چاہئے تھی۔

(۱۱) فتاویٰ تتارخانیہ، اس کے مصنف علامہ عالم بن علاؤ الدین حنفی المتوفی ۷۸۶ھ اس کے فتاویٰ کی چار جلدیں ہیں مصنف کا نام عالم ہے مصنف نے اپنے اس فتاویٰ کو علاقہ بہار (ملک ہند) کے حاکم تتارخان کے نام سے معنون کیا ہے۔ اس فتاویٰ کو فقہاء مابعد نے نہایت پسند کیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس کے متعدد حوالے موجود ہیں لیکن بارہویں، تیرھویں اور چودھویں صدی میں اس کی شہرت کمزور پڑ گئی ہے۔

(۱۲) فتاویٰ بزازیہ، اس کے مصنف محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف کردری المتوفی ۸۲۷ھ ہیں آپ حاوی فروع و اصول تھے علم مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے آپ کا یہ فتاویٰ بہت مشہور ہوا اس کا دوسرا نام وجیز ہے فتاویٰ عالمگیری میں اس کے جابجا حوالے موجود ہیں۔

(۱۳) فتاویٰ خیریہ اس کے مصنف علامہ خیرالدین حنفی فاروقی المتوفی ۱۰۸۱ھ ہیں آپ بلند پایہ محدث اور مفسر ہونے کے علاوہ فقہ میں اپنی مثال آپ تھے آپ کے فتاویٰ نے بہت شہرت پائی ہے۔

(۱۴) فتاویٰ انقرویہ، یہ علامہ محمد آفندی المتوفی ۱۰۹۸ھ کی تالیف ہے، آپ انقرہ میں پیدا ہوئے بہت بڑے فاضل اور فقیہ تھے، گیارہویں صدی میں مرتب ہونے والا یہ آخری فتاویٰ ہے مصنف کی مشہوری کا باعث یہ فتاوے ہی ہوا ہے۔

(۱۵) فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی ہجری میں جبکہ سلطان محی الدین اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ سلطنت ہند کے بادشاہ تھے ان کی سعی جمیلہ سے فتاویٰ عالمگیریہ (فتاویٰ ہندیہ) مرتب ہوا۔ اس کی ترتیب کے لیے ایک مجلس علماء ترتیب دی گئی اس مجلس کے سربراہ مشہور عالم اور فقیہ نظام الدین سہالوی مقرر کیے گئے۔ سلطان کی طرف سے ان تمام علمائے کرام کے لیے گراں قدر مشاہرہ مقرر کیا گیا، چھ سال کی محنت و کاوش کے بعد یہ فتاویٰ ہندیہ مرتب ہوا جس کے شروع میں ایک جامع اور مبسوط مقدمہ بھی لکھا گیا، فتاویٰ عالمگیریہ ایک جامع فتاویٰ ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے یہ فتاویٰ فقہ حنفیہ کے مسائل کثیرہ کا مجموعہ ہے اور فقہ کی معتبر اور مستند کتابوں سے مسائل کے جوابات اخذ کر کے اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور حوالہ جات کا بھی ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱۶) فتاوائے نقشبندیہ، اس کے مصنف خواجہ معین الدین بن خواند محمود ہندی نقشبندی المتوفی ۱۰۸۵ھ ہیں یہ فتاوے بھی گیارہویں صدی میں لکھا گیا، لیکن یہ زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی فقہائے کرام نے اس کو شرف قبولیت سے نوازا۔

(۱۷) فتاویٰ حامدیہ کو بارہویں صدی میں ترتیب دیا گیا اس کے مؤلف حامد بن علی بن ابراہیم عمادی دمشقی المتوفی ـــھ ہیں، فقہاء نے اس فتاویٰ کو معتبر سمجھا ہے علامہ شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ نے اس کی تلخیص "تنقیح الحامدیہ" لکھی ہے لیکن پھر بھی فتاویٰ حامدیہ کو اتنی زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

(۱۸) فتاویٰ بدریہ اس کے مصنف بدرالدین بن محمد بن بدرالدین ابن جماعہ الکنانی المقدسی الحنفی المتوفی ۱۱۰۷ھ ہیں یہ فتاویٰ بھی بارھویں صدی میں لکھا گیا لیکن اہل فتوے اس کے ساتھ اتنی التفات نہیں برتتے اس وجہ سے یہ عوامی شہرت حاصل نہیں کر سکا۔

(۱۹) فتاویٰ رحیمیہ یہ بھی بارہویں صدی ہجری میں لکھا گیا اس کے مصنف کا نام عبدالرحیم بن ابی لطف بن اسحاق بن محمد بن ابی لطف الحسینی المقدسی الحنفی المتوفی ۱۱۵۴ھ ہے۔

(۲۰) فتاویٰ کریمیہ یہ بھی بارھویں صدی ہجری میں لکھا گیا ہے اس کے مصنف مفتی عبدالکریم بن عبداللہ عباسی مدنی الحنفی المتوفی ۱۱۳۳ھ ہیں، آپ بہت بڑے فقیہ اور مفتی تھے لیکن آپ کا یہ فتاویٰ اتنی شہرت حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی اہل فتویٰ نے اس کو اتنی اہمیت دی ہے۔

(۲۱) فتاویٰ رضویہ، تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے ربع اول میں لکھا گیا ہے اس کے مصنف امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ ہیں آپ کا یہ فتاویٰ رضویہ جامع مبسوط مدلل مبرہن ہے یہ ضخیم

فتاوٰی رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ فاضل بریلوی کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر مکمل عبور تھا۔ فقہ میں آپ کو بہت بڑی وسعت حاصل تھی جس کی نظیر آپ کے دور میں ملنی مشکل ہے ایک ندوی فاضل علامہ عبدالحی ندوی "نزہتہ الخواطر" میں آپ کے فقہی تبحر کے متعلق لکھتے ہیں۔ "بندر نظیرہ فی عصرہٖ فِی الاطلاع عَلَی الفقہِ الحنفی وجزئیاتہ ویشہد بِذالک مجموع فتاواہ وکتابہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" یعنی فقہ حنفیہ اور اس کی جزئیات (فروعات) پر جو آگاہی آپ کو حاصل تھی اس کی نظیر آپ کے زمانے میں ملنا ناممکن ہے میرے اس قول پر آپ کا فتاوٰی اور آپ کی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" شاہد ہے اور فتوٰی نویسی میں آپ کا یہ طریقہ ہے کہ جو مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو اس مسئولہ کے کسی پہلو کو بھی تشنۂ بحث و تنقیح نہیں چھوڑتے تھے اس کے تمام پہلوؤں پر قوی استدلال پیش فرماتے کتب متقدمین و متاخرین متون اربعہ ان کے شروح اور حواشی اور تعلیقات کے علاوہ احادیث نبویہ اور ساتھ ساتھ ان احادیث پر جرح و تنقید اور تخریج احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں غرضیکہ فتاوٰی رضویہ ایک عظیم فتاوٰی ہے اس فتاوٰی رضویہ کو بہت بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۲۶ نومبر ۱۹۸۸ء

کتاب العقائد!

(۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا دعوٰی ہے کہ وہ حنفی اور سُنّی العقیدہ ہے مگر اس کے آباؤ اجداد کی قبروں پر کلمہ طیبہ کے ساتھ ان کلمات کا اضافہ ہے لا اِلٰہَ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ، اس کے سُنّی العقیدہ رشتہ داروں نے کلمہ مذکورہ کو ختم کر کے صرف کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ لکھنے کو کہا مگر اس نے جواباً یہ کہا کہ یہ کلمہ میں نے عقیدے کی بنا پر لکھا ہے اور اس کلمہ کو مٹا کر میں خدا اور رسول کی ناراضگی ہرگز مول نہیں لونگا بہر صورت اس مسئلہ کی شرعی حیثیت بیان فرمائیں۔ یہ کہاں تک درست ہے اور ایسے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے اور اس کو نکاح وغیرہ دینا کیا جائز ہے یا نہ فتوٰی تحریر فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

المستفتی

حافظ محمد نذیر (صاحب) مکان نمبر ۲۷۴ کلفٹن روڈ

برمنگھم برطانیہ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ء

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب!

تمام مسلمانوں کا یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ کلمہ طیبہ صرف اور صرف لَا اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ محمد رسول اللہ ہے اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے قرآن و سُنّت سے یہی کلمہ ثابت ہے، علی ولی اللہ کا اضافہ ثابت نہیں ہے بلکہ کتب شیعہ میں بھی اسی کلمہ طیبہ کا ثبوت ملتا ہے حضرت ابوذر غفاری المتوفی ۳۲ھ نے جب اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمّد رسول اللہ پڑھایا تھا، ملا باقر مجلسی المتوفی ۱۱۱۱ھ، جو کہ شیعہ کے مجدد اور مجتہد ہیں لکھتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر غار حرا سے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ علیہا السلام (المتوفاۃ ۱۰ نبوت) سے فرمایا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر حکم ہوا کہ تمام لوگوں کو کہو کہ یہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللہ پڑھیں (روضہ کافی ص ۲۹۸، حیات القلوب ص ۳ و ص ۲۶۳ ج ۱، اصول کافی ص ۲۶ ج ۳، من لا یحضرہ الفقیہ ص ۶۵ ج ۱، نہج البلاغہ ص ۱۲۵ جلد ۲، جلاء العیون ص ۲۷، احتجاج طبرسی ص ۲۸، تاریخ الائمہ ص ۱۱۴ منہاج التبلیغ ص ۲۶۰) اس سے ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے اس میں اضافہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کا جائز نہیں ہے۔ بلکہ کوئی آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اگر کوئی شخص اس کلمہ طیبہ کو صحیح کلمہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ کلمہ کی تکمیل علی ولی اللہ وصی رسول اللہ سے ہوتی ہے تو وہ خود ہی مسلمان نہیں رہتا کیونکہ اس نے تمام مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھا علامہ ابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں کہ اس شخص کی تکفیر واجب ہے جو مسلمانوں کو کافر سمجھے جو شخص علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کو جزء ایمان سمجھنے کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اس کلمہ اضافیہ کے سوا کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا وہ خود مسلمان نہیں

ہے، جہاں تک عقیدہ اور ایمان کا تعلق ہے اس میں مطابقت لازم ہے اگر ایک آدمی زبان سے کہتا ہے کہ میں سُنی العقیدہ ہوں لیکن عملاً وہ شیعہ ہے تو پھر وہ سُنی نہیں بلکہ منافق شیعہ ہے قرآن پاک میں ہے ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وماھم بمؤمنین کہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہمارا اللہ اور دن قیامت پر ایمان ہے مگر یہ مؤمن نہیں کیونکہ جب منافقین کفار سے ملتے ہیں تو ان کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اسی طرح اگر ایک آدمی اپنے کو سُنی کہلاتا ہے، لیکن عملی طور پر شیعہ ہے، جیسے کہ سوال میں مذکور ہے کہ وہ اپنے متعارے کلمہ اہل تشیع نہیں مٹاتا بلکہ وہ اس کو جزء ایمان سمجھتا ہے تو یہ شخص ہرگز ہرگز اہل سنت سے نہیں ہے بلکہ شیعہ ہے اور شیعہ بھی منافق، فتاوی رضویہ میں ہے جو رافضیوں میں رافضی اور سُنیوں میں سُنی بنتا ہے جب تو ظاہر ہے وہ رافضی بھی اور منافق بھی، اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام جب ایک چیز میں حلت اور حرمت دونوں جمع ہو جائیں تو غلبہ حرمت کو ہوگا۔ یعنی ایک شخص اگر سُنی بھی بنتا ہے اور شیعہ تو وہ شیعہ ہوگا اور شیعہ رافضی ضروریات دین کے منکر ہیں، لہٰذا ان کے کفر میں شک نہیں ہے بلکہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے، احکامھم احکام المرتدین۔ ان کے احکام مرتدین کے ہیں اور مرتد کے ساتھ کسی سُنیہ عورت کا نکاح کر دینا ناجائز و حرام ہے فتاوی رضویہ میں ہے کہ ان سے مناکحت حرام قطعی و باطل محض ہے (فتاوی رضویہ ص ۱۲۳) اس سے ظاہر ہے کہ جو شیعوں میں سُنی بنے اور شیعہ میں شیعہ بنے وہ سُنی نہیں بلکہ منافق شیعہ ہے اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور اس کا کسی سُنیہ عورت کے ساتھ نکاح ہرگز جائز نہیں ہے۔

وَاللہ ورسُولُہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسُول

برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۶ء

۲ الاِستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ جب اللہ نے بندہ کی تقدیر میں ہر چیز لکھ دی ہے تو پھر بندہ اپنے فعلوں میں مجبور محض ہُوا اور جب وہ کوئی کام غلط بوجہ مجبوری کریگا تو پھر اس میں اس کا کیا قصور ہُوا پھر یہ کہنا کہ غلط کام کی وجہ سے وہ دوزخ میں جائے گا اس کا کیا مطلب ہے، دوزخ میں تب جاتا جب اپنے اختیار سے وہ غلط کام کرتا امید ہے کہ آپ اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمائیں گے۔

سائل

سید عبدالحمید شاہ (صاحب) شافعی

کونٹری روڈ اسمال ہیتھ مکان نمبر ۵۵۴ برمنگھم، برطانیہ

الجواب ھوالموفق للصدق والصّواب

یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالٰے نے عالم ازل میں ہر بھلائی اور بُرائی لکھ دی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے معلوم کرلیا اور لکھ دیا یہ نہیں ہے، جیسا اس نے لکھ دیا ہے ویسے ہم کو کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسے اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ بُرائی لکھی، اس لیے کہ زید بُرائی کرنے والا تھا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اس کے لیے بھلائی لکھتا تو اس کے علم یا لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا، سائل نے سمجھا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کے لکھ دینے سے جبر لازم نہیں آتا جبر تب لازم آتا وہ لکھ دیتا اور ہم کو کرنا پڑتا یہ صورت نہیں ہوتی بلکہ اصل یہ ہے کہ جیسے ہم کرنے والے تھے اس نے اپنے علم سے جان لیا ویسے اس نے لکھ دیا اس میں کہاں جبر ہے کیونکہ جبر کے دو معنے ہیں۔

۱ ایک جبر کے معنی اکراہ کے ہیں یعنی کسی کی رضامندی اور اختیار کے خلاف اس سے کام لینا اس معنے سے اللہ تعالٰے نے کسی پر جبر نہیں کیا، اس لیے کہ جب وہ بندوں سے کسی عمل کرانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے اختیار بخش دیتا ہے، پھر ان میں اس عمل کرنے کی رغبت یا اس سے نفرت پیدا فرما دیتا ہے حتیٰ کہ جب وہ کسی کام کو کرتے ہیں یا نہیں کرتے دونوں صورتوں کو اپنی خوشی اور اختیار سے ہی کرتے ہیں یہ اللہ تعالٰی کی کمال قدرت ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار ورغبت سے وہی کرا لیتا ہے جو اس کی مرضی ہوتی ہے لہٰذا وہ کسی پر جبر کرے تو کیونکر کرے۔ ایسا جبر تو وہ کرتا ہے جس کو دوسرے کو مختار بنا کر اس کی خوشی سے کام لینے کی قدرت حاصل نہ ہو لیکن جس کو یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ دوسرے کو مختار بنا کر اس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا داعیہ پیدا فرما سکے تو اس کو اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی سے زبردستی کام لے بندہ کو چونکہ وسیع قدرت حاصل نہیں ہوتی اس لیے لازمی طور پر اس کو دوسروں کو مجبور کرنا پڑتا ہے اور اس طرح وہ ان کو مجبور کرکے اپنی منشاء اور مرضی کے مطابق کام لے لیتا ہے۔

۲ جبر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی میں اختیار کی صفت پیدا کرکے پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے لینا اس لحاظ سے بے شک اللہ تعالٰے

جبر کر سکتے ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم جبار بھی ہے
چنانچہ محمد بن کعب قرظی المتوفی ۱۱۸ھ اس اسم کی تشریح میں فرماتے ہیں۔
ھو الذی جبر العباد علی ما اراد یعنی جبار اس کو کہتے ہیں جو اختیار فرما کر اپنی مرضی کے مطابق کام لے (منہاج السنۃ ص ۱۵ ج ۱، ترجمان السنۃ ص ۲۴ ج ۲) اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ بندہ میں قدرت و اختیار کی صفت ہے، لیکن اس صفت اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں بلکہ ہماری یہ صفتِ اختیار اللہ تعالیٰ کی صفت مشیت کے ماتحت ہے لہٰذا بندہ جو کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن اپنے اختیار سے وہی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بندہ نہ مجبورِ محض ہے، کیونکہ یہ جبر کا عقیدہ ہے جو کہ کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال صرف اللہ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں اس میں بندہ میں کوئی قدرت نہیں ہے اور نہ ہی بندہ مختارِ مطلق ہے، کیونکہ یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ بندہ میں صفت قدرت ہے، جس کی تاثیر سے انسان سے افعال کا صدور ہوتا ہے، جب بندہ نہ مجبورِ محض ہوا اور نہ مختارِ مطلق تو ایک لحاظ سے بندہ جو کرتا ہے یقیناً اپنے اختیار سے کرتا ہے اور مختار ہے اور ایک لحاظ سے کہ بندہ اختیار وہی کر سکتا ہے جو مشیت الٰہیہ ہوتی ہے بمنزلہ مجبور ہے یہ ایسا جبر ہے جو جبر مطلق نہیں ہے کیونکہ جبر مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس ہوتی ہے مثلاً اگر کسی مومن کو کلمۂ کفر پر مجبور کیا جائے تو اگرچہ وہ کلمۂ کفر زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا ہے کہ میرے ساتھ جبر ہو رہا ہے لیکن جو جبر یہاں ہے اس میں ارادہ مجبور کے ساتھ کوئی مزاحمت

نہیں ہوتی انسان جو کام بھی کرتا ہے وہ اپنے احساس کے مطابق آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے، حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اس کو بتایا بھی جائے تو وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے جس طرح یہاں بندوں کا جبر جبرِ مطلق سے ممتاز ہے اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ بندہ جو چاہے اختیار نہیں کر سکتا بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے مختار مطلق تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے حقیقت یہ ہے، کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے مگر چاہتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے اب اگر اس اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے آپ کو مجبور کہتا ہے تو یہ اس کی مرضی ہے ورنہ وہ ایسا مجبور ہے جو معذور نہیں ٹھہر سکتا، پروردگار عالم کی خالقیت کا یہ کرشمہ بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبور کو اپنی حکمت سے ایسا مختار بنا دیا ہے کہ وہ جبر محسوس نہیں کرتا حالانکہ جبر کی گرفت اس پر اس درجہ سخت ہے کہ وہ ذاتی طور پر حرکت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا دراصل یہ صورت اس لیے پیدا ہوگئی ہے کہ یہاں افعال پر جبر نہیں ہے۔ افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں مگر خود اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا یہ صفت صرف ربّ قدیر کی ہے کہ وہ بندوں کے اختیار پر حکومت کرتا ہے۔ قضا و قدر کے رازہائے سربستہ سب اسی نکتہ میں پنہاں ہیں۔ بندہ مجبور ہو کر اپنے مختار ہونے کا مدعی بھی اسی لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار ہی اختیار محسوس ہوتا ہے چونکہ بندہ کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی مزاحمت محسوس نہیں ہوتی اس لیے اوپر والے جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا اور جب جبر و اختیار اس طرح مدغم ہو جائیں تو پھر اپنے افعال پر مسئول (کہ بندہ سے باز پرس)

ہونے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے کیونکہ جب بندہ مختار ہے تو اپنے افعال سے اس کو سوال نہیں ہونا چاہیئے لیکن جب اپنے ارادے سے غلط کام کرتا ہے تو پھر لازمی طور پر اس سے پوچھنا چاہیئے کہ تم نے جان بوجھ کر غلط کام کیوں کیا ہے۔ اگر دُنیا میں رہ کر اپنے اختیار سے کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو وہ دُنیا میں بھی بُرا کہلاتا ہے جب ان افعال پر دُنیا میں تعریف مذمت کرنا عقل کے لحاظ سے جائز ہوئی تو آخرت میں بھی جائز ہونی چاہیئے لہٰذا آخرت میں اگر بُرے کام پر بندہ کو سزا ملے تو اس میں کیا قباحت ہے اگر سائل کہے کہ اگر بُرے کام پر سزا ملنی ہی تھی تو بُرے کام کو پیدا کیوں کیا تو جواب یہ ہے کہ ایک خلق ہے اور دوسرا کسب، خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے دیکھئے انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہوتا ہے جیسے کہ کپڑے کے ساتھ سفیدی اور سیاہی، جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں تو ان افعال کے لحاظ سے بندے کو بُرا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے، جیسا جو نماز پڑھے گا اس کو نمازی اور جو زنا کرے گا اس کو زانی مگر مخلوق خالق سے علیحدہ رہتی ہے، وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہوتی اس لیے بُری مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصف نہیں ہوگی، البتہ اس بُری مخلوق کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے اور صفت خلق (پیدا کرنا) ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا کمال ہے اسی لیے ناقص جو ہے نہ وہ خیر پیدا کر سکتا ہے اور نہ شر کیونکہ خلق (پیدا کرنا) مطلقاً ایک کمال ہے سائل اگر یہ خیال کرے کہ شر (زنا) کا پیدا کرنا کیسے کمال ہے تو جواب یہ ہے کہ کمال تو یہ چاہتا ہے کہ مہر و قہر دونوں کا ہی ظہور ہو اس لیے ضروری ہوا کہ دونوں کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں اور ساتھ ہی جزا و سزا کا عنوان یہ چاہتا ہے کہ جزا اور سزا میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے عمل پر اچھی جزا اور بُرے عمل پر اس کی سزا دی جا سکے اسی لیے تو ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے دیا جائے اس تناسب کے لیے جتنا اختیار

عقلاً ممکن تھا وہ عطا کر دیا گیا اور اسی پر جزا و سزا کو دائر کر دیا گیا جب خلق کفر و زنا میں ظہور قہر کی مصلحت بھی ہو تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے کافر کے حق میں اگرچہ کفر قبیح ہے لیکن خالق کے حق میں قبیح نہیں ہے بلکہ مظہر کمال ہے دیکھئے بیت الخلاء خود کتنی حقیر چیز ہے لیکن بڑی سے بڑی کوٹھی بھی اس وقت تک ناقص رہے گی جب تک یہ ناقص در ناقص چیز موجود نہ ہو جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے اسی طرح جہان کے کمال کے لیے بھی صدیق اکبر مؤمن کے بالمقابل ایک ابوجہل جیسے کافر کی بھی ضرورت ہے، پھر جس طرح ایک کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا کسی کو حق نہیں کہ اس زمین نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو بیت الخلاء بنا دیا اور اس ٹکڑے میں کیا کمال تھا کہ اس کو شہ نشین بنا دیا اسی طرح یہاں بھی سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابوجہل نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا اور صدیق اکبر میں کیا کمال تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا یہ سب مالک قدیر رب جلیل کے اپنے پسند کی بات ہے اسی لیے فرمایا۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ مالک اور مختار مطلق سے سوال کرنے کا کیا مطلب ہے سوال تو بندوں سے ہوتا ہے از جہان السنۃ ص۴۱ و ص۴۲ جلد نمبر۲) اہل السنۃ (ماتریدیہ و اشاعرہ) دونوں کا تقدیر[1] کے معاملہ میں یہ مسلک ہے

[1] تقدیر تین قسم پر ہے۔ (۱) مبرم حقیقی کہ علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں ہے۔ (۲) معلق محض کہ ملائکہ کے صحیفوں میں کسی شے پر اس کا معلق ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے۔ (۳) معلق شبیہ بہ مبرم کہ صحف ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں ہے اور علم الٰہی میں تعلیق ہے، تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہو مثلاً زید نے اگر والدین کی تابعداری کی تو اس کی عمر ۶۰ سال ہوگی اگر نافرمانی کی تو ۵۰ سال ہوگی جو تقدیر مبرم حقیقی ہے اس میں تبدیلی ہرگز نہیں ہوتی اور جو معلق محض ہے اس تک اکثر اولیاء کی رسائی ہو سکتی ہے اور تیسری قسم ہے یعنی (بقیہ حاشیہ ص پر)

کہ بندہ نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختار مطلق ہے بلکہ ایک لحاظ سے مختار ہے۔ اور ایک لحاظ سے مجبور ہے البتہ دونوں میں گہرا فرق ہے جسکی تفصیل آگے آرہی ہے جب بندہ میں جبر اور اختیار ملا ہوا ہے یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختار کو مجبور کر دیا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ مجبور کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا ہے قابلِ غور بات تو یہ تھی کہ جو اصل سے موجود نہ تھا وہ مختار کیسے تھا یہ تو اس ذات کا کرم ہے کہ پہلے انسان جماد تھا پیدا فرما کر سمیع و بصیر و مختار بنا دیا جب بندہ مختار ہے اور افعال اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے اور جبر اس کے اختیار پر ہے اعمال اور افعال پر جبر بھی نہیں ہے لہٰذا ایسے مختار سے ضرور سوال ہونا چاہیئے کیا اس سے دُنیا میں سوال نہیں ہوتا اگر اچھا کام کرتا ہے تو لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اگر بُرا کرتا ہے تو لوگ مذمت کرتے ہیں جب دُنیا کے اندر یہ بات عقلاً درست ہے تو آخرت میں کیوں نہیں ہوسکتی اگر نماز پڑھے گا تو عمل نماز کے ساتھ متصف ہو کر نمازی کہلائے گا اور آخرت میں جزا کا مستحق ہوگا اور اگر زنا کرے گا تو عمل زنا کے ساتھ متصف ہو کر زانی کہلائے گا اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا کسب کے لحاظ سے یہ افعال بندہ کے

(بقیہ حاشیہ از ص معلق شبیہ بہ مبرم جو کہ ملائکہ کے صحف کے اعتبار سے مبرم ہے اس تک اکابر اولیاء کی رسائی ممکن ہے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تقدیر مبرم کو ٹال دیتا ہوں وہ یہی ہے اور اس کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے۔ "ان الدعاء یرد القضاء بعد ما ابرم" "بیشک دُعا قضا مبرم کو ٹال دیتی ہے"

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبرا

لندن "یوکے"

ساتھ ہی متصف ہوں گے البتہ کسب کی تفسیر میں اشعریہ اور ماتریدیہ کا باہمی جو کچھ گہرا اختلاف ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اشعریہ کہتے ہیں کہ بندہ میں صفت قدرت تو ہے مگر اس کی اس کے افعال میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو پیدا فرما دیتا ہے گویا ان کے نزدیک بندہ نہ تو جبریہ کی طرح مجبور محض ہے اور نہ معتزلہ کی طرح مختار مطلق، بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جبریہ کے نزدیک بندہ میں نہ قدرت ہے اور نہ ارادہ بلکہ نہ فعل وہ بالکل جماد محض ہے اور بے اختیار ہے اور اشاعرہ قدرت اور ارادہ اور فعل تینوں کے قائل ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ بندہ کی قدرت کو اس کے صدور افعال میں کوئی تاثیر نہیں ہے اس کے افعال کو اللہ تعالیٰ خود پیدا فرما دیتا ہے اسی طرح بندہ میں صفت ارادہ بھی ہے اور اس کے افعال اس ارادہ کی طرف منسوب بھی ہوتے ہیں مگر ارادہ و اختیار کی یہ صفت از خود انسان میں نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ خود انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کی اس صفت ارادہ و اختیار بلکہ تمام صفات کو بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے اسی وجہ سے انسان کو مختار کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اختیار خود اس کے اختیار میں نہیں ہے اس لحاظ سے اس کو مجبور بھی کہا جاسکتا ہے، لہٰذا کہا جاتا ہے کہ بندہ مختار بھی ہے اور مجبور بھی یعنی اپنے افعال میں تو مختار ہے، کیونکہ صفت اختیار اس میں پیدا کی گئی ہے اور خود اس صفت اختیار میں مجبور ہے اشاعرہ نے صفت قدرت کا اقرار کر کے اپنے مذہب کو جبریہ کے مذہب سے ممتاز کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر چونکہ قدرت غیر موثرہ کے اقرار اور نفس قدرت کے انکار میں بلحاظ نتیجہ کوئی فرق نہیں نکلتا اس لیے ان کا مذہب جبریہ کے مذہب سے زیادہ ممتاز نظر نہیں آتا اب اشعریہ پر دو سوال وارد ہوتے ہیں جن کی تنقیح یہ ہے۔

۱۔ انسانی افعال میں جب بندہ کی قدرت کی کوئی تاثیر نہیں ہے تو پھر یہ

کہنا کیونکر صحیح ہوا کہ بندہ کے فعل بندہ کے ہی ہیں اس تنقیح کا جواب یہ ہے کہ اشعریہ کے نزدیک یہ افعال جو انسان کی طرف منسوب ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ جب بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت کاملہ سے اس بندہ میں پیدا فرما دیتا ہے۔ بس انسان کا ان افعال کے لیے محل ہونا منسوب ہونے کے لیے کافی ہے اسی کا نام کسب ہے گویا اب بندوں کے افعال کا حاصل یہ ہے کہ وہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی ہیں اور مکسوب بندوں کے ہیں۔ لیکن چونکہ بندہ کا محل بننا یہ ہوتا ہے اس کی صفت اختیار کے ساتھ ساتھ اس لیے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ افعال اسی کے اختیار سے ہو رہے ہیں اور خالق حقیقی پردۂ غیب میں ہے اس لیے یہ حکم لگانے کا موقع مل جاتا ہے کہ یہ افعال انسان کی ہی قدرت کے پیداوار ہیں۔

۲- اگر افعال انسانیہ میں بندہ کی قدرت کی تاثیر نہیں ہے تو پھر اس کو جزا و سزا کیسے ہوگی اس تنقیح کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ افعال کے لیے محل ظہور ہوا اور افعال اس کے ساتھ قائم ہوئے تو یہ قیام ہی جزا اور سزا کے لیے کافی ہے گویا کہ جزا و سزا کے لیے افعال کا اختیار کے ساتھ صدور ضروری نہیں بلکہ صرف قیام ہی کافی ہے ان تنقیحات کے جواب سے بھی اتنی وضاحت نہیں ہو سکتی جتنی چاہیئے تھی کیونکہ قدرت کا بالکلیہ انکار اور قدرت غیر موثر کا اقرار بات کو نکھرنے نہیں دیتا اور صرف یہ کہہ دینا کہ کسب بندہ کا اپنے لیے صرف محل بن جانا یہی اس کو مختار بننے کے لیے کافی ہے کوئی واضح بات نہیں ہوتی۔ لہٰذا ماتریدیہ کہتے ہیں کہ بندہ جب کوئی فعل کرتا ہے تو یہاں دو چیزیں واضح طور پر نظر آتی ہیں (۱) ایک اس بندہ کا فعل (۲) دوم اس فعل کی ہیاۃ (شکل و صورت) پہلی چیز کو معنیٰ مصدری اور دوسری چیز کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں مثلاً جب

کوئی شخص اپنا ہاتھ اوپر سے نیچے ہلاتا ہے تو ایک چیز تو اس کا یہ ہلانا اور حرکت یہ تو معنے مصدری ہیں دوسری چیز وہ نقشہ ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہاتھ کے اوپر سے نیچے آنے میں نظر آتا ہے یہ حاصل بالمصدر کہلاتا ہے ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ فعل تو ایک موجود چیز ہے اور انسان کے ہاتھ کے ساتھ قائم ہے دوسری چیز صرف اعتباری ہے اس کا خارج میں کہیں وجود نہیں ہے نہ وہ جوہر ہے اور نہ وہ عرض ہے گویا کہ معنے مصدری تو موجود ہے گو اس کا وجود خود قائم نہیں۔ بلکہ ہاتھ کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن حاصل بالمصدر موجود ہی نہیں ہوتا اور وہ صرف ایک اعتباری اور خیالی حقیقت ہے جیسے کہ کسی تنکہ کو روشن کر کے دائرہ کی شکل پر زور سے حرکت دی جائے تو حرکت کی سرعت کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے ایک روشن دائرہ سا معلوم ہونے لگتا ہے اس دائرہ کا بھی حقیقۃً کوئی وجود نہیں ہوتا اسی طرح حاصل بالمصدر کا بھی وجود محض خیالی ہوتا ہے اس لیے اگر وہ خدا تعالیٰ کی خالقیت سے خارج ہے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے اشعریہ اس اعتباری حرکت کو بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق قرار دیتے ہیں بہر حال بندوں کے افعال میں جملہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں اور بندہ صرف کاسب ہے اختلاف اشعریہ اور ماتریدیہ کا ہے تو کسب کی تفسیر میں۔ اشعریہ انسان کے ساتھ ان افعال کے صرف قیام کو کسب فرماتے ہیں اور ماتریدیہ حاصل بالمصدر کو کسب کہتے ہیں (ترجمان السنۃ ص۳) تقدیر کا مسئلہ چونکہ نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے جب انسان اپنے وجدان کی طرف غور کرتا ہے تو اپنے کو مختار پاتا ہے اور جب مذہب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اس کو تعلیم دیتا ہے تمہارے تمام افعال ارادہ الٰہیہ کے تابع ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ قدرت کے سامنے مجبور ہے جب ایک طرف بندہ کا وجدان ہے اور دوسری طرف مذہب ہے اسی بناء پر اہل سنت نے مسئلہ

تقدیر میں راہ تفویض و تسلیم اختیار کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ بندہ مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے اور مختار ہونے کے لحاظ سے مسئول عنہ بھی ہے اگر اچھا کام کرے گا تو قیامت میں جزاء کا مستحق ہوگا اگر برا کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ مسئلہ تقدیر میں گفتگو کی تان جس جگہ جا کر ٹوٹتی ہے وہ یہی جزاء اور سزا کا مسئلہ ہے لہٰذا سائل کو یہ حدیث پڑھ کر اس پر غور کرنا چاہیئے جس کو ابن دیلمی المتوفی ۵۵ھ نے ابی بن کعب المتوفی ۱۹ھ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں ابی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہات پڑ گئے ہیں لہٰذا آپ کچھ فرمایئے شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے قلب سے ان کا ازالہ فرمادے، انہوں نے فرمایا سنو! اگر اللہ تعالےٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں ڈال دے تو بھی اس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا اور اگر سب پر رحم فرمادے تو اس میں کسی کا استحقاق نہیں ہے۔ اس کی رحمت ان کے اعمال سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ سنو جب تک تم تقدیر پر یقین نہ رکھو کہ جو کچھ تم کو پہنچ گیا ناممکن تھا کہ نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ بھی غیر ممکن تھا کہ تم کو پہنچ جاتا۔ اس وقت تک تم اگر اللہ کے راستے میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خیرات کر ڈالو۔ جب وہ تم سے قبول نہ فرمائے گا۔ ولو مُتّ علیٰ غیر ھذا لدخلت النار اور اگر اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مروگے تو یاد رکھو! دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن دیلمی کہتے ہیں اس کے بعد میں عبد اللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی یوں ہی فرمایا اور پھر میں حذیفہ بن یمان المتوفی ۳۵ھ، کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی یوں ہی فرمایا اور پھر میں زید

بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے یہ مضمون خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے نقل فرمایا (امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، امام حاکم) اس سے ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نیک کو دوزخ میں داخل کردے اور نافرمان کو جنت میں تو پھر بھی اس مختار کل کی بارگاہ میں یہ انصاف ہی انصاف ہے، بلکہ مسلمان کے لیے یہ اعتقاد رکھنا مسئلہ تقدیر کی جان ہے۔ کیونکہ عدل وانصاف ہر اس تصرف کو کہتے ہیں جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے اور ظلم کہتے ہیں کسی کے حق دبا لینے کو اب سوچیے کہ زمین و آسمان میں ایسا کون ہے جس کو ثواب دینا حق تعالیٰ پر لازم ہو اگر یہ کسی بندے کا حق نہیں تو کسی کو بھی جنت عطا نہ فرمائے تو ظلم کیوں ہو بلکہ چونکہ یہ تصرف ہی اپنی ملک میں ہوگا اس لیے اس کو عین عدل کہا جائے گا اور رحم و فضل یہ ہے جو کسی کا حق نہ ہو اس کو اپنے محض کرم سے عطا کر دینا، لہٰذا اگر وہ سب کو ثواب اور جنت عطا فرمادے تو یہ اس کا فضل ہی فضل ہوگا۔ فضل کے متعلق یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ فلاں شخص پر فضل کیوں اور فلاں پر فضل کیوں نہیں کیا یہ تو مالک کی اپنی مرضی ہوتی ہے، جس پر چاہے کرے اور جس پر چاہے نہ کرے، پھر وہ جیسے مالک ہے وہ حکیم بھی ہے اور اپنی حکمت سے خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے فضل کا محل بنایا ہے اور کس کو نہیں (شرح عقیدہ طحاویہ ص۳۰۲، ترجمان السنۃ ص۲۶۷)

الغرض خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ مجبور محض نہیں ہے جیسا کہ سائل نے سمجھا ہے بلکہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے، جہاں تک بندہ کے مجبور ہونے کا تعلق ہے وہ جبر اس کے اختیار پر ہے افعال پر نہیں ہے، جب وہ اپنے افعال پر مختار ہے تو جب وہ کوئی فعل اور عمل کرے گا تو اپنے اختیار سے کرے گا، جس پر جزاء و سزا کا مرتب ہونا ایک امر معقول ہے اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں ہر چیز لکھ دی ہے، لیکن لکھا اس طرح ہے کہ جیسے ہم کرنے والے تھے اس نے اپنے علم

سے جان لیا ویسے اس نے لکھ دیا اس سے افعال پر جبر لازم نہیں آتا افعال پر جبر تو تب لازم آتا کہ وہ لکھ دیتا ہم کو وہ کرنا پڑتا یہ صورت نہیں ہوئی، بلکہ ہوا یوں ہے کہ جیسے ہم کرنے والے تھے اس نے جان لیا ویسے اس نے لکھ دیا اس لکھنے سے بندہ کے فعلوں پر جبر لازم نہیں آتا بلکہ بندہ فعل اپنے اختیار سے کریگا جب عمل اور کام اپنے اختیار سے کرے گا تو جزا و سزا بھی عقلاً مرتب ہو گی کیونکہ یہ فعل اور کام جو وہ کر رہا ہے وہ اس بندہ کے ساتھ ہی قائم ہے اگر بندہ بُرا کام کرتا ہے تو تمام لوگ اس کو بُرا کہتے ہیں اگر اچھا کام کرتا ہے تو تمام اس کو نیک کہتے ہیں جب افعال پر دُنیا میں تعریف و مذمت کرنا عقل کے لحاظ سے جائز ہے تو آخرت میں بھی جائز ہو گی بُرے کام کا کسب کرنا بُرا ہے اس کی تخلیق بُری نہیں ہے تخلیق تو مطلقاً ایک کمال ہے تمام اہل حق اس پر متفق ہیں کہ بندوں کے تمام افعال کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور بندہ ان افعال کا کاسب ہے۔ کیونکہ ان افعال پر جبر نہیں ہے، کسب کی وجہ سے ہی یہ افعال بندہ کے ساتھ متصف ہوتے ہیں ان افعال سے بندہ ہی متلذذ و متألم (دردناک) ہوتا ہے لہذا جزاء و سزا کا مستحق بھی بندہ ہوگا کسی کو جزا و سزا یا ثواب دینا یہ بندہ کا حق نہیں ہے۔ اور نہ کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے جنت ملنی چاہیئے کہ جنت میرا حق ہے اور فلاں کو دوزخ میں جانا چاہیئے کہ وہ اس کا حق ہے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو دوزخ میں ڈال دے تو اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے وہ اپنے ملک میں تصرف کر رہا ہے جو کہ عین عدل ہے اگر تمام لوگوں کو جنت میں داخل فرما دے تو یہ اس کا فضل ہی ہے یہاں بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے تمام پر کیوں فضل کیا ہے۔ وہ مختار مطلق ہے جو چاہے کرے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول

برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۳) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اندریں مسئلہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں لکھنا چاہیئے کیونکہ یہ لفظ (علیہ السلام) انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا جواب مطلوب ہے۔

سائل

سید عبدالحمید شاہ صاحب

کونٹری روڈ مکان نمبر ۲۴۵، برمنگھم، برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب!

امام حسین علیہ السلام و دیگر ائمہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا جائز ہے امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت آپ کے ساتھ سلام میں مساوی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا سلام علیٰ آلِ یاسین (صواعق محرقہ ص ۹۹) شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ، فرماتے ہیں کہ متقدمین میں اہل بیت رسول العربی اور ازواج مطہرات پر سلام کہنا متعارف تھا اور مشائخ اہل سنت کی کتابوں میں اس کی کتابت پائی جاتی تھی (اشعۃ اللمعات ص ۲۳۲) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں کہ لفظ سلام کا غیر انبیاء کی شان میں کہہ سکتے ہیں۔ جس کی سند یہ ہے کہ اہل سنت کی کتب قدیمہ حدیث میں علی الخصوص

ابوداؤد وصحیح بخاری میں حضرت علی وحضرات حسنین وحضرت فاطمہ وحضرت خدیجہ وحضرت عباس کے ذکر کے ساتھ لفظ علیہ السلام مذکور ہے البتہ بعض علماء ماوراء النہر نے شیعہ کی مشابہت کے لحاظ سے اس کو منع لکھا ہے لیکن فی الواقع بزرگوں کی مشابہت امر خیر میں منع نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ پہلی کتاب اصول حنفیہ کی شاشی ہے اس میں نفس خطبہ میں بعد حمد وصلوٰۃ کے لکھا ہے والسلام علی ابی حنیفۃ واحبابہ یعنی سلام نازل ہو حضرت ابو حنیفہ پر اور آپ کے احباب پر اور ظاہر ہے کہ مرتبہ حضرات موصوفین کا جن کا نام نامی اوپر مذکور ہوا ہے، حضرت امام اعظم سے کم نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک بھی لفظ سلام کا ان بزرگوں کی شان میں بہتر ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ لفظ سلام غیر انبیاء کی شان میں کہنا چاہیے، چنانچہ یہ حدیث ہے علیک السلام تحیۃ الموتی یعنی اموات کی شان میں علیہ السلام کہنا ان کے لیے تحفہ ہے یعنی بلاتخصیص ہر میت مسلمان کے لیے لفظ علیہ السلام کا تحفہ ہے تو اہل اسلام میں غیر انبیاء کی شان میں بھی علیہ السلام کہنا شرعاً جائز ہے (فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۳۵) اس سے ظاہر ہے کہ لفظ علیہ السلام امام حسین علیہ السلام واہل بیت اطہار علیہم السلام کے اسماء گرامیوں کے ساتھ شرعاً جائز ہے اور بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی متقدمین کے نزدیک اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ لفظ علیہ السلام کہنا متعارف تھا، امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ ہجر، ابوداؤد المتوفی ۲۷۹ھ ہجر، حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ ہجر، علامہ کرمانی المتوفی ۷۹۶ھ ہجر امام فخرالدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ ہجر، امام کلبی المتوفی ۲۰۴ھ ہجر، علامہ ابوبکر جصاص المتوفی

۳۷۰ھ ہجر، علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ ہجر، محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ ہجر ابن اثیر جوزی المتوفی ۶۳۰ھ ہجر، علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ ہجر، ابن عبد ربہ المتوفی ۳۲۸ھ ہجر قاضی ابوبکر باقلانی المتوفی ۴۰۳ھ ہجر، علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ ہجر، امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ ہجر حافظ ابونعیم اصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ ہجر علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ ہجر، ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ ہجر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ ہجر، محمد قاسم نانوتوی دیوبندی المتوفی ۱۲۹۷ھ ہجر وغیرہم تمام اپنی اپنی کتب وتصانیف میں اہل بیت اطہار کے اسماء کے ساتھ لفظ علیہ السلام لکھتے آئے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ امام حسین واہل بیت اطہار کے اسماء کے ساتھ لفظ علیہ السلام لکھنا اور کہنا جیسے کہ شرعاً جائز ہے اسی طرح تعامل علماء اسلام سے بھی ثابت ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱، برطانیہ

۲۶، جنوری ۱۹۸۸ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شیعہ اور سنی عقائد میں واضح فرق اور اختلاف کیا ہے اور کیا ان کے عقائد صحیح ہیں یا کہ نہیں اور ان کے عقائد کو صحیح ماننا کیسا ہے اور ان کی مجالس ومحافل میں شامل ہونا اور ان کے ساتھ کھانا پینا میل جول اور تعلقات بڑھانا کیسا ہے۔ ۲۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی کتاب رد الرفضہ اور ملفوظات وغیرہ میں انہیں جو کافر کہا ہے وہ کس حد

تک صحیح ہے اور اعلیٰ حضرت نے قرآن پاک کے حوالے سے بھی اور آیت کریمہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ کے حوالے سے بھی انہیں کافر ثابت کیا ہے، تو اس کے متعلق کیسا عقیدہ رکھنا چاہیئے ۳ اعلیٰ حضرت نے ان کی مجالس و محافل میں شامل ہونے والے اور ان کے ساتھ تعلقات اور میل ملاپ رکھنے والے اور ان کی تائید کرنے والے کو بھی جو کافر لکھا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے، ان تمام کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ عوام الناس اس سے مطلع ہو کر گمراہ ہونے سے بچ سکیں۔

سائل

خالد محمود وارنگٹن "یوکے"

۵ اپریل ۱۹۸۰ء

الجواب هُوالموفق لِلصّدق والصّواب

جواب نمبر ① اہل سُنّت اور شیعہ کے مابین عقائد میں فرق ہے یہاں پر صرف چند وجہ سے فرق ملاحظہ کیجیئے۔ ۱ قرآن پاک جو کہ اسلام کی بنیاد ہے اور ہر مُسلمان کے لیے ضروری ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی سچی اور صحیح کتاب سمجھتے ہُوئے اس پر ایمان لائے اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی کا خیال تک بھی نہ کرے، بلکہ جو شخص اس میں کسی قسم کا شک تصور کرے اس کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھے یہی اہل سُنّت کا عقیدہ ہے، لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ یہ اصل قرآن نہیں ہے، بلکہ اصلی قرآن وہ ہے جس کو مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے لکھا ہر زمانہ میں وہ ہر امام کے پاس رہا اب وہ امام مہدی

کے پاس غار سر من رائے میں ہے، جب امام ظاہر ہوں گے تو تین سو تیرہ اصحاب کو قرآن پاک پڑھائیں گے (مجالس المومنین صفحہ ۴۵ ۳ جلد ا) اس سے ظاہر ہے کہ شیعہ کے نزدیک یہ موجودہ قرآن پاک اصلی نہیں ہے بلکہ محرف اور تبدیل شدہ ہے، جبکہ اہل سُنّت بلکہ تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ موجودہ قرآن وہی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل اپنے برحق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا اس سے اگر کوئی ایک حرف کا بھی انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

نمبر ۲ شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت کرام علم و مرتبہ میں انبیاء علیہم السلام سے افضل و برتر ہیں ملاحظہ کیجیئے شیعہ کے ایک راوی علامہ راوندی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۴۸ھ سے روایت کرتے ہیں۔

قال انّ اللہ فضّل اُولی العزم من الرُّسل علی الانبیاء بالعلم وورثنا علمھم وفضّلنا علیھم وعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالا یعلمون وعلمنا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بے شک فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبر رسولوں سے ہیں دیگر نبیوں پر بسبب علم کے اور میراث دی ہم کو اولوالعزم کی اور فضیلت دی ہم کو انبیاء پر اور سکھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ چیز جو نہیں جانتے تھے انبیاء اور علم دیا ہم کو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۱) اس سے ظاہر ہے کہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ آئمہ اہل بیت کرام انبیاء عظام سے افضل ہیں لیکن اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کوئی غیر نبی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا ۳ شیعہ کا عقیدہ بداء

بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ پہلے کسی کام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہیں
دوسرے کام کی مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے کام کے ارادے کو فسخ کر دیتے
ہیں شیعہ کے عظیم مجتہد محمد بن یعقوب کلینی المتوفی ۳۲۹ سنہ ھجری لکھتے ہیں، کہ
ریان بن صلت نے کہا سمعت الرضا یقول ما بعث اللہ نبیاً قط
الا بتحریم الخمر وان یقر لہ بالبداء کہ میں نے امام
علیہ السلام المتوفی ۲۰۳ سنہ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ نہیں مبعوث کیا ہے
اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ہرگز مگر واسطے حرام ٹھہرانے شراب کے اور اس بات
کہ وہ اقرار کرے اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا (تحفہ اثنا عشریہ صـ ۲۷۹ بحوالہ کلینی
اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام
ارادہ کر لیتے ہیں تو وہی کام کرتے ہیں۔ جس کا ارادہ ہوتا ہے
ارادہ کو فسخ اور تبدیل نہیں کرتے قرآن پاک میں اذا اراد شیئاً ان
یقول لہ کن فیکون کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو
کہتے ہیں ہو جا وہ کام ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہو وہ ہو کر رہتی ہے
اس میں تبدیلی ہرگز واقع نہیں ہوتی ع ۴ شیعہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام صحابہ کرام (معاذ اللہ) مرتد اور کافر
ہو گئے سوائے تین صحابہ کے وہ مقداد بن اسود المتوفی ۳۳ سنہ ھجری، سلمان
فارسی المتوفی ۳۵ سنہ ھجری اور ابوذر غفاری المتوفی ۳۲ سنہ ھجری ہیں (رجال کشی
صـ اصول کافی صـ ۳۴۴) اہل سُنت کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام کو مرتد اور کافر
کہے وہ خود مرتد اور کافر ہے۔ ع ۵ شیعہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو
کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّد رسُول اللہ پڑھتے ہیں یہ مسلمان
ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ مؤمن اور مسلمان ہونے کیلئے کلمہ کے

باقر علی ولی اللہ وصی رسُول اللہ و خلیفتہٗ بلا فصل
پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے اگر کوئی شخص حضرت علی کی خلافت، ولایت
اور وصایت پر ایمان نہیں لاتا تو وہ مؤمن اور مُسلمان نہیں ہے۔ اہل
سُنت کہتے ہیں کہ شیعہ کا یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن و سُنت
سے یہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّد رسُول اللہ ثابت ہے۔ علی
ولی اللہ کا اضافہ ثابت نہیں ہے، بلکہ شیعہ کتب سے بھی اسی کلمہ طیبہ
کا ثبوت ملتا ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول
کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد
رسُول اللہ پڑھایا تھا، مُلا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ خلعت نبوت
سے سرفراز ہو کر غار حرا سے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا پڑھو لا اِلٰہ
اِلَّا اللہ محمد رسُول اللہ پھر حکم ہوا تمام لوگوں کو کہ یہی کلمہ لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللہ محمد رسُول اللہ ہی پڑھیں (روضہ کافی صـ ۲۹۸، حیات
القلوب صـ ۳ و صـ ۲۶۳ ج ۱، اصول کافی صـ ۲۰ ج ۲، من لا یحضرہ الفقیہ
صـ ۵ ج ۱، نہج البلاغہ صـ ۱۲۵ ج ۲، جلاء العیون صـ ۲۷۰، احتجاج
طبرسی صـ ۲۸، تاریخ الائمہ صـ ۱۴، منہاج التبلیغ صـ ۲۶) یہ مذکورہ بالا
عقاید صریح کفریہ ہیں جو شخص ان عقاید کو صحیح مانتا ہے وہ مسلمان
نہیں ہے بلکہ شیعہ کی طرح کافر اور مرتد ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی
۱۳۴۰ سنہ ھجری لکھتے ہیں لـہ اگر کوئی رافضیوں سے میل جول کرتا ہے یا دوستی

لـہ اعلیٰ حضرت نے جو یہ کہا ہے کہ شیعہ کافر ہیں اس سے وہ شیعہ مراد ہیں جو
ضروریات دین کے منکر ہیں شیعہ اجتماعی اور قومی طور پر کافر (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اتحاد کا برتاؤ کرتا ہے۔ اگر خود رافضی نہیں تو پھر بھی فاسق ضرور ہے اگر رافضیوں کے عقاید کفریہ خالص پر مطلع ہے اور انکو مسلمان جانتا ہے، جب تو فسق در کنار خود کافر ہے مَنْ شکّ فِی کفرہٖ و عذابہٖ فقد کفر جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے (فتاویٰ رضویہ ص۲۳۴ و ص۲۳۵ و ص۲۴۳ ج ۵) ان کی مجالس میں شرکت کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا اور میل جول رکھنا اور تعلقات قائم کرنا ناجائز ہیں قرآن پاک میں ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ نصیحت کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو، حضرت انس المتوفی ۹۳ھ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نہیں ہیں، بلکہ ان سے ہر شخص کی انفرادی طور پر تحقیق ہوگی اگر اس نے ایسے الفاظ بولے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور اسلام کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تو اس شخص پر انفرادی طور پر کفر کا حکم لاگو ہوگا اجتماعی اور قومی طور پر شیعہ کو کافر نہیں کہا جائے گا، یہی وجہ ہے شیعہ کو کسی اسلامی ملک اور دار الاسلام میں اقلیت قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اقلیت تو صرف قومی کافروں کے لیے ہوتی ہے جو کہ شرعی کافر ہیں۔ کتاب، نبوت، شریعت کے منکر ہیں، جیسے ہندو، سکھ، یہودی عیسائی، مرزائی، کیونکہ مرزائی بھی نئی کتاب، نئی نبوت، نئی شریعت مانتے ہیں، اس لیے اسلامی ملکوں میں ان کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ شیعہ قومی اور اجتماعی کافر نہیں ہیں، ان سے صرف وہی کافر ہوگا جو کہ ضروریات دین کا منکر ہو یا ایسے الفاظ بولے جن سے اسلام کا کوئی پہلو نہیں نکلتا ورنہ شیعہ پر کفر کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

مفتی غلام رسول لندن، برطانیہ۔

میرے لیے اصحاب اصہار چن لیے وسیاتی قوم یسبونھم و ینتقصونھم فلا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں (صحابہ کرام) کو برا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا نہ شادی بیاہ کرنا اس سے ظاہر ہے ان کے ساتھ دوستی پیدا کرنا تعلقات قائم کرنا منع ہیں حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرء مع من احب بہ کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الرجل علی دین خلیلہ آدمی اپنے خاص دوست کے دین پر ہوتا ہے غور کرنا چاہیئے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتا ہے (ابوداؤد، ترمذی) پھر جس کے ساتھ انسان دوستی کرتا ہے اسی کی طرف ہی انسان کا میلان ہوتا ہے دل پلٹنے اور خیال تبدیل ہونے میں کچھ دیر ہی نہیں لگتی محبت میں آدمی اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے حدیث پاک میں ہے حبک الشئ یعمی ویصم (احمد، ابوداؤد) کہ محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دے گی۔ اگر کوئی شخص بد مذہب کے ساتھ محبت اور پیار کرتا ہے تو یقیناً اس کے خیالات سے متاثر ہوگا اسی لیے اسلام نے مذاہب باطلہ کے ساتھ محبت اور دوستی کو منع فرمایا ہے

جواب ۲: شیعہ رافضی چونکہ اسلامی اصول سے منحرف ہیں، لہٰذا ان کے کفر میں شک نہیں امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ المتوفی ۴۰ھ سے روایت کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یظھر فی آخر الزمان قوم یسمون الرافضۃ یرفضون الاسلام آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی جنہیں رافضی کہا جائے گا وہ لوگ اسلام کو بالکل چھوڑ چلے ہوں گے (مسند احمد ص۱۰۳ ج ۱) رد المحتار اور فتاوی عالمگیری میں ہے رد الصحیح

انه کافر وکذٰلک من انکر خلافة عمر رضی الله عنه
فی اصح الاقوال کذا فی الظهیریة وهولاء القوم خارجون
عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین وبهذا
ظهر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوهیة
فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر
صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فهو
کافر لمخالفته القواطع من الدین بالضرورة

اگر شیعہ حضرت عمرؓ المتوفی ۲۳ھ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں یا حضرت علی کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ جبریل نے وحی لانے میں غلطی کی ہے یا ابو بکر صدیق کے صحابی ہونے کے منکر ہیں یا عائشہ صدیقہ المتوفاۃ ۵۸ھ کو متہم گردانتے ہیں تو وہ کافر ہیں کیونکہ وہ قطعی ضروریاتِ دین کا انکار کر رہے ہیں، لہٰذا ان کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے "رد الرفضہ" اور اپنے "ملفوظات" کے علاوہ دیگر تصانیف اور فتاوٰے رضویہ میں جا بجا لکھا ہے کہ آج کل کے تبرائی رافضی شیعہ کافر ہیں یہ عقاید کفریہ رکھتے ہیں ان میں کوئی کم ہی ایسا نکلے گا جو قرآن مجید میں کچھ گھٹ جانا نہ مانتا ہو اور حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی المرتضیٰ و باقی ائمہ اطہار کرام کو حضرات انبیاء سابقین سے افضل نہ جانتا ہو یہ عقیدے کفر خالص ہیں جب شیعہ رافضی کتاب و سنت و اقوالِ صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین کے مطابق کافر ہیں تو ہمیں بھی یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ شیعہ رافضی کافر و مرتد ہیں۔

جواب نمبر ۳: اعلیٰ حضرت نے ان کی مجالس اور محافل میں شامل ہونے والے اور ان کے ساتھ تعلقات اور میل جول رکھنے والے اور ان کی حمایت کرنے والے کو بھی جو کافر لکھا ہے یہ ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو شیعہ رافضیہ کے عقائد پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے، دیکھیئے لکھتے ہیں روافض زمانہ بالعموم کفار و مرتدین ہیں کما حققنا فی رد الرفضہ اور مرتدین سے میل جول حرام جو ان کے عقیدے پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ کہے یا نہ جانے وہ خود کافر ہے من شك فی کفره و عذابه فقد کفر (فتاوٰی رضویہ صفحہ ۲۷ جلد ۲۱۴) ثابت ہوا کہ شیعہ رافضی تبرائی بوجہ عقاید کفریہ رکھنے کے کافر و مرتد ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو ان کی تکفیر کا حکم فرمایا ہے وہ صحیح ہے جو مسلمان ہے اس کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ ہرگز تعلقات قائم نہ کرے قرآن پاک میں صراحتًا موجود ہے کہ ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو جس سے واضح ہے کہ مذاہب باطلہ اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کی بنا پر تعلقات قائم نہیں ہونے چاہئیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برطانیہ

۸ / اپریل ۱۹۸۷ء

⑤ - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام ایسے شخص کے متعلق جو مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے

سوال نمبر ۱: زید کہتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز معاف ہے۔

سوال نمبر ۲: میرے عقیدت مند جب مرنے لگتے ہیں تو حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام میری اجازت سے ان کی روح قبض کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳: قرآن کریم جو تمام دنیا کے مسلمان آج تک پڑھ رہے ہیں وہ غلط ہے۔

سوال نمبر ۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بھی غلط ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مسلمان ہے یا نہیں اور جو مسلمان ایسے شخص سے تعلقات رکھتے ہیں

ان کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب
دیا جائے۔

سائلین " یو کے "

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

رب انی اعوذبك من همزات الشياطين واعوذ بك رب
ان يحضرون و اعوذبك رب من شر الكاذبين و
المرتدين والباطلين والدجالين ۔ صورت سوال میں زید
مذکورہ باطلہ کا حامل وقائل دائرہ اسلام سے خارج ہے اس کے کفروارتداد میں کسی
قسم کا شک نہیں ہے، تمام سوالات کے جوابات کی تشریح وتوضیح درج ذیل ہے۔

جواب نمبر ۱: اسلام میں کبھی بھی کسی سے بلا عذر نماز ہرگز ہرگز معاف نہیں ہوئی نماز
کو اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے بلکہ نماز کا عمل تو قرآن پاک کی نظر میں ایک ایسا
عمل ہے کہ اسے ایمان کہا گیا ہے ماكان الله ليضيع ايمانكم الله
تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا ایمان سے یہاں نماز ہی مراد ہے اس لیے
قرآن پاک میں اور حدیث مبارک میں نماز کی بار بار تلقین وتاکید فرمائی گئی ہے اقیموا
الصلوٰة نماز قائم کرو حافظوا على الصلوات تمام نمازوں کی محافظت
کرو یعنی ہمیشہ پڑھو۔ فويل للمصلين الذين هم عن
صلاتهم ساهون خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے
خبر ہیں فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰة واتبعوا
الشهوات فسوف يلقون غيا ان کے بعد کچھ نالائق پیدا ہوئے
جنہوں نے نمازیں ضائع کردیں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا عنقریب انہیں

عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا قد افلح المومنون الذين هم في
صلاتهم خاشعون وہ مومن کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع
(عاجزی) کرنے والے ہیں واقيموا الصلوٰة ولا تكونوا من المشركين
اور نماز قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ
ابن عمر المتوفی ۷۳ھ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی
الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا
رسول الله واقام الصلوٰة کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر استوار ہے۔
اس امر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول
ہیں اور نماز قائم کرنا۔ (بخاری شریف ص ۱۵۲) حضرت جریر بن عبداللہ المتوفی
۵۱ھ سے مروی ہے بايعت النبي صلى الله عليه وسلم على اقام
الصلوٰة، (بخاری شریف ص ۲۶۵) کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے
پر بیعت کی، حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم کیا گیا ہے جب تک وہ
اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں
اور نماز پڑھیں (سنن ابن ماجہ ص ۵۲) یعنی جو نماز نہیں پڑھتا اس کے ساتھ جہاد اور
لڑائی کا حکم ہے۔ امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ اور امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے ابو
ہریرہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے
تھے، حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں من لم يصل فهو كافر جو نماز نہ پڑھے
پس وہ کافر ہے عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ فرماتے ہیں من ترك الصلوٰة
فقد كفر جس نے نماز چھوڑی اس نے کفر کیا، عبداللہ بن مسعود المتوفی
۳۲ھ فرماتے ہیں من ترك الصلوٰة فلا دين له، جس نے

نماز چھوڑی پس اس کا دین نہیں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ المتوفی ۷۴ھ فرماتے ہیں من لم یصل فھو کافر حضرت ابو درداء المتوفی ۳۲ھ فرماتے ہیں لا ایمان لمن لا صلوٰۃ لہ' بے نماز کے لیے ایمان نہیں ہے امام اسحاق المتوفی ۲۳۸ھ نے فرمایا ان تارک الصلوٰۃ کافر بے شک نماز کا چھوڑنے والا کافر ہے امام ایوب سختیانی المتوفی ۱۳۱ھ فرماتے ہیں من ترک الصلوٰۃ کفر لا یختلف فیہ نماز کا چھوڑنا بلا اختلاف کفر ہے ابن حزم نے حضرت عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن عوف المتوفی ۳۲ھ، معاذ بن جبل المتوفی ۱۸ھ، ابوہریرہ اور دیگر صحابہ سے روایت کی ہے ان من ترک الصلوٰۃ فرضا واحدا متعمدا حتیٰ یخرج وقتھا فھو کافر ولا یعلم لھؤلاء مخالف کہ جو شخص ایک نماز فرض قصداً چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے وہ کافر ہے ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کہتے ہیں کہ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف کسی سے معلوم نہیں ہوا یہی مذہب ابو داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ، ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ، اور ائمہ اربعہ سے امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۲ھ

لہ عبداللہ بن مبارک ان علماء اسلام سے ہیں جو کہ اصل میں موالی اور غلاموں سے تھے لیکن اسلام نے ان کو وہ عزت دی جو کہ بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیب نہیں ہوئی چنانچہ علامہ ابن خلکان المتوفی لکھتے ہیں کہ جب ہارون الرشید رقہ شہر میں آئے تو وہاں عبداللہ بن مبارک بھی تشریف لائے ہوئے تھے عبداللہ بن مبارک کے ساتھ بے شمار لوگ تھے، امیر المومنین ہارون الرشید کی کنیز نے جب بے شمار لوگوں کا اژدحام دیکھا تو ہارون الرشید سے پوچھا یہ کون ہیں ہارون رشید نے کہا یہ خراسان کے عالم ہیں تو کنیز نے کہا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اور ابراہیم نخعی المتوفی ۹۶ھ کا ہے جب تارک صلوٰۃ کا یہ حکم ہے تو زید اگر ذمی اسلام ہو کر نماز کا انکار کرتا ہے یا کہتا ہے کہ نماز معاف ہو چکی ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد کہ پانچ نمازیں خدا نے بندوں پر فرض کیں جو شخص فرضیت کا انکار کرے یا اس کو ہلکا اور بے قدر جانے یا اس کا ترک حلال سمجھے تو وہ کافر ہے کہ ترک نماز سخت کفران نعمت و ناشکری ہے (فتاویٰ رضویہ ص ۱۶۹ و ص ۱۷۰) قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت ہوا کہ جو شخص نماز کے فرض ہونے کا یا معاف ہونے کا یا اس کے بے قدر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے۔

جواب نمبر ۲: جو شخص یہ کہے کہ قرآن و حدیث غلط ہے۔ ایسے جاہل سے فرشتے روح نکالتے وقت نہیں پوچھتے کہ ہم اس کی روح قبض کریں یا نہ کریں قرآن پاک میں ہے بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون، بلکہ فرشتے بندے ہیں عزت والے، بات میں اس سے سبقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حکومت ہو تو ایسی ہو آپ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے ہیں اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ، ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ، عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ عبدالرحمان بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ کہتے ہیں، عالم چار ہیں، امام مالک، سفیان ثوری، حماد بن زید، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ آپ ثقہ اور مضبوط ہیں اور مسلمانوں کے سردار ہیں ۱۲۔

مفتی غلام رسول

لندن "یوکے"

نہیں کرتے وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں قرآن پاک میں ہے اللہ یتوفی
الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی
قضی علیہا الموت۔ اللہ تعالیٰ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت
اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اسے روک رکھتا
ہے یعنی اس کی رُوح کو اس کے جسم کی طرف واپس نہیں کرتا۔ ولو تری اذ الظالمون
فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیہم اخرجوا
انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم
تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ
تستکبرون اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے
ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائیگا
بدلہ اس کا کہ جھوٹ اللہ پر لگاتے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے، اس سے
ظاہر ہے کہ ملائکہ اور حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں وہ
کسی عام انسان سے اس کی موت کے وقت دریافت یا اجازت طلب نہیں کرتے
جب کسی کی موت آجاتی ہے تو وہ بلاتاخیر اس کی رُوح قبض کر لیتے ہیں جو شخص
قرآن وسنت کا منکر ہو کر دعویٰ یہ کرتا ہے کہ میرے عقیدت مند جب مرنے
لگتے ہیں تو میری اجازت لے کر حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرتے ہیں۔
یہ اس کا دعویٰ بے ہودہ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ استہزا ہے، کیونکہ حضرت
عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، وہ کسی عام انسان کے حکم کے
پابند نہیں ہیں۔

جواب نمبر ۳: کوئی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک قرآن پاک پر ایمان
نہ لائے قرآن میں ہی ہے والذین یومنون بما انزل الیک اور

وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا۔ قولوا آمنا باللہ
وما انزل الینا مسلمانوں تم کہو کہ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے
اور جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ وآمنوا بما نزل علی محمد اور مومن وہ
ہیں جو اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا گیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ
مسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن مجید پر ایمان لائے اگر قرآن پاک کا انکار کرتا ہے
یا اس میں شک کرتا ہے یا اس میں تحریف اور تبدیلی کا قائل ہے تو وہ مسلمان نہیں
بلکہ کافر ہے قرآن پاک میں ہے ذالک الکتٰبُ لاریب فیہ یہ کتاب ہے
جس کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس میں شک کرنے
والا کافر ہے قرآن پاک نے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا وان کنتم فی
ریب مما نزلنا علی عبدنا اگر تمہیں اے کفار اس میں شک ہے جو ہم نے
اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ
لیکن کافر ایک سورت تک نہ بنا سکے اور نہ قیامت تک بنا سکیں گے، جس سے
ظاہر ہے کہ کافر ہی قرآن پاک میں شک کرتے ہیں اور کافر ہی کہتے ہیں ھذا
القرآن مھجورا کہ یہ قرآن چھوڑنے کے قابل ہے قرآن پاک میں ہے تم
فرما دو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ایمان لانے
کے بعد کافر ہوگئے اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن پاک کا انکار کرتا ہے یا اس
کے ساتھ مسخرہ پن کرتا ہے یا کسی آیت کو عیب لگاتا ہے یا توہین کرتا ہے،
وہ مسلمان نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے،

جواب نمبر ۴: مسلمان کے لیے جیسے قرآن پاک پر ایمان لانا ضروری ہے
اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن
پاک نے اصول اور مبادی اجمالاً بیان فرمائے جن کی تعبیر وتشریح احادیث نبویہ

کے سوا ممکن نہیں ہے نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے اُسوہ حسنہ کی ضرورت ہے
احادیثِ رسول ہی ہیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں علاوہ ازیں قرآن کریم کے
معانی خفیہ متعین کرنے کا ذریعہ صرف اور صرف احادیثِ رسول ہی ہیں اللہ تعالیٰ قرآن
پاک میں فرماتا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اللہ کی اطاعت کرو اور
اس کے رسول کی اطاعت کرو، ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانہٰ
کم عنہ فانتہوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو حکم دیں وہ لے لو اور جس
سے روکیں رُک جاؤ، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی آپ فرما
دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو لقد کان لکم فی
رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے اعمال کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ان آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے احکام کی اطاعت لازم اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک مسلمانوں
پر فرض ہے قرآن پاک میں ہے واذا قیل لہم تعالوا الی ما انزل اللہ
والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک صدوداً اور
جب ان کو (جو ظاہر میں اسلام کے مدعی ہیں) کہا گیا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو
اللہ نے نازل فرمائی اور اس کے رسول کی طرف تو تم نے دیکھا منافقوں کو کہ وہ تم
سے دُور ہٹتے ہیں قرآن پاک کی زبان میں منافق وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادِ گرامی کو ماننے سے انکار کرتا ہے گویا کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام
سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا حضورؐ کی حدیث وسنت کا انکار صرف منافقین
کا طریقہ ہے ثابت ہوا کہ مسلمانوں ہونے کے لیے جیسے قرآن پاک پر ایمان لانا ضروری
ہے اسی طرح حدیثِ رسول پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو شخص قرآن وسنت کا منکر ہے
وہ کافر ہے بہرکیف صورت مسئولہ میں زید کے عقائد کفریہ ہیں یہ کافر اور مرتد ہے

اس کو چاہیے کہ کسی عالم دین کے پاس حاضر ہو کر مسلمانوں کے سامنے از سرِ نو
اسلام قبول کرے اور اپنا نکاح بھی دوبارہ کرے قرآن پاک میں ہے ومن
یرتدد منکم عن دینہ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دینِ اسلام سے مرتد ہو
جائے اس کے تمام اعمال ضائع ہیں درِ مختار میں ہے ما یکون کفراً
اتفاقاً یبطل العمل والنکاح کہ جو بالاتفاق کفر ہے وہ عمل اور نکاح کو باطل
کر دیتا ہے اگر زید تجدیدِ اسلام نہیں کرتا اور نہ ہی کفریہ عقائد سے توبہ کرتا ہے تو اگر
اسلامی حکومت ہو اور حاکم مسلمان ہو تو وہ اس کو مرتد ہونے کی سزا دے سکتا ہے چونکہ
یہاں برطانیہ میں اسلامی حکومت نہیں ہے لہٰذا دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ زید سے
بالکلیہ اپنے تمام تعلقات منقطع کر لیں اگر کوئی مسلمان اس کے کفریہ عقائد پر مطلع ہو
کر پھر اس کا ساتھ دیتا ہے اور اس کا عقیدت مند یا ہم نوا بنتا ہے۔
تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ رضا بالکفر خود کفر ہے شرح عقائد میں ہے الرضا
بالکفر کفر کہ کفر پر راضی ہونا کفر ہے، حدیث پاک میں ہے۔ من
رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ ومن لم یستطع
فبلسانہ ومن لم یستطع فبقلبہ ولیس وراء ذالک
حبۃ خردل من الایمان جس نے برائی کو دیکھا اس کو چاہیے کہ اپنے
اسے بدل دے اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر زبان سے اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل سے
اور اس کے بعد رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے، یعنی مسلمان پر لازم ہے کہ جب برائی کو دیکھے
تو اس کو اپنی طاقت سے روکے یا زبان سے منع کرے اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو کم از
کم اپنے دل سے تو برائی کو برائی سمجھے، اگر برے کام کو برا نہیں سمجھتا تو پھر اس کے
دل میں خود ہی ایمان نہیں ہے لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ زید سے تمام تعلقات
ختم کر لیں جب تک وہ دوبارہ مسلمان نہیں ہوتا۔ ہو الہادی

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء

زید کے متعلق حکم ثانی

میں نے جب بحیثیت مفتی اسلام زید مذکور کے متعلق یہ فتوے صادر کیا کہ زید کے عقائد کفریہ ہیں جس کی بنا پر زید کافر اور مرتد ہے زید پر لازم ہے کہ کسی عالم دین کے پاس حاضر ہو کر توبہ کرلے اور دوبارہ اسلام قبول کرے اور دوبارہ نکاح بھی کرے جب زید کے پاس یہ فتوے پہنچا تو زید معہ چند افراد کے بتاریخ ۱۳ مئی ۱۹۸۶ء کو برمنگھم ۱۱ میں میرے پاس آیا اس نے کہا میرا عقیدہ نہیں ہے جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے میں نے کہا اگر تمہارے یہ عقائد نہیں ہے تو پھر تمہاری طرف ان عقائد باطلہ کے منسوب ہونے اور ان کے ساتھ ہونے کا مطلب کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ لوگ میرے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، میں نے کہا جو بھی صورت ہو تمھیں دوبارہ مسلمان ہونا چاہیے زید کہنے لگا کہ میں تمھارے دست حق پرست پر تجدید اسلام کرتا ہوں، میں نے زید کو کلمہ پڑھایا اور دوبارہ اسلام میں داخل کیا، پھر زید کو میں نے کہا کہ تمام موجودہ مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر تم اپنے منسوبہ عقائد سے بریت کا اظہار کرو زید نے کھڑے ہو کر مسلمانوں کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھ کر کہا کہ میں قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہوں اور حدیث رسول کو بھی مانتا ہوں اور پانچ وقت کی نماز بھی فرض سمجھتا ہوں اور تمام ضروریات دین کا اقرار کرتا ہوں اور جو شخص یہ کہے کہ پانچ وقت کی نماز معاف ہے یا قرآن حدیث غلط ہے یا ملک الموت مجھ سے پوچھ کر جان قبض کرتا ہے میں ایسے شخص کو خود کافر سمجھتا ہوں لہذا

ان کے زید کے لیے دوسرا شرعی حکم لکھا جو کہ درج ذیل ہے جب زید کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور اس کی قطعیت وصحت پر بھی ایمان ہے اور تمام ضروریات دین کو من وعن تسلیم کرتا اور عقاید باطلہ جو سوال میں اسکی طرف منسوب ہیں ان سے صاف بریت کرتا ہے اور ان عقاید باطلہ کے قائل کو کافر سمجھتا ہے تو اس کے بعد زید کو مسلمان سمجھنا چاہیے اور اس پر کسی قسم کا طعن وتشنیع نہ کرنا چاہیے تاوقتیکہ زید سے قولاً فعلاً اس کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو، اگر کوئی شخص اس کی توبہ کے بعد کوئی معاملہ اٹھاتا ہے یا اس پر اعتراض کرتا ہے تو وہ عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم برطانیہ

۱۳ مئی ۱۹۸۶ء

(۶) الاستفتاء

میں سنی حنفی شرعی کونسل یورپ کے سامنے ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں اس کا شریعت کے رو سے فتویٰ مطلوب ہے۔ محمد حنیف ولد محمد شریف جو مسلمان ہے اس کی شادی میری بیٹی کلثوم بیگم دختر محمد حسین سے ہوئی تھوڑے عرصہ کے بعد میاں بیوی کے حالات ناسازگار ہوئے میں محمد حسین جو کہ محمد حنیف کا سسر لگتا ہوں میں نے کوشش کی کہ حالات نارمل ہو جائیں تاکہ دونوں میاں بیوی آپس میں اتفاق ومحبت سے زندگی بسر کر سکیں لیکن محمد حنیف نے مجھے کہا کہ حالات آپ خراب کر رہے ہیں، اس وقت حافظ خوش بخت الرحمٰن صاحب نے کہا کہ تم یہ بات کیسے کہہ رہے ہو تمھارے سسر نے تو کلمہ پڑھ کر

میرے اور تمہارے سامنے کہا ہے کہ میں اس کوشش میں ہوں کہ تمہارے درمیان میاں بیوی والے حالات ٹھیک ہو جائیں اس وقت حافظ صاحب نے کہا کہ ہمارا ایمان ہے جو شخص کلمہ پڑھ کر کوئی بات کہتا ہے کلمہ پر یقین کرنے والا اس بات کو سچ مانتا ہے تو محمد حنیف نے میرے اور میرے علاوہ چار آدمیوں کے سامنے دوبارہ کہا کہ میرا کلمہ پر یقین نہیں میں منافق ہوں ہم جو لوگ موجود تھے لاحول ولا قوۃ اور استغفار پڑھی اگر محمد حنیف کہتا کہ مجھے محمد حسین کے کلمہ پر یقین نہیں تو اور بات تھی لیکن اس نے صریحًا یہ لفظ کہے کہ میرا کلمہ پر یقین نہیں اور میں منافق ہوں اس کے بعد حافظ صاحب نے کہا کہ اس طرح کہنے والا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو تم توبہ کرو اور دوبارہ کلمہ پڑھو پھر اس نے دوبارہ کلمہ پڑھا لیکن اسلام کے بھی کچھ قواعد اور ضوابط ہیں اور شریعت کے بھی تقاضے ہیں دین کی رُو سے علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین ارشاد فرمائیں کہ اس طرح کہنے والا شخص اس کی اسلام میں کیا حیثیت ہے دوبارہ مسلمان ہونے کے لیے کیا صورتِ حال ہوگی اس کا یعنی محمد حنیف کا نکاح جو کلثوم سے ہوا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے طلاق واقع ہوئی یا نہ اگر طلاق واقع ہو گئی ہے تو واضح طور پر تحریر فرمائیں اور ساتھ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ طلاق کے بعد لڑکی آزاد ہے یا کسی شرط کے ساتھ پابند ہے کیونکہ دوبارہ نکاح کی صورت میں ضرورت پیش آئے تو مسئلہ کا حل فتویٰ کی صورت میں موجود ہو برائے کرم ان باتوں کا جواب شریعت کے رو سے عطا فرمائیں تاکہ اسلام کی سربلندی اور شریعت کی بالادستی قائم رہے اور ہم لوگ اس کا پاس کریں خداوند تعالیٰ اس کی ہم کو توفیق دے، خداوند کریم آپ کو مزید اسلام اور دین کی خدمت کی توفیق ارزانی عطا فرمائے

العارض

صوفی محمد حسین والد کلثوم بیگم لنڈز نے نیو ہائی وکیمب ۴، دسمبر ۱۹۸۶ء

دستخط گواہان

۱۔ صوفی محمد راسب ۲۔ چوہدری لیاقت علی ۳۔ حافظ خوش بخت الرحمان

امام و مدرس جامع مسجد ۳۴ ہائی وکیمب۔ ۴ دسمبر ۱۹۸۶ء

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

رب انی اعوذ بك من همزات الشياطين واعوذ بك رب ان يحضرون، مسلمان اور مومن کے لیے اسلام اور ایمان ایک عظیم دولت ہے ایمان کہتے ہیں کہ سچے دل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضروریاتِ دین ہیں اور کسی ایک ضرورتِ دین کے انکار کو کفر کہتے ہیں اگرچہ باقی تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا ہو ضروریاتِ دین وہ مسائل دینیہ ہیں جن کو ہر خاص و عام جانتے ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت و دوزخ حشر و نشر وغیرہا قاضی بیضاوی[1] المتوفی ۶۸۵ھ ایمان کے اصلی و لغوی معنے کے

---

[1] آپ کا نام عبد اللہ ہے لقب ناصر الدین اور کنیت ابو الخیر ہے علاقہ شیراز میں ایک گاؤں بیضا ہے جہاں کے آپ رہنے والے تھے اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیضاوی کہا جاتا ہے یہ بہت بڑے عالم اور مفسر تھے آپ کا شمار مفسرین کے طبقہ ہفتم میں کیا گیا ہے۔ مسلکًا شافعی تھے یہ علاقہ شیراز کے اندر قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے کسی بات پر ان کو معزول کیا گیا معزول ہونے کے بعد تبریز میں گئے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا ایک عالم کی مجلس تدریس میں پہنچے جو وزیر صاحب کی صدارت میں منعقد تھی اور جا کر لوگوں کے پیچھے بیٹھ گئے استاد درس میں مدرس نے ایک اعتراض اٹھایا اس کا گمان یہ تھا کہ حاضرین میں سے کوئی جواب نہیں دے سکے گا قاضی صاحب خاموشی سے بات سن رہے تھے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

متعلق لکھتے ہیں الایمان فی اللغة عبارة عن التصدیق ماخوذ من الامن کان المصدق آمن المصدق من التکذیب والمخالفتہ کہ لغت میں ایمان سے مراد تصدیق ہے اور ایمان امن سے ماخوذ ہے گویا کہ تصدیق کرنے والے شخص نے اس شخص کو تکذیب اور مخالفت سے مطمئن کر دیا جس کی اس نے تصدیق کی اور شرعی معنے کے متعلق فرماتے ہیں فالتصدیق

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۔ سے) چنانچہ مدرس صاحب نے ابھی اپنی کلام کو ختم نہیں کیا تھا تو قاضی صاحب نے جواب دینا شروع کر دیا مدرس صاحب غصے میں مجھے اور کہا کہ میں تمہارے جواب کو اس وقت تک نہیں سن سکتا جب تک اعتراض کا اعادہ نہ کرو قاضی نے کہا کہ اعتراض کا اعادہ بلفظ کر دوں یا بمفہوم بیان کروں مدرس صاحب نے کہا کہ بلفظ قاضی نے بلفظ اعتراض کا اعادہ کیا پھر اس کا حل کیا حل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا جواب بھی دیا اور یہ بھی بتلایا کہ تمہارے اعتراض کی ترتیب میں یہ خلل ہے اور پھر اپنی طرف سے مدرس پر اعتراض کر کے جواب کا مطالبہ کیا لیکن مدرس کے اوپر اس اعتراض کا جواب دشوار ہو گیا وزیر صاحب بہت ہی حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے ۔ جب وزیر کو یقین ہو گیا کہ مدرس صاحب اعتراض کا جواب نہ دے سکیں گے تو وہ قاضی صاحب کے کمال کا معترف ہو گیا، چنانچہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قاضی صاحب کو اٹھا کر اپنے قریب کر لیا اور پوچھا مَنْ اَنْتَ (من انت) قاضی صاحب نے فرمایا میں قاضی ہوں بیضاء کا رہنے والا ہوں لیکن عہدۂ قضاء سے مجھے معطل کر دیا گیا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو پھر میرے سابقہ عہدہ پر فائز کر دیا جائے وزیر نے فوراً ان کو عہدہ قضاء دے دیا اور خلعت شاہی پہنا کر واپس کر دیا بعض لوگوں نے اس واقعہ میں تھوڑی سی تفصیل یوں کی ہے کہ قاضی اس وزیر کے ہی ملازم رہ گئے اور زمانہ دراز تک رہے مگر دلی تمنا یہ تھی کہ میں قاضی القضاۃ بنوں چنانچہ موقع پا کر ایک بزرگ شیخ محمد بن محمد سے سفارش کی درخواست کی بزرگ نے آ کر وزیر کے پاس سفارش اس انداز میں کی کہ بیضاوی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بما علم بالضرورة انہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کالتوحید والنبوة والبعث والجزاء کہ ایمان ان چیزوں کی تصدیق کا نام ہے جن کا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا بداہتہً معلوم ہو جیسے توحید اور نبوت اور بعثت اور جزاء امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں قال صاحب الکشاف الایمان افعال من الامن ثم یقال آمنہ اذا صدقہ وحقیقة آمنہ من التکذیب والمخالفتہ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ ابو منصور ماتریدی المتوفی ۳۳۲ھ اور امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ اور جمہور محققین کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنا اس کی شرط ہے اور دیگر علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کا نام ایمان ہے چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زبان سے کسی چیز کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین سے ہیں جو شخص مدعی اسلام ہو کر ارکان اسلام اور ضروریات دین سے کسی کا انکار کرتا ہے وہ کافر اور مرتد ہے اور انسان کے مرتد ہونے سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں قرآن پاک میں ہے ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت، وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرة تم میں جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو

(بقیہ حاشیہ) صفحہ سابقہ، عالم فاضل لوگ میں تمہارے ساتھ شریک جہنم ہونا چاہتے ہیں یعنی قاضی بننا چاہتے ہیں شیخ کی اس بات سے قاضی صاحب بہت متاثر ہوئے اور تمام مناصب دنیاوی کو ترک کر کے تادم حیات شیخ کی خدمت میں رہے اور تفسیر بیضاوی انھیں کی ایما پر لکھی جب وفات ہوئی تو شیخ کے پاس ہی مدفون ہوئے ۔ (التقریر الحاوی ص ۹)

(مفتی غلام رسول لندن، یو کے م)

جائے اور کفر کی حالت میں مرے اس کے تمام اعمال دُنیا اور آخرت میں ضائع ہیں اور
قرآن پاک میں ہے قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزءون
لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم تم فرما دو کیا اللہ اور
اس کی آیتوں اور اس کے رسُول کے ساتھ تم مسخرہ پن کرتے تھے بہانے نہ بناؤ، تم
ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے کلمہ توحید اسلام کا ایک بنیادی رُکن ہے اس پر یقین
نہ رکھنا کفر اور ارتداد ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۳ھ سے ایک
طویل حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا
اللہ محمد رسول اللہ عرض کیا اے اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون
ہیں فرمایا لولاھو ما خلقتك اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو پیدا نہ کرتا، امام حاکم
المتوفی ۴۰۵ھ، امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ امام ابو نعیم المتوفی ۴۳۰ھ، امام
بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اور حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے حضرت عمر
فاروق سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو یہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول
اللہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ امام بخاری المتوفی
۲۵۶ھ، امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ، امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ امام
ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ، امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ المتوفی
۲۷۳ھ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ المتوفی ۵۸ھ سے
روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایمان بضع
وسبعون شعبة فافضلها قول لا اله الا الله وادناها
اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان
کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل لَا اِلٰہ الا اللہ کا پڑھنا
ہے اس سے ظاہر ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پڑھنا ایمان ہے

اگر اس پر یقین نہیں رکھتا تو وہ مومن نہیں ہے، کلمہ طیبہ دو رکن پر مشتمل ہے ایک توحید دوسری
رسالت کلمہ پر یقین نہ رکھنا دوسرے لفظوں میں توحید اور نبوت میں شک کرنا ہے جو کہ
صریح کفر ہے اسلام کی قانونی زبان میں ایمان طاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے
جس کے بعد اوامر الٰہیہ اور منہیات شرعیہ کے قبول کرنے میں کچھ ردی باقی نہ رہے۔
مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ اعتماد ہو جائے کہ دل کی خوش حالی اور رُوح کی کامل
مسرت اس کے مان لینے میں منحصر نظر آنے لگے نبوت اور توحید کے متعلق کسی قسم کا
شک باقی نہ رہے اور نبوت کی بتائی تمام چیزوں پر محکم یقین ہو اگر توحید و نبوت کے
متعلق کچھ شک و شبہ ہو تو پھر ایمان نہیں ہے محمد حنیف کے سامنے جب حافظ صاحب
نے کہا کہ ہمارا کلمہ پر ایمان ہے تو اس کے جواب میں محمد حنیف کا یہ کہنا کہ میرا کلمہ
پر یقین نہیں اور میں منافق ہوں صریح کفر و ارتداد ہے اور اس کی کلام کی تاویل بھی
نہیں ہو سکتی، لاشك فيه ان الكفر امر شديد لا يحكم
به مع احتمال الاسلام ولو من بعيد بوجہ اس کے کفر
امر شدید ہے اگر تاویل ہو سکتی ہو تو پھر حکم کفر نہیں لگتا یہاں تاویل بھی ناممکن ہے
کیونکہ محمد حنیف نے صریحاً یہ لفظ کہے کہ میرا کلمہ پر یقین نہیں اور میں منافق ہوں اگر یہ
کہتا کہ محمد حسین کے کلمہ پڑھنے پر یقین نہیں تو اس کی کلام متاول ہو سکتی اور حکم کفر
اس پر عائد نہ ہوتا لیکن صریح کہنے کی وجہ سے کفر بھی صراحۃً ثابت ہوا اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ چولہے میں جائے ایسی
شریعت یہ بھی کہتا ہے کہ مجھ سے غصہ میں روزمرہ کی بول چال کے مطابق یہ الفاظ
نکل گئے اور اس سے میری غرض بانیت اسلام سے خارج ہونے کی نہ تھی اور نہ ہی
تحقیر شریعت مقصود تھی تو اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ
ایسا فقرہ کہنے سے اس کا ایمان جاتا رہا اس نے شریعت مطہرہ کی توہین کی

یہ کافر اور مرتد ہوا اگر مرد مرتد ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو گیا خواہ عورت نے بھی وہی مذہب اختیار کر لیا یا نہ لان ردۃ الرجال فسخ فی الحال بالاجماع ولا نکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ کما فی الدر المختار والفتاوی عالمگیریہ وغیرھا اگر اسلام بھی لائے تو پھر بھی عورت پر کچھ اختیار نہیں رکھتا لان المنفسخ لا یعود کہ نکاح فسخ ہونے کے بعد پھر وجود میں نہیں آسکتا اس سے ظاہر ہے کہ جب مرد مرتد ہو جائے تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اگر پھر مسلمان بھی ہو جائے تو پھر بھی اس کا عورت پر کسی قسم کا اختیار نہیں ہے البتہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو نکاح ختم نہیں ہو گا بلکہ عورت کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائیگا رد المحتار میں ہے تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوی صورت مسئولہ میں چونکہ ارتداد محمد حنیف کی طرف سے ہے لہٰذا اس کی بیوی، کلثوم بیگم بوقت ارتداد ہی اس سے بائن ہو گئی تھی، حافظ صاحب کے کہنے پر اگرچہ اس نے کلمہ پڑھا تھا مسلمان ہو گیا تھا لیکن کلثوم بیگم پر اس کا اختیار نہیں رہا تھا، پھر فقہاء کرام فرماتے ہیں اگر کفر قطعی ہو تو عورت نکاح سے نکل جائے گی پھر اگر اسلام لائے تو عورت سے پوچھا جائے گا اگر عورت دوبارہ نکاح پر راضی ہو تو نکاح ہو سکتا ہے اگر عورت اس مرد کے پاس نہ جانا چاہے تو عورت جہاں دیگر جگہ چاہے نکاح کر سکتی ہے اس مرد کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے بلکہ عورت بعد از عدت اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے (بہار شریعت ص ۱۴۵) بہر کیف صورت مسئولہ میں محمد حنیف کے ان الفاظ سے کہ میں کلمہ پر یقین نہیں رکھتا کافر اور مرتد ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی بیوی کلثوم فوراً اس سے جدا ہو گئی تھی بعد میں اگرچہ محمد حنیف نے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا تھا تو پھر اگر کلثوم محمد حنیف کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو دوبارہ نکاح

کرے جس کے اندر مہر کا بھی تقرر کریں اگر کلثوم بیگم یہ چاہتی ہے کہ محمد حنیف کے ساتھ نہ رہے تو بعد از انقضائے عدت جہاں چاہے نکاح کرے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۲ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۷) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب ہم مسلمانوں کا کا عقیدہ ہے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام نبیوں کو انفرادی طور پر عطا فرمائے تھے وہ مجموعی طور پر ہمارے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں اگر یہی صورت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ فرشتوں نے سجدہ کیا اور نہ کسی آدمی نے آپ کو سجدہ کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں تو اس بنیاد پر چاہیے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ ہوتا امید ہے کہ علمائے اسلام اس کا تحقیقی جواب فتوی کی صورت میں تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

سائل

حاجی محمد کرم صاحب، مکان ۱۹۷ سٹریٹ سرٹل روڈ

سمالیتھ برمنگھم ۱۰

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء

بلکہ تمام کائنات سے افضل ہیں یہ مسئلہ اصولِ دین سے ہے، علامہ تفتازانی
المتوفی ۷۹۲ھ، فرماتے ہیں اجمع المسلمون علی ان افضل
الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے
کہ تمام رسولوں سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مفسرین نے اس آیہ کریمہ ورفع
بعضھم درجٰت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مراد لی ہے ای
رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی سائر الانبیاء علیھم
السلام، والمعتقد المعتمد ان افضل الخلق نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم (فتاوی دار العلوم ص [illegible]) کہ معتمد علیہ عقیدہ یہ ہے
کہ تمام مخلوقات سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں، صدر الافاضل نعیم
الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ "بعضھم"
سے مراد حضور پرنور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کو بدرجات کثیرہ
تمام انبیاء علیہم السلام پر افضل کیا اس پر تمام امت کا اجماع ہے اور بکثرت احادیث
سے ثابت ہے اس آیت میں حضور کی رفعت مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام
مبارک کی تصریح نہ کی گئی کہ اس سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علو شان
کا اظہار مقصود ہے کہ ذاتِ والا کی یہ شان ہے کہ جب انبیاء پر فضیلت کو بیان
کیا جائے تو سوائے ذات اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی
اشتباہ راہ نہ پا سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خصائص اور کمالات جن میں
آپ تمام انبیاء پر فائق و افضل ہیں اور ان میں آپ کا کوئی شریک نہیں غیر محدود ہیں
قرآن پاک میں ہے اولٓئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ
یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انھیں کی راہ چلو یعنی جو خصال و کمال و اوصاف
شرف جدا جدا انبیاء کو عطا فرمائے گئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لیے سب کو جمع فرمادیا اور آپ کو حکم دیا فبھداھم اقتدہ تو جب آپ
تمام انبیاء کے اوصاف کمالیہ کے جامع ہیں تو بے شک سب سے افضل ہوئے
ایک سائل کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جامع کمالات ہیں تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو سجدہ کیوں نہیں ہوا جب کہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ اور حضرت یوسف
علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء
علیہم السلام تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گذرے ہیں لیکن سجدہ صرف دو نبیوں کو ہوا
ایک حضرت آدم علیہ السلام کو عالم غیب میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو عالم
شہادت میں اور کسی نبی کو سجدہ نہیں ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ
السلام کی نبوت و خلافت کا جب اعلان ہوا تو ملائکہ نے اس میں کلام کی تھی
اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خلافت و نبوت میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں
نے کلام کی تھی یہ صرف دو ہی نبی تھے جن کی گویا کہ اپوزیشن جماعت تھی، عالم
غیب میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرشتے کلام کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ
نے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ تحیۃ تعظیمی کرو تاکہ
ان کا انکار عملاً اقرار بن جائے اور عالم شہادت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے
متعلق کلام کرنے والے برادرانِ یوسف تھے مناسب معلوم ہوا کہ برادرانِ یوسف
ان کو سجدہ تعظیمی کریں تاکہ ان کا انکار بھی عملاً اقرار ہو جائے چونکہ ان دو نبیوں
کے مقابلہ میں ظاہراً اپوزیشن قائم ہو گئی تھی لہٰذا ان دو نبیوں کو سجدہ کرایا گیا اور
یہ اظہار کیا گیا کہ انبیاء کا تقابل نہ عالم غیب میں ممکن ہے اور نہ ہی عالم شہادت
میں اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ اس لیے نہیں ہوا کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے سوا جو مخلوق بھی ہے، فرشتے ہوں یا جنات یا پھر اولاد آدم سب
کے سب کمالات علمی و عملی میں سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے دریوزہ گر

ہیں چونکہ عالم غیب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا کوئی مدعی نہ تھا لہٰذا عالم غیب میں سجدہ کی ضرورت نہ ہوئی اور عالم شہادت میں بھی درحقیقت کوئی آپ کا ہمسر نہیں تھا لہٰذا سجدہ نہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال عبدیت کی وجہ سے یہ بھی ادا پسند نہ فرمائی کہ لوگ سجدہ کریں، ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی اور خود منع بھی فرما دیا۔ (معالم القرآن ص۲۰۲) حدیث پاک میں ہے کہ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا مخلوق کو نہ چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے، سجدہ دو قسم پر ہے ایک سجدہ عبادت جو بقصد پرستش کیا جائے دوسرا سجدہ تحیہ جس سے تعظیم مراد ہوتی ہے نہ کہ عبادت، سجدہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی شریعت میں کبھی جائز ہوا۔ اور سجدہ تحیہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں منسوخ کیا گیا اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ (خزائن العرفان ص۶) خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع صفات کمالیہ ہیں اور جو کمالات اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام کو انفرادی طور پر عطا فرمائے تھے وہ مجموعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے بلکہ اس سے بھی زیادہ جن کی انتہا ہی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب میں ملائکہ سے سجدہ نہیں کرایا کیونکہ عالم غیب میں کوئی مثلیث کا مدعی نہیں تھا اور عالم شہادت (دنیا) میں بھی حضور کی مثلیث کا کسی نبی اور ولی یا مسلمان نے دعویٰ ہی نہیں کیا اور نہ کوئی ہم مثل تھا لہٰذا عالم دُنیا میں بھی سجدہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی بلکہ خود بھی کمال عبدیت کی وجہ سے اس کو پسند نہ فرمایا۔

واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

۸ رمئی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء - ⑧

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ چند لوگوں کا اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا رواج بدعت ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

سائل

نعیم الدین صاحب بٹ، ولبیٹ روڈ

مکان نمبر ۱۸۳ لندن

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

مسلمانوں کا اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے قرآن پاک نے مطلقاً درود پاک پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، کسی وقت یا زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا اور نہ بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی ممانعت کی ہے جس سے ظاہر ہے کہ درود پاک جیسے بیٹھ کر آدمی پڑھ سکتا ہے اسی طرح کھڑے ہو کر بھی پڑھ سکتا ہے بلکہ کھڑے ہونے میں زیادہ تعظیم ہے اسی لیے تمام علماء نے لکھا ہے اور مسلمانوں کا تعامل بھی یہی ہے کہ بارگاہ نبوت کی حاضری کی صورت میں کھڑے ہو کر درود شریف پڑھا جائے جو شخص اس کو منع یا بدعت کہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کوئی دلیل یا سند پیش کرے کہ شریعت مطہرہ نے بوقت قیام ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ درود پاک پڑھنا منع فرمایا ہے۔ وہابیہ کی ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ وہ شرک اور بدعت کو امور عامہ سے تصور کرتے ہیں اور ہر چیز کے متعلق بلا دلیل یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ بدعت ہے امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی سے روایت کی ہے۔ احدث وخالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا فھو البدعۃ الضلالۃ

کہ جو بات قرآن و سنت و اجماع اور آثارِ صحابہ کے خلاف ہو وہ بدعت ضلالہ (گمراہی) ہے وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذالک فھو البدعۃ المحمودۃ اور جو بات اچھی پیدا ہوتی ہے اور قرآن و سُنّت، اجماع امت اور اقوال صحابہ کے مخالف نہیں ہے پس وہ بدعت حسنہ اور محمُودہ (قابلِ ستائش) ہے اور یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس طرح صحابہ کرام صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھا کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کتبِ حدیث، کتب اسماء الرجال اور دیگر علوم شرعیہ کلیہ و فروعیہ بلکہ قرآن کے تیس پارے، رکوع وغیرہ کب تھے اور حضور کے زمانہ میں مدارس دینیہ اور پختہ مساجد بھی کہاں تھیں، جب یہ تمام بدعت ضلالہ نہیں ہیں تو پھر اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر درود وسلام کیسے بدعت ہوگا، علماء دیوبند کے پیر و مرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ محفل شریعت میں اس نیت سے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا کہ اس ذکر و فکر اور محفل کے خلوص و عقیدت کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنفسِ نفیس تشریف لانا بعید نہیں بلا شبہ جائز ہے، نیز لکھتے ہیں کہ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں، زمان و مکان دونوں کی قید سے پاک ہے، پس روضہ مقدسہ میں جلوہ گر ہوتے ہوئے قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ الصّلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ تو اتصال معنوی پر مبنی ہے لہ الخلق و الامر عالم مقید بجہت طرف و قرب بعد وغیرہ نہیں ہے پس اس کے جواز میں شک نہیں ہے (شمائم امدادیہ صفحہ ۵۸) حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کلام سے

جیسے یہ ثابت ہُوا کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ بصیغہ خطاب پڑھنا بھی جائز ہے، علامہ شہاب الدین المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں والمنقول انھم کانوا یقولون فی تحیۃ الصّلوٰۃ والسّلام علیك یارسُول اللّٰہ (نسیم الریاض صفحہ ۴۵۴) کہ صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں یہ تحیہ (تحفہ) پیش کرتے تھے۔ الصّلوٰۃ والسّلام علیك یارسول اللّٰہ

مولانا محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں کہ بندہ کے خیال میں اگر یہ درود شریف الصّلوٰۃ والسّلام علیك یارسُول اللّٰہ پڑھا جائے تو بہتر ہے (فضائل درُود شریف صفحہ ۲۴)۔ اس سے ظاہر ہے کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام بصیغہ خطاب پڑھنا جائز ہے۔

واللّٰہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسُول برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

۸ مئی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ⑨

کیا فرماتے ہیں عُلمائے حق اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد کہتے ہیں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منانا اور اس کے لیے محفل منعقد کرنا جائز نہیں ہے کیا ایسا عمل شریعت میں جائز ہے یا نہیں، بینوا و توجروا۔

سائل

نعیم الدین بٹ (صاحب، ولیٹ روڈ مکان ۱۴۳ لندن)

الجواب هوالموفق للصدق والصواب

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا اور اس کے لیے محفلیں منعقد کرنا جائز اور مستحسن ہے جب تک شریعت اسلامیہ کسی چیز کو منع نہیں کرتی وہ جائز ہی جائز ہے قرآن و سنت نے میلاد کے یوم مبارک کو منانے سے کہیں منع نہیں کیا، اگر منع کیا ہے تو منع کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کی ممانعت پر دلیل یا سند پیش کرے کہ فلاں حدیث یا قرآن کی آیت یا کم از کم اثر صحابہ ہی پیش کرے جس سے ممانعت ثابت ہوتی ہو جب ممانعت پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی تو پھر جائز ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد پر خوشی منانے سے کافر کو بھی فائدہ ملتا ہے حضرت عروہ المتوفی ۹۴ھ سے روایت ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی، ابولہب نے اس کو حضور کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ فلما مات ابولهب اريه بعض اهله کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے بعض اہل (حضرت عباس) نے اسے بری حالت میں خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا ہے ابولہب نے کہا کہ تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی آرام نہیں پایا سوائے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں اس لیے کہ میں نے حضورؐ کی پیدائش کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا (بخاری مترجم ص۶۲۳ ج۲) حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے علامہ سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ ابولہب نے کہا کہ ہر سوموار کے دن مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وذالك ان النبي صلى الله عليه وسلم ولد يوم الاثنين یہ اس وجہ سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے (فتح الباری ص۱۱ ج۹) علامہ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے عمدۃ القاری ص۹۵ میں بھی اس طرح ذکر کیا، علامہ

قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ، ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ، سے نقل کرتے ہیں کہ ابن جوزی نے کہا کہ شب میلاد کی خوشی کی وجہ سے جب ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے، حالانکہ ایسا کافر ہے جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ہے تو حضورؐ کے امتی مومن و موحد کا کیا حال ہوگا جو حضورؐ کی میلاد کی خوشی میں حضور کی محبت کی وجہ سے اپنی قدرت اور طاقت کے موافق خرچ کرتا ہے۔ آخر میں ابن جوزی فرماتے ہیں میری عمر کی قسم انما يكون جزاء من الله الكريم ان يدخله بفضله العميم جنات النعيم کہ اس کی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل عام سے جنت نعیم میں داخل فرماتے ہیں۔ (مواہب اللدنیہ ص۲۷ ج۱) نیز علامہ قسطلانی لکھتے ہیں ولا زال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده صلى الله عليه وسلم کہ حضور کی پیدائش کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں (مواہب لدنیہ ص۲۷ ج۱) علاوہ ازیں تفسیر روح البیان ص۵۶ جلد ۹، سیرت حلبیہ ص۸۰ جلد ۱، مجمع البحار ص۵۵ ماثبت بالسنۃ [illegible] درثمین ص۸ اور فیصلہ ہفت مسائل ص۸ میں ہے کہ اہل اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں محفل میلاد مناتے آرہے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منانا اور اس کے لیے محافل منعقد کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ امر مستحسن اور معمول علماء اسلام اور مسلمانوں کا طریقہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ قیام وقت ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حرمین طیبین اور مصر و شام و سائر بلاد اسلام میں رائج و معمول ہے ضرور مستحسن و مقبول ہے علامہ برزنجی کا رسالہ میلاد مبارک حرمین طیبین و دیگر بلاد عرب و عجم میں پڑھا جاتا ہے اس رسالہ میں فرماتے ہیں قد استحسن القيام عند ذكر ولادته صلى الله عليه وسلم بے شک ذکر ولادت اقدس کے وقت قیام

کہ ان اماموں نے مستحسن جانا جو اصحاب روایت و درایت تھے تو خوشی و شادمانی ہو، اس کے لیے جس کی نہایت مراد و غایت مقصود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہو آخر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص میلاد منانے کا منکر ہے یا اس کو بدعت کہتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کا محفل میلاد منانا جائز کر امر مستحسن ہے جو شخص اس کو بدعت کہتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برنگھم ۱۱ برطانیہ
۸ / جون ۱۹۸۷ء

⑨ - الاستفتاء!

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب!

السلام علیکم کے بعد گذارش ہے کہ درج ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

سوال نمبر ۱: یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا گیا ہے اور غیر اللہ کو پکارنا عبادت ہے، حدیث میں ہے "الدعاء هو العبادة" کہ دُعا عبادت ہے اور عبادت خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے قرآن پاک میں ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سورہ ۵۱ آیت ۵۶ کہ میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا سورہ ۴ آیت ۳۶ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، فان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا اور بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں اور اللہ

کے ساتھ کسی کو نہ پکارو سورہ ۷۲ آیت ۱۸ ومن یدع مع اللہ الٰھا آخر سورہ ۲۳ آیت ۱۱۷ اور جو شخص پکارتا ہے خدا کے سوا دوسرے خدا کو، وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین سورہ ۹۸ آیت ۵ اور ان کو حکم کیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، وقال ربکم ادعونی استجب لکم سورہ ۴۰ آیت ۶۰ اور کہا تمہارے رب نے مجھے پکارو اور میں تمہاری دُعا کو قبول کروں گا اور جو غیر اللہ کو پکارتا ہے وہ مشرک ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء سورہ ۴ آیت ۱۱۶ کہ اللہ تعالیٰ شرک نہیں بخشیں گے اور اس کے سوا جس کو چاہیں بخش دیں یا رسول اللہ کہنا یا کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے پکارنا شرک ہے اور مشرک جہنم میں جائے گا ثابت ہوا کہ یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ سورہ ۱۸ آیت ۱۱۰ کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں اور وما ارسلناک الا مبشرا ونذیرا سورہ ۱۷ آیت ۱۰۵ اور ہم نے آپ کو مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے حضور تو ہماری طرح ہیں لہٰذا آپ کو وسیلہ بنانے کا کیا فائدہ ان کا کام ہے کہ لوگوں کو ڈرائیں نہ کہ ان کو وسیلہ بنایا جائے اور نہ ہی وہ ہم پر وکیل ہیں کہ ان کو وسیلہ بنایا جائے معلوم ہوا کہ حضور کو وسیلہ نہ بنانا چاہیئے۔

سوال نمبر ۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان قرآن پاک میں ہے قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا سورہ ۷۲ آیت ۲۱ تا ۲۲ کہ میں تمہارے لیے نقصان وغیرہ کا مالک نہیں ہوں قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا سورہ ۷ آیت ۱۸۸ کہ فرما دیجئے کہ

میں اپنے کو نہ نفع دے سکتا ہوں اور نہ نقصان اور حضور وفات پا چکے ہیں قرآن پاک میں ہے انک میت وانہم میتون سورۃ ع۲۹ آیت ع۳۰ جب حضور وفات پا چکے ہیں تو نفع نقصان کیسے پہنچا سکتے ہیں۔

ایک سائل لندن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب!

جواب نمبر ۱: سائل کا یہ کہنا کہ یا رسول اللہ کہنا ناجائز ہے کیونکہ یہ پکارنا ہے اور پکارنا عبادت ہے یہ سائل کی غلطی بلکہ جہالت ہے کیونکہ قرآن پاک میں دُعا کا معنے پکارنا بھی ہے اور عبادت بھی ہے ملاحظہ کیجیئے قرآن پاک میں ہے ان ابی یدعوک سورۃ ع۲۰ رکوع ع۳ شعیب علیہ السلام کی بیٹی کہتی ہے کہ میرا باپ آپ کو بلاتا ہے یہاں لفظ دُعا بھی ہے لیکن یہاں معنی عبادت نہیں ہے بلکہ پکارنا ہے اسی طرح قرآن پاک میں ہے وانک لتدعوھم الیٰ صراط مستقیم سورہ ۱۸ رکوع ع۵ اور بیشک آپ ان کو بلاتے ہیں صراط مستقیم کی طرف اب یہاں بھی لفظ دُعا ہے لیکن معنے عبادت نہیں بلکہ پکارنا مراد ہے اسی طرح قرآن پاک میں ہے فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم سورۃ ع۳ رکوع ع۶ یہاں بھی لفظ دُعا ہے معنے عبادت نہیں بلکہ پکارنا مراد ہے اس سے ظاہر ہے کہ سائل نے جو دُعا کا معنے ہر جگہ عبادت کیا ہے وہ اس کی غلطی ہے یا جہالت ہے قرآن پاک میں دُعا کا معنے عبادت وہاں ہوگا جہاں پکارنے والا معبود سمجھ کر پکارے یا غیر کو الوہیت میں شریک کرے یا وہاں دُعا کے ساتھ زجر، عذاب یا سرزنش کا ذکر ہو، مثلاً قرآن پاک میں ہے ومن یدع مع اللہ الٰہا آخر سورۃ ع۱۸ رکوع ع۶، فلا تدع مع اللہ الٰہا آخر

لا الٰہ الا ھو سورہ ع۲۰ رکوع ع۹، یدعون مع اللہ الٰہا آخر سورۃ ۱۹ رکوع ع۶، ان آیات میں دُعا بمعنے عبادت ہے کیونکہ غیر کو الوہیت اور معبودیت میں شریک قرار دیا گیا ہے، جیسے کہ کفار کا طریقہ ہے ملاحظہ کیجیئے حضرت ابن عباس الی والذین یدعون من دونہ کا معنے ہے کباسط کفیہ مثل المشرک الذی عبد مع اللہ الٰہا آخر کہ مثل پھیلانے والے کا اپنے دونوں ہاتھوں کو مثل مشرک کی کہ وہ جس نے عبادت کی اللہ کے ساتھ معبود اور کی یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یدعون کا معنی عبادت کیا ہے، اس لیے مشرک اللہ کے ساتھ اس کی عبادت میں اس کے غیر کو شریک کرتا ہے تو ظاہر ہے قرآن پاک میں دعا کا معنی عبادت وہاں ہوگا جہاں دُعا کے ساتھ عذاب اور زجر کا ذکر ہو یا جہاں شرک کا تذکرہ ہوگا، جیسے کہ قرآن پاک میں ہے وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً سورۃ ع۲۹ آیت ع۱۸ اب ان آیات میں دُعا کا معنے عبادت ہے اس وجہ سے ادعوا ربی کے بعد ولا اشرک بہ احداً کا ذکر کرکے واضح کردیا ہے کہ یہاں دُعا سے مراد عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی الوہیت میں غیر کو شریک کرنا یہ شرک ہے نہ کہ محض دُعا اور پکارنا شرک ہے یہ کہنا کہ پکارنا شرک ہے یہ تو صریح قرآن پاک کے خلاف ہے، قرآن پاک میں ہے، وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین سورۃ ۱ رکوع ع۳ یہاں دُعا سے مراد عبادت نہیں ہے بلکہ بلانا اور پکارنا مراد ہے مسلمان جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے تو حضور کو معبود نہیں سمجھتا بلکہ حضورؐ کو اپنا نبی اور رسول سمجھ کر پکارتا ہے یہ پکارنا جائز ہے، دیکھیے مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو
پکارتے ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ادب
کرو، یا نبی اللہ ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۶ ج ۳،
تفسیر کشاف ص ۴۹ ج ۳ ، تفسیرات احمدیہ ص ۳۸۵ پ ۱۸ ، تفسیر روح المعانی ص ۲۲۵
علامہ آلوسی بغدادی آخر میں لکھتے ہیں والظاہر استمرار ذالک بعد وفاته
الی الآن کہ یہ حکم حضور کی وفات (وصال مبارک) کے بعد قیامت تک ہے۔ یعنی
جیسے کہ حضور کے صحابہ کرام کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ
میں جب کوئی عرض کریں تو حضور کو یا رسول اللہ کہہ کر عرض کریں، اسی طرح حضور کی تمام
اُمت کے لیے یہ قیامت تک حکم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندائے رسالت کریں
تو کہیں یا رسول اللہ ، یا نبی اللہ اس سے ثابت ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
یا رسول اللہ، یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا جائز ہے اور یہ دعا یا پکارنا عبادت
نہیں ہے دعا بمعنی عبادت وہاں ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عبادت
اور الوہیت میں غیر کو شریک کیا جائے گا تو ظاہر ہوا کہ اُلوہیت میں شریک کر کے
غیر کو پکارنا عبادت ہے اور یہی معنے الدعاء ھو العبادۃ کے ہیں، وہ دُعا
جس میں غیر کو شریک کر کے پکارا جائے وہ عبادت ہے، رسُول کو بحیثیت رسُول
پکارنا عبادت نہیں ہے، نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو نماز کے اندر حضور کو پکارتا ہے
ایھا النبی اور یہ بھی حکم ہے کہ جب تم قبرستان میں جاؤ تو کہو
السلام علیکم یا اھل القبور اب ظاہر ہے، کہ
اہل قبور کو پکارا جا رہا ہے لیکن یہ عبادت نہیں ہے۔ اسی طرح
مُسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی جب یا رسُول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حضور کو پکارتا ہے تو یہ ندائے عبادت نہیں ہے بلکہ ندائے
رسالت ہے جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔ سائل اپنی جہالت کی وجہ سے ندائے
رسالت کو ندائے الوہیت سمجھ رہا ہے اور مسلمانوں کو مشرک کہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان
کو مشرک کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ کفر اس کی طرف لوٹتا ہے اور قرآن پاک میں ہے
ان اللہ لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن
یشاء۔ لہذا سائل کو چاہیے کہ وہ مرنے سے قبل توبہ کرے ایسی صورت نہ ہو
کہ مسلمانوں کو مشرک کہتے ہوئے خود ہی مشرک ہو کر مرے لہذا موت سے پہلے توبہ
کرے۔ غرضیکہ قرآن و حدیث میں ہر جگہ دُعا کا معنی عبادت نہیں ہے بلکہ جہاں
جہاں الوہیت اور معبودیت میں غیر کو مشرک شریک قرار دیگا وہاں دُعا کا معنی عبادت ہوگا
جہاں ندائے رسالت ہوگی وہاں دُعا بمعنی پکارنا ہوگا۔ جیسے کہ مسلمان اپنے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں۔
جواب نمبر ۲۔ سائل کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہماری طرح بشر ہیں لہذا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا جائز نہیں یہ غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم ہمارے نبی ہیں اور اپنے نبی کو اپنی طرح بشر کہنا کفر ہے قرآن پاک میں ہے۔ یا نساء
النبی لستن کاحد من النساء (سورۃ ۲۲ رکوع ۲) اے نبی کی بیویو تم
دوسری عورتوں کی مثل نہیں جب حضور کی بیویاں بوجہ نسبت حضور دیگر عورتوں کی طرح
نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرح کیسے ہوں گے اور قرآن پاک میں جو حکم حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے کہ آپ فرما دیں انما انا بشر مثلکم کہ میں تمہاری طرح
بشر ہوں اس کے متعلق امام رازی لکھتے ہیں امر محمد اصلی اللہ علیہ
وسلم بان یسلك طريقة التواضع فقال (تفسیر کبیر ص ۱۴۹) یہ
اس لیے حکم کیا تا کہ عاجزی اور تواضع کے طریقے پر چلائے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

الفاظ بطور عاجزی کے استعمال کیے ہیں تو دوسرے لوگوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ
بھی حضور پر استعمال کریں اسی لیے تمام قرآن پاک میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کسی اُمتی
یا صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہو پھر یہ حکم بھی حضور کو ہے اسی لیے قل فرمایا،
نہیں فرمایا قولوا تم بھی کہو لہٰذا جو الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع اپنے
لیے استعمال فرمائے ہیں وہ دوسرے کو اجازت نہیں کہ وہ استعمال کرے نیز اس آیت
میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ یہ بھی فرمایئے کہ میری طرف وحی ہوتی ہے جو تمہاری طرف نہیں
ہوتی اس سے ہی تثلیث کی نفی ہو گئی کیونکہ سائل جو کہتا ہے کہ میں حضورؐ کے مثل ہوں،
اس سے پوچھا جائے کہ کیا تمہاری طرف بھی وحی ہوتی ہے اگر سائل کو وحی ہوتی
ہے تو کیا وہ نبی ہے جو کہ نبی کی ہم مثل بنتا ہے بایں وجہ ہی سائل کافر ہو گیا ثابت
ہوا کوئی شخص بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم مثل
نہیں ہے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ
سب کے۔ اور ہمارے نبی ہوئے تو حضور ہمارے لیے وسیلہ بھی بن سکتے ہیں قرآن
پاک میں ہے اولٰئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربھم الوسیلۃ
ایھم اقرب سورہ ۱۷ رکوع ۶ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں.
وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے
تاکہ جو سب سے زیادہ مقرب ہو اس کو وسیلہ بنائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مقرب
بندوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا
یہی طریقہ ہے اور قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ
ڈھونڈو جس کی بدولت تمہیں قرب ہو، ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا وسیلہ ڈھونڈنا جائز ہے، عمر بن سالم راجز جو کہ صحابی رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو وسیلہ بناتے ہوئے عرض کرتے ہیں فانصر رسول اللہ نصرا (۱)

(بیہقی ص۲۳۳)، اصابہ ص۲۹۶، الاستیعاب ص۲۴۶)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
مدد مانگ کیونکہ آپ ہر وقت مدد کے لیے تیار ہیں،
جواب نمبر۳: سائل کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا چکے ہیں لہٰذا حضورؐ کسی
کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ بھی غلط ہے سائل نے قرآنی آیات کا مفہوم نہیں
سمجھا لیجیے ہم صحیح مفہوم ذکر کرتے ہیں قرآن پاک میں ہے قل لا املک لنفسی
نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اپنے نفع اور نقصان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت رکھا ہے، اسی لیے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں جیسے کہ
الا ما شاء اللہ کے الفاظ صراحتاً اس پر دلالت کرتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ
وسلم اپنے نفع اور نقصان کو اپنی طرف نسبت کرتے تو ہو سکتا تھا کہ حضور کسی دوسرے
مسلمان کے نفع کے لیے اپنی ذاتِ مقدسہ کو نقصان پہنچاتے جب آپ نے اپنے
نفع اور نقصان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ
اپنے نبی کو نفع ہی پہنچائے گا کیونکہ قرآن پاک میں ہے واللہ یعصمک من الناس
کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نقصان پہنچانے والوں سے محفوظ رکھے گا۔ جب اللہ تعالیٰ
حضور کی حفاظت فرمائیں گے تو آپ کو نفع ہی نفع ہوگا نقصان کا ہونا ممکن
نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں جب حضور کے لیے
نفع ہی نفع ہے تو حضور اپنے امتیوں کے لیے بھی نفع اور رحمت ہی ہیں کتب صحاح ستہ
میں حدیث شفاعت کو ملاحظہ کیجیے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت
سے تمام لوگوں کو نفع پہنچے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شفاعتی لاہل الکبائر من امتی اور یہ بھی فرمایا
کہ میری شفاعت کے ساتھ ایک جماعت دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گی

(ابوداؤد ص۲۴۳ ج۲) ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو نفع پہنچاتے ہیں رہا سائل کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں آپ نفع نہیں پہنچا سکتے یہ بھی غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وصال مبارک بحیات حقیقی زندہ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حیٌّ یرزق (ابن ماجہ ص۱۱۹) بے شک اللہ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہے وہ رزق دیا جاتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ نبی اپنے وصال کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعد از وصال مبارک عالم برزخ میں بحیات حقیقی زندہ تشریف فرما ہیں بایں وجہ اللہ تعالے نے فرمایا ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک زترجمہ یا رسول اللہ اور اگر جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول کی ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت قبول کرنے والا مہربان پائیں اس آیتِ کریمہ کا حکم قیامت تک ہے، جس سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی سفارش فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسی وقت اس بندہ کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں انسان کو اس سے بڑھ کر اور کیا نفع ہو سکتا ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۲ / مارچ ۱۹۹۰ء

کتاب العلم

(۱۱) الاستفتاء!

حضرت قبلہ مفتی غلام رسول صاحب!

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ آپ نے اپنے فتاوٰی جماعتیہ حصہ دوم ص۹۲ پر لکھا ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں قسطنطنیہ فتح نہیں ہوا، لہٰذا عرض خدمت ہے کہ اس مسئلہ کی صحیح تحقیق فرما کر جواب تحریر فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

سائل

محمد شبیر احمد چارلس روڈ برمنگھم برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

ہم نے اس مسئلہ کے بارے میں فتاوٰی جماعتیہ حصہ اوّل کے ضمیمہ ص۲ پر تو یہی لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے حملہ کیا فتح کا ذکر نہیں کیا گیا فتاوٰی جماعتیہ کے دوسرے حصہ ص۹۲ میں فتح کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک قسطنطنیہ کے مکمل فتح ہونے کا تعلق ہے وہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں نہیں ہوئی بلکہ سلطان محمد بن سلطان مراد خاں نے ۱۴۵۳ء میں اس کو مکمل فتح کیا ایک مغربی مفکر فان کریمر (PHANKRAMER)

لکھتا ہے کہ ابتداءً محمد فاتح تک مسلمانوں نے قسطنطنیہ (استنبول) پر انتیس حملے کیے
تھے لیکن مسلمان مؤرخوں کے بیان کے مطابق قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے نو حملے ثابت
ہوتے ہیں مسلمانوں کا پہلا لشکر امیر معاویہ نے ۴۹ھ میں بری و بحری دونوں راستوں
سے قسطنطنیہ بھیجا جس میں حضرت ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن عمر المتوفی ۷۳ھ
عبداللہ بن زبیر المتوفی ۷۳ھ، عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ وغیرہ صحابہ کرام
بھی شامل تھے اس کا سبب وہ حدیث نبوی بیان کیا جاتا ہے جس میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا
اسے اللہ نے بخش دیا ہے اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی
فرمایا تھا کہ تم قسطنطنیہ کو ضرور فتح کرو گے اور وہ فاتح بھی خوب ہے اور اس کا امیر
بھی خوب ہے یہ روایت امام حاکم کی مستدرک میں اور احمد بن حنبل کی مسند میں اور ابن
عبدالبر کی استیعاب میں ہے چنانچہ اسی بنیاد پر سب سے پہلے امیر معاویہ رضی
اللہ عنہ نے ہی قسطنطنیہ فتح کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے لیے سفیان بن عوف
کی قیادت میں اسلامی فوج کو قسطنطنیہ بھیجا تھا جس میں مذکورہ بالا صحابہ کبار بھی شامل
تھے جن میں سے میزبان رسول ابو ایوبؓ انصاری وہیں شہید ہو گئے اور فصیل کے
نیچے دفن کیے گئے بعض علماء مؤرخین نے ابو ایوبؓ انصاری کی وفات میں اختلاف
نقل کیا ہے ملاحظہ کیجیے ہمارا فتاوٰی جامعتیہ جلد ثانی، دوسرا حملہ ۹۸ھ سلیمان
بن عبدالملک اموی کے عہد خلافت میں ہوا، تیسرا حملہ ہشام اموی کے عہد خلافت
۱۲۱ھ کے عہد میں ہوا، چوتھا حملہ، خلیفہ مہدی عباسی کے عہد خلافت ۱۶۵ھ
میں ہوا جس کی قیادت ہارون الرشید نے کی تھی۔ پانچواں حملہ ملک شاہ سلجوقی
نے کیا، چھٹا حملہ بایزید یلدرم نے کیا، ساتواں حملہ بھی بایزید یلدرم نے کیا آٹھواں
حملہ ۸۲۵ھ میں سلطان مراد خان نے کیا نواں حملہ ہی آخری حملہ تھا جو سلطان محمد

سلطان مراد خاں نے کیا اس حملہ کی تفصیل ایک ترک مؤرخ سعد الدین نے
بیان کی ہے کہ شہر قسطنطنیہ دو طرف سے سمندر سے ملا ہوا تھا، تیسری طرف
ایک زبردست دوہری دیوار اس کی حفاظت کے لیے بنائی گئی تھی دیوار کے
ایک سو فٹ گہری خندق کھودی گئی تھی جب شاہ محمد بن سلطان مراد خاں نے
بازنطیم والوں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ ترکی کی مدافعت کی مگر ان کے
بارود کی کمی تھی شاہ محمد ثانی کے پاس گولہ بارود کی افراط تھی چودہ توپ
سے گولہ باری کی جا رہی تھی ترکوں نے پہلے خندق کو پاٹ دینے کی کوشش
، درختوں کے تنوں مٹی کے انبار سے اس کے ایک حصے کو آہستہ آہستہ
شروع کیا بارود کی کانوں کو آگ لگا کر دیوار گرانے کی کوشش کی مگر سخت پتھر
کی وجہ سے کھودی نہ جا سکی بالآخر دن رات کی محنت کے بعد ترک خندق
راستہ برابر بھر کر اس پر سے کشتیاں پھسلا کر خشکی کے بلند حصہ پر رسیوں سے
لے گئے۔ سینٹ رومانس (ST-ROMANUS) کے مینار کو گرا دیا
عیسائیوں نے خندق کو پھر سے صاف کر دیا اور صفاک لاچی جنیوا کے بحری بیڑے
فوج کو سامان رسد پہنچا دیا مغربی یورپ کے ممالک اپنے جھگڑوں میں
بازنطیم کی کسی نے بھی اس موقعہ پر مدد نہ کی ترکوں نے دشمن کے بحریہ کو
بنانے کے لیے اپنی چھوٹی کشتیاں لکڑی کے تختوں وغیرہ سے بنائے ہوئے
آبنائے کے پار پہنچا دیں جوں ہی محمد ثانی فاتح نے آبنائے کے بالائی
پر اپنی فوج اور کشتیاں چڑھا دیں اور توپوں سے گولہ باری کرکے فصیل
شروع کی تو قسطنطنیہ والوں کی قوت مدافعت ٹوٹ گئی۔ کوکنسٹنٹائن
(COKASTANTIN) نے کلیساؤں کی دولت لٹا دی لیکن پھر بھی چالیس
کے محاصرے کے بعد بوقت صبح ترک شہر کے اندر داخل ہونے لگے جانباز

ینی چری کا ایک بلند قامت قوی ہیکل سپاہی دیوار پر چڑھ گیا اور شہر کے اندر کود گیا۔ اس کے ساتھ دوسرے بھی نیچے اتر آئے، کونسٹنٹائن بہادری سے آخر وقت تک لڑتا رہا آخر کار قتل ہو گیا، سلطان محمد ثانی فاتح سینٹ رومانس کے دروازے سے شہر میں داخل ہوا عیسائی امراء و مذہبی پیشوا علی الخصوص طبقہ اناث کے تارک الدنیا (NUNS) یا صوفیہ کے مشہور کلیسا اور دیگر عبادت خانوں میں پناہ گزیں ہوئے فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان نے عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں ذرا بھی دست اندازی نہیں کی بطریقوں کی تنخواہیں اور اختیارات بحال رکھے، انعام و اکرام میں کمی نہیں کی اس لیے چرچ کا طبقہ ترکوں سے ہمیشہ خوش رہا ہے اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح سلطان محمد ثانی فاتح کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۳ مئی ۱۹۸۶ء

⑫ - الاستفتاء!

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب!

ایک سوال پیش کر رہا ہوں وہ یہ کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ ایک بزرگ صحابی ہیں وہ اپنے مصحف (قرآن) میں دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس نہ لکھتے تھے، یہ پڑھ کر مجھے سخت پریشانی ہوئی ہے کہ کیا قرآن پاک میں کچھ ایسی سورتیں بھی ہیں جو کہ قرآن نہیں ہیں اس کا جواب مطلوب ہے۔

العارض
سید عبدالحمید شاہ شافعی کونٹری روڈ اسمال ہیلتھ
مکان ۵۴، برنگھم برطانیہ

الجواب هو الموفق المصدق والصواب!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق جو آپ نے پڑھا ہے کہ وہ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) کو قرآن سے نہیں سمجھتے تھے یہ غلط ہے۔ دیکھئے ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ علامہ نووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ معوذتین فاتحہ مصحف (قرآن) میں لکھی ہوئی تمام سورتیں قرآن ہیں اور جو ان میں سے کسی کا منکر ہو وہ کافر ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو منقول ہے وہ باطل ہے۔ یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جو نسبت کی گئی ہے وہ غلط ہے (شرح شفا ص ۱۱۵)

قال ابن حزم فی اول کتابہ المحلی[1] هذا كذب على ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے اپنی کتاب محلّی کے شروع میں کہا کہ یہ ابن مسعود پر افترا ہے امام فخرالدین رازی شافعی لکھتے ہیں والاغلب على الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل كاذب باطل

---

[1] محلی ابن حزم کی حدیث میں مشہور تالیف ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے، ۱۲ مفتی غلام رسول۔

(تفسیر کبیر ص۲۱ ج۱) اور زیادہ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس مذہب کی نقل جھوٹی اور باطل ہے، امام نووی شافعی، امام رازی شافعی، علی قاری حنفی، ابن حزم ظاہری کی کلام سے ثابت ہوا کہ ابن مسعود سے روایت جو معوذتین کے انکار کی ہے وہ غلط ہے، علامہ عبدالعلی بحر العلوم المتوفی ۱۲۲۵ھ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف انکار کی نسبت کی ہے اسکی سند کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ ان سندوں کے معارض ہے جو بالاتفاق صحیح ہیں اور علماء کرام بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول بھی تو ظاہر ہو گیا کہ ابن مسعود کی طرف نسبت انکار باطل محض ہے (فواتح الرحموت ص۳۱۵ ج۲) اس سے بھی ظاہر ہے کہ ابن مسعود معوذتین کا قرآن ہونے سے انکار نہیں کرتے بلکہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن سے ہی مانتے ہیں جس پر واضح شواہد یہ موجود ہیں کہ ابن مسعود ہر سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی میں امام کے ساتھ نماز تراویح ادا کرتے امام معوذتین کی قرأت کرتے جب ابن مسعود نے اس پر کبھی انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا ان کی طرف نسبت غلط ہے۔ امام اعصم کوفی کی قرآت جو حضرت ابن مسعودؓ سے تواتر منقول ہے اس میں معوذتین اور سورۂ فاتحہ شامل ہے جس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کا عقیدہ و قول یہی تھا کہ معوذتین قرآن ہیں قاری اعصم کوفی تابعی ہیں، حارث بن حسان اور دیگر صحابہ سے ملاقات کی ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اعصم کوفی المتوفی ۱۲۷ھ صاحب قرأت ہیں۔ اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں امام عجلی فرماتے ہیں عاصم صاحب سنت و قرأت ولقہ اور رئیس القراء تھے ابو اسحاق ربعی فرماتے ہیں میں نے عاصم سے بہتر قاری کوئی نہیں دیکھا اور سب سے زیادہ قرآن کا کوئی عالم نہیں پایا پچاس سال تک مسند مسند درس پر فائز رہے آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں کتنے شاگرد خود بڑے بڑے امام ہیں، جیسے امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ حضرت فضیل المتوفی ۱۸۷ھ، راویوں میں دو شاگرد زیادہ مشہور ہیں شعبہ بن عیاش المتوفی ۱۹۳ھ حفص

بن سلیمان المتوفی ۱۸۰ھ، امام حمزہ بن حبیب کوفی المتوفی ۱۵۶ھ تبع تابعی ہیں یہ بھی قراء سبعہ سے ہیں، ان کا سلسلہ سند بھی ابن مسعودؓ تک پہنچتا ہے اس میں بھی معوذتین اور سورۂ فاتحہ ہیں ان کے شاگردوں سے دو زیادہ مشہور ہیں، خلف ابن ہشام المتوفی ۲۲۹ھ، خلاد بن خالد المتوفی ۲۲۰ھ، علی بن حمزہ کسائی کوفی المتوفی ۱۸۹ھ کی سند بھی ابن مسعود تک پہنچتی ہے انکے بھی بڑے بڑے نامی گرامی شاگرد ہیں جیسے کہ ابو یعقوب اسحاق بغدادی المتوفی ۲۸۶ھ، ابو الحسن ادریس بغدادی المتوفی ۲۹۲ھ یہ لوگ حافظ حدیث بھی ہیں ان سے امام مسلم، امام ابو داؤد وغیرھا محدث روایت کرتے ہیں (مناہل العرفان فی علوم القرآن ص۴۲۶ ج۱) قراء عشرہ کی سندیں اتفاقی طور پر تمام امت مسلمہ کے درمیان مقبول ہیں لہٰذا جب صحیح سندوں سے ثابت ہو گیا کہ امام اعصم کوفی، امام حمزہ، امام کسائی، امام خلف بن ہشام سب کی سندیں

۱؎ علامہ ذہبی نے جن سات مشہور قراء صحابہ کے نام کی تصریح کی ہے وہ یہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ، حضرت عثمان المتوفی ۳۵ھ، حضرت علی المتوفی ۴۰ھ۔ ابی کعب بن المتوفی ۱۹ھ، زید بن ثابت المتوفی ۴۵ھ، حضرت ابو درداء المتوفی ۳۲ھ ابو موسیٰ اشعری المتوفی ۵۲ھ پھر ان صحابہ سے تابعین کی ایک کثیر تعداد نے قرأت سیکھی پھر ان سے تبع تابعین یہاں تک فن قرأت میں سات امام فن مشہور ہوئے اور وہ یہ ہیں، نافع بن ابی نعیم المتوفی ۱۶۹ھ، عبداللہ بن کثیر المتوفی ۱۲۰ھ، ابو عمر بن العلا المتوفی ۱۵۴ھ عبداللہ بن عامر المتوفی ۱۱۸ھ، عاصم بن ابی النجود المتوفی ۱۲۷ھ، حمزہ بن حبیب بن زیات المتوفی ۱۵۶ھ، ابو الحسن کسائی المتوفی ۱۸۹ھ، مفتی غلام رسول۔

۲؎ مناہل العرفان کے مصنف علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی ہیں جو جامعہ مصر کی کلیہ "اصول الدین" میں علوم القرآن اور علوم الحدیث میں استاذ تھے یہ ان کی نہایت مفید اور جامع کتاب ہے علامہ موصوف کی وفات ۱۳۶۷ھ ہے۔ ۱۲۰ مفتی۔

ابن مسعودؓ تک پہنچتی ہیں اور ان سب قراءتوں میں فاتحہ اور معوذتین جزء قرآن ہیں تو بلا شبہ ابن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار قرآنیت کا انتساب غلط اور باطل ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس ترتیب پر آج قراءت قرآن ہو رہی ہے یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے قراءت عشرہ (جنکی سندیں صحیح اور اتفاقی ہیں) نے اپنی قراءتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اور اسی ترتیب پر قراءت فرمائی ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان شیوخ نے انہیں اس طرح پڑھایا ہے اور شیوخ کے شیوخ نے شیوخ کو اسی طرح پڑھایا یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود کی طرف قراءت شاذہ مثلاً متشابہات کا انتساب صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کو ابن مسعودؓ نے بطور قرآن کے نقل نہیں کیا اگر وہ قرآن ہوتی تو ان قراءتوں میں جن کا سلسلۂ اسناد حضرت ابن مسعود پر ختم ہو جاتا ہے، اس کی قراءت ہوتی، ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں متشابہات کو بطور تفسیر لکھا اور راوی کو وہم ہوا کہ یہ ان کے نزدیک قرآن ہے یا پہلے قرآن تھا پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ (فواتح الرحموت ص۱۵ جلد ۲) امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقد انزل آیات لم ینزل علی مثلھن المعوذتین مجھ پر چند ایسی آیات نازل ہوئیں ان کی مثل مجھ پر نازل نہ ہوئیں وہ معوذتین ہیں اس حدیث میں معوذتین کو آیات کہا گیا ہے آیت کا اطلاق قرآن پر ہوتا ہے دعاؤں کو آیت نہیں کہا جاتا جس سے ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن ہیں۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، ابن انباری المتوفی ۳۲۸ھ اور ابن مردویہ المتوفی ۴۱۰ھ نے عقبہ بن عامر المتوفی ۵۹ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئیں

جن کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھیں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، اس حدیث میں بھی معوذتین کو آیات کہا گیا ہے آیات قرآن کی ہوتی ہیں حضرت معاذ بن جبل المتوفی ۱۸ھ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو حضور نے نماز صبح پڑھی اور اس میں معوذتین کی قراءت فرمائی پھر فرمایا اے معاذ تم نے سنا، میں نے عرض کی ہاں فرمایا اس کی مثل لوگوں نے قراءت نہ کی یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن ہیں کیونکہ نماز میں بطور قراءت قرآن ہی پڑھا جاتا ہے ان روایات کے علاوہ بھی صحابہ کرام سے کافی روایات ہیں جن سے معوذتین کے قرآن ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس سے ظاہر ہے جیسا کہ دیگر صحابہ کرام کی روایات سے معوذتین سے قرآن ہونے کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح ابن مسعودؓ کی بالا روایت کردہ روایت سے معوذتین کا قرآن ہونا بھی ثابت ہوتا ہے پھر یہ اصول موضوعہ سے ہے کہ صحابی کی اپنی روایت کردہ حدیث پر صحابی کو اعتقاد لازم اور ضروری ہے، بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو اس اصول کے پیش نظر تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کے قرآن ہونے کے ضروری قائل تھے اب رہی یہ بات کہ ان صحیح روایات کا کیا جواب ہے جن سے بظاہر انکار قرآنیت سے معنی مفہوم ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ فن اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایات حدیث مشہور کے خلاف ہوں تو حدیث مشہور کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے خلاف جو روایات ہیں ان میں انقطاع باطنی سمجھتے ہوئے ان کو غیر مقبول قرار دیا جائے گا جیسا کہ علامہ عبد العلی بحر العلوم لکھتے ہیں کہ جس نے انکار کی نسبت ابن مسعود کی طرف کی اس کی سند کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ ان اسناد کے معارض ہے جو بالاجماع صحیح ہیں (فواتح الرحموت ص۱۵ ج ۱) حاصل بحث یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ معوذتین کے قرآن

ہونے کے منکر قائل تھے بلکہ خود ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث سے معوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہے اور آپ کا عقیدہ اور عمل بھی یہی تھا کہ معوذتین قرآن کی جز ہیں البتہ جن روایات سے بظاہر انکار کا معنی نکلتا ہے وہ قرأت صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں مرجوح ہوں گی اگرچہ ان کے راوی ثقہ اور معتبر ہی کیوں نہ ہوں یہ ضابطہ اور اصول ہے کہ جب کوئی حدیث دوسری حدیث کے معارض ہو تو حدیث مشہور کو ترجیح ہوتی ہے اور دوسری روایات میں انقطاع باطنی مانا جاتا ہے کہ راوی کو فہم معنی میں کوئی وہم عارض ہو گیا ہے جس سے وہ حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکا لہٰذا حدیث مشہور کے مطابق معوذتین قرآن کی جز ہیں یہی ابن مسعود کا عقیدہ و قول و عمل ہے۔

واللہ ورسولہ بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ع۱۱ برطانیہ

۴۔ جون ۱۹۸۶ء

(۱۲) الاستفتاء!

جناب قبلہ مفتی غلام رسول صاحب!

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ چند مسائل کا جواب مطلوب ہے۔

۱۔ سورۃ برات میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ کیا ہے۔

۲۔ سورتوں کے نام رکھنے کا کیا ثبوت ہے۔

۳۔ قرآن پر جو اعراب اور نقطے لگائے گئے یہ کب لگائے گئے تھے۔

۴۔ مکی آیات کتنے ہیں اور مدنی کتنے ان تمام کا جواب فتویٰ کی صورت میں درکار ہے۔

سائل

عبدالعلیم فاروقی، آسٹن، برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر ۱، قرآن پاک کی جو سورتیں ہیں وہ چار قسم پر منقسم ہیں۔

نمبر ۱ طوال سبع ء سات لمبی سورتیں جن میں پہلی سورۃ بقرہ اور آخری سورۃ براۃ ہے۔

نمبر ۲ مئین وہ گیارہ سورتیں ہیں جو طوال کے بعد کی ہیں کیونکہ وہ تقریباً سو آیات پر مشتمل ہیں۔

نمبر ۳ مثانی، جو مئین کے بعد کی سورتیں ہیں جو تعداد میں مئین کے قریب اور ان کی ثانی ہیں۔

نمبر ۴ مفصل، امام نووی کہتے ہیں کہ مفصل سورتیں حجرات سے شروع ہیں انکو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا فاصلہ بسم اللہ کے ساتھ زیادہ ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ مفصل کا معنی محکم ہے چونکہ اس میں نسخ کی قلت ہے یہ محکم ہوئیں امام بخاریؒ نے سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ سے مفصل کا معنے محکم ہی روایت کیا ہے (مناہل العرفان فی علوم القرآن ص۵۲۴) گویا کہ طوال سبع سات سورتیں ہیں مئین گیارہ سورتیں ہیں مثانی بیس ہیں اور مفصل چھہتر سورتیں ہیں یہ تقسیم اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ جو حضرت واثلہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے تورات کے بدلے میں سبع طوال ملی ہیں اور زبور کے بدلے میں مئین اور انجیل کے بدلے مثانی اور مفصل میرے ساتھ ہی مخصوص ہیں (فضائل قرآن مجید ص۶) اب پہلے سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۳۵ھ، سے عرض کیا کہ آپنے سورۃ انفال اور سورۃ براۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھ کر دونوں کو متصل کیوں کر دیا حالانکہ انفال مثانی سے اور سورۃ برأت مئین سے ہے۔ اور پھر انہیں

سبع طوال میں کیوں شامل کر دیا تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتیں جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور کسی کاتب وحی کو بلا کر فرماتے یہ آیات اس سورۃ میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے اور سورۃ انفال مدینہ میں ابتداءً نازل شدہ سورتوں سے تھی اور سورۂ براۃ نزول میں قرآن کی آخری سورۃ تھی اور مضمون دونوں کا ملتا جلتا تھا فقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبین لنا انہا منہا فمن اجل ذلك قرنت بینہما ولم اکتب بینہما سطر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ووضعتہا فی السبع الطوال پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوگیا اور حضور نے ہم سے بیان نہ فرمایا کہ یہ سورۃ اسی سے ہے اب میں نے مضمون کی یکسانی سے یہی سمجھا کہ سورۂ برأت سورہ انفال ہی سے ہے اس لیے میں نے دونوں کو متصل کر دیا اور درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور اسے میں نے سات لمبی سورتوں میں رکھا (اتقان ص ۶۲ ج ۱، کنز العمال ص ۲۵ ج ۱، مستدرک ص ۲۲۱ ج ۲) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ برأت تلوار کے ساتھ امن اٹھا دینے کے لیے نازل ہوئی ہے لہٰذا اس کے اوّل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی گئی۔

جواب نمبر ۲: سورتوں کے نام حدیث پاک سے ثابت ہیں، مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسلم شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤا الزہراوین البقرۃ وسورۃ آل عمران ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ حضرت عطا المتوفی ۱۱۴ھ سے روایت ہے بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ یٰسین فی صدر النہار قضیت حوائجہ۔ ان روایات میں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۂ یٰسین کا نام ذکر کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ سورتوں کے نام حدیث پاک سے ثابت ہیں۔

جواب نمبر ۳: عربی خط میں پہلے حرکات، سکون، تشدید، اور نقطوں کا وجود نہ تھا اس لیے قرآن پاک میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے، تعلمون، یعلمون، تعلم، بعلم، نعلم فتح، فتح، ذکر، دکر، سب کی شکلیں یکساں یوں رتعلموں، تعلموں، تعلم، تعلم تعلم، فتح، فتح، دکر، دکر تھیں لیکن اہل عرب کی زبان اور ان کے فہم و کلام کا کرشمہ تھا وہ ان سب کو بغیر اصلی حروف و حرکت کے متعین کر لیتے اور صحیح پڑھتے، مصحف عثمانی کی تدوین و ترتیب کے بعد بھی تقریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عربوں سے بھی قرارت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں، جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف المتوفی ۹۵ھ نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لیے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ نصر بن عاصم لیثی المتوفی ۱۸۹ھ نے نقطے ایجاد کیے جس سے ہم شکل حروف میں امتیاز پیدا ہوا سب سے پہلے باء اور تاء پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ متاثر اور خوش ہوئے اور کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں انہوں نے اسی وقت اختتام آیت کی علامت بھی اوّلاً نقطے ہی سے مقرر کی پھر موجودہ علامات ایجاد کیں، اعراب کے سب سے پہلے موجد ابوالاسود دؤلی تابعی بصری المتوفی ۶۹ھ ہیں جو علم نحو کے بھی موجد اور بانی ہیں۔ انہوں نے ایک شخص کو ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہ (بکسر لام) پڑھتے سنا جس کا ترجمہ یہ ہو جاتا ہے بیشک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے، چونکہ یہ بہت بڑی غلطی تھی انہوں نے فرمایا معاذ وجہ اللہ ان یبریٔ من رسولہ، خدا کی ذات کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے

رسول سے بری ہو۔ انہوں نے اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس کیا جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا، لیکن اس وقت زبر، زیر، پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لیے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا بلکہ اس کے لیے دوسرے رنگ کی روشنائی استعمال کرتے زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ اور زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ ضمہ کے لیے حرف کے اندر ایک نقطہ اور شد کے لیے دو نقطے مقرر کیے، پھر خلیل بن احمد[1] فراہیدی المتوفی ۱۷۰ھ نے تشدید، مد، جزم، ہمزہ، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور زبر، زیر، پیش کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بعض لوگ قرأت میں غلطیاں کرتے دیکھے گئے تو اس کے حل پر بھی غور کیا گیا مگر اس کے سوا کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قراء، علما اور حفاظ سے اصلاح کرائیں اور ان سے تعلیم حاصل کریں، پھر علمائے اُمت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید اور علم قرأت میں باقاعدہ کتابیں لکھیں تمام امور کی توضیح و تنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرمادیا قرآن پاک پہلے ہی سے الگ الگ سورتوں میں منقسم تھا، سورتوں کی ترتیب علماء محققین کے قول کے مطابق توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق تھی تمام سورتوں کے مقامات وہی ہیں جن میں وہ اس وقت موجود اور ثبت ہیں۔

---

[1] علامہ محمد رحمی المتوفی ۱۳۲۷ھ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد عربوں میں خلیل بن احمد جیسا کوئی آدمی ذکی نہیں ہوا یہ علم عروض کا واضع تھا اور سیبویہ کا استاذ تھا۔ (العقد النامی علی الجامی ص۵) مفتی غلام رسول۔

اور سورتوں کے یہ مقامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر منقول ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ ترتیب سور کے توقیفی ہونے پر ایک دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد اور ابوداؤد نے حذیفہ ثقفی سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں بنی ثقیف کے اس وفد میں تھا جو اسلام لایا اس طویل حدیث میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کا ایک حصہ قرآنی منزل وارد ہوا میں نے چاہا کہ اسے پورا کرنے سے پہلے باہر نہ آؤں، ہم نے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ آپ لوگ قرأت کے لیے کس طرح قرآن کی منزلیں مقرر کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ تین سورتیں، پانچ سورتیں، سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں، تیرہ سورتیں اور ایک حزب ق سے ختم تک اسی ترتیب سے ہم قرآن پڑھتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں ختم قرآن کے لیے سات منزلیں مقرر کرتے تھے، پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل تھی، بقرہ آل عمران، نساء، دوسری منزل پانچ سورتوں[1] پر، تیسری منزل سات سورتوں پر، یونس، ہود، یوسف رعد، ابراہیم، حجر، نحل، چوتھی منزل نو سورتوں پر، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان، پانچویں منزل گیارہ سورتوں پر، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یٰسین، چھٹی منزل تیرہ سورتوں پر صافات، ص، زمر، مومن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف دخان، جاثیہ، احقاف، سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فتح، حجرات، اور ساتویں منزل سورۂ ق سے آخر قرآن تک مشتمل تھی اس سے ظاہر ہے کہ نزول

---

[1] سورۂ مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ، مفتی غلام رسول۔

اور سورتوں کی ترتیب بعینہٖ وہی ہے جو آج رائج ہے علامہ کرمانی شافعی المتوفی ۷۶۶ھ لکھتے ہیں کہ سورتوں کی بعینہٖ یہی ترتیب لوحِ محفوظ میں بھی ہے اور اسی ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال جبریل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے جبکہ جبرائیل علیہ السلام ماہِ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے اور اسی ترتیب پر وفات کے سال دوبارہ دورۂ قرآن فرمایا، سب سے آخر میں واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ نازل ہوئی جسے حضرت جبرائیل نے آیت ربا اور آیت مدانیہ کے درمیان رکھنے کو بتایا۔ (فتح الباری ص۳۶ ج۹، اتقان ص۶۲ ج۱) ثابت ہوا کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئیں، اسی طرح اس وقت قرآن پاک میں اپنے اپنے مقامات میں موجود اور ثبت ہیں اور سات منزلوں کی تعیین و تقسیم بھی توقیفی ہے اور آیات کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہی تمام آیات کی تدوین ہوئی ہے اور پاروں کی تقسیم بھی حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے یحییٰ بن یعمر المتوفی ۱۲۹ھ سے لگوائے دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) کی لگی ہوتی ہے اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانہ میں ہوئی رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رکوع کیا کرتے تھے۔ اس کے اختتام پر کنارے پر علامت (ع) لگا دی گئی۔ ابو عمرو عثمان بن سعید دانی المتوفی ۴۴۴ھ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ چھ ہزار چھ سو سولہ ۶۶۱۶ آیتیں ہیں اور تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر ۳۲۳۶۷۱ حروف ہیں اور قرآن پاک کے کلمات ستتر ہزار اور نو سو چونتیس ۷۷۹۳۴ ہیں۔ (اتقان ص۷۲ ج۱) اور سورتیں

ایک سو چودہ ۱۱۴ ہیں [1] اور رکوع کل پانچ سو چالیس ہیں آیات وعدہ ۱۰۰۰، آیات وعید ۱۰۰۰، آیات نہی ۱۰۰۰، آیاتِ امر ۱۰۰۰، آیاتِ مثال ۱۰۰۰، آیات قصص ۱۰۰۰، آیات تحلیل ۲۵۰، آیات تحریم ۲۵۰، آیات تسبیح و تقدیس ۱۰۰، آیات متفرقہ ۱۶۰۔ مکی سورتیں متفق علیہ ۶۵، مدنی سورتیں متفق ۱۸، مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ۳۱، اور بیس آیتیں منسوخ ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ پانچ آیتیں منسوخ ہیں (اتقان ص۲۳ ج۲، الفوز الکبیر ص۹۶) اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ نقطے حجاج بن یوسف کے حکم کے مطابق نصر بن عاصم لیثی نے لگائے اور اعراب زبر، زیر، پیش، تشدید، مد، جزم جو موجودہ ہیں یہ خلیل بن احمد راہیدی نحوی نے لگائے۔

جواب نمبر۴: بالاتفاق چھ ہزار ۶۰۰۰ آیات ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک چھ ہزار چھ سو سولہ ۶۶۱۶ آیات ہیں اور اہل مکہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ ۶۲۱۴ ہیں جو قدرے اختلاف ہے وہ درج ذیل صورت میں ملاحظہ کریں۔ آیاتِ مکی ۶۲۱۴، آیاتِ مدنی ۶۲۱۴، آیات کوفی ۶۲۳۶، آیات بصری ۶۲۱۴، آیات شامی ۶۲۵۰، آیاتِ ابن عباس ۶۶۱۶، آیات عام ۶۶۶۶، زبر ۵۳۲۴۲، زیر ۳۹۵۸۲، پیش ۸۸۰۴، نقطے ۱۰۵۶۸۴۔

---

[1] قرآن پاک کے اندر چار قسم کی سورتیں ہیں ایک وہ جس میں ناسخ و منسوخ دونوں ہیں اور وہ پچیس ہیں دوسری جس میں صرف منسوخ ہیں وہ ۴۳ ہیں۔ تیسری وہ ہیں جس میں صرف ناسخ ہیں وہ چھ ہیں اور چوتھی وہ ہیں جس میں ناسخ وہ منسوخ کچھ بھی نہیں اور وہ چالیس ہیں، مجموعہ ۱۱۴ ہو گیا۔ ۱۲۔

مفتی غلام رسول

قد ۱۷۱۷، تشدید، ۱۲۵۴۰ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ

۵ جولائی ۱۹۸۷ء

(۱۴) الاستفتاء!

سلام مسنون کے بعد عرض یہ ہے کہ پہلا فتوے مل گیا ہے اب ایک اور سوال در پیش ہے وہ یہ کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں انہوں نے قرآن کے آخر میں سورۃ " الناس " کے بعد یہ دو دعائیں لکھی ہوئی تھیں (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اللھم انا نستعينك ونستغفرك ونثني عليك الخير ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم اياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعى ونحفد، نخشى عذابك ونرجوا رحمتك ان عذابك بالكفار ملحق ۔ لیکن موجودہ قرآن میں یہ دعائیں نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سے ان کو نکال دیا گیا تھا جس سے مجھے سخت خلجان ہو گیا ہے کہ قرآن میں کمی بیشی کی گئی ہے اس کا جواب مطلوب ہے۔

سائل

عبد العلیم آسٹن برمنگھم، برطانیہ

۷ جولائی ۱۹۸۷ء

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

یہ دونوں قرآن مجید کی آیات یا سورتیں نہیں ہیں بلکہ یہ دعائیں تھیں جیسا کہ خود سائل نے ان کو دعائیں ہی کہا ہے حضرت ابی بن کعب المتوفی ۱۹ھ ہجر نے ان دعاؤں کو بطور یادداشت آخر قرآن میں درج کر لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دعاؤں کا سورت یا جزء قرآن ہونا ہرگز کسی روایت سے ثابت نہیں ہے علامہ سیوطی نے درمنثور میں پندرہ سے زائد صحیح حسن ضعیف، تقریباً تمام روایات نقل کر دی ہیں مگر کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جزء قرآن یا سورت کے نام سے یاد فرمایا ہو، امام بیہقی نے حضرت خالد بن عمران سے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کو یہ قنوت سکھائی جس سے واضح ہے یہ دعا قنوت تو ہے لیکن سورت قرآن نہیں ہے، پھر کتنی روایات ہیں جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بعض باتیں بتانے کا ذکر تو ہے مگر وہ جزء قرآن تو نہیں، قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطور قرآن نازل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن بتا کر تعلیم فرمائی ہو الغرض ان کلمات کا دعائے قنوت ہونا تو مسلم ہے مگر ان کی قرآنیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے خود حضرت ابن ابی کعب سے کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں انہوں نے دعائے قنوت کو قرآن بتایا ہو حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں جب قرآن کی تدوین ہوئی تھی تو اعلان عام تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن ہو لے آئے مگر ابی بن کعب کا ان دعاؤں کا بطور قرآن پیش کرنا کہیں ثابت نہیں ہے اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت زید کو قرآن لکھانے والے یہی تھے مگر ابی ابن کعب سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ یہ دعائیں قرآن کا جزء یا سورت

قرآن ہیں علاوہ ازیں یہ روایت جو ابی بن کعب سے دعا خلع (جدا ہونا)، و دُعا حفد (کوشش کرنا) کی مروی ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآنیت کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس کے لیے تواتر ضروری ہے۔ پھر وہ قرأت کے امام جن کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی ان کی قرأتوں میں بھی دعائے خلع اور دعاء حفد قرآن یا جُز قرآن نہیں ہے وہ ائمہ قرأت یہ ہیں، نافع مدنی المتوفی ۱۶۹ھ، ابن کثیر مکی المتوفی ۱۲۰ھ ابو عمرو بن العلاء البصری المتوفی ۱۵۴ھ، ابن عامر عبداللہ شامی المتوفی ۱۱۸ھ امام عاصم کوفی المتوفی ۱۲۷ھ، امام حمزہ کوفی المتوفی ۱۵۶ھ، امام کسائی المتوفی ۱۸۹ھ، امام یعقوب حضرمی بصری المتوفی ۲۰۵ھ، ابو جعفر مدنی المتوفی ۱۳۰ھ خلف بن ہشام المتوفی ۲۲۹ھ۔ ان قرأ عشرہ کی سندیں اجماعی اور اُمت کے درمیان مقبول ہیں ان سب قرأتوں میں دُعا خلع اور دعاء حفد کو نہ جُز قرآن نہ سورۃ قرآن کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ دعا خلع اور دعا حفد نہ قرآن ہیں اور نہ قرآن سے ہیں اب رہی یہ بات کہ حضرت ابی بن کعب ان دعاؤں کو اپنے مصحف میں کیوں لکھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب یہ اپنے مصحف میں محض یادداشت کے طور پر لکھیں، پھر یہ رہا کہ انہوں نے ان دعاؤں کی یادداشت کو اتنی اہمیت کیوں دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دعائیں آسمان سے نازل ہوئیں حضرت جبرئیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انکو پیش کیا اور دُعا قنوت واجب ہے، نماز وتر میں اس کی روزانہ حاجت ہے لہذا اس کی یادداشت و حفاظت بھی اہم ہے بنا بریں حضرت ابی بن کعب ان کو بطور یادداشت اپنے مصحف میں لکھ لیا یہ لکھنا بھی ان کا صرف اپنی ذات کے لیے تھا، آپ کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ ان دعاؤں کو تمام بلاد اسلامیہ میں رائج کیا جائے اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ المتوفی ۴۵ھ، کو کہتے کہ یہ

دعائے خلع اور دعائے حفد بھی قرآن سے ہیں انکو بھی قرآن میں شامل کیجیے باوجودیکہ ابی بن کعب حضرت زید بن ثابت کو قرآن نقل کروا رہے تھے، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے (تدوین قرآن ص ۱۲۶) خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا حفد، دُعا خلع قرآن سے نہیں بلکہ یہ صرف دعائیں ہیں اور نماز وتر کی تیسری رکعت کے قیام میں بعد قرارت کے انہیں پڑھا جاتا ہے اگرچہ "اللہ اکبر" کہہ کر انہیں قرارت سے جدا کر لیا جاتا ہے تمام صحابہ تابعین اور ملت اسلامیہ دعا خلع، دعا حفد کو صرف دعا ہی تصور کرتے ہیں نہ کوئی ان کو قرآن اور نہ ہی قرآن سے سمجھتا ہے، واللہ و رسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء

⑮ الاستفتاء!

جو آدمی علم دین کی خدمت کرتا ہے لوگوں کو تعلیم دیتا ہے، تبلیغ دین کرتا ہے اگر اس کو تنخواہ دی جائے تو اس کے لیے تنخواہ دینا لینا جائز ہے یا نہیں زید جو خود بھی علم دین پڑھا ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ تنخواہ لینا دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ لالچ بن جاتا ہے اس کے متعلق شرعی فتویٰ درکار ہے۔

سائل

محمد اختر والتھم سٹو لندن ای ۱۷

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید غلط کہتا ہے اگر کوئی شخص دین کی خدمت کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دین دیتا ہے تو اس کو تنخواہ دینا اور اس کے لیے لینا جائز ہے

امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ جب مصر میں پہنچے تو ابن الحکم نے آپ کی خدمت میں ہزار دینار پیش کیے، ابن الحکم المتوفی ۲۲۳ھ کے تین دوستوں نے امام شافعی کو مدعو کیا تو مزید دو ہزار دینار پیش کیے (تذکرہ السامع والمتکلم ص۱۷) علامہ جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ سیحان میں مچھلی اور روٹی بیچا کرتے تھے جب ایک عالم کی حیثیت سے ان کی شہرت پھیلی تو ان کی مالی حالت اچھی ہوگئی ایک دفعہ وہ بصرہ گئے اور وہاں سے اس قدر زیادہ دولت لے کر لوٹے کہ مامون الرشید المتوفی ۲۱۸ھ نے پوچھا وہاں ان کی کوئی بڑی جائیداد ہے، حافظ نے مسکرا کر جواب دیا میں نے اپنی کتاب "الحیوان" محمد بن عبدالملک کو، "البیان والتبیین" احمد بن داؤد کو اور "الزرع والنھل" ابراہیم بن عباس صولی کو پیش کیں اور تینوں نے مجھے پانچ پانچ ہزار دینار دیئے میں بصرہ سے اس شان سے روانہ ہوا جیسے وہاں میری کوئی بہت بڑی زرعی جائیداد ہے البتہ یہ جائیداد ایسی ہے جسے جوتنے بونے اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں ہے (معجم الادباء ص۵۶) ربیع بن سلیمان احمد بن طولون کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے پہلے ہی دن ابن طولون کی طرف سے ایک تھیلی موصول ہوئی جس میں ایک ہزار دینار تھے (الفہرست ابن ندیم ص۔ حسن المحاضرہ ص۱۳۷) زجاج نحوی ابراہیم المتوفی ۳۱۶ھ کی ماہانہ تنخواہ تین سو دینار تھی (الفہرست ابن ندیم ص۶۰) محمد بن علی بن اسماعیل المتوفی ۳۲۵ھ کتاب سیبویہ ایک سو دینار پر بھی پڑھانے پر آمادہ نہیں ہوتے، شیخ محمد شمس الدین سیوطی جو عربی کے ماہر عالم تھے الفیہ بن مالک پڑھانے کا معاوضہ ایک درہم فی شعر لیتے تھے اور الفیہ کے ہزار شعر ہیں (بغیۃ الوعاۃ للسیوطی ص۳۷ و ص۴۷) علامہ کسائی[1] نحوی کو باقاعدہ تنخواہ تو ملتی تھی لیکن پہلے پہلے ہارون الرشید المتوفی ۱۹۳ھ نے علامہ کسائی المتوفی

[1] امام کسائی کا نام علی بن حمزہ اسدی ہے کوفہ کے رہنے والے تھے پھر بغداد (بقیہ حاشیہ ص پر)

المتوفی ۱۸۹ھ کو دس ہزار درہم ایک خوبصورت کنیز مع تمام لوازمات، ایک غلام اور سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی دیا (ابن خلکان ص۴۲۰) علامہ ابن سکیت کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی ایک موقع پر المتوکل نے پچاس ہزار دینار عطا کیے تھے، شرح کنز میں بحوالہ نہایہ و ذخیرہ تبیین ہے کہ اب فتویٰ اس پر ہے کہ اذان، امامت، تعلیم قرآن تعلیم فقہ وغیرہ پر اجرت اور تنخواہ لینا جائز ہے کیونکہ متقدمین کے زمانہ میں اول تو ہر شخص کو بذات خود تحصیل دین کی طرف کامل رغبت تھی دوم یہ کہ خلفاء و امراء کی جانب سے وظائف مقرر تھے اور اب نہ وہ رغبات ہیں نہ عطیات اگر تنخواہ لینے کی اجازت نہ دی جائے تو حفظ قرآن کا سلسلہ منقطع اور تحصیل علم کا باب مسدود ہو جائے گا اسی لیے متاخرین مشائخ نے تنخواہ کا لینا مستحسن قرار دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، فتاویٰ رضویہ میں ہے فلو شرط لتعلیم القرآن ارجوان لا باس به لان الناس قد توارثوا ذالك واحتاجوا اليه (فتاویٰ رضویہ ص۲۰۱) عزیز الفتاویٰ میں ہے کہ اجرت امامت کی جائز ہے، بہر صورت جو شخص لوگوں کو قرآن یا کتب فقہ پڑھاتا ہے ان کے لیے تنخواہ کا لینا جائز ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برطانیہ
۱۸ جولائی ۱۹۸۷ء

(بقیہ حاشیہ ص ۔ سے) میں قیام پذیر ہوئے اور ہارون الرشید کے لڑکے امین کے استاد مقرر ہوئے سیبویہ عمرو بن عثمان المتوفی ۱۸۰ھ سے مناظرہ کیا، سیبویہ کو زبردست شکست دی سیبویہ اسی غم میں بصرہ چھوڑ کر فارس کی طرف چلا گیا وہاں فارس کے علاقہ میں فوت ہو گیا (العقد الناس علی الجامی ص۲۹۲)

مفتی غلام رسول۔

کتاب الصلوٰۃ

(۱۴) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت اس مسئلہ میں کہ جو لوگ ہم برطانیہ میں رہتے ہیں ہم کو فجر کس وقت پڑھنی چاہیے اور صبح صادق کب شروع ہوتی ہے۔

سائل

حاجی محمد اکرم (صاحب) مکان ۱۹۷

سمالیتھ برمنگھم ۱۰ برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب:

صبح دو قسم پر ہے ۱۔ صبح کاذب یہ آسمان میں ایک لمبی سفیدی ظاہر ہوتی ہے جس کے نیچے سارا افق سیاہ ہوتا ہے صبح صادق اس کے نیچے سے پھوٹ کر جنوباً وشمالاً دونوں پہلوؤں پر پھیل کر اوپر بڑھتی ہے یہ دراز سپیدی اس میں غائب ہو جاتی ہے ۲۔ صبح صادق ایک روشنی ہے کہ پورب کی جانب جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے اس کے اوپر آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اجالا ہو جاتا ہے صورت مسئولہ میں نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے، امام محی السنۃ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں:

واعلم ان الفجر فجران کاذب وصادق فالکاذب یطلع اولا مستطیلا کذنب السرحان یصعد الی السماء فبطلوعه لا یخرج اللیل ثم یغیب فیطلع بعده الفجر الصادق مستطیراً ینتشر سریعاً فی الافق فبطلوعه یدخل النهار (معالم التنزیل ص ۱۳۸ ج ۱) جان لو کہ فجر کی دو قسمیں ہیں۔ کاذب اور صادق، کاذب پہلے بھیڑیے کی دم کی طرح طلوع ہوتی ہے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے (اونچائی میں) اس کے طلوع ہونے سے رات ختم نہیں ہوتی پھر یہ غائب ہو جاتی ہے اس کے بعد فجر صادق پھیلی ہوئی (چوڑائی میں) طلوع ہوتی ہے اور جلدی سے افق پر پھیلتی ہے اس کے طلوع ہونے سے دن داخل ہوتا ہے۔ امام نووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ صبح کاذب اور صبح صادق کی تعریف لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال اصحابنا والاحکام کلها متعلقة بالفجر الثانی فیه یدخل وقت صلوٰۃ الصبح ویخرج وقت العشاء ولا یتعلق بالفجر الاول شئ من الاحکام باجماع المسلمین (شرح مهذب ص ۴۳ ج ۳) ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اسی فجر سے شریعت مطہرہ کے سارے احکام متعلق ہیں اس کے طلوع ہوتے ہی نماز فجر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور نماز عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور پہلی فجر یعنی صبح کاذب سے دین کے کسی حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے اسی پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے۔ ابوبکر جصاص المتوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صبح کی سرخی سے پہلے جو سفیدی افق کے عرض میں پھیلی ہوئی ظاہر ہوتی ہے اسی کے ساتھ احکام شرعیہ متعلق ہوتے ہیں علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں وانما الفجر المستطیر فی الافق ای المنتشر (فتح القدیر ص ۱۹۳) یقیناً فجر وہی ہے جو افق پر پھیلی ہوئی ہے محقق ابوریحان المتوفی

کتابُ الصَّلٰوۃ

⑰ - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت اس مسئلہ میں کہ جو لوگ ہم برطانیہ میں رہتے ہیں ہم کو فجر کس وقت پڑھنی چاہیے اور صبح صادق کب شروع ہوتی ہے۔

سائل

حاجی محمد اکرم (صاحب) مکان نمبر ۱۹۷
سمالیتھ برمنگھم نمبر ۱۰ برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صبح دو قسم پر ہے نمبر ۱ صبح کاذب یہ آسمان میں ایک لمبی سفیدی ظاہر ہوتی ہے جس کے نیچے سارا افق سیاہ ہوتا ہے صبح صادق اس کے نیچے سے پھوٹ کر جنوباً وشمالاً دونوں پہلوؤں پر پھیل کر اوپر بڑھتی ہے یہ دراز سپیدی اس میں غائب ہو جاتی ہے نمبر ۲ صبح صادق ایک روشنی ہے کہ پورب کی جانب جہاں سے آج آفتاب طلوع ہونے والا ہے اس کے اوپر آسمان کے کنارے میں دکھائی دیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے اور زمین پر اجالا ہو جاتا ہے صورت مسئولہ میں نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے، امام محی السنۃ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ فرماتے ہیں:

واعلم ان الفجر فجران کاذب وصادق فالکاذب یطلع اولا مستطیلا کذنب السرحان یصعد الی السماء فبطلوعه لا یخرج اللیل ثم یغیب فیطلع بعده الفجر الصادق مستطیراً ینتشر سریعا الی الافق فبطلوعه یدخل النهار (معالم التنزیل ص ۱۳۸ ج ۱) جان لو کہ فجر کی دو قسمیں ہیں۔ کاذب اور صادق، کاذب پہلے بھیڑیئے کی دم کی طرح طلوع ہوتی ہے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے (او نچائی میں) اس کے طلوع ہونے سے رات ختم نہیں ہوتی پھر یہ غائب ہو جاتی ہے اس کے بعد فجر صادق پھیلی ہوئی (چوڑائی میں) طلوع ہوتی ہے اور جلدی سے افق پر پھیلتی ہے اس کے طلوع ہونے سے دن داخل ہوتا ہے۔ امام نووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ صبح کاذب اور صبح صادق کی تعریف لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال اصحابنا والاحکام کلها متعلقة بالفجر الثانی فیه یدخل وقت صلوٰۃ الصبح ویخرج وقت العشاء ولا یتعلق بالفجر الاول شیٔ من الاحکام باجماع المسلمین (شرح مهذب ص ۴۳ ج ۳) کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اسی فجر سے شریعت مطہرہ کے سارے احکام متعلق ہیں اس کے طلوع ہوتے ہی نماز فجر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور نماز عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور پہلی فجر یعنی صبح کاذب سے دین کے کسی حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے اسی پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے۔ ابو بکر جصاص المتوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صبح کی سرخی سے پہلے جو سفیدی افق کے عرض میں پھیلی ہوئی ظاہر ہوتی ہے اسی کے ساتھ احکام شرعیہ متعلق ہوتے ہیں علامہ ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں وانما الفجر المستطیر فی الافق ای المنتشر (فتح القدیر ص ۱۹۳) یقیناً فجر وہی ہے جو افق پر پھیلی ہوئی ہے محقق ابو ریحان المتوفی

۴۴۰ھ اپنی مشہور کتاب "القانون المسعودی" میں صبح صادق ظاہر ہونے کے متعلق لکھتے ہیں انحطاط الشمس تحت افق حتّٰی کان ثمانیة عشر جزء کان ذالك وقت طلوع الفجر فی المشرق، جب سورج مشرق میں افق سے ۱۸ درجہ (ڈگری) نیچے ہوتا ہے وہ وقت طلوع فجر یعنی صبح صادق کا ہوتا ہے۔ محقق طوسی المتوفی ۶۷۲ھ بھی لکھتے ہیں کہ صبح صادق اس وقت ہوتی ہے کہ جب سورج افق سے ۱۸ درجے نیچے ہوتا ہے فتاویٰ اشرفیہ ص۱۷۸ میں ہے کہ سورج جب ۱۸ درجے زیر افق ہوتا ہے تو صبح صادق ہو جاتی ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ ۱۸ درجے انحطاط پر صبح صادق ہو جاتی ہے اس سے بہت درجے پہلے صبح کاذب فقیر نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے کہ علم ہیئت کے حساب سے آفتاب ہنوز ۲۲ درجے افق سے نیچے تھا تو صبح کاذب خوب روشن تھی، صبح صادق کے سالہا سال سے فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی ابتداء کا وقت ہمیشہ ہر موسم میں آفتاب ۱۸ درجے زیر افق پایا۔ (فتاویٰ رضویہ ص۶۴۳) بہر صورت صبح صادق بقول صحیح اس وقت شروع ہوتی ہے جب کہ مشرقی افق سے آفتاب کا انحطاط اٹھارہ درجے باقی رہے یعنی آفتاب افق شرقی کی طرف بڑھتا ہی رہتا ہے اور جب افق شرقی سے پورے ۱۸ درجے دور رہ جاتا ہے تو افق شرقی میں شمالاً وجنوباً پھیلی ہوئی سفیدی معلوم ہوتی ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں صبح کی نماز کا وقت صبح صادق کے طلوع سے آفتاب کی کرن چمکنے تک ہے سائل نے دریافت کیا ہے کہ یہاں برطانیہ میں صبح کی نماز کس وقت پڑھی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی فجر کی نماز صبح صادق کے بعد ہی پڑھی جائے گی لیکن برطانیہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ۵۰ سے ۵۸ ڈگری عرض بلد کے درمیان واقع ہے جس کی وجہ سے اس کے دن رات میں بالخصوص سردی اور گرمی کے موسم میں کافی حد تک فرق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مئی، جون، جولائی کے مہینوں میں آفتاب افق کے صرف ۱۲ درجے (ڈگری) تک ہی نیچے جاتا ہے اور شفق ابیض (سفیدی) پوری رات غائب نہیں ہوتی گویا کہ رات آتی ہی نہیں۔ آسمان پر ہر طرف روشنی نمایاں نظر آتی ہے جب ان ایام میں شرعی رات کا تحقق نہیں ہوتا تو صبح صادق بھی نہیں ٹھہرے گی لہٰذا صبح صادق کیلئے اندازہ کرنا پڑیگا وہ یوں کہ ان ایام سے جو پہلے صبح صادق کے لیے وقت ہے وہی وقت ان ایام میں اعتبار کیا جائے مثلاً آخری صبح صادق کا وقت ۱۲ مئی کو (سمر ٹائم) ایک بجکر اٹھائیس منٹ تھا اسی کے مطابق ۱۳ مئی سے یکم اگست تک یعنی دوبارہ صبح صادق تحقق ہونے تک ایک بجکر اٹھائیس منٹ پر صبح صادق تصور کی جائے اس کے بعد طلوع آفتاب تک صبح کی نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول

۱۲ اگست ۱۹۸۶ء

(۱۷) الاستفتاء

جناب مفتی غلام رسول صاحب! سلام مسنون کے بعد گزارش آنکہ چند مسائل کا شرعی جواب مطلوب ہے۔

نمبر۱: پانچ نمازوں میں سے کونسی نماز کس کس نبی نے پہلے پڑھی۔

نمبر۲: نماز فرض ہونے سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

نمبر۳: جو لوگ نماز فرض ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ نماز کس طرح

پڑھا کرتے تھے۔

نمبر۴: کیا اس وقت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے یا بیت اللہ کی طرف۔

اُمید ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر ان مسائل کا جواب فتویٰ کی صورت میں دیں گے۔

المستفتی

سید عبدالحمید شاہ (صاحب) کونٹری روڈ برمنگھم برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر۱ پانچ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا یہ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کو ہی عطا فرمائی گئیں ہیں بنی اسرائیل پر صرف چار رکعتیں دو صبح، دو شام کو فرض ہوئیں لیکن وہ ان کو بھی کما حقہ ادا نہ کر سکے جیسے کہ حدیث پاک میں ہے۔ ثم رددت الی خمس صلوٰۃ قال فارجع الی ربك فاسأله التخفیف فانه فرض علی بنی اسرائیل صلواتین فما قاموا بھا (نسائی یعنی پچاس سے صرف پانچ رہیں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں وہ ان کو بھی بجا نہ لا سکے، علامہ زرقانی المتوفی سنہ ۱۱۲۸ھ شاہ عبدالحق محدّث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۹ھ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی المتوفی سنہ ۱۰۶۹ھ محمد محمد بن امیر الحاج المتوفی سنہ ۸۷۹ھ، قاضی عیاض المتوفی سنہ ۵۴۴ھ ابن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ، امام ابو داؤد المتوفی سنہ ۲۷۹ھ اور امام بیہقی یہ تمام

ہی فرماتے ہیں کہ پانچ نمازیں صرف اس امت پر فرض کی گئیں ہیں اور پانچ نماز ول سے تمام سے پہلے فجر کی نماز آدم علیہ السلام نے پڑھی آدم علیہ السلام جب جنّت سے زمین پر تشریف لائے تو دنیا آپ کی آنکھوں میں تاریک تھی مزید اس پر رات کی تاریکی آئی جس سے تشویش ہوئی۔ جب صبح صادق ہوئی تو آدم علیہ السلام نے دو رکعت بطور شکر یہ ادا فرمائیں کہ تاریکی شب ختم ہوئی ہے اور دن کی روشنی دیکھی ہے۔ اور ہم پر یہ دو رکعت نماز فجر فرض ہوئی کہ اس کی وجہ سے گناہ کی تاریکی ختم ہو اور بندگی کا نور عطا ہو، ظہر کے وقت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعت ادا فرمائیں جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح فرمایا پہلی رکعت اس وجہ سے کہ بیٹے کا غم دور ہو اور دوسری رکعت فدیہ آنے کی وجہ سے تیسری رکعت رضائے خداوندی حاصل ہونے کی وجہ سے اور چوتھی رکعت کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکم خداوندی میں تاخیر نہیں فرمائی یہ چار رکعت ہم پر فرض ہوئیں کہ جب ہم پڑھیں کہ ہم کو قتل نفس کے بعد غم سے نجات دے یہود اور نصاریٰ کو ہمارا فدیہ کر کے ہم کو دوزخ سے بچائے اور ہم سے خدا تعالیٰ راضی بھی ہو اور چوتھی رکعت کہ اس نے ہم کو قتل نفس پر توفیق عطا فرمائی۔ اور عصر کی نماز تمام سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار ظلمت سے نجات عطا فرمائی تھی ۱۔ ظلمت لغزش ۲۔ ظلمت غم ۳۔ ظلمت دریا ۴۔ ظلمت شکم ماہی یہ چار رکعت ہم پر فرض ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ہمیں ظلمت گناہ، ظلمت قبر، ظلمت قیامت، ظلمت دوزخ سے نجات عطا فرمائے۔ مغرب کی نماز پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی پہلی رکعت اس لیے پڑھی کہ اپنے سے تہمت الوہیت کی نفی ہو اور دوسری رکعت سے اپنی والدہ ماجدہ سے نفی الوہیت کا اظہار فرمایا اور تیسری رکعت اس لیے پڑھی تاکہ اللہ تعالیٰ کے لیے الوہیت ثابت ہو۔ یہ تین رکعتیں ہم پر فرض ہوئیں کہ ان کے ذریعے سے قیامت کے دن ہم پر حساب آسان ہو۔ نار سے نجات ہو اور قیامت کی گھبراہٹ سے پناہ

ملے، سب سے پہلے عشا موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب مدائن سے چلے تو راستہ بھول گئے تھے نمبر ۱ ایک بی بی صاحبہ کا غم نمبر ۲ دوسرے اولاد کی فکر نمبر ۳ بھائی کا فکر نمبر ۴ چوتھے فرعون سے خوف جب وادی ایمن میں ان چاروں فکروں سے نجات ملی تو چار رکعتیں ادا فرمائیں، ہم پر یہ بوقت عشاء چار رکعتیں فرض ہوئیں تاکہ ان کی وجہ سے ہمیں نمبر ۱ سیدھا راستہ دکھائے نمبر ۲ ہمارے مقاصد پورے کرے نمبر ۳ ہمیں دوستوں سے ملائے نمبر ۴ اور دشمنوں پر فتح دے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پہلی فجر کی نماز حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھی اور ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام اور مغرب کی نماز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عشاء کی نماز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی تھی۔ یہی پانچ نمازیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت پر فرض ہوئیں اور پانچ نمازوں کی فرضیت معہ جماعت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ مختص ہے۔

جواب نمبر ۲ نماز فرض ہونے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد پڑھا کرتے تھے اور نماز فجر اور نماز عصر بھی پڑھا کرتے تھے در مختار میں ہے۔ وکانت قبلہ صلاتین قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا یعنی طلوع شمس سے پہلے (نماز فجر) اور غروب شمس سے پہلے (نماز عصر) دو نمازیں تھیں گویا کہ وحی اترنے سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں پڑھا کرتے تھے لیکن پانچ نہیں جب وحی اتری تو حضور نے بھی پڑھی اسی دن حضرت خدیجۃ کبریٰ صلوات اللہ علیہا المتوفاۃ سن نبوت سنہ ۱۰ نے بھی پڑھی دوسرے دن حضرت علی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور پانچ نمازوں کی فرضیت معراج والی رات میں ہوئی لہٰذا اس کے بعد پانچ پڑھتے رہے پہلے بھی پڑھتے تھے لیکن پانچ نہیں۔

جواب نمبر ۳ جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے وہ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم فرماتے تھے اسی طرح پڑھتے تھے حدیث میں آیا ہے یصلون الضحیٰ والعصر کہ مسلمان نماز کی فرضیت سے پہلے چاشت اور عصر پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب جب آخر دن ہوتا تھا تو گھاٹیوں میں متفرق ہو کر بھی نماز پڑھا کرتے تھے گویا کہ زیادہ تر عصر اور فجر کے ٹائم پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی بوقت چاشت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور نماز کی کیفیت وہی تھی جو کہ معراج کے بعد ہوئی یعنی نماز میں وضوء، کپڑے پاک، جسم پاک، تکبیر تحریمہ۔ قیام قرأت، رکوع، سجدہ وغیرہ گویا کہ نماز کی ترکیب وکیفیت سابقہ اور لاحقہ مساوی تھی۔

جواب نمبر ۴ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک نماز کے لیے قبلہ کعبۃ اللہ ہی تھا مگر موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک قبلہ بیت المقدس بنا لیکن یہودیوں نے بیت المقدس کا غربی حصہ قبلہ بنایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی مغرب جانب میں آئی جیسے کہ قرآن پاک میں ہے وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الیٰ موسی الامر اور عیسائیوں نے اس خیال پر مشرق کو قبلہ اختیار کیا کہ حضرت مریم پر مشرقی حصہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری لائے اذا انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا پھر فرماتا ہے فارسلنا الیھا روحنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے جب نماز پڑھتے تھے تو کعبہ کی طرف ہی چہرہ مبارک کرتے تھے، شب معراج جب بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی تو یہ نماز بیت المقدس کی طرف ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لیے تشریف لے گئے اور نماز فرض ہوئی

تو بیت المقدس ہی قبلہ مقرر ہوا کیونکہ یہاں سے آسمانی سفر شروع ہوا تھا۔ اور وہاں انبیاء کرام کا اجتماع اور وہاں ہی سے حضور کی سلطنت کا ظہور گویا ان واقعات کی یادگار تھی معراج کے بعد جب تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا بیت المقدس کی طرف نماز ہوتی رہی مگر کعبہ معظمہ کو سامنے لے کر یعنی بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کرتے کہ کعبہ معظمہ بھی سامنے آجاتا مدینہ منورہ پہنچ کر اس طرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا لہٰذا بیت المقدس کی طرف نماز ہوتی رہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شوق یہ تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ مہینہ کے بعد پندرہویں رجب پیر کے دن مسجد بنی سلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے دو رکعتیں بیت المقدس کی جانب ہو چکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لائے قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فوراً مع صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے یہ نماز نماز قبلتین ہوئی اور مسجد جامع قبلتین (تفسیر عزیزی، تفسیر احمدی، تفسیر نعیمی ص) اس سے ظاہر ہوا کہ قبل معراج بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھی گئیں، معراج والی رات بیت المقدس میں جو نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کو پڑھائی اس میں قبلہ بیت المقدس ہی رہا جب معراج والی رات نماز فرض ہوئی تو پھر بھی قبلہ بیت المقدس ہی رہا ۔ لیکن اس طرح کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے کہ کعبہ معظمہ بھی سامنے ہوتا۔ جب مدینہ منورہ حضور تشریف لے گئے تو ایک سال ساڑھے پانچ ماہ تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا اور تحویل قبلہ کے بعد بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا جو قیامت تک رہے گا۔ واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۲۲ اگست ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ۔ (۱۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ کہ ہم لوگ برطانیہ میں رہتے ہیں یہاں پر سال میں تقریباً چالیس یا کچھ زائد ایسی راتیں آتی ہیں جن میں نماز عشا کا وقت نہیں ہوتا کیونکہ شفق ڈوبتی نہیں اندھیرا ہوتا نہیں تو اس صورت میں نماز عشاء اور وتر کا کیا حکم ہے کیا نماز عشاء اور وتر کا پڑھنا فرض ہے یا نہ

سائل

محمد احسن (صاحب) لیڈز ۲

یارک شائر یو کے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں نماز عشا اور نماز وتر دونوں پڑھنے لازم ہیں اسی طرح ان ملکوں میں بھی جہاں تمام سال میں عشا اور وتر کا وقت نہیں ہوتا بلکہ شفق غروب ہونے سے پہلے ہی صبح ہو جاتی ہے بقدر عشا اور وتر فرضی وقت کا اندازہ کرکے دونوں نمازیں پڑھنی ضروری ہیں چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ شمالی جانب ملک صقالیہ میں ایک بہت بڑا شہر بلغار ہے اور بقول البحر الرائق والداد الفتاح گرمیوں کے شروع میں جب آفتاب کی تحویل برج سرطان میں ہوتی ہے تو وہاں ۲۳ گھنٹے آفتاب طلوع رہتا ہے اور صرف ایک گھنٹہ کے لیے غروب ہوتا ہے چنانچہ ایک بلغاری کا بیان ہے کہ ان کے یہاں گرمیوں کے ایک چلہ میں شفق غروب ہونے سے پہلے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے اور وہاں کے باشندے وقت کے ایک حصے کو رات فرض کرکے روزہ

میں ایک دو بار کھا لیتے ہیں بلکہ اس ملک سے بھی آگے باشندوں کا بیان ہے۔ وہاں اندھیرا بالکل نہیں ہوتا دن ہی رہتا ہے لیکن بعض ملک اس کے برخلاف ایسے بھی ہیں جہاں بجز چراغ کے روشنی نہیں ہوتی ہمیشہ رات رہتی ہے بہرحال قطبین کے قریب غروب آفتاب برائے نام ہوتا ہے جیسے کہ علم ہیئت جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے بہرحال جہاں عشا اور وتر کا وقت نہیں ملتا وہاں یہ دونوں نمازیں پڑھنی چاہئیں اور اندازہ سے وقت نکالا جائے برہان کبیر میں اسی پر فتویٰ ہے، علامہ ابن ہمام، المتوفی سنہ ۸۶۱ھ قاضی عبد البر ابن شحنہ المتوفی سنہ ۹۲۱ھ، اور صاحب تنویر نے اسی کو مختار اور صحیح مذہب قرار دیا ہے وقت اگر معدوم ہے تو پھر نماز کی فرضیت باقی رہے گی کیونکہ وقت نماز کے لیے سبب حقیقی نہیں ہے بلکہ سبب حقیقی پر وقت تو علامت ہے، علماء اصول لکھتے ہیں۔ تنسب الاحکام الیھا من حیث الظاھر وان کان المؤثر الحقیقی فی الاشیاء کلھا ھو اللہ تعالیٰ (نور الانوار ص۱۴۳) وحاصلہ ان لاحکام الشرع اسبابا تضاف الیھا والموجب والشارع لھا فی الحقیقۃ ھو اللہ تعالیٰ دون السبب (حسامی[1] مع النامی ص۱۱۶) اس سے ظاہر ہے کہ مؤثر حقیقی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی

[1] حسامی اصول فقہ کی ایک عظیم کتاب ہے اس کے مصنف کا نام محمد ہے کنیت ابو عبد اللہ اور حسام الدین لقب ہے والد کا نام بھی محمد اور دادا کا نام عمر ہے اخیکث کے رہنے والے تھے جو کہ ریاست فرغانہ کا ایک شہر ہے حسامی اصول فقہ کی ایک اہم کتاب ہے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں سے چند یہ ہیں، التحقیق شرح حسامی، النامی شرح حسامی، نظامی شرح حسامی۔ بروز دوشنبہ ۲۲ ذی قعدہ ۶۴۴ ہجری میں وفات پائی اور قاضی خان کے مقبرے کے قریب دفن ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر ہزار اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ مفتی غلام رسول۔

ذات ہے سبب مؤثر نہیں یعنی نماز کی فرضیت کا وقت کی طرف انتساب صرف ظاہری طور پر ہے حقیقتاً نہیں ہے کیونکہ وقت اگر نماز کے لیے سبب ہے تو یہ سبب جلی ہے نفس الامر میں وجوب کا سبب خفی ہے وقت تو اس سبب خفی اور حقیقی کی علامت ہے اگر جلی سبب کسی وقت معدوم بھی ہو جائے تو فرضیت سبب حقیقی کی وجہ سے باقی رہے گی اور نماز عشا کا پڑھنا لازم ہوگا ہماری اس تحقیق سے یہ سوال بھی مرتفع ہوگیا کہ اگر کسی آدمی کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت کٹ جائیں یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹ گئے ہوں تو اس آدمی کے لیے وضو کے چار فرضوں سے صرف تین فرض باقی رہ جاتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ جب سبب نہیں رہا تو فرضیت بھی باقی نہ رہے گی لہٰذا جب نماز کا ہی وقت ہی نہیں تو نماز بھی واجب نہ ہوگی اس سوال کے مرتفع ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہاں نماز کے وقت کے مسئلہ میں اگر سبب ظاہری وقت موجود نہیں تو سبب حقیقی کے موجود ہونے کی وجہ سے نماز عشا کا پڑھنا لازم ہوگا کیونکہ ایک عضو کے تلف ہو جانے کے بعد محل فرض میں کمی ہو جانے اور نماز کے جلی سبب یعنی وقت نہ ہونے میں فرق ہے وقت کے مسئلہ میں سبب حقیقی موجود ہے اور عضو کے تلف ہونے والی صورت میں سبب حقیقی ہی معدوم ہے علامہ ابن ہمام اس مسئلہ کی توضیح میں لکھتے ہیں ولا یرتاب متامل فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سببہ الجعلی الذی جعل علامۃ علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشئ فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدلیل لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل اٰخر وقد وجد وھو ما تواطئت علیہ اخبار الاسراء من فرض اللہ تعالیٰ

الصلوات (فتح القدیر ص ۱۹۷) جس کا حاصل یہ ہے کہ مقطوع الیدین ورجلین پر فاقد الوقت کا قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ جس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے ہیں اس کا محل فرض معدوم ہے جو کہ خلقی ہے اور فاقد الوقت کا سبب جو معدوم ہے وہ جعلی ہے اور یہ کہ شئی کے معرفات یعنی علامات و دلائل متعدد ہو سکتے ہیں تو وقت کا انتفاء دلیل کا انتفاء ہے اور کسی شئی کی دلیل کا منتفی ہونا اس شئی کا انتفاء نہیں ہے کیونکہ دلیل اور بھی ہو سکتی ہے جو اس مسئلہ مذکورہ میں موجود ہے کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ ہر شخص پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس میں کسی علاقہ کی تخصیص نہیں ہے اور مشہور احادیث معراج میں جن میں اول پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور پھر اس فرضیت کا پانچ میں تبدیل ہونا مذکور بعد میں یہی فرضیت تمام ممالک اور بلاد کے لیے رہی جیسے کہ آپ کی بعثت اور رسالت عامہ کا تقاضا ہے کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں ہوئی کہ فلاں جگہ پانچ نمازیں ہوں گی اور فلاں جگہ چار ہوں گی اسی طرح جب کوئی اسلام لاتا ہے تو اسے پانچ وقت کی نمازوں کے فرض ہونے پر ایمان لانا پڑتا ہے اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں ہے جب نماز کی فرضیت میں تخصیص نہیں ہے تو اگر کسی جگہ یہ سبب جعلی (وقت) نہیں پایا جاتا تو سبب حقیقی کے موجود ہونے سے وہاں نماز کا پڑھنا لازم ہوگا وقت کے مسئلہ کو قیاس وضو ر کے مسئلہ پر نہ کیا جائے گا کیونکہ وضو کے مسئلہ میں اگر کسی کے دونوں ہاتھ کٹ گئے ہیں تو محل نہ ہونے کی وجہ سے سبب حقیقی ہی معدوم ہے اور یہاں نماز اور وقت نہ ہونے کی صورت میں سبب حقیقی موجود ہے نیز پانچ نمازوں کی فرضیت پر بلا تخصیص دلیل خروج دجال بھی ہے جس میں صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دجال کتنا وقت زمین پر ٹھہرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس روز تک، ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک

مہینہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کے برابر جو دن ہوگا اس میں ایک روز کی برابر نماز پڑھنا کافی ہوگا۔ فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھا کرنا۔ (مسلم شریف) ظاہر ہے کہ تین سو سے زیادہ عصر کی نمازیں ایسی ہوں گی جو دو مثل بلکہ ایک مثل سے بھی پہلے پڑھی جائیں گی کیونکہ ایک ہی دن میں سینکڑوں عصریں ایسی واجب ہوں گی جو دو پہر اور آفتاب ڈھلنے سے پہلے پڑھنا ہوں گی دوسری نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے مثلاً سینکڑوں مغرب اور عشا جو آفتاب غروب ہونے سے پہلے واجب ہوں گی پس معلوم ہوا کہ نماز کے وجوب کا اصل سبب اوقات مقررہ نہیں ہیں جن کے نہ ہونے سے وجوب نماز نہ ہو بلکہ اصل سبب وجوب خفی اور نفس الامری معنے ہیں اوقات تو صرف علامات ہیں اس لیے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس الامر میں پانچوں نمازیں ہر حال میں عموماً ہر شخص پر واجب ہیں ان اوقات مقررہ پر ان کی تقسیم نہیں ہے۔ کہ جب یہ اوقات ہوں تب ہی وجوب ہو بلکہ وجوب عام ہے یہ اوقات ہوں یا نہ ہوں بہر صورت وجوب ساقط نہیں ہوگا بلکہ وقت کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھنا فرض ہوں گی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں اپنے بندوں پر فرض کر دی ہیں یہ نہیں فرمایا کہ پانچ نمازیں سبب وجوب کے لحاظ سے لازم الاداء ہیں چنانچہ قضا کا واجب ہونا اور سبب ادا معدوم ہونے کے بعد ساقط الذمہ ہو جانا اس کا مؤید ہے فتاوی دیوبند میں ہے چونکہ برطانیہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ۵۰ - ۵۸ ڈگری عرض بلند کے درمیان واقع ہے جس کی وجہ سے اس کے دن رات میں بالخصوص سردی، گرمی کے موسم

بلکہ ادا کی نیت سے پڑھتے ہوں گے، کیونکہ ادا کا وقت ہی جب نہیں تو قضا کیسے ہوگی کیونکہ قضا فرع ہے ادا کی علما ء اصول لکھتے ہیں وحکم الامر نوعان اداء وھو تسلیم عین الواجب بالامر و قضاء وھو تسلیم مثل الواجب بہ ای تسلیم ذالک الواجب الذی وجب اولا فی غیر ذالک الوقت، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادا خود مامور بہ (جس کا حکم کیا گیا ہے) کا اپنے وقت میں پیش کرنا ہے اور قضا اس کی مثل دوسرے وقت میں پیش کرنا ہے گویا کہ قضا فرع ہے ادا کی جب قضا فرع ہوئی تو جہاں اصل ہوگا وہاں فرع ہوگی اگر اصل اپنے وقت میں ادا نہ ہو سکے تو اس کی مثل دوسرے وقت میں اگر ادا ہو تو وہ قضا ہے اس سے واضح ہے کہ قضا وہاں ہوگی جہاں ادا ہوگی اگر ادا مستحق نہ ہو تو اس کی جگہ پر قضا آتی ہے بلغار والی صورت میں جب نماز کا وقت نہیں آتا یا برطانیہ میں جس میں عشاء کی نماز کا وقت نہیں آتا تو جب نمازیں پڑھی جائیں گی تو قضا کی نیت نہ ہوگی۔ بلکہ ادا کی نیت ہوگی جو کہ اصل ہے کیونکہ زمانہ ایک ممتد چیز ہے جو مسلسل جاری ہے اس میں جب اندازہ کے مطابق وقت مقرر کیا جائے گا وہی ان کا پہلا اور اصلی وقت ہوگا اور ظاہر ہے کہ جو پہلا اور اصلی وقت ہوتا ہے اس میں جب ادائیگی ہوگی تو وہ ادا ہوگی قضا نہ ہوگی لہذا صورت مسئولہ میں جب نماز عشا پڑھی جائے تو ادا کی نیت ہی کرنا ہوگی، واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

11 — B برطانیہ

۷ / اکتوبر ۱۹۸۶ء

⑳ - الاستفتاء

جناب مفتی غلام رسول صاحب!

سلام مسنون، دو مسئلوں کا شرعی اور فقہی جواب مطلوب ہے۔

نمبر ۱: کیا نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی چاہیے یا نہ

نمبر ۲: جن نمازوں میں بلند آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے کیا سورۃ فاتحہ[ل] سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہ جبکہ دار قطنی نے حضرت ابوہریرہ سے اور امام حاکم نے ابن عباس اور حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آواز سے پڑھتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

العارض

سید عبد المجید شاہ (صاحب)

شافعی کونٹری روڈ مکان نمبر 754 برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

[ل] قرآن آٹھ قسموں پر منقسم ہے ۱ امر ۲ نہی ۳ وعد ۴ وعید ۵ قصص ۶ امثال ۷ ناسخ ۸ منسوخ سورت فاتحہ میں یہ آٹھ قسمیں موجود ہیں الحمد للہ میں امر بالحمد ونہی عن ضدہ ہے رب العالمین میں قصص من ایجاد الخلق ہے، مالک یوم الدین میں وعد اور وعید ہے، صراط المستقیم میں امثال ہیں وانعمت علیہم میں شریعت ناسخہ ہے اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں یہود ونصاریٰ کی شریعت منسوخہ کا ذکر ہے ۱۲ مفتی۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

نمبر۱: حنفیہ کے نزدیک ہر رکعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا آہستہ مسنون ہے۔ ویقرء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا النقل فی المشاہیر وسمی سرا فی کل رکعۃ وھی آیۃ من القرآن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ (ھدایہ ص۱۰۳، کنز ص۱۲۲) اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے ہر رکعت میں آہستہ اور وہ ایک آیت ہے قرآن کی جو سورتوں میں فصل کے لیے اتاری گئی ہے اور یہ نہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورت کا اس سے ظاہر ہے کہ بسم اللہ کا حنفیہ کے نزدیک پڑھنا مسنون ہے لیکن ہر رکعت میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھا جائے گا امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورۃ فاتحہ سے پہلے جب پڑھی جائے گی اگر نماز جہری ہوئی تو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے گی کیونکہ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فاتحہ کا جزء ہے تو جیسے جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ جہراً اور بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن کو بھی بلند آواز اور جہر سے پڑھا جائے گا امام شافعی کی دلیل حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ کی وہ روایۃ ہے جس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے امامت کرائی اور نماز میں قرأت شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہا انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (درایہ ص۱۰۳) یقیناً جو میں نے تم کو نماز پڑھائی ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے اس نماز میں ابوہریرہ

نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تھی جس سے ظاہر ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہری نمازوں کے اندر بلند آواز سے پڑھنا چاہیے ابوہریرہ کی اس روایۃ کو امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ، امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ، امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ اور امام بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے لیکن حنفیہ جواباً کہتے ہیں کہ اگرچہ ابوہریرہ کی اس روایۃ کو مندرجہ بالا محدثین نے روایۃ کیا ہے مگر اس روایت کو امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ نے بھی روایۃ کیا ہے جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نام تک نہیں ہے دیگر محدثین کی روایت امام بخاری اور امام مسلم کی روایت کے معارض تو ہو نہیں سکتی لہذا ظاہر ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہی قابل ترجیح ہوگی علاوہ ازیں ابوہریرہ کی اس روایت کا مدار نعیم مجمر پر ہے حضرت ابوہریرہ کے آٹھ سو سے زائد شاگردوں کی بھاری جماعت میں سے کوئی بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا تذکرہ نہیں کرتا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل دارقطنی کی وہ روایت ہے جس کا آغاز یاں طور ہے کہ جب نمازی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بندے نے مجھے یاد کیا۔ حنفیہ اس دلیل کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس روایت میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان راوی ہے جس کو امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ ہاشم بن عروہ المتوفی سـ ھ، امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ یحیٰی بن معین[1] المتوفی ۲۳۳ھ،

---

[1] یحیٰی بن معین ان ائمہ اسلام سے ہیں جو کہ اصل میں موالی اور غلام تھے لیکن اسلام نے ان کو وہ عزت بخشی جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی ان میں سے بڑے بڑے ائمہ اور رواۃ حدیث کے نام درج ذیل ہیں جن میں سے کچھ صحابہ بھی ہیں، حضرت بلالؓ حبشی المتوفی ۲۰ھ

ابن حبان المتوفی سنہ ۳۵۴ھ، امام ابوداؤد المتوفی سنہ ۲۷۹ھ، امام نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ نے متروک بلکہ کذاب کہا ہے نیز یہی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے جس کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے ہے پس دارقطنی کی روایت صحیح مسلم کی روایت کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی، شافعیہ کے مستدلات میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی روائتیں ہیں

(بقیہ حاشیہ) صہیب رومی المتوفی سنہ ۳۸ھ، سلمان فارسی المتوفی سنہ ۳۳ھ، زید بن حارثہ المتوفی سنہ ۸ھ عمار بن یاسر المتوفی سنہ ۳۷ھ، سالم بن معقل المتوفی سنہ ۱۲ھ ثوبان المتوفی سنہ ۵۴ھ، عامر بن فہیرہ المتوفی سنہ ۴ھ ابو فکیہہ یسار المتوفی سنہ ھ، ابو رافع اسلم المتوفی سنہ ھ شقران صالح المتوفی سنہ ھ خباب بن ارت المتوفی سنہ ۳۷ھ خباب مولائے عتبہ بن غزوان المتوفی سنہ ۱۴ھ، خباب مولائے فاطمہ بنت عتبہ سنہ ھ ابو کبشہ المتوفی سنہ ۳ھ، زید دیلمی المتوفی سنہ ھ حضرت عکرمہ مولائے ابن عباس المتوفی سنہ ۱۰۷ھ نافع بن طاؤس المتوفی سنہ ۱۱۷ھ سعید بن جبیر المتوفی سنہ ۹۳ھ، سلیمان بن یسار المتوفی سنہ ۱۰۷ھ، مجاہد المتوفی سنہ ۱۰۳ھ، عطا بن ابی رباح المتوفی سنہ ۱۱۵ھ، طاؤس بن کیسان المتوفی سنہ ۱۰۶ھ سلیمان بن مہران المتوفی سنہ ۱۴۷ھ (اعمش) ایوب بن تمیم سختیانی المتوفی سنہ ۱۳۱ھ، مکحول ابو عبداللہ دمشقی المتوفی سنہ ۱۱۳ھ، منصور بن زاذان المتوفی سنہ ۱۱۷ھ، سلمہ بن دینار المتوفی سنہ ۱۴۰ھ، عبداللہ بن عون المتوفی سنہ ۱۵۱ھ، عمرو بن دینار المتوفی سنہ ۱۲۶ھ، سلیمان بن طرخان تیمی المتوفی سنہ ۱۴۳ھ، حسن بن یسار بصری المتوفی سنہ ۱۱۰ھ محمد بن سیرین ابوبکر المتوفی سنہ ۱۱۰ھ، رفیع ابو العالیہ الریاحی المتوفی سنہ ۹۰ھ، عطا بن یسار المتوفی سنہ ۹۳ھ، ابوبکر بن عیاش (شعبہ) المتوفی سنہ ۱۹۳ھ، زید بن اسلم ابو اسامہ المتوفی سنہ ۱۳۶ھ، یزید بن ابی حبیب ابو رجا المتوفی سنہ ۱۲۸ھ، ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان المتوفی سنہ ۱۳۰ھ، ربیعہ الرائی ابو عثمان بن فروخ المتوفی سنہ ۱۳۶ھ محمد بن عجلان ابو عبداللہ المتوفی سنہ ۱۴۸ھ، محمد بن اسحاق بن یسار المتوفی سنہ ۱۵۱ھ، عبداللہ بن مبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ محمد بن حسن شیبانی المتوفی سنہ ۱۸۹ھ، سفیان بن عیینہ المتوفی سنہ ۱۹۸ھ یحیی بن سعید قطان المتوفی

سب ضعیف اور معلول ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ بجز سورۂ نمل کے اور کسی سورت کی آیت نہیں ہے بلکہ مستقل ایک آیت ہے ہر سورت کے شروع میں دو سورتوں کے درمیان فرق و تمیز کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سورتوں کا فرق بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نازل ہونے سے پہچانتے تھے۔ امام ترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ھ نے سورۃ "تبارک الذی" کی

(بقیہ حاشیہ) سنہ ۱۹۸ھ یحیی بن ابی زائدہ ابو سعید بن زکریا المتوفی سنہ ۱۸۳ھ، ابو سعید یحیی بن سعید المتوفی سنہ ۱۹۸ھ، یزید بن ہارون المتوفی سنہ ۲۰۶ھ یحیی بن معین ابو زکریا المتوفی سنہ ۲۳۳ھ، لیث بن سعد ابو الحارث المتوفی سنہ ۱۷۵ھ، عبداللہ بن وہب المتوفی سنہ ۱۹۷ھ عبدالرحمان بن مہدی ابو سعید المتوفی سنہ ۱۹۸ھ، ولید بن مسلم ابو العباس المتوفی سنہ ۱۹۴ھ، حماد بن زید ابو اسماعیل المتوفی سنہ ۱۷۹ھ ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز المتوفی سنہ ۱۵۰ھ، علی بن مسہر ابو الحسن المتوفی سنہ ۱۸۹ھ، ابو معشر نجیح مدنی المتوفی سنہ ۱۷۰ھ، عبدالعزیز بن عبداللہ بن ماجشون المتوفی سنہ ۱۶۴ھ، علی بن مدینی ابو الحسن المتوفی سنہ ۲۳۴ھ، محمد بن یحیی ذہلی المتوفی سنہ ۲۵۸ھ، یحیی بن یحیی لیثی اندلسی المتوفی سنہ ۲۳۶ھ، محمد بن عمر واقدی المتوفی سنہ ۲۰۷ھ، محمد بن سعد زہری صاحب طبقات کاتب واقدی المتوفی سنہ ۲۳۰ھ، قتیبہ بن سعید ثقفی المتوفی سنہ ۲۴۰ھ، ابو زرعہ عبیداللہ الکریم رازی المتوفی سنہ ۲۶۴ھ، شعبہ بن حجاج المتوفی سنہ ۱۶۰ھ، اسماعیل بن علیہ الہروی المتوفی سنہ ۱۹۳ھ، یحیی بن محمد بن صاعد المتوفی سنہ ۳۱۸ھ، مالک بن دینار البصری المتوفی سنہ ۱۲۷ھ، معروف بن فیروز الکرخی المتوفی سنہ ۲۰۰ھ، صالح بن بشیر المتوفی سنہ ۱۷۲ھ، ثوبان ذو النون مصری المتوفی سنہ ۲۴۶ھ، ابو دلامہ زند بن جون (شاعر) المتوفی سنہ ۱۶۱ھ، احمد بن محمد عبد ربہ المتوفی سنہ ۳۲۸ھ، ابو عبداللہ یاقوت حموی المتوفی سنہ ۶۲۶ھ، ابو الدر یاقوت بن عبداللہ رومی المتوفی سنہ ۶۲۲ھ۔ مفتی غلام رسول۔

فضیلت کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ایک سورت تیس آیت کی ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے یہاں تک جھگڑا کیا کہ اس کو چھڑا لیا اور اس سورت میں بالاتفاق تیس آیتیں ہیں جو کہ بسم اللہ کے علاوہ ہیں معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جزء نہیں ہے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان سورۃ فاتحہ تقسیم ہے پس نصف میرا ہے اور نصف میرے بندے کا ہے بندہ کے لیے وہ ہے جو اس نے مانگا جب بندہ کہتا ہے "الحمد للہ رب العالمین" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کے خارج از فاتحہ ہونے کی اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حدیث میں تقسیم الحمد سے شروع ہے نہ کہ بسم اللہ سے۔

سوال : حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ سورت فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور سات کا عدد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔

جواب : جب صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو چکا کہ تقسیم مذکور کا آغاز الحمد سے ہے تو پہلی آیت الحمد سے مانی جائے گی اور آخری آیت غیر المغضوب ہو گی اس طرح سات آیتیں مکمل ہو جاتی ہیں بہرحال ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے ؂۲ جن نمازوں میں بلند آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے وہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے سائل چونکہ شافعی المذہب ہیں لہٰذا سائل بلند آواز سے پڑھا کریں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسم اللہ فرض نمازوں میں، "الحمد" یا "سورۃ" کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں، امام ابوحنیفہ، امام احمد سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ کے نزدیک الحمد کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے سائل نے جو دارقطنی کی ابوہریرہ سے روایت ذکر کی ہے وہ قابل حجت نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں خالد بن الیاس راوی ہیں جن کے متعلق امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں "ہو منکر الحدیث" یحیٰ ابن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں کہ خالد بن الیاس "لیس بشیٔ" ہے امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں "روی احادیث موضوعۃ" جب خالد بن الیاس نہایت ضعیف ہے تو اس کی روایات کردہ احادیث قابل استدلال نہیں ہیں۔ اور امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے جو ابن عباس سے روایت کی ہے اس میں عبداللہ بن عمرو بن حسان راوی ہے۔ جو کہ ضعیف ہے اس کے متعلق علی بن مدینی المتوفی ۲۳۴ھ کہتے ہیں کان یضع الحدیث ابوحاتم المتوفی ۳۲۷ھ کہتے ہیں کان یکذب، ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ کہتے ہیں احادیثہ، مقلوبات اور امام حاکم نے جو حضرت علی سے روایت کی ہے اس میں راوی عمرو بن شمر ہے جس کے متعلق امام حاکم ہی فرماتے ہیں کثیر الموضوعات ہے، جوزجانی المتوفی ۳۱۱ھ کہتے ہیں زائغ کذاب، امام بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے، امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ، علامہ ازدی المتوفی ۳۲۹ھ کہتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ کہتے یہ رافضی تھا صحابہ کرام کو سب کرتا تھا اس راوی عمرو بن شمر کا شیخ جابر جعفی ہے اور جابر جعفی کے چہرے کی وضاحت یوں ہے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں ما رأیت اکذب من جابر الجعفی کہ جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، غرضیکہ بسم اللہ کے جہر کی کوئی روایت بھی ضعف سے خالی نہیں ہے لہٰذا حنفیہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ کو بالجہر نہیں پڑھنا چاہیئے۔ نیز حنفیہ کہتے ہیں کہ

ہیں کہ حضرت انس المتوفی ۹۳ھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، عمر اور حضرت عثمان سب ہی کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو بھی "بسم اللہ" کی قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا (نسائی، احمد، ابن حبان، دارقطنی کی روایت کے الفاظ ہیں فکانوا لا یجھرون ببسم اللہ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، ابونعیم المتوفی ۴۳۰ھ، ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ کی روایت کے الفاظ ہیں وکانوا یسرون ببسم اللہ، امام زیلعی المتوفی ۷۶۲ھ کہتے ہیں کہ رجال ھذہ المرویات کلھم ثقات امام ترمذی نے ترک جہر کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل المتوفی ۶۰ھ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے والعمل علیہ عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وغیرھم ومن بعدھم من التابعین وبہ یقول سفیان الثوری وابن المبارک واحمد واسحاق اس سے ظاہر ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہر کے تمام روایات ضعیف ہیں اسی لیے احناف ترک جہر کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ الحمد سے پہلے جہری نمازوں میں بھی جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے تو آہستہ آواز سے ہی پڑھی جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برطانیہ

۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء

(۲۱) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب!

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب

جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

(۱) جیسے کہ نماز تین اوقات میں منع ہے، سورج نکلتے وقت، زوال کے وقت اور سورج غروب ہونے کے وقت کیا ان وقتوں میں قرآن کی تلاوت کر سکتے ہیں اور سجدۂ تلاوت آجائے تو دے سکتے ہیں۔

(۲) یہاں پر جب دن چھوٹا ہوتا ہے جو لوگ کام پر ہوتے ہیں ان کی ظہر، عصر، مغرب قضا ہو جاتی ہے یا شہر میں جانے سے نماز کا اکثر وقت نکل جاتا ہے ایسی صورت میں جمع تقدیم و تاخیر کی نیت کر سکتے ہیں اور ایسا کرنے سے نماز قضا نہ گنی جائے گی۔

میں اکثر سوالات آپ کی خدمت میں بھیجتا رہتا ہوں کیونکہ آپ کی تحقیق حوالہ جات پر مشتمل ہوتی ہے لہذا آپ کو کئی مسائل کے جوابات لکھنے کے لیے گاہ بگاہ تکلیف دیتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)

کونٹری روڈ برمنگھم برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱: سورج نکلتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت اور سورج ڈوبتے وقت نماز منع اور سجدہ تلاوت مکروہ ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشمس تطلع ومعھا قرن الشیطان فاذا ارتفعت فارقھا ثم اذا استوت قارنھا فاذا زالت فارقھا فاذا دنت للغروب قارنھا فاذا غربت فارقھا ونھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ فی تلک الساعات (مشکوٰۃ المصابیح ۲۳۲)

کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے اور جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دوپہر ہوتی ہے تو پھر نزدیک ہو جاتا ہے اور جب ڈھل جاتا ہے تو پھر جدا ہو جاتا ہے اور جب سورج غروب ہونے والا ہوتا ہے تو پھر شیطان اس کے قریب ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد جدا ہو جاتا ہے اسی لئے ان اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اوقات میں مکہ معظمہ میں انسان فرض پڑھ سکتا ہے دوسرے مقامات میں نہیں پڑھ سکتا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکہ معظمہ میں بھی ان اوقات میں نماز ممنوع ہے، ومنع عن الصلوٰۃ وسجدۃ التلاوۃ عند الطلوع والاستواء والغروب۔ (کنز الدقائق ص۲۲) طلوع آفتاب زوال آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت فرض اور نفل اور سجدۂ تلاوت ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے وکرہ تحریماً صلوٰۃ مطلقا ولو قضاء او واجبة او نفلا او سجدۃ تلاوۃ وسہو مع شروق واستواء وغروب اور فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ بعد از نماز عصر تلاوت قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یاد مگر جب آفتاب قریب غروب پہنچے اور وقت کراہت آجائے اس وقت تلاوت ملتوی کی جائے اور دیگر اذکار الٰہیہ کئے جائیں کہ آفتاب نکلنے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ درمختار میں ہے کہ ان اوقات ثلاثہ میں قرآن مجید کی تلاوت بہتر نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ذکر الٰہی اور درود شریف میں مشغول رہے اس سے ظاہر ہے کہ ان تین وقتوں آفتاب نکلتے وقت ڈوبتے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنا منع ہے اور تلاوت مکروہ ہے اور سجدۂ تلاوت

ہی مکروہ ہے عصر کی نماز کے بعد تلاوت کر سکتا ہے لیکن جب وقت مکروہ شروع ہو جائے جو کہ سورج ڈوبنے سے قبل بیس۲۰ منٹ ہوتا ہے تو تلاوت چھوڑ دے دوسرے ذکر وغیرہ شروع کر دے۔

جواب ۲: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمع تقدیم وجمع تاخیر جائز ہے سائل چونکہ مذہباً شافعی ہیں لہٰذا اپنے مذہب کے مطابق جمع تقدیم وجمع تاخیر کی صورت اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک جمع وقتی کی یہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں اور صورت مسئولہ میں دن چھوٹے ہوں یا بڑے جب نماز کا اپنا وقت نکل جائے اور دوسرے وقت میں پڑھی جائے تو یہ قضا ہوتی ہے اس کو ادا نہیں کہہ سکتے امام ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار میں حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں قال لا تفوت صلوٰۃ حتی یجیء وقت الاخریٰ نماز فوت نہیں ہوتی جب دوسری کا وقت آیا پہلی قضا ہو گئی عذر کے باوجود دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا ممنوع ہے عذر سفر کا ہو یا مرض یا بارش کا البتہ حج کے موقعہ پر عرفات اور مزدلفہ کی دو نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی صرف ان کو جمع کیا جائے گا ایک میں جمع تقدیم ہو گی اور دوسری میں جمع تاخیر ہو گی امام شافعی جمع تقدیم اور جمع تاخیر کو جائز کہتے ہیں تفصیل مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین یعنی دو نمازوں کا جمع کرنا دو قسم پر ہے

۱: جمع صوری کہ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں واقع ہوں لیکن ادا میں مل جائیں جیسے کہ ظہر کی نماز اپنے آخر وقت میں پڑھی جائے اس کے ختم ہوتے ہی عصر کا وقت داخل ہو جائے اور بلا تاخیر

عصر اول وقت میں پڑھ لی جائے یہ دونوں اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئیں
لیکن صورۃً مل گئیں اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک شفق ڈوبنے لگی
مغرب پڑھی جب فارغ ہوا شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہو گیا بلا تاخیر
عشاء پڑھ لی یہ بھی اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئیں لیکن ان دونوں کی صورت
مل گئی اس کو جمع صوری کہتے ہیں اس طرح جمع کرنا بوقت عذر سفر مرض
وغیرہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے حدیث پاک میں ہے جس کو امام
نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت نافع المتوفی ۱۱۷ھ سے روایت کی
ہے کہ ابن عمر المتوفی ۷۳ھ نے جب اپنی بیوی صفیہ بنت ابی عبیدہ کے
متعلق سنا کہ وہ قریب المرگ ہیں تو آپ جلدی سے چلے اور آپ کے ساتھ
ایک قریشی مرد بھی تھا سورج ڈوب گیا اور آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں
نے ہمیشہ ان کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے جب دیر
لگائی میں نے کہا "نماز" خدا آپ پر رحم فرمائے میری طرف پھر کر
دیکھا اور آگے روانہ ہوئے اور جب شفق کا اخیر حصہ رہا سواری سے
اتر کر نماز مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اسی حالت میں کہی کہ شفق ڈوب
چکی اس وقت عشاء پڑھی پھر ہماری طرف منہ کر کے کہا ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ السیر صنع ہکذا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے قال
ابو حنیفۃ الجمع بین الصلوتین فی السفر فی الظہر
والعصر والمغرب والعشاء سواء یؤخر الظہر الی اٰخر
وقتہا ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتہا فیصلی فی اول
وقتہا کذلک المغرب والعشاء یؤخر المغرب الی اٰخر وقتہا

فیصلی قبل ان یغیب الشفق وذالک اٰخر وقتہا ویصلی العشاء
فی اول وقتہا حین یغیب الشفق فہذا الجمع بینہما یعنی ظہر
کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھنا اسی طرح مغرب کو آخر وقت
میں پڑھنا اور عشاء کو اول وقت میں پڑھنا یہ جمع صوری ہے جو کہ امام ابو حنیفہ
کے نزدیک جائز ہے دوسری جمع وقتی ہے اس جمع کا معنی یہ ہے کہ ایک
نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھی جائے جس کی آگے دو صورتیں ہیں

۱ اول جمع تقدیم کہ ظہر کو ظہر کے وقت میں پڑھ کر پھر عصر کو بھی ظہر کے
وقت میں پڑھ لیا جائے اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تو نماز عصر نہ ہو
گی کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا تو فرض ہو گی اگر اس
کو پھر نہ پڑھے گا تو فرض اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہو گا۔

۲ دوسری صورت جمع تاخیر کی ہے کہ نماز ظہر کو بوقت ظہر نہیں
پڑھا جب عصر کا وقت ہوا تو ظہر کو بھی پڑھا اور عصر کو بھی پڑھا اس صورت
میں گنہ کار ہو گا کیونکہ جان بوجھ کر نماز ظہر کو قضا کیا اگرچہ ظہر کو عصر کے وقت
میں پڑھنے سے فرض سے سبکدوش ہو گیا لیکن حنفیہ کے نزدیک عمداً
قضا کرنے سے گنہ کار ہوا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جمع تقدیم
وجمع تاخیر دونوں جائز ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک جمع وقتی کی دونوں صورتیں
جمع تقدیم وجمع تاخیر ناجائز ہیں کیونکہ جمع وقتی کے جواز کے ثبوت میں
جتنے دلائل شافعیہؒ اور مالکیہؒ پیش کرتے ہیں وہ تمام ہی ضعیف ہیں بلکہ جمع
وقتی کی پہلی صورت جمع تقدیم کے متعلق تو بہت علماء شافعیہ ومالکیہ بھی معترف ہیں کہ
جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور جمع تاخیر کے ثبوت
کے دلائل بھی کمزور ہیں اسی لیے حنفیہ کہتے ہیں کہ جمع وقتی ہر دونوں صورتوں

کے لحاظ سے ناجائز ہے بلکہ ہر نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے قرآن پاک میں ہے ان الصلوٰة کانت علی المومنین کتابا موقوتا بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا ہے کہ نہ وقت سے پہلے صحیح اور نہ وقت کے بعد تفسیر مظہری میں ہے قولہ تعالیٰ کتابا موقوتا یقتضی الکون لکل صلوٰة وقت علیحدة تو مقتضی آیت کا یہ ہے ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی حدیث پاک میں ہے جس کو امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصلوٰة لوقتها الا بجمع وعرفات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت میں ہی پڑھتے تھے ۔ مگر مزدلفہ وعرفات میں ، امام مسلم، ابوداؤد امام نسائی ، امام احمد بن حنبل ، امام دارمی المتوفی ۲۸۰ھ اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری المتوفی ۳۲ھ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا تیرا کیا حال ہو گا جب تو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے میں نے کہا حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں فرمایا صل الصلوٰة لوقتها تو نماز وقت پر پڑھ لینا اس سے ظاہر ہے کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا چاہیے اگر ظہر، عصر مغرب قضا ہو گئی تو جب یہ وقت نکلنے کے بعد پڑھے گا تو ادا نہ ہو گی بلکہ قضا ہی ہو گی ، جمع وقتی جو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اس میں ایک نماز وقت سے مقدم اور ایک وقت میں ہوتی ہے یا ایک قضا اور ایک وقت میں ہوتی ہے یہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے صورت مسئولہ میں تو ظہر ، عصر اور مغرب تمام ہی وقت کے بعد جب پڑھتا ہے تو یہ قضا ہوئیں یہ نہ جمع تقدیم اور نہ ہی جمع تاخیر میں داخل ہیں تاکہ ان کو ادا میں شمار کیا جائے بلکہ یہ تو محض قضا ہی ہیں ان میں ادا کا شائبہ تک نہیں ہے مزید اس مسئلہ کے تفصیلی مباحث فاضل بریلوی کے رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع بین الصلوتین" میں ملاحظہ کیجئے ، جس میں فاضل بریلوی نے سات آیات بمعہ حوالہ تفسیرات اور پچاس احادیث مبارکہ کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت کیا ہے کہ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا چاہیے اور اگر کہیں بوجہ عذر دو نمازوں کو جمع کیا گیا تو وہ جمع صوری ہوئی یعنی ایک نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں گویا کہ دونوں اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں ہیں یہ صورت حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اگر دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا گیا خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر تو یہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے چونکہ سائل شافعی المذہب ہیں وہ جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں صورتوں کے لحاظ سے نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب !

مفتی غلام رسول ، برمنگھم ۱۱ ، برطانیہ
۱۵ نومبر ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۲۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ صرف عورتوں کی باجماعت نماز مرد امام کی اقتداء میں پڑھنا جائز ہے نہ صرف یہ کہ اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ صرف عورتوں کو صفوں میں کھڑا کر کے اپنے پیچھے نماز پڑھائی کیا ایسا شریعت میں کرنا جائز ہے یا نہیں

بینوا و توجروا۔

سائل

نعیم الدین بٹ (صاحب)
ویلسٹ روڈ مکان ۱۸۳ لندن

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں امام مسجد کا صرف عورتوں کو جماعت کرانا مکروہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہوں تو عورتوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے شکایت کی تھی کہ ہم کو حضرت عمرؓ نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے روک دیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ظاہری دنیا پر تشریف فرما ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے حدیث میں ہے عن عائشۃ قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عورتوں نے اب جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں ہوتے اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجدوں میں آنے سے روک گئیں یہ بھی روک دی جاتیں، (صحیح بخاری باب خروج النساء الی المسجد) حضرت عائشہ صدیقہ جب اپنے زمانہ میں عورتوں سے شاکی تھیں اور حضرت عمر نے ان کو مسجد میں آنے سے روک دیا تھا تو اس زمانہ میں جو کہ پر فتن ہے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے فقہا کرام فرماتے ہیں لا یحضرن الجماعۃ ویکرہ حضورھن الجماعۃ مطلقا علی المذهب" (کنز الدقائق ص ۱۴۳، معدن الحقائق ص ۱۴۲، درمختار ص ۳۹۷۔ فتاویٰ رضویہ ص ۴۱۱، فتاویٰ جماعتیہ ص ۲۵۱) کہ عورتیں جماعت میں نہ آئیں ان کا جماعت میں حاضر ہونا مطلقاً مکروہ ہے اگر امام مسجد کسی مسجد میں جماعت نہیں کراتا بلکہ کسی مکان میں جماعت کراتا ہے اور اس جماعت کرانے والے مرد کو مسجد جانے سے کوئی عذر شرعی مانع نہیں تو پھر بھی جماعت کرانا مکروہ ہے کیونکہ مرد پر مسجد میں حاضر ہونا واجب ہے اور اگر کوئی عذر شرعی ہے جس کی وجہ سے مسجد میں نہیں جاسکتا اور اس کی بیوی ہے یا نابالغہ لڑکیاں ہیں تو پھر جماعت کرا سکتا ہے اگر محرم نہیں ہیں تو پھر جماعت کرانا مکروہ ہے بحر الرائق میں ہے ایک کوٹھڑی میں عورتوں کے واسطے مرد کا امام ہونا جبکہ دوسرا مرد نہ ہو اور نہ مرد کی ذی رحم محرم مانند بہن وغیرہ کے ہو اور نہ مرد کی بیوی ہو تو مکروہ تحریمی ہے حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوۃ المرءۃ فی بیتھا افضل من صلوۃ فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلوۃ فی بیتھا کہ عورت کا دالان میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں دالان سے بہتر ہے درمختار میں ہے کہ مفتیٰ بہا مذہب کے مطابق عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا اگرچہ نماز عید ہو یا جمعہ ہو مکروہ ہے (درمختار ص ۳۹) فتاویٰ رضویہ میں ہے اگر یہ جماعت مسجد میں ہو تو مطلقاً مکروہ ہے کہ عورتوں کو حاضری مسجد میں منع ہے اگر مکان ہو اور مرد کو حاضری مسجد سے کوئی عذر صحیح شرعی نہیں تو مطلقاً مکروہ ہے کہ مرد پر مسجد میں حاضری واجب ہے اور اگر اسے

عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں ہیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیاں ہیں تو مطلقاً جائز ہے اگر غیر محرم ہیں یا مشتہاۃ (بالغہ لڑکیاں) ہیں تو پھر مکروہ ہے صورت مسؤلہ میں اگر امام مسجد عورتوں کی جماعت مسجد میں کراتا ہے تو مکروہ تحریمہ (قریب حرام) ہے کیونکہ عورتوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونا منع ہے اگر کسی مکان میں کراتا ہے تو پھر بھی مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ مرد کے لیے مسجد میں حاضر ہونا ضروری ہے امام مسجد کو صرف عورتوں کی جماعت ہرگز نہیں کرانی چاہیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امام مسجد کو جو صرف عورتوں کی جماعت کراتا ہے سختی سے منع کریں تاکہ فتنہ اور فساد کا دروازہ ہی بند رہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۲، نومبر ۱۹۸۶ء

⑭ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک چھوٹے سے ٹاؤن کی واحد مسجد جس میں ایک امام صاحب تقریباً عرصہ تین سال سے فرائض امامت وخطابت بخوبی انجام دے رہے ہیں جن پر شرعی طور پر کوئی الزام نہیں ہے اور جملہ مسلم آبادی متفقہ طور پر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتی چلی آئی ہے اور مقامی لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو مسجد کی انتظامیہ سے اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے وہ موجودہ امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے اور بغیر کسی شرعی وجہ کے وہ دوسری جماعت کرانا چاہتے ہیں جب کہ وہ مسجد محلہ ہے جس کے نمازی معلوم اور امام صاحب متعین ہے نیز یاد رہے کہ مسجد مذکورہ بالا کے کل آٹھ ٹرسٹی ہیں جس میں سے چھ ٹرسٹی امام صاحب کے حامی ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور پیچھے نہ پڑھنے والوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں کیا ایسی صورت حال میں سنی حنفی بریلوی مسلک کے مطابق دوسری جماعت قائم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، بینوا توجروا۔

سائل

ازلیوٹن - برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

شریعت اسلامیہ نے نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم صرف اس لیے دیا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لیے جو معاشرتی اجتماعی مصلحتیں ہیں ان میں بالخصوص اتفاق واتحاد کا اظہار ہو یہ اس وقت ہوگا جب کہ جماعت ایک ہو اگر نفسانی اختلاف کی بنیاد پر متعدد جماعتیں ہوں تو پھر نظام جماعت درہم برہم ہونے کے ساتھ ساتھ مقصد جماعت ہی فوت ہو جاتا ہے حالانکہ جماعت کی مشروعیت تو تفریق کو ختم کرنے اور اتحاد بین المسلمین کے لیے ہے اختلاف کے باعث جماعۃ ثانیہ کی اجازت دینا صریح تناقض ہے جو کہ ممنوع ہے حدیث پاک میں ہے کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی کہ ایک مرتبہ ایک قوم کے درمیان مصالحت کرانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں مسجد میں تشریف لے گئے وہاں

لوگ نماز پڑھ چکے تھے تو گھر تشریف لائے اور گھر والوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی اس حدیث کے پیش نظر فقہا حنفیہ کہتے ہیں اگر دوبارہ جماعت جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں با جماعت نماز ادا فرماتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نہیں پڑھی تو اس سے ظاہر ہے کہ جماعت ثانیہ جائز نہیں ہے (شامی ص۵۵۳) فقہاء، لکھتے ہیں کہ مسجدیں دو قسم پر ہوتی ہیں ایک مسجد عام جس کو کسی خاص محلہ سے خصوصیت نہیں ہے جیسے مسجد بازار یا اسٹیشن یا سرایا وغیرہ، دوسری مسجد محلہ کی کہ ایک خاص محلہ سے متعلق ہے اس کی جماعت معین ہے اگر اس جماعت معینہ کے دو تین حصے کر دیئے جائیں یعنی جب ایک حصہ جماعت کرا لے تو پھر دوسرا کرے تو یہ مطلقاً حرام ہے صورت مسئولہ میں بھی آخری صورت ہے کہ مسجد محلہ کی ہے اور جماعت بھی معین ہے جو کہ موجودہ امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اب اس کے دو حصے کر کے دو جماعتیں کرانی یا دوسری جماعت قائم کرنی صرف مکروہ نہیں ہے بلکہ مطلقاً حرام ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مسجد محلہ کے بارے جماعت ثانیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ظاہر روایۃ کے مطابق مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ ممنوع و ناجائز ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ ناجائز ہے اور فتویٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر یہی ہے یفتی بقول الامام علی الاطلاق (فتاویٰ عالمگیر یہ ص۱۴۳ ج۱، در مختار ص۶۵ ج۱، رد المحتار ص۶۵ ج۱، فتاویٰ قاضی خان ص۲، بحر الرائق ص۲۶۹ ج۱) اور یہ بھی اصول ہے کہ جب ظاہر روایت ہو تو فتویٰ اسی کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا محلہ کی مسجد میں قصداً دو جماعتیں کرانا ممنوع و ناجائز ہیں۔ عزیز الفتاویٰ ص۱۹۱ ج۱ میں ہے۔ تکرار جماعت

در مسجد محلہ کہ امام و مؤذنین معین باشند اگرچہ بلا اذان و اقامت و تغیر ہیئت باشد مکروہ است کمافی الشامی دوسری جماعت مسجد محلہ میں مکروہ ہے اور مرتکب اس کا گناہ گار ہوتا ہے فتاویٰ رشیدیہ ص۲۴ میں ہے مسجد محلہ میں دوسری جماعت مکروہ ہے۔ اگر دوسری جماعت کرائی گئی تو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لا یباح تکرارھا فیہ۔ غنیہ میں ہے لو کان لہ امام ومؤذن فیکرہ تکرار الجماعۃ غرضیکہ صورت مسئولہ میں جب مسجد محلہ کی ہے اور پہلے اس کی جماعت بھی معین ہے اور امام بھی معین ہے جس کے پیچھے اہل محلہ نمازیں پڑھتے رہے اور پڑھ رہے ہیں اب اس جماعت کے دو حصے کر کے دو جماعتیں کرانا یا جب ایک ہو چکی دوسری جماعت کرانا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے انتظامیہ کے اختلاف کی وجہ سے دوسری جماعت کرانا ہرگز ہرگز شرعاً جائز نہیں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۷ر دسمبر ۱۹۸۷ء

(۴۳) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز ظہر کی جماعت ہو رہی تھی ایک نمازی دوسری رکعت میں شریک ہوا امام صاحب نے جب سلام پھیرا تو اس مقتدی نے جس کی ایک رکعت ابھی باقی تھی امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ میری

ابھی ایک رکعت باقی ہے پھر چوتھی رکعت پڑھلی اس کی نماز ہوئی یا نہ کیا سجدہ سہو نکالے یا نہ کتب فقہ کے حوالجات کے ساتھ فتویٰ صادر کیا جائے۔

سائل

نعیم الدین بٹ (صاحب)

ولیسٹ روڈ مکان ۱۸۲ (لندن)

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جس نمازی کی ایک رکعت باقی تھی یہ نمازی چونکہ مسبوق ہے اور مسبوق کو چاہیے وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے خواہ امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیر رہا ہو یا نماز سے باہر آنے کے لیے اگر سجدہ سہو کے لیے سلام پھیر رہا ہو تو یہ مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو نکالے لیکن سلام نہ پھیرے اسی طرح اگر امام نماز کو ختم کرنے کے لیے سلام پھیر رہا ہے تو پھر بھی مسبوق سلام نہ پھیرے بلکہ اٹھ کر اپنی باقی نماز پورے حلیہ شرح منیہ میں ہے واما المسبوق فلا یتابعه بالسلام اور بحر الرائق میں ہے ثم المسبوق انما یتابع الامام فی السهو لا فی السلام فیسجد معهٗ ویتشهد فاذا سلم الامام قام الی القضاء وان سلم بعده لزمه لکونه منفرداً اور طحطاوی میں ہے وان سلم بعدهٗ یلزمه السهو لانه منفرد علامہ ابن عابدین المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں وان سلم بعدهٗ لزمه لکونه منفرداً (ردالمحتار ص ۴۰۲) اور عزیز الفتاوی ص ۲۲۴ ج ۱ میں ہے کہ نماز اس کی صحیح ہے یہ اپنی نماز کے لیے سجدہ سہو کرلے پھر کچھ نقصان بھی

نہ رہے گا، فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع و عاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کرلے اور امام جو سجدہ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلام عمدی اس کی نماز کے درمیان واقع ہوا اگر اس نے سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی بلکہ وہ سلام جو امام نے سجدہ سہو سے پہلے کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے خواہ ساتھ خواہ بعد پھیرا یا وہ سلام جو امام نے سجدہ سہو کے بعد یا بلا سجدہ سہو غرض بالکل ختم نماز پر کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے یا معاً بلا وقفہ اس کے ساتھ پھیرا تو ان صورتوں میں مسبوق پر سہو بھی لازم نہ ہوا کہ وہ ہنوز مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کے سہو کے سبب سجدہ لازم نہیں آتا ہاں یہ سلام اخیر اگر امام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ اگرچہ کرچکا ہو دوبارہ لازم آیا کہ اپنی آخری نماز میں کرے گا اس لیے اب یہ منفرد ہو چکا تھا اس سے ظاہر ہوا کہ امام جب سلام پھیرتا ہے تو مسبوق کو سلام نہیں پھیرنا چاہیے اگر مسبوق نے امام کے ساتھ بلا تاخیر بھول کر سلام پھیر دیا تو پھر مسبوق پر آخر نماز میں سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا کیونکہ ابھی وہ امام کی اقتداء میں ہے امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو نکال لے، اور اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا تو پھر یہ آخر نماز میں سجدہ سہو نکال لے کیونکہ اب یہ منفرد ہے در صورت مسئولہ میں مسبوق کو سلام نہیں پھیرنا چاہیے تھا۔ اگر امام کے بعد سلام پھیر دیا ہے تو یاد آنے پر اٹھ کر بقیہ نماز پوری کرے اور آخر میں سجدہ سہو نکال لے تاکہ نماز میں جو نقصان ہوا ہے اس کا تدارک ہوجائے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۶ء

۲۵ الاستفتاء

جناب مفتی غلام رسول صاحب! سلام مسنون!

مزاج گرامی آپ کو معلوم ہے کہ یہاں برطانیہ کی قوم ہر وقت کتے لے کر پھرتے رہتے ہیں اور بسوں اور گاڑیوں پر جب سوار ہوتے ہیں تو کتوں کو سیٹوں پر بٹھاتے ہیں ایسی جگہ جہاں پہلے کتا بیٹھا ہے ہم مسلمان بھی بیٹھ جاتے ہیں انھیں کپڑوں سے ہم نماز پڑھتے ہیں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

العارض

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)

برنگھم، برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر کتا بیٹھنے کے بعد سیٹ پر کوئی پلیدی نہیں ہے یا کتے کی تھوک یا رال نہیں لگی ہوئی تو پھر اس سیٹ پر بیٹھنے سے کپڑے پلید نہیں ہوتے بلکہ کپڑے پاک ہیں ان کے ساتھ نماز پڑھنی صحیح ہے اگر کتے کے جسم کے ساتھ کوئی نجاست تھی وہ سیٹ پر لگ گئی ہے یا کتے کی رال وغیرہ سیٹ پر موجود ہے بیٹھنے والا وہاں بیٹھا وہ نجاست یا رال کپڑے کے ساتھ لگ گئی تو کپڑے پلید ہو جائیں گے ان کے ساتھ نماز نہ ہو گی اگر سیٹ صاف ہے تو اس پر بیٹھنے سے کپڑے پلید نہیں ہوتے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک کتے کا گوشت اگرچہ پلید ہے لیکن کتا نجس العین

نہیں ہے درمختار میں ہے لیس نجس العین وعلیہ الفتوی ولا یفسد الثوب بعضہ مالم یر ریقہ، یعنی کتا نجس العین نہیں ہے اور اسی پر فتوی ہے اگر اس نے کپڑے کو کاٹا اور کپڑے کے ساتھ اس کی رال نہیں لگی تو کپڑا پلید نہیں ہوگا اگر کپڑے کے ساتھ رال لگ گئی تو پھر کپڑا پلید ہو جائے گا کیونکہ کتے کا گوشت پلید ہے اور رال تھوک گوشت سے پیدا ہوتی ہے لہذا تھوک بھی پلید ہو گی جب یہ کپڑے سے لگے گی تو کپڑے پلید ہو جائیں گے اگر کتے کا جسم خشک ہے اور اس کے ساتھ آدمی کے کپڑے لگ گئے تو کپڑے پلید نہیں ہوں گے اگر کتے کا جسم بھیگ گیا اور اس نے پھریری لی کسی کے کپڑے قدر درہم سے زائد تر ہو گئے تو ایک قول کے مطابق پلید ہو جائیں گے (عین الہدایہ) بہر صورت اگر وہ جگہ جہاں کتا بیٹھا ہے اگر صاف ہے نجاست وغیرہ نہیں وہاں بیٹھنے سے کپڑے پلید نہیں ہوتے ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔ مسئلہ دریافت کرنے والے شاہ صاحب چونکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں ان کے لیے اس مسئلہ کے بارے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک کتا نجس العین ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ برطانیہ

یکم دسمبر ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ۲۶

جناب مفتی غلام رسول صاحب!

سلام مسنون! مزاج گرامی، یہاں برطانیہ میں ایسے کوٹ بنتے ہیں جو خنزیر کے چمڑے کے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسرے چمڑے کے ہوتے ہیں لیکن جب تک پتہ نہ ہو شناخت مشکل ہوتی ہے اب ایسے کپڑے سے ہمارے کپڑے مس ہو جائیں اور خاص کر جب برسات یا کہ برف کی وجہ سے کپڑے گیلے ہوں تو ایسی صورت میں ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنے کوئی حرج تو نہیں ہے شرعی حکم بیان فرمایا جائے، بینوا و توجروا

العارض

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)

کونٹری روڈ برمنگھم برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں محض شک کی بنا پر کپڑے پلید نہیں ہو جاتے اگر کوٹ یا کپڑا، وغیرہ خنزیر کے چمڑے کے بنے ہوئے کوٹ سے مس کر جاتا ہے تو یہ کوٹ اور کپڑے پلید نہیں ہوتے اگر پلید کپڑے پر کوئی نجاست ہے وہ نجاست اس پاک کوٹ یا کپڑے وغیرہ پر لگ گئی ہے یا خنزیر کے چمڑے والا کوٹ تر تھا یہ پاک کوٹ اس کے ساتھ لگا اس کی تری اس پاک کپڑے میں ظاہر ہو گئی تو پھر یہ پلید ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں کیونکہ اصل ہر چیز میں طہارت ہے اور نجاست تو عارض ہوتی ہے جس کے لیے ثبوت

کا ہونا لازمی ہے، محض ظن اور شبہ سے نجاست ثابت نہیں ہوتی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں۔ ان الطہارۃ اصل لان اللہ تعالیٰ لم یخلق شیئا من اصل خلقۃ وانما النجاستہ عارضۃ کہ طہارت اصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اصل کے لحاظ سے نجس (پلید) پیدا نہیں کیا اور نجاست تو صرف عارضی ہوتی ہے جب اصل میں ایک کپڑا اور کوٹ پاک ہے تو صرف دوسرے پلید کپڑے کے ساتھ مس ہونے سے یہ پلید نہیں ہوگا پھر اس میں بھی شک ہے کہ وہ پلید کوٹ خنزیر کے چمڑے کا ہے یا نہیں شریعت اسلامیہ میں اتنی تنگی نہیں ہے قرآن پاک میں ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق اور قرآن پاک میں ہے ما جعل علیکم فی الدین من حرج اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے معاملہ میں تنگی نہیں کی حدیث پاک میں ہے جس کو امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسانی کرو اور تنگی میں نہ ڈالو اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ حضرت عبداللہ بن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلاک ہوئے تشدد کرنے والے جب شریعت اتنی تنگی نہیں کرتی تو جو چیز پاک ہو گی وہ محض شبہ کی بنا پر پلید نہ ہو گی علامہ سید حموی غمز العیون میں لکھتے ہیں۔ الیقین لا یزول بالشک کہ یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا

پھر فرماتے ہیں کہ یقین کے ازالہ کے لیے یقین ہی چاہیے یہ قاعدہ شریعت میں ثابت اور احادیث نبویہ میں منصوص ہے حنفیہ اور شافعیہ کے کتب میں مصرح ہے اور میں نے اس میں کسی کا اختلاف نہیں دیکھا اور اس قاعدہ پر فقہ کے تین چوتھائی سے بھی زائد مسائل مبنی ہیں جب یہ ثابت ہوا کہ شبہ اور شک سے یقینی طاہر اور پاک چیز پلید نہیں ہوتی تو وہ پاک کپڑے نجس کپڑے کے ساتھ لگنے سے بھی پلید نہ ہوں گے علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ یہ زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ اس زمانہ میں یہ بھی غنیمت ہے کہ انسان حرام سے بچ جائے اس زمانہ کو چھوڑیئے چھٹی صدی بلکہ اس سے پہلے زمانہ کے علماء لکھتے ہیں کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ حرام سے بچنے کا ہے ملاحظہ کیجئے قاضی خان لکھتے ہیں لیس زماننا زمان اجتناب الشبہات وانما علی المسلمان یتقی الحرام المعاین صاحب ہدایہ تجنیس میں لکھتے ہیں لیس ھذا زمان الشبہات ان الحرام اغتانا یعنی ان اجتنبت الحرام کفاک یہ زمانہ مشکوک اور شبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ حرام سے بچنا ہی کافی ہے فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے علیک بترک الحرام المحض فی ھذا الزمان فانک لا تجد شیئا لا شبہۃ فیہ کہ اس زمانہ میں حرام کو چھوڑ دینا ہی کافی ہے کیونکہ ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے جس میں شبہ نہ ہو یہ تو ان علماء و فقہاء کے اقوال ہیں جو چھٹی صدی سے پہلے یا بعد ہوئے ہیں اب تو پندرہویں صدی ہے اس میں تو شبہات کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا اس سے ظاہر ہوا کہ محض شک و شبہ کی وجہ سے کوئی چیز نجس اور پلید نہیں ہو جاتی، امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور ابوداؤد اپنی سنن

میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے مال غنیمت تقسیم ہوتا جس میں کافروں کے برتن بھی ہوتے، ہم بلا تکلف ان کو استعمال کرتے فلا یعیب علینا، ہم پر کوئی عیب نہ لگاتا کہ یہ برتن کیوں استعمال کرتے ہو بلکہ تمام صحابہ ان کو استعمال کرتے فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں سراویل الکفرۃ من الیھود والنصاریٰ والمجوس یغلب علی الظن نجاستہ لانھم لا یستنجون من غیرات بأخذ القلب بذالک فتصح الصلواۃ فیہ کفار کے پاجامے جو ہیں ان کے پلید ہونے کا غالب ظن ہے کیونکہ وہ یہود، نصاریٰ، اور مجوس استنجا نہیں کرتے پھر بھی علماء فرماتے ہیں کہ وہ پاک ہیں مسلمان اگر ان کو نہ دھوئے اور ان کو پہن کر نماز پڑھے تو نماز صحیح ہے ابن سیرین[1]

---

[1] امام ابن سیرین تعبیر الرؤیا کے مصنف ہیں آپ بہت بڑے معبر تھے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ انڈے توڑ رہا ہے اور سفیدی لیتا جا رہا ہے اور زردی چھوڑتا جا رہا ہے محمد بن سیرین نے فرمایا کہ اس آدمی سے کہہ وہ میرے پاس آئے اور خود مجھ سے پوچھے تو اس نے کہا میں اس کی طرف سے آپ سے کہہ رہا ہوں اور آپ اس کی جو تعبیر دیں گے میں اس سے کہہ دوں گا تو امام نے فرمایا نہیں وہ شخص اسی بات کی تکرار کرتا جاتا تھا آپ وہی جواب دیئے جاتے تھے آخر میں اس نے اقرار کر لیا کہ یہ خواب میں نے خود ہی دیکھا ہے تو امام نے اسے فرمایا کہ تو قسم اٹھا کہ تو نے ہی یہ خواب دیکھا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ اس نے ہی خواب دیکھا ہے تو امام نے چند آدمیوں کو کہا کہ اس کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جاؤ اور کہو یہ قبر کھودنے والا ہے اور مُردوں کے کفن اتارتا ہے وہ شخص کہنے لگا میرے آقا میں آپ کے ہاتھ پر اللہ کے لیے اسی وقت توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ہرگز یہ کام نہیں کروں گا ۱۲ (تعبیر الرؤیا مترجم ص ۱۹۲) مفتی غلام رسول

المتوفی ۳۱۱ھ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب شہروں کو فتح کرتے تھے تو کافروں اور مشرکوں کے برتنوں میں کھاتے پیتے تھے اور ان کو دھوتے نہ تھے اور ذخیرہ میں ہے واذا صلی فی سراویل المشرکین جازت ایضاً لانا قد تیقنا الطھارۃ وشککنا فی النجاسۃ جب کافروں کے کپڑوں میں نماز پڑھی تو نماز ہو گئی کیونکہ ان کے کپڑوں کی طہارت یقینی ہے اور نجس ہونا ان کا مشکوک ہے۔ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا علیہ میں ہے التوارث جار فیما بین المسلمین فی الصلوٰۃ بالثیاب المغنومۃ من الکفرۃ قبل الغسل، مسلمانوں میں ہمیشہ سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ مال غنیمت میں جو کپڑے ملتے تھے ان میں وہ بلا دھوئے نماز پڑھتے تھے۔ اب رہی یہ بات کہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ کفار کے اگر برتن استعمال کرنے ہوں تو دھو لو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یقین ہو کہ کافروں نے ان برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکایا ہے یا شراب پیا ہے تو پھر دھو لو جیسے کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے انھم یا کلون لحم الخنزیر ویشربون الخمر اگر برتنوں میں خنزیر کے گوشت اور شراب کے اجزاء نظر نہیں آتے تو پھر دھونے کی ضرورت نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے جو برتن دھونے کا حکم ہے وہ استحباب کے لیے ہو یعنی بہتر ہے کہ دھو لئے جائیں اگر نہ بھی دھوئے جائیں تو پھر بھی ان کا استعمال منع نہیں ہے بہرکیف محض شک وشبہ کی بنا پر مذکورہ کپڑے پلید نہ ہوں گے، واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۱۵، دسمبر ۱۹۸۶ء

(۴۷) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت ان مسائل کے بارے میں کہ

نمبر۱: امام مسافر تھا جس نے قصر پڑھنی تھی لیکن بھول کر نماز ظہر پوری چار رکعت پڑھا دی اس کے پیچھے جو مقتدی مسافر نہیں تھے ان کی نماز ہوئی یا نہ۔

نمبر۲: ایک آدمی مسافر ہے وہ نماز پوری پڑھتا ہے کہتا ہے کہ میں نے منّت مان رکھی ہے کہ سفر میں بھی نماز پوری ہی پڑھوں گا اب سوال یہ ہے یہ نماز پوری پڑھے یا قصر کرے جو شرعی حکم ہو وہ فتویٰ کی صورت میں تحریر فرمایا جائے۔ بینوا وتوجروا۔

کمال احسن

مانچسٹر، برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

۱: صورت مسئولہ میں جو مقتدی مسافر نہیں تھے ان کی نماز نہ ہوئی کیونکہ مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو رکعت پڑھے اگر امام مسافر تھا اس نے بھول کر چار رکعت پڑھیں تو اس کی آخری دو رکعت نفل ہوئیں اور مقتدیوں کی نماز فرض تھی اور نفل پڑھنے والوں کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔

ولا یصلی المفترض خلف المتنفل لان الاقتداء بناء ووصف الفرضیۃ معدوم فی حق الامام فلا یتحقق

البناء علی المعدوم (ہدایہ صـ۱۲۶) اور نہ پڑھے فرض پڑھنے والا پیچھے نفل پڑھنے والے کے کیونکہ اقتدار کرنا بنا اور وجودی چیز ہے حالانکہ امام کے حق میں فرضیت کا وصف معدوم ہے کیونکہ امام تو نفل پڑھ رہا ہے تو بنا کرنا معدوم پر متحقق نہیں ہوگا علامہ شامی لکھتے ہیں

لو اقتدی مقیمون بمسافر واتم بهم بلا نیته اقامة وتابعوه فسدت صلوتهم لکونه متنفلا فی الآخر

(ردالمحتار صـ۳۹۱) اس سے ظاہر ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ اقتدار ایک وجودی چیز ہے نہ کہ عدمی پس فرض میں اقتدار یہ ہے کہ مقتدی اپنے فرض کو امام کے فرض میں اقتدار کے طور پر بنی کرے حالانکہ صورت مفروضہ میں امام کے فرض میں وصف فرضیت معدوم ہے کیونکہ وہ نفل پڑھ رہا ہے لہٰذا اقتدا صحیح نہ ہوگی اور جب امام مسافر ہے تو اس کی آخری دو رکعتیں چونکہ نفل ہیں لہٰذا جو مقتدی مسافر نہیں ہیں ان کی نماز نہ ہوگی۔

۲ مسافر اگر حنفی ہے تو اس کو دو رکعتیں پڑھنی لازم ہیں حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں پوری نماز پڑھنے والا ایسا ہے جیسے گھر میں قصر کرنے والا یعنی جیسے گھر میں قصر دو رکعتیں پڑھنا منع ہیں اسی طرح سفر میں پوری نماز چار رکعتیں پڑھنا منع رہی بات منت کی وہ غلط ہے کیونکہ یہ منت خلاف شرع ہے خلاف شرع منت منعقد ہی نہیں ہوتی غرضیکہ مسافر دو رکعت پڑھے چار نہیں پڑھ سکتا اگر چار رکعت پڑھتا ہے تو گنہ گار رہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول
برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۸ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں

نمبر۱: کہ نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں کہنی چاہئیں میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں نماز جنازہ میں سات تکبیریں کہنی چاہئیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سات تکبیریں کہتے تھے۔

نمبر۲: ایک شخص نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آیا اس سے پہلے امام دو تکبیریں کہہ چکا تھا اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ باقی نماز کیسے ادا کرے۔

نمبر۳: نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانے چاہیئے یا پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے۔

سائل
یوسف کمال چارلٹن روڈ، مانچسٹر
برطانیہ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱: نماز جنازہ میں صرف دو فرض ہیں ۱ قیام ۲ چار بار تکبیر کہنا اور یہ چار تکبیرات قائم مقام چار رکعت کے ہیں اور جو سائل نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سات تکبیریں کہا کرتے تھے یہ پہلے تھیں پھر منسوخ ہوئیں اور منسوخ قابل عمل نہیں ہوتا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں جو نماز جنازوں پر تکبیرات کہی ہیں وہ چار ہیں اور

حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کے جنازہ پر اور ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ پر اور امام حسن نے حضرت علیؓ پر اور ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں ہی کہی تھیں اس کو امام حاکم، دارقطنی، بیہقی، ابونعیم، اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور چار تکبیرات کا آخری ہونا دارقطنی نے حضرت عمرؓ سے اور علامہ ابن عبدالبر نے ابوحنیفہؒ سے اور حارث بن اسامہ نے ابن عمرؓ سے اور علامہ حازمی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حزم نے محلّٰی میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابت، عبداللہ بن اوفیٰ، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابن عمر، ابوہریرہ، عقبہ بن عامر، ابوبکر صدیق صہیب رومی، حسن بن علی، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم سے بھی نماز جنازہ پر چار تکبیرات کا کہنا ہی ذکر کیا ہے امام محمد نے "کتاب الآثار" میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ لوگ نماز جنازہ پر پانچ وچھ تکبیرات کہا کرتے تھے حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم تکبیرات میں اختلاف کروگے تو تمہارے بعد لوگ بھی اختلاف کریں گے۔ لہذا تمہیں چاہیے کہ ایک بات پر متفق ہو جاؤ تاکہ تمہارے بعد لوگ بھی اختلاف نہ کریں تو صحابہ کرام کی رائے ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھی تھی اس میں جتنی تکبیرات تھیں ان پر اتفاق کر لیا جائے تو انہوں نے اتفاق کیا کہ آخری نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی گئی تھیں لہذا اس کے بعد نماز جنازہ میں صرف چار تکبیرات ہی کہیں جائیں یہ روایت اگرچہ منقطع ہے لیکن اس کی سند صحیح ہے کیونکہ ابراہیم نخعی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا اور اس انقطاع میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اسی روایت کو امام احمد بن حنبل نے موصول ذکر کیا ہے دیکھئے امام احمد فرماتے ہیں۔ حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن عامر بن شقیق عن ابی وائل قال جمع عمر الناس فاستشارهم فی التکبیر علی الجنازة فقال بعضهم کبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبعاً وقال بعضهم خمساً وقال بعضهم اربعاً فجمع عمر علی اربع کاطول الصلوٰة کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو چار تکبیرات پر جمع کیا جیسے کہ لوگوں کو سب سے لمبی نماز (نماز تراویح) پر جمع کیا۔ اس سے ثابت ہوا جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہی تھیں اسی طرح صحابہ کرام کا اجماع واتفاق بھی اسی پر ہے کہ چار تکبیرات کہی جائیں۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلطان نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو صرف چار تکبیریں کہیں نجاشی کی موت اور اس کی نماز جنازہ کا واقعہ بخاری، مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ اور ابوہریرہ متاخر الاسلام ہیں اور نجاشی کی موت حضرت ابوہریرہ کے مسلمان ہونے کے بعد ہے نیز حضرت عمر، حضرت ابن عباس، ابن ابی اوفیٰ، حضرت جابر کی روایات میں تاخیر صراحۃً موجود ہے اس سے اور سابقہ روایات اور صحابہ کرام کے اجماع سے ظاہر ہوا کہ آخر میں جب جنازہ پر چار تکبیریں تھیں تو اس سے پہلے جو پانچ یا چھ یا سات والی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں اور منسوخ قابل عمل نہیں ہوتا چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کبر اربعاً فی آخر صلوٰۃ صلاھا فنسخت ماقبلھا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آخر نماز جنازہ پڑھی اس پر چار تکبیرات کہیں تو ان چار نے اپنے سابق کو نسخ کر دیا لہذا اب نماز جنازہ پر چار ہی تکبیرات کہی جائیں گی۔

جواب ۲: جس شخص کے آنے سے پہلے امام ایک یا دو تکبیریں کہہ

چکا ہے یہ شخص مسبوق ہے اس کے لیے حکم ہے آتے ہی دفعہ امام کے ساتھ شامل نہ ہو جائے بلکہ امام اگر اس کی آمد سے پہلے مثلاً دو تکبیریں کہہ چکا ہے تو یہ مسبوق انتظار کرے جب امام تیسری تکبیر کہے یہ بھی امام کے ساتھ تیسری تکبیر کہے جب امام سلام پھیرے تو یہ باقی تکبیریں کہے اور دعائیں بھی پڑھے اگر اس کو اندیشہ ہو کہ دعائیں پڑھے گا تو پوری کرنے سے پہلے لوگ میت کو کندھے تک اٹھالیں گے تو صرف تکبیریں کہہ لے دعائیں چھوڑ دے اگر یہ لاحق ہے یعنی جو شروع میں شامل ہوا مگر کسی وجہ سے درمیان کی بعض تکبیریں رہ گئیں مثلاً پہلی تکبیر امام کے ساتھ کہی مگر دوسری یا تیسری جاتی رہی تو یہ امام کی چوتھی تکبیر سے پہلے اپنی فوت شدہ تکبیریں کہہ لے اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر کے بعد جنازہ میں شریک ہوا اگر امام نے سلام نہیں پھیرا تو امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد تین بار اللہ اکبر کہہ لے۔

جواب ۳: نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہی ہاتھ بلند کرنے چاہئیں۔ باقی تکبیروں میں نہیں علامہ ابوبکر حدادی المتوفی ۸۰۰ھ جوہرہ نیرہ میں لکھتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے جائیں پھر نہ اٹھائیں۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۱۶ ر دسمبر ۱۹۸۶ء

(۳۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے نو ٹرسٹی ہیں جس میں سات افراد ایک طرف ہیں اور دو افراد ایک طرف ہیں اور دو افراد مذکور اور ان کی برادری کے مسلسل زیادتیوں کے باعث مسجد کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے اور یہاں کورٹ (برمنگھم) میں کیس چل رہا ہے سات جو کہ متولی ہیں ان کی اجازت کے بغیر زور سے اپنا امام مقرر کر رکھا ہے جس پر یہ سات متولی رضامند نہیں ہیں اور نہ ہی قوم کا اس پر اتفاق رائے پایا گیا ہے پولیس نے سات ٹرسٹی متولیوں کے حق بجانب ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی ہے کہ تم اپنا امام مقرر کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو تا کہ فتنہ کھڑا نہ ہو لہذا سوال طلب امر یہ ہے کہ ہم اپنے امام کے پیچھے الگ نماز پڑھ سکتے ہیں مسجد کے دو ہال ہیں دوسرے ہال میں بینوا وتوجروا۔

سائلین

جلال دین، محمد فاضل، خادم حسین، محمد اکبر، محمد اقبال

برمنگھم ۶ "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

شریعت اسلامیہ میں فتنہ اور فساد کرنا نہایت سنگین جرم ہے خصوصاً مسجدوں میں فساد کر کے ان کا نظام تباہ کرنا ظلم عظیم ہے مسجدوں میں پانچ وقت باجماعت نماز کا حکم دے کر شریعت اسلامیہ نے اتفاق اور اتحاد کی تعلیم دی ہے امام کو منصب امامت پر متعین کرنا یہ متولیوں کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ امام کا تعین وتقرر یا تو بانی مسجد کر سکتا ہے یا پھر نمازی لوگ در مختار میں ہے البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام وکذا ولدہ وعشیرتہ الا اذا کان عین القوم اصلح ممن عینہ البانی لان منفعۃ ذالک ترجع الیہم اگر متولی بانیوں سے

ہے تو پھر اس کو بھی بحیثیت بانی اختیار ہے بحیثیت متولی اختیار نہیں ہے جب
امام کے تقرر کا حق بانی مسجد اور نمازیوں کو ہے تو جو پہلے امام متعین ہے اگر
وہ سنی صحیح العقیدہ متقی نماز کے مسائل سے واقف ہے اور اس میں کوئی شرعی
عیب نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی امامت ناجائز ہو تو پھر اس کے پیچھے
ہی نماز پڑھنا چاہیئے اگر امام میں کوئی شرعی عیب ہے تو پھر علیحدہ جماعت
کرنا جائز ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں اگر امام میں کوئی شرعی عیب
ہو جس کے سبب سے یہ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز کرتے ہوں
تو بجا و درست ہے بلکہ اگر امام کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو امام کو خود ہی
امامت سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے حدیث پاک میں ہے کہ جس امام کو لوگ
ناپسند کریں اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب ایسے امام کے لیے سخت وعید
ہے تو اس کو خود منصب امامت سے برطرف ہو جانا چاہیے بہر کیف امام
کے تقرر کا اختیار بانی مسجد اور نمازیوں کو ہے متولیوں کو اختیار نہیں ہے۔
نمازیوں کو چاہیے کہ شریعت کے حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر متعین اور
مقرر کردہ امام صحیح العقیدہ متقی و پرہیزگار ہے تو اس کے پیچھے ہی نماز پڑھ
لیا کریں، علیحدہ جماعت کرانے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔ واللہ ورسولہٗ
اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول
برنگھم ۱۱ برطانیہ

(۳۰) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!

سلام مسنون، گذارش ہے کہ یہاں برطانیہ میں بعض ایسی دکانیں ہیں
جن میں دیگر چیزوں کے علاوہ شراب بھی ہوتا ہے اور لوگ آکر شراب خریدتے
ہیں بعض انگلش وہیں پینا شروع کر دیتے ہیں کیا ایسی شاپ میں نماز پڑھنی
صحیح ہے۔

المستفتی
سید عبدالحمید شاہ صاحب
کونٹری روڈ برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر دکان میں شراب ایک طرف رکھا ہوا ہے اور
دوسری جانب شراب کی بدبو یا نجاست نہیں ہے تو اس دوسری جانب
نماز پڑھ سکتا ہے کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر دکان میں شراب کی بدبو ہے
یا وہاں شراب پینے کے لیے لوگ جمع ہیں تو ان صورتوں میں وہاں نماز پڑھنا
مکروہ ہے کیونکہ شراب پینے والوں پر لعنت برستی ہے اور جہاں لعنت
برسے وہاں نماز نہ پڑھنی چاہیئے حدیث پاک میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو راستے میں مقام حجر سے
گذرے تو فرمایا یہاں کا پانی نہ پیو بلکہ اس سے نماز کے لیے وضو بھی نہ
کرو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو خود نہ
کھاؤ (سیرت ابن ہشام ص۶۲۶)
فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مقام حجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز
نہ پڑھی بلکہ وہاں سے جلدی سے گذرے چونکہ مقام حجر غضب و لعنت الٰہی

کا مورد تھا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر نماز نہ پڑھی اور جہاں شراب پی جائے وہ بھی غضب الٰہی اور لعنت الٰہی کا مورد ہوتا ہے لہٰذا وہاں بھی نماز نہ پڑھی جائے غرضیکہ اگر اس دکان اور شاپ میں لوگ شراب پی رہے ہیں اور بدبو پھیلی ہوئی ہے تو پھر یہاں نماز نہ پڑھی جائے بلکہ کسی پاک مقام پر نماز پڑھے جہاں یہ شیطانی حرکات نہ ہوں۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول
برمنگھم ۔ برطانیہ

الاستفتاء ۔ (۲۱)

بخدمت مفتیان سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

درخواست! نماز جنازہ کی شرعی حیثیت بیان فرمائی جائے گذارشات حسب ذیل ہیں میری والدہ کا انتقال ۲۳ مئی ۱۹۸۸ء بروز سوموار کو ہوا نماز جنازہ کا وقت ۲۵ مئی بروز بدھ سوا دس بجے دن مقرر ہوا میں اپنے خطیب وامام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس لیے اجازت چاہی کہ مولانا دو چار روز سے علیل تھے چونکہ میرے روحانی پیشوا صاحب زادہ صاحب جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لا رہے تھے لہٰذا میں نے عرض کی کہ میں ان سے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے عرض کروں گا اور مولانا نے مجھے اجازت دی اور ساتھ فرمایا کہ وہ بھی جنازہ میں شریک ہوں گے نماز جنازہ کے وقت صاحبزادہ صاحب تشریف لائے اور تقریباً پندرہ منٹ تک انہوں نے اخلاقی طور پر مولوی صاحب کا انتظار

کیا مولانا صاحب کے نہ آنے کے بعد صاحبزادہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی آنے والے جمعۃ المبارک بتاریخ ۲۷ مئی کو خطیب صاحب نے جنازہ سے متعلق اعلان فرمایا کہ حاکم وقت، قاضی وقت اس کے بعد جامع مسجد کا خطیب پھر امام اور نائب امام سے جنازہ کے لیے اجازت لینا ضروری ہے اگر مذکورہ بالا حضرات نہ مل سکیں تو پھر وارث کی اجازت سے کوئی دوسرا شخص نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے ساتھ انہوں نے فرمایا اگر میری جگہ کوئی جھگڑالو مولوی ہوتا اور اس کے ساتھ چند افراد ہوتے تو آپ دیکھتے کیا ہوتا نیز یہ کہ میری بے عزتی ہوئی ہے، "مفتیان کرام" خطیب وامام صاحب کے اس واضح اعلان سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ گویا کہ میری والدہ کی نماز جنازہ شرعی طور پر درست نہیں ہوئی مولوی صاحب نے پوچھنے پر کہہ دیا کہ انہوں نے ایک اعلان کر دیا ہے کہ جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ ٹھیک ہے لہٰذا کوئی بار وضاحت کی ضرورت نہیں ہے آپ سے التماس ہے کہ تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے واضح اور صراحت کے ساتھ شرعی استدلال مذکور نماز جنازہ کی شرعی حیثیت بیان فرمائی جائے اور نیز یہ کہ خطیب وامام صاحب کے ارشادات کی شرعی طور پر کیا حیثیت ہے۔

درخواست دہندہ
محمد اعظم صاحب مکان ۳۲ سمالیتھ برمنگھم
"یو کے"

گواہان ۱۔ محمد صادق صاحب ۲۔ قربان علی صاحب ۳۔ محمد شفیع صاحب
۴۔ محمد الطاف صاحب ۵۔ محمد صابر صاحب

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں محمد اعظم کی والدہ کی نماز جنازہ جو صاحبزادہ صاحب نے پڑھائی تھی وہ صحیح ہوئی ہے اور جو خطیب و امام مسجد نے اعلان کیا کہ اس نماز جنازہ کے لیے امام مسجد سے اجازت لینا ضروری تھی یہ غلط تھا کیونکہ مرد اور عورت کی نماز جنازہ میں فرق ہے، اگر مرد کی نماز جنازہ ہو تو امامت کا حق بادشاہ اسلام کو ہے پھر اس کے نائب کو پھر قاضی کو پھر امام مسجد کو پھر ولی (وارث) کو فقہاء کرام فرماتے ہیں السلطان احق بصلاته ثم نائبه ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی نماز جنازہ کے لیے امام مسجد کو ولی سے مقدم کرنا صرف مستحب ہے اور یہ بھی اس وقت کہ یہ امام مسجد ولی (وارث) سے علم و فضل میں افضل و برتر ہو ورنہ ولی بہتر ہے امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی (در مختار ص۲۲۰، شامی ص۲۲۰ ج۱، شرح فتح القدیر ص۱۱۸ ج۱، ہدایہ ص۱۱۸، نور الایضاح ص۲۶۵ طحطاوی ص۴۸۵) اگر میت کا ولی (وارث) خود صاحب علم ہے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے تو پھر امام مسجد سے یہ خود مقدم ہے اور یہ خود نماز جنازہ پڑھائے اگر نہیں پڑھا سکتا تو پھر امام مسجد اور امام مسجد کو یہ موقعہ شریعت نے اس لیے فراہم کیا ہے کہ مرنے والا اس امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور دنیا میں اس کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات تھے اگر مرنے والا اس امام کے ساتھ ناراض تھا یا ان کے باہمی تعلقات اچھے نہیں تھے تو پھر یہ امام مسجد نماز جنازہ نہ پڑھائے والحاصل ان تقدیم الولاة واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط لو علم ان کان غیر راض به حال حیاته فالاولی ان لا یستحب تقدیمه (طحطاوی ص۴۸۵) بلکہ وارث پڑھائے اگر وارث نہیں پڑھا سکتا تو پھر جس کو یہ اجازت دے وہ پڑھائے ولمن له حق التقدم ان یأذن لغیره (نور الایضاح ص۲۶۵) اگر عورت کی نماز جنازہ ہے تو اس کا ولی (وارث) نماز جنازہ پڑھائے اگر ولی نہیں پڑھا سکتا تو پھر جس کو یہ ولی اجازت دے وہ پڑھائے امام مسجد سے اجازت لینے کا کوئی مطلب نہیں ہے اور نہ ہی عورت کی نماز جنازہ پڑھانا امام کے لیے ضروری ہے فتاویٰ عزیزیہ ص۵۵ ج۱ میں ہے ایشان را رواست کہ ہر کرا خواہند بامامت امر کنند مامور ایشاں ہمچو ایشاں مقدم بود کہ متاخر را اگرچہ خود عصبہ باشد با مامور متقدم حق منازعت نیست گو اجنبی باشد زناں را با مسجد و امام چہ کار کہ ایشاں نہ حاضر جماعت مے شوند نہ شرع اجازتش دادند اور ص۸۵ میں ہے فلولم یکن من یصلی الجمعة کالمرأة مثلا لا یقدم علی الولی اگر جنازہ عورت کا ہے تو پھر جس کو اس کے ولی (وارث) اجازت دیں وہ نماز جنازہ پڑھائے، اگرچہ کوئی اجنبی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عورت کا امام مسجد کے ساتھ نماز وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی شریعت عورتوں کو مسجد میں جانے کے لیے اجازت دیتی ہے اس کا نماز جنازہ یا تو اس کا وارث پڑھائے گا یا جس کو وارث اجازت دے گا۔ اور اندریں صورت چونکہ محمد اعظم کی والدہ کا جنازہ تھا اس لیے محمد اعظم جس کو اجازت دیتا وہی مستحق تھا کہ نماز جنازہ پڑھائے اگر محمد اعظم نے صاحب زادہ صاحب کو اجازت دی تھی کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں تو پھر وہی پڑھا سکتے تھے یہاں امام مسجد کا کوئی تعلق نہیں تھا کہ اس سے اجازت

لی جائے یا وہ نماز جنازہ پڑھائے اگر بوقت نماز جنازہ امام مسجد حاضر بھی ہوتا تو اس سے اجازت کی کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ جنازہ پڑھانے کا حق تو صرف اس کو تھا جس کو محمد اعظم نے اجازت دی تھی لہٰذا محمد اعظم کی والدہ کی نماز جنازہ جو صاجزادہ صاحب نے پڑھائی وہ شرعاً صحیح ہوئی امام مسجد نے جو اعلان کیا تھا وہ صحیح نہ تھا کیونکہ یہ مرد کی نماز جنازہ نہ تھی بلکہ عورت کی تھی اور عورت کی نماز جنازہ میں امام مسجد کا ہونا یا اس سے اجازت لینا یا اس کا نماز جنازہ پڑھانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ وارث کی اجازت ضروری ہے۔ فتاویٰ رضویہ ص۸۵ میں ہی ہے نماز جنازہ ولی میت کا حق ہے دوسرا اس کے اذن کا محتاج ہے وارث جس کو اجازت دے گا وہی پڑھا سکتا ہے دیگر آدمی نہیں پڑھا سکتا، امام مسجد کا یہ کہنا کہ چونکہ مجھ سے اجازت نہیں لی گئی یا مجھ سے نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی لہٰذا میری بے عزتی ہوئی ہے اگر بے عزتی کا یہی باعث ہے تو پھر امام مسجد کی یہ بات غلط ہے کیونکہ جب عورت کے نماز جنازہ کے ساتھ امام مسجد مذکور کا شرعاً کوئی واسطہ ہی نہیں ہے تو اس میں بے عزتی کا کیا مطلب اگر امام مسجد کو یہ علم نہیں تھا کہ عورت کے نماز جنازہ کے بعض احکام دیگر نوعیت رکھتے ہیں تو پھر عدم علم کی وجہ سے مسجد کے امام نے جو اعلان کیا ہے وہ چونکہ شرعی مسئلہ کے متعلق امام مسجد کی غلط فہمی تھی لہٰذا امام مسجد کو چاہیے کہ وہ اپنے سابقہ اعلان کی تردید کرے اور کہے کہ میں نے غلطی میں مبتلا ہو کر اعلان کیا تھا لہٰذا میں اس کا تدارک کرتے ہوئے تمام کے سامنے عند اللہ و عند الرسول معذرت کا خواستگار ہوں اور جو جنازہ کی نماز صاجزادہ صاحب نے پڑھائی ہے وہ شرعاً صحیح تھی اگر امام مسجد معذرت

اور رجوع کرے تو اس کے بعد اس بارے میں کسی شخص کو امام مسجد کے خلاف بات اٹھانے کا حق نہیں ہے اگر کوئی اٹھائے تو پھر وہ عند اللہ ماخوذ ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۲۰ دسمبر ۱۹۸۹ء

(۳۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ آدمی جب فوت ہو جاتا ہے تو کیا اس کے پاس اس کو غسل دینے سے پہلے بھی قرآن پاک پڑھا جا سکتا ہے یا نہ جو حکم شرعی ہو تحریر فرمائیں۔ جوابی لفافہ بھی ارسال خدمت ہے۔

سائل
احمد حسین بنگالی ڈڈلی۔
برمنگھم ''یو کے''

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس تلاوت قرآن مکروہ ہے بہتر یہ ہے کہ غسل دینے کے بعد قرآن پاک پڑھا جائے وتکرہ قراءۃ القرآن عندہ حتی یغسل (نور الایضاح ص۱۲۵) درمختار میں ہے کہ جب تک روح منتقل نہ ہو اس کے جسم سے تو اس وقت تک قرآن پاک پڑھتے رہیں اور رفع روح کے بعد جب تک غسل نہ ہو جائے اس وقت تک مکروہ تنزیہی ہے یعنی جب آدمی بیمار ہوا ہے اور

قریب المرگ ہے تو اس کے پاس اگر قرآن پاک پڑھ رہے ہیں تو جب تک اس کی روح نہیں نکلتی پڑھتے رہیں جب روح پرواز کر جائے تو پھر تلاوت قرآن بند کر دیں پھر غسل کے بعد تلاوت کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد اس کے پاس پڑھا جائے یا یہ صورت کر لی جائے کہ میت کو کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے اور درمیان فاصلہ رکھا جائے تو پھر غسل سے پہلے بھی قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب؛

مفتی غلام رسول
برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۵ رجولائی ۱۹۸۶ء

۴۳۔ الاستفتاء

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ ایک مسئلہ دریافت طلب ہے اگر بیوی فوت ہو جائے تو مرد غسل دے سکتا ہے یا نہ اگر مرد فوت ہو جائے تو عورت غسل دے سکتی ہے یا نہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اگر عورت فوت ہو گئی تو اس کا خاوند اس کو غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی ہاتھ لگا سکتا ہے البتہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور اس کا جنازہ اٹھا سکتا ہے اور اگر مرد فوت ہو جائے تو عورت اس کو ہاتھ بھی لگا سکتی ہے اور غسل بھی دے سکتی ہے در مختار میں ہے یمنع زوجہا من غسلہا لا من النظر الیہا علی الاصح وھی لا تمنع من ذالک عزیز الفتاوی میں ہے عورت متوفیہ کا منہ دیکھنا اس کے شوہر کو جائز ہے اور تجہیز و تکفین میں شریک ہونا اور جنازہ کو اٹھانا درست ہے مگر شوہر غسل نہ دے اور اس کے بدن کو ہاتھ نہ لگائے یہ ممنوع ہے اور شوہر مر جائے تو عورت شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے شوہر کو بعد انتقال زوجہ منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے۔ قبر میں اتارنا جائز ہے ہاں بغیر حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہے زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اسے غسل دینا بھی جائز ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب؛

مفتی غلام رسول
برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۵ رجولائی ۱۹۸۶ء

کتاب الزکوٰۃ

(۴۴) الاستفتاء

بخدمت مفتی غلام رسول صاحب !

سلام مسنون مزاج گرامی مندرجہ ذیل چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں

نمبر۱: جبکہ کسی نے کچھ روپے یا پونڈ جمع کر رکھے ہوں اس لیے کہ لڑکیاں ہیں یا کہ ہو رہی ہیں جن کی شادی خانہ آبادی کے لیے کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے اپنے اخراجات کو جوں توں پورا کر کے بچوں کی آئندہ زندگی یعنی شادی کے لیے جمع کیا ہو یا کر رہا ہو اور جو سونے کے زیورات آہستہ آہستہ بنا کے رکھتے ہوں یا کل زیور بنا کے رکھے ہوں یا جیسے کہ موقعہ ملتا جائے ایک ایک چیز بنا کر رکھتے ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے دیگر اپنے پہننے کے زیورات ہیں جو کہ سات تولہ سے زیادہ کے ہیں تو کیا ان پر زکوٰۃ ہے اپنے رہنے کا گھر یا کہ استعمال کی سواری جیسے موٹر کار ہے ایسی چیزوں پر زکوٰۃ ہے ۔

نمبر۲: ہم برطانیہ میں رہتے ہیں زکوٰۃ ایک ملک سے دوسرے ملک ہیں جبکہ وہاں پر غربت ہے اور زیادہ حاجت مند لوگ ہیں جیسے بنگلہ دیش پاکستان ، انڈیا وغیرہ اور اگر ہمارے پاس روپے دوسرے ملک میں ہیں جو کہ رشتہ داروں کے پاس رکھے ہوئے ہیں تو یہاں سے اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ بھائی اتنے روپے زکوٰۃ نکال دو اور غریبوں کو دیدو اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے ۔

نمبر۳: کچھ روپے جمع رکھے اب اس میں سے ہر سال زکوٰۃ دیتے گئے اس طرح ایک دن تو وہ روپے اس طرح زکوٰۃ دینے میں ہی ختم ہوں گے، چونکہ ان کا کوئی استعمال نہیں لے رہے جس کی وجہ سے اس میں کسی قسم کی بڑھوتی نہیں ہو رہی تو اس طرح تو ایک دن وہ روپے زکوٰۃ دینے میں ہی ختم ہو جائیں گے ۔ بینوا وتوجروا ۔

العارض

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)

کونٹری روڈ برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر۱: زکوٰۃ کے فرض ہونے کی پانچ شرطیں ہیں فقہاء اسلام لکھتے ہیں وشرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحاجة الاصلية ۔ یعنی اس کے فرض ہونے کے شرائط سے یہ ہے کہ عاقل ہو بالغ ہو مسلمان ہو آزاد ہو نصاب کا مالک ہو جس نصاب پر پورا سال گزر جائے اور ضروریات اصلیہ سے بھی زائد ہو تب زکوٰۃ فرض ہو گی ورنہ نہیں صورت مسئولہ میں جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لیے بنا کر رکھا ہے اگر یہ ساڑھے سات تولہ سے زیادہ ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس مذکورہ سونا پر زکوٰۃ فرض ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکیاں نابالغ ہیں اور یہ زیور جدا کر کے اس کا ان کو مالک بنایا گیا ہے تو جب تک یہ بالغ نہ ہوں گی حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ

واجب نہ ہوگی، جب یہ لڑکیاں بالغ ہوں گی اور دیگر وجوب زکوٰۃ کے شرائط
بھی پائے گئے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اگر لڑکیاں بالغ ہو چکی ہیں اور ان کا حصہ جدا
کر کے ان کو مالک بنا دیا گیا ہے تو پھر ان لڑکیوں پر لازم ہے کہ وہ خود زکوٰۃ
ادا کریں اگر باپ نے لڑکیوں کو مالک نہیں بنایا اور یہ زیور اپنے پاس ہی
رکھا ہوا ہے تو پھر باپ پر لازم ہے کہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے، عزیز الفتاوی
میں ہے جب تک نکاح کر کے وہ زیور ان کی ملک نہ کر دیا جائے اس وقت
تک زکوٰۃ باپ کے ذمہ لازم ہے، جس وقت لڑکیاں مالک ہو جائیں گی ان
کے ذمہ لازم ہوگی فتاوی رضویہ میں ہے اگر ہر نابالغہ کا حصہ جدا کر کے یہ کہہ
دے کہ میں نے ان کو اس کا مالک کیا اس کی زکوٰۃ ان کے بالغہ ہوتے تک
کسی پر واجب نہ ہوگی بعد بلوغ اگر شرائط زکوٰۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں
پر واجب ہوگی اگر بالغہ کا حصہ جدا کر کے اسے مالک کر دے اور اس کے
قبضے میں دے دے اگرچہ پھر اسے لے کر اپنے پاس رکھ لے اس حصہ کی
زکوٰۃ حسب شرائط بالغہ پر ہوگی اگر زیور ساڑھے سات تولہ یا اس سے
زیادہ ہے اور گھر میں پہننے کے لیے ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔
حدیث پاک میں ہے اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ میں اور میری خالہ حاضر
خدمت اقدس ہوئیں اور ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے حضور نے
دیکھ کر ارشاد فرمایا اس کی زکوٰۃ دیتی ہو عرض کی نہیں فرمایا کہ ڈرتی نہیں ہو کہ
اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے اس کی زکوٰۃ ادا کرو عزیز الفتاوی میں
ہے زیور سونے چاندی کے اگر بقدر نصاب ہوں عند الحنفیہ اس پر زکوٰۃ
واجب ہے امام شافعی فرماتے ہیں لا تجب فی حلی النساء کہ عورتوں
کے زیوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ

نابالغ کے پاس اگر مال ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے لیکن جو عورتوں کے
زیور ہیں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک جو زیور پہننے
کے لیے ہے اگر ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ
فرض ہے درمختار میں ہے ولو تبرا او حلیا مطلقا اس سے ظاہر ہے
کہ جو زیور پہننے کیلئے ہیں اس پر زکوٰۃ لازم ہے اگر موٹر کار سواری کے لیے
رکھی ہوئی ہے تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے
شرائط سے یہ بھی ہے کہ وہ نصاب حاجت اصلیہ سے بچا ہوا ہو اور حاجات
وضروریات اصلیہ مثلاً روزمرہ کا خرچ، مکان، سکونت، سامان جنگ، سردی
وگرمی کے کپڑے پیشہ وروں کے اوزار، سامان خانہ داری، سواری کے جانور
(موٹر کار وغیرہ) اہل علم کے حق میں کتابیں وغیرہ (معدن الحقائق ص ۱۹۶،
عزیز الفتاوی ص ۲۵۰) اس سے ثابت ہوا کہ سواری وغیرہ ضروریات اصلیہ
میں داخل ہے۔ تو جس نے موٹر کار وغیرہ اپنی سواری کے لیے رکھی ہوئی ہے
اس پر زکوٰۃ لازم ہے ایک مکان سے اگر زیادہ ہوں اور کرائے پر دے رکھے ہوں
تو پھر بھی مکانوں پر زکوٰۃ نہیں ہے (عزیز الفتاوی ص ۲۶۴)

جواب ۲: اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے دوسرے کو وکیل بنائے تو زکوٰۃ
کی ادائیگی ہو جاتی ہے درمختار میں ہے فلو کیل ان یدفع کو وکیل زکوٰۃ دے
سکتا ہے فتاوی عالمگیریہ میں ہے اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے وکیل بنایا اور
وکیل نے زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (بہار
شریعت ص ۱۴، عزیز الفتاوی ص ۳۶۶، فتاوی رضویہ ص ۴۲۷) صورت مسئولہ
میں جب کسی رشتہ دار کو لکھ دیا گیا ہے کہ تم اتنی زکوٰۃ ادا کر دو اگر اس نے
زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

جواب ۳: جب تک نصاب رہے گا ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی شریعت اسلامیہ نے زکوٰۃ کے نصاب میں نمو (بڑھنا) شرط قرار دیا ہے اور یہ بڑھنا دو قسم پر ہے ایک حقیقۃً اور دوسرا تقدیراً، و ملک نصاب نام ولو تقدیراً کہ ایسے نصاب کا مالک ہونا جو بڑھنے والا ہو خواہ حقیقۃً بڑھے یا حکماً اگر بڑھانا چاہے تو بڑھ سکے، اگر مال رکھ دیا ہے اس کے ساتھ کاروبار نہیں کرتا تو اس کا اپنا قصور ہے اگر اس کے ساتھ تجارت وغیرہ کرتا تو اضافہ ہو سکتا تھا لہٰذا جب تک اس کے پاس نصاب تک رہے گا زکوٰۃ دینی پڑے گی یہاں تک کہ نصاب سے کم ہو جائے فتاویٰ رضویہ میں ہے ہر برس زکوٰۃ دینی ضرور ہے جب تک کل مال جو اس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی سے یا اس کی قیمت سے کم ہو جائے اس سے ظاہر ہے کہ جب تک نصاب باقی رہے گا۔ زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء

(۳۵) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ آدمی مالدار ہے اس کے قریبی رشتہ دار مثلاً ماموں زاد بھائی یا خالہ کا لڑکا غریب ہے یہ مالدار زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد کرنا چاہتا ہے اگر زکوٰۃ دے دے اور ان کو بتائے نہیں کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بتانا اس لیے نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ناراض ہوں یا شرمندہ ہوں جو صورت شرعی ہو

وہ بیان کی جائے۔

سائل

نواب دین (صاحب) مانچسٹر، برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت یا مال سے زکوٰۃ علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے وشرط اداءھا نیۃ مقارنۃ للاداء او لعزل ما وجب (کنز الدقائق ص ۱۹۲) ولا یجوز للاداء الا بنیۃ مقارنۃ للاداء لان الزکوٰۃ عبادۃ فکان من شرطھا النیۃ۔ (ہدایہ ص ۱۸۸) اور ادائیگی زکوٰۃ کی شرط نیت کا ہونا ہے دیتے وقت ہو یا واجب مقدار علیحدہ کرتے وقت ہو کیونکہ زکوٰۃ عبادۃ ہے اور اس میں نیت شرط ہے در مختار میں ہے وشرط صحۃ اداءھا نیۃ مقارنۃ للاداء علامہ شامی لکھتے ہیں اشار الی انہ لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماھا ھبۃ او قرضا تجزیہ فی الاصح جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے جب دینے والا زکوٰۃ کی نیت کرے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی نیز اپنے قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے کا زیادہ ثواب ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی المسلمین صدقۃ وھی علی ذی الرحم ثنتان صدقۃ وصلۃ، کہ یہ مسکین پر صدقہ

ہے اور رشتہ دار پر صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے اگر ماموں زاد یا خالہ زاد کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کو یہ نہیں بتایا کہ یہ زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی اور دہرا ثواب بھی ہو گا۔ واللہ و رسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول
برنگھم ۱۱ برطانیہ
۲۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء

(۲۶) الاستفتاء

بخدمت گرامی قدر مفتی صاحب!

سلام مسنون! فتویٰ موصول ہوا، شکریہ آپ نے لکھا ہے کہ پہننے کے لیے جو زیورات ہیں اگر ساڑھے سات تولہ یا اس سے زائد ہوں زکوٰۃ واجب ہے لیکن میں نے مؤطا امام مالک میں ایک حدیث دیکھی ہے جو ابن عمر کے بارے میں ہے کہ ابن عمر اپنی بیویوں اور بیٹوں کے زیورات کی زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے کیا یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس پر عمل کرنا کیا صحیح ہے یا نہ بینوا و توجروا۔

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)
برنگھم "یو کے"

الجواب ہو الموفق للصدق والصواب

بخدمت عالی جناب قبلہ شاہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں نے پہلے استفتاء کا جو آپ کو جواب لکھا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہننے والے زیوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے چونکہ آپ مسلک کے لحاظ سے شافعی ہیں اگر آپ زیوروں کی زکوٰۃ نہ دیں تو یہ بھی آپ کے مسلک کے مطابق ہے۔ البتہ ہمارے امام ابو حنیفہ کے ہاں زیوروں میں زکوٰۃ فرض ہے رہی مؤطا، امام مالک کی وہ روایت جو آپ نے ذکر کی ہے اس کا حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ابن عمر کی اس روایت سے تو صرف یہ ظاہر ہے کہ خود ابن عمر زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے، نہ کہ وہ زیور میں زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے دیکھئے دار قطنی نے حضرت ابن عمر سے ہی روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت سالم کو کہہ رکھا تھا کہ وہ ان کی طرف سے زکوٰۃ دے دیا کریں اگر یہی کہا جائے کہ ابن عمر زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے تو اور سنیئے امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر سے ہی روایت کی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ زیوروں کی زکوٰۃ نکالی جائے تو پھر مؤطا اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں تعارض ہوا جس کا جواب ظاہر ہے کہ نفی اور اثبات کا جب تعارض ہو تو اصول کے مطابق ترجیح مثبت روایت کو ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ روایت جس میں زکوٰۃ نکالنے کا ثبوت ہے وہ مقدم ہو گی اور زیورات میں زکوٰۃ فرض ہو گی۔ امام عبدالرزاق نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے حدیث پاک میں ہے کہ ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے حضور نے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو عرض کیا نہیں فرمایا کیا یہ تمہیں اچھا لگتا ہے کہ قیامت کے روز ان کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے پس انہوں نے اتار کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں پیش کر دیئے اور عرض کیا ھما للہ ولرسولہ کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں (ابو داؤد مترجم ص۵۷۵) اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حسین معلم عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے اور یہ حسین راوی امام بخاری کے راویوں سے ہے اور عمرو بن شعیب کو احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ علی بن مدینی المتوفی ۲۳۴ھ، ابو عبید المتوفی ۲۷۰ھ اور دیگر محدثین نے حجت کہا ہے اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن شداد سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اس کی سند بھی صحیح ہے (ابو داؤد ص۵۷۵) دار قطنی نے اس روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا کہ اس کا راوی محمد بن عطا مجہول ہے لیکن امام بیہقی اور ابن قطان کہتے ہیں کہ دار قطنی کو وہم ہوا ہے کیونکہ سنن ابو داؤد کی اس روایت کا راوی محمد بن عطا نہیں ہے بلکہ محمد بن عمرو بن عطا ہے جس کو بھی اپنے دادا کی طرف نسبت کرتے ہوئے محمد بن عطا کہتے ہیں بدیں وجہ دار قطنی کو مغالطہ ہوا ہے باوجودیکہ سنن ابو داؤد میں صریحاً محمد بن عمرو بن عطا کا سند میں ذکر ہوا ہے جو کہ ثقہ ہے۔ امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں سونے کے زیور پہنا کرتی تھی میں نے حضور کی بارگاہ میں عرض کی کہ کیا یہ کنز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز نہیں ہے اس سے ظاہر ہوا کہ زیور کی زکاۃ دینی چاہیے تاکہ وہ کنز میں شمار نہ

ہو، علامہ عبد الحق بن محمد سہمی المتوفی ۵۹۴ھ نے اس روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں راوی ثابت بن عجلان ہے جو کہ منفرد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ثابت بن عجلان امام بخاری کے راویوں سے ہے جو کہ معتبر ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ثابت بن عجلان ثقہ ہے ابن دقیق العید کہتے ہیں اس پر جرح غیر معتبر ہے اس حدیث ام سلمہ کو امام حاکم نے بھی اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے ؟ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ کہتے ہیں کہ حاکم کی سند میں محمد بن مہاجر راوی جو ہے وہ کذاب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جوزی کی یہ صریح غلطی ہے کیونکہ محمد بن مہاجر جو کذاب ہے وہ دوسرا ہے۔ اور حاکم کی سند میں محمد بن مہاجر جس نے ثابت بن عجلان سے روایت کی ہے یہ اور ہے یہ علاقہ شام کے رہنے والے تھے جو کہ ثقہ ہیں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین ابو زرعہ اور ابو داؤد نے اس کی توثیق ذکر کی ہے۔ اور یہ صحیح مسلم کے راویوں سے ہے جس سے ظاہر ہے کہ ابن جوزی سے صراحتہً غلطی ہوئی ہے اور امام مسلم نے اس سے روایت کی ہے اور اس کی متابعت میں عتاب بن بشیر کی ثابت بن عجلان سے بھی روایت بیان کی ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ عتاب بن بشیر ثقہ ہے اور امام بخاری نے بھی متابعات میں اس سے روایت کی ہے، ہماری اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ بے شمار احادیث مرفوعہ و آثار صحابہ صحیح الاسناد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے لہٰذا حنفیہ کہتے ہیں کہ جو زیورات پہننے کے لیے ہیں ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۳۷) - الاستفتا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ صدقہ فطر فی کس ایک پونڈ پچاس پنس بتایا گیا تھا ایک پونڈ ایک شخص کو دیا پچاس پنس دوسرے شخص کو دیئے گئے انھوں نے کہا کہ ہم نے پاکستان بھیجنا ہے اب سوال یہ ہے کہ جب صدقہ فی کس ایک پونڈ پچاس پنس ہے تو یہ ایک مسکین کو دینا لازم ہے یا تقسیم کر کے ایک پونڈ ایک مسکین کو دیا جائے اور پچاس پنس دوسرے مسکین کو دیئے جائیں کیا اس طرح صدقہ فطر ادا ہوا یا نہ جو شرعی حکم ہو تحریر کیا جائے۔

سائل

حاجی فضل احمد (صاحب) نقشبندی

ل فورڈ روڈ لندن ع۱۱ "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں ایک شخص کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دینا بہتر ہے اگر چند مسکینوں کو دیا گیا تو بھی ادا ہو گیا در مختار میں ہے وجاز دفع کل شخص فطرته الى مسكين او مساكين على ما عليه الاكثر وبه جزم في الواجبية والخانية والبدائع والمحيط وتبعهم الزيلعي في الظهار من غير ذكر خلاف وصححه في البرهان فكان هو المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة الى مسكين واحد بلا خلاف يعتد به اس سے ظاہر ہے کہ ایک شخص کا صدقہ

فطر ایک مسکین کو یا زیادہ کو بھی دیا جا سکتا ہے جیسے کہ کئی شخصوں کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دیا جا سکتا ہے البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دیا جائے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے، نقل فی البحر عن فخر الاسلام من اراد ان يتصدق بدرهم فاشترى به فلوسا ففرقها فقد قصر في امر الصدقة لان الجمع اولى من التفريق، بحر الرائق میں فخر الاسلام سے نقل کیا گیا ہے کہ جس نے ایک درہم صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے ایک درہم کے پیسے خریدے پھر ان کو کئی فقیروں میں تقسیم کیا پس تحقیق اس نے صدقہ کے امر میں کوتاہی کی اس لیے کہ جمع تفریق سے بہتر ہے کیونکہ بہت دینا شریفوں اور سخیوں کے عمل سے مشابہت رکھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے کاموں کو پسند کرتے ہیں اور گھٹیا کاموں کو ناپسند اور اللہ تعالیٰ نے تھوڑے دینے کی مذمت کی ہے فرمایا افرأيت الذى تولّى واعطى قليلا اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے پیٹھ پھیری اور تھوڑا دیا اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑا تھوڑا دینے سے ایک دفعہ زیادہ دے دینا بہتر ہے بہر کیف اگر ایک شخص کا صدقہ فطر چند مسکینوں کو بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

واللہ رسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول

برمنگھم برطانیہ

۲۶ ر دسمبر ۱۹۸۶ء

(۳۸) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید نے ایک ملازم رکھا ہوا ہے اس کو تنخواہ دیتا ہے لیکن ملازم کے بچے زیادہ ہیں بعض دفعہ ملازم کے گھر کا خرچہ پورا نہیں ہوتا اگر زید مال زکوٰۃ سے اس کو دے تو کیا زید اپنے ملازم کو دے سکتا ہے یا اپنے ملازم کو حج کے لیے زکوٰۃ دے تو کوئی حرج تو نہیں ہے شرعی حکم بیان کیا جائے۔

حاجی فضل احمد (صاحب) نقشبندی

مل فورڈ روڈ، لندن ۱۱ "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں ملازم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ زکوٰۃ کو خدمت اور ملازمت کے معاوضہ میں نہ دے اگر ملازمت کے معاوضہ میں دے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اگر ملازم کو غریب سمجھتا ہوا زکوٰۃ دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ کسی کی ملازمت کرنا جواز زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں ہے۔

وکذا اما یرفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ کذا فی معراج الدرایہ (فتاوی عالمگیری ص ۹۷ ج ۱) اس سے ظاہر ہے کہ ملازم اور خادم کو زکوٰۃ بحیثیت محتاج سمجھتے ہوئے آدمی دے سکتا ہے اسی طرح خادم اور ملازم کو زکوٰۃ کی رقم حج کرنے کے لیے بھی دے سکتا ہے جب زکوٰۃ دے سکتا ہے تو وہ زکوٰۃ کا مالک ہو جائے گا اور مالک ہونے کے بعد وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے اگر حج کے لیے وہ جاتا ہے تو بہتر صورت ہے قرآن پاک میں ہے فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں زکوٰۃ دینی جائز ہے اس میں حج کرنے والا بھی داخل ہے جس کے پاس حسب ضرورت خرچہ نہیں ہے علامہ شامی لکھتے ہیں قد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجاً (رد المحتار ص ۸۴ ج ۲) حج پر جانے والا جب محتاج ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ اس کو زکوٰۃ ملازمت کے معاوضہ میں نہ دی جائے اگر ملازمت کے معاوضہ میں حج کرنے کے لیے زکوٰۃ دیتا ہے تو پھر زکوٰۃ کی ادائیگی ہرگز نہ ہوگی۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۵ ر دسمبر ۱۹۸۵ء

(۳۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل کے بارے میں

نمبر ۱: زید سید ہے اس کی بیوی سیدہ نہیں ہے کسی دوسری قوم سے ہے کیا اس کی بیوی غیر سیدہ کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہ

نمبر ۲: زید نے عمرو سے قرضہ لیتا ہے لیکن وہ ٹالتا رہا، تین سال کے بعد بمشکل اس نے قرضہ واپس کیا، کیا اب تین سال کی زکوٰۃ زید کو دینا پڑے گی یا نہ۔

نمبر ۳: اگر زید نے عمرو کو کہا کہ میری طرف سے زکوٰۃ ادا کرو اور عمرو نے

زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہ۔

ان مسائل کے فقہی شرعی جوابات مطلوب ہیں واپسی لفافہ بھی ارسال ہے اُمید ہے کہ آپ ان کے جوابات تحریر اور مہر سے مزین فرما کر مشکور فرمائیں گے، بینوا و توجروا۔

راقم

منظور حسین صاحب

مل فورڈ روڈ لندن ۱۱

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱: صورت مسئولہ میں اگر زید کی بیوی غیر سیدہ غریب اور مصرف زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے البتہ سید کو زکوٰۃ لینا منع ہے در مختار میں ہے ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع کہ ظاہر مذہب یہی ہے کہ سید کو زکوٰۃ لینا منع ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب، الصدقات حرام علی السادات ملاحظہ کیجئے۔

جواب ۲: جب تین سال کے بعد قرض کی وصولی ہو گئی تو ان تین سال کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے تنویر الابصار میں ہے کہ جب قرض مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

جواب ۳: صورت مسئولہ میں اگر زکوٰۃ دینے والے یعنی زید نے عمرو کو وکیل بناتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اگرچہ وکیل یعنی عمرو نے دیتے وقت نیت نہیں کی در مختار میں ہے کہ زکوٰۃ دینے کیلئے وکیل بنایا اور وکیل کو بہ نیت زکوٰۃ مال دیا مگر وکیل نے فقیر کو دیتے وقت نیت

نہیں کی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۶ دسمبر ۱۹۸۶ء

۳ - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں

(۱) زکوٰۃ کے مال سے اگر دینی کتب خرید کر کے وقف کر دی جائیں تو کیا یہ جائز ہے۔

(۲) اگر زکوٰۃ کے روپے سے کپڑے خرید کر فقیروں میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہ۔

(۳) زکوٰۃ کے روپے سے کھانا پکوا کر فقیروں میں تقسیم کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہ۔

(۴) اگر کسی سے کچھ روپے قرض لینے ہوں یا پونڈ لینے ہوں اور جس سے لینے ہیں وہ غریب ہے اگر اس کو بعوض زکوٰۃ معاف کر دیئے جائیں تو کیا اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہ۔

العارض

محمد شریف صاحب

ہیبرٹ روڈ مکان ۹۶ لندن

"یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱: صورت مسئولہ میں اگر دینی کتب مال زکوٰۃ سے خرید کر وقف کر دی جائیں تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ کی تعریف ہے تملیک المال من فقیر مسلم (کنز الدقائق ص ۱۹۵) یعنی زکوٰۃ مالک بنانا ہے مال کا مسلمان فقیر کو اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے جب تک زکوٰۃ دینے والا فقیر کو زکوٰۃ کا مالک نہیں بنائے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیک زکوٰۃ کا رکن ہے التملیک ھو الرکن (ہدایہ ص ۲۰۵) زکوٰۃ میں مالک بنانا رکن ہے مطلق وقف کرنے سے تملیک متحقق نہیں ہوتی البتہ اگر کتابیں زکوٰۃ کے روپے سے خریدیں اور طالبعلموں کو دے دیں اور ان کو کتابوں کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

جواب ۲: زکوٰۃ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ پونڈ یا روپے ہی دیئے جائیں بلکہ اگر ان کے ساتھ کپڑے خرید کر محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کئے تو پھر بھی زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی درمختار میں ہے کما لو کساہ ای کما یجزئہ اگر کپڑے خرید کر فقیر کو ان کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

جواب ۳: صورت مسئولہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کھانا پکا کر فقراء اور غرباء کو جمع کر کے کھلا دیا تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً نہ ہوگی کیونکہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں ہے اباحت میں صرف کھانے والوں کے لیے کھانا مباح ہے وہاں سے کھانا وغیرہ اٹھا کر گھر نہیں لے جا سکتے البتہ تملیک میں وہ مالک ہو جاتے ہیں اٹھا کر گھر بھی بھیجا سکتے ہیں تو اگر کھانا بطور اباحت فقراء کو کھلا دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اگر کھانا پکا کر فقیروں کے گھر بھیج دیا یا اپنے گھر ہی کھلایا لیکن صراحۃً ان کو اپنے اپنے کھانے کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ طحطاوی میں ہے لا یکفی فیھا الاطعام الا بطریق التملیک فان العبرۃ للتملیک ولا مدخل فیہ لاکلہ فی بیت المزکی اوارسالہ الی بیوت المستحقین اس سے ظاہر ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والے نے غریبوں اور محتاجوں کو بطور اباحت کھانا کھلایا تو زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی اگر ان کو کھانے کا مالک بنا دیا تو پھر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی خواہ ان کے گھر بھیج دے یا اپنے گھر ہی ان کو مالک بنا کر کھانا کھلا دے۔

جواب ۴: صورت مسئولہ میں اگر زکوٰۃ دینے والا یہ چاہتا ہے کہ یہ قرض جو میں نے اس سے لینا ہے یہ میرے تمام مال کی زکوٰۃ میں ادا ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا مثلاً اس کی زکوٰۃ پانچ سو پونڈ کل بنتی ہے اور اس نے ایک غریب سے پانچ سو پونڈ قرض لینا ہے یہ اس کو قرض معاف کر دیتا ہے اب یہ پانچ سو پونڈ تمام مال کی زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا بلکہ صرف کل مال سے پانچ سو پونڈ کی زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی بقایا تمام رقم کی زکوٰۃ دینا ہوگی فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے فقیر پر اس کا قرض تھا کل معاف کر دیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی اور اگر اس صورت میں یہ نیت کی کہ پوری زکوٰۃ ادا ہو جائے تو نہ ہوگی درمختار میں ہے فقیر پر قرض ہے اس قرض کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہے یعنی یہ چاہتا ہے کہ معاف کر دے اور وہ میرے مال کی زکوٰۃ ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے اپنے مال

کی زکوٰۃ فقیر کو دے دے پھر اس سے اپنے آتے ہوئے ہیں لے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو ہاتھ پکڑ کر چھین سکتا ہے یا عدالت میں مقدمہ کر کے لے سکتا ہے بہرکیف اگر غریب پر قرض ہے اور وہ قرض اپنے تمام مال کی زکوٰۃ میں معاف کرے تو زکوٰۃ تمام مال کی نہ ہوگی بلکہ جتنا معاف ہوا ہے اتنے مال کی کل مال سے زکوٰۃ نہ دینی پڑے گی باقی تمام مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ نکال کر فقیر اور غریب کو دے اور پھر اس سے واپس قرضہ کے بدلہ میں لے لے اگر وہ انکار کرے تو وہ بالجبر بھی اس سے لے سکتا ہے۔ واللہ ورسولہ، اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم برطانیہ
۲۹ دسمبر ۱۹۸۷ء

(۴۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے ایک آدمی اپنے علاج کے لیے انگلینڈ آیا ہوا ہے غالباً چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے جو روپے علاج کے لیے لایا تھا وہ ختم ہو گئے علاج مکمل نہ ہو سکا۔ اب یہ شخص واپس پاکستان جانا چاہتا ہے لیکن کرایہ کے لیے پونڈ نہیں ہیں ایسے آدمی کو زکوٰۃ یا صدقہ فطر وغیرہ دے سکتے ہیں یا نہ۔

المسئولہ
از سید عبدالعزیز شاہ (صاحب) شافعی
دڈلی روڈ۔ برمنگھم، برطانیہ۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اس آدمی کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دینا جائز ہے کیونکہ یہ مسافر ہے اگر دوران سفر روپے، پونڈ وغیرہ ختم ہو جائیں تو اس کو زکوٰۃ جائز ہے قرآن پاک میں ہے وابن السبیل کہ زکوٰۃ کا مصرف مسافر بھی ہے، جب مسافر جس کے پاس سفر خرچ نہیں رہا اس کو زکوٰۃ وغیرہ دے سکتے ہیں۔ واللہ ورسولہ، اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۳۰ مئی ۱۹۸۶ء

(۴۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس کچھ سونا ہے یعنی نصاب سے کم ہے اور کچھ چاندی ہے جو کہ نصاب سے بھی کم ہے کیا اس سونا اور چاندی کی زکوٰۃ دینا پڑے گی یا نہ۔

المسئولہ از
سید عبدالعزیز شاہ (صاحب) شافعی
دڈلی روڈ برمنگھم ۱۱ برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں سونے اور چاندی کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر دونوں کی قیمت چاندی میں ڈال جائے اور چاندی کے نصاب (ساڑھے

باون تولے) کو پہنچ جائے تو حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو گی ہدایہ میں ہے ویضم الذھب الی الفضۃ بوقت زکوٰۃ سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے کنز الدقائق میں ہے والذھب الی الفضۃ اور بوقت زکوٰۃ سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے اور دینار ایک مثقال کے ہم وزن ہوتا ہے یعنی ۲۰ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا جب ایک قیراط پانچ جو کا ہوا تو ایک دینار سو جو کا ہوا جس کا وزن ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے تو سونے کا نصاب ساڑھے $7\frac{1}{2}$ تولے ہوا، جس کا چالیسواں حصہ دو ماشے دو رتی ہوتا ہے پس جو شخص بیس دینار یعنی ساڑھے سات تولے کا مالک ہوا اس پر دو ماشے دو رتی زکوٰۃ واجب ہو گی، اور چاندی کا نصاب دو سو ۲۰۰ درہم ہے اور ایک درہم چودہ قیراط کا ہے پس درہم شرعی ۷۰ جو یعنی تین ماشے ایک رتی اور ایک رتی کے پانچویں حصے کے ہم وزن ہوا پس چاندی کا نصاب ۵۲ تولے ۶ ماشے ہے صورت مسئولہ میں جب یہ نہ سونے کا نصاب پورا ہے اور نہ چاندی کا بلکہ کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں کو قیمت لگائی جائے گی خواہ چاندی میں لگائی جائے خواہ سونے میں دونوں میں سے کسی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گی، امام شافعی کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اجزاء کے لحاظ سے ملا کر اگر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں مثلاً سونا دس مثقال ہے یہ سونے کا آدھا نصاب ہے اور چاندی سو درہم ہے یہ چاندی کا آدھا نصاب ہے اب دونوں اجزاء کے لحاظ سے مل کر پورا نصاب ہوا زکوٰۃ

واجب ہو گی اگر ایک شخص کے پاس ایک سو ۱۰۰ درہم چاندی ہے جو کہ چاندی کا آدھا نصاب ہے لیکن سونا پانچ مثقال ہے یہ سونے کا آدھا نصاب نہیں ہے چوتھا حصہ ہے لیکن اس کی قیمت سو درہم ہے تو اب قیمت کے لحاظ سے دو سو درہم ہو گیا تو یہاں پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو گی امام شافعی کے نزدیک واجب نہیں ہو گی کیونکہ اجزاء کے لحاظ سے نصاب پورا نہیں ہوا سائل چونکہ شافعی المسلک ہیں اگر ان کے پاس دس مثقال سونا ہے اور سو درہم چاندی ہے تو پھر زکوٰۃ دیں اگر سونا دس مثقال سے کم ہے یا چاندی سو درہم سے کم ہے تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر ایک آدھے نصاب سے کم ہو لیکن قیمت چاندی کے نصاب سے پوری ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ دینا لازم ہو گا۔

واللّٰہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول

برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲ مارچ ۱۹۸۷ء

من سحورکم اذان بلال ولا الفجر المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی الافق۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو سحری کھانے سے باز نہ رکھے بلال کی اذان اور صبح کاذب اور لیکن فجر تو وہ ہے جو افق میں منتشر ہوتی ہے (درایہ شرح ہدایہ صفحہ ۸۰) یعنی روزہ کی ابتدا صبح صادق سے ہوتی ہے صبح کاذب سے نہیں ہدایہ صفحہ ۸۰ میں ہے ولا معتبر با الفجر الکاذب اس سے ظاہر ہے کہ صبح کاذب وہ روشنی ہوتی ہے جو طلوع آفتاب سے پہلے مشرق کی جانب آسمان کے کنارے پر اونچائی میں ستون یا مینار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اس میں روشنی مدھم ہوتی ہے اور تاریکی غالب رہتی ہے اور بعض مقامات پر بعض ایام میں یہ غائب بھی ہو جاتی ہے اور صبح صادق وہ روشنی ہے جو طلوع آفتاب سے پہلے مشرق کی جانب آسمان کے کنارے پر پرندہ کے بازو پھیلانے کے مانند چوڑائی میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ افق پر آناً فاناً پھیل جاتی ہے اور تھوڑی دیر میں سارا افق روشن ہو جاتا ہے اور اسی صبح صادق سے ہی احکام شرعیہ جو اس سے متعلق ہیں تعلق رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ ہی بلا تاخیر روزہ کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کے بعد روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ علم فلکیات کے ایک محقق علامہ ابو ریحان المتوفی ۴۴۰ھ، صبح صادق کے ظاہر ہونے کے متعلق لکھتے ہیں

انحطاط الشمس تحت افق حتی کان ثمانیة عشر جزأ کان ذلک الشمس وقت طلوع الفجر فی المشرق۔

جب سورج مشرق میں افق سے ۱۸ درجہ (ڈگری) نیچے ہوتا ہے تو وہ وقت طلوع فجر یعنی صبح صادق کا ہوتا ہے۔ شرح چغمینی میں ہے وقد عرف

بالتجربة ان اوّل الصبح وآخر الشفق انّما یکون اذا کان انحطاط الشمس ثمانیه عشر جزاء محقق طوسی[1] بھی لکھتے ہیں کہ صبح صادق اس وقت ہوتی ہے جبکہ سورج افق سے ۱۸ درجے نیچے ہوتا ہے۔ علامہ عبدالرحمن بزاز المتوفی ۸۲۷ھ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ بھی لکھتے ہیں کہ صبح صادق اس وقت ہوتی ہے جبکہ سورج کا انحطاط افق مشرقی سے ۱۸ درجے باقی رہے (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۲۳) بہر صورت صبح صادق بقول صحیح اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ افق مشرقی سے آفتاب کا انحطاط اٹھارہ درجہ (ڈگری) باقی رہے یعنی آفتاب افق شرقی کی طرف بڑھتا ہے اور جب افق شرقی سے پورے ۱۸ درجے دور رہ جاتا ہے تو افق شرقی میں شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی روشنی معلوم ہوتی ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں سائل نے دریافت کیا ہے کہ یہاں برطانیہ میں سحری کس ٹائم بند کرنی چاہیئے تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہاں بھی سحری صبح صادق کی ابتداء سے پہلے ہی بند کر دینی چاہیئے کیونکہ صبح صادق کے ظہور کے ساتھ ہی کھانا پینا روزہ دار کے لیے حرام ہو جاتا ہے البتہ برطانیہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ۵۰ سے ۵۸/۵۸ ڈگری عرض بلد کے درمیان واقع ہے جس کی وجہ سے اس کے دن رات میں بالخصوص سردی اور گرمی کے موسم میں کافی حد تک فرق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مئی، جون اور جولائی کے مہینوں میں آفتاب افق کے صرف ۱۲/ درجے

---

[1] نصیر الدین طوسی علوم ریاضی اور ہیئت میں کمال دسترس رکھتے تھے حکیم بطلیموس کی کتاب المجسطی جو یونانی زبان میں تھی اس کا عربی ترجمہ محقق طوسی نے ہی کیا ہے ۱۲۵۶ء عیسوی میں ہلاکو خان کے حکم سے مراغہ میں ایک رصدگاہ قائم ہوئی تھی جہاں محقق طوسی نے زائچہ ایلخانی تیار کیا تھا۔

مفتی غلام رسول۔

تک ہی نیچے جاتا ہے اور سفیدی پوری رات غائب نہیں ہوتی گویا کہ رات آتی ہی نہیں جب ان ایام میں شرعی رات کا تحقق ہی نہیں ہوتا تو صبح صادق بھی نہیں ہوگی لہٰذا ان ایام میں صبح صادق کے لیے اندازہ کرنا پڑے گا وہ اس طرح کہ ان ایام سے جو پہلے صبح صادق کے لیے وقت ہے وہی وقت ان ایام میں اعتبار کیا جائے مثلاً آخری صبح صادق کا وقت ۱۲ رمئی (سمر ٹائم) کو ایک بج کر اٹھائیس منٹ تھا اسی کے مطابق ۱۲ رمئی سے یکم اگست تک یعنی دوبارہ صبح صادق متحقق ہونے تک ایک بج کر ۲۸ منٹ صبح صادق تصور کی جائے گی اس کے بعد یعنی صبح صادق کے ظہور کے بعد نماز صبح بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ بہر کیف صبح صادق چونکہ طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے جس کی مقدار گھنٹوں کے حساب سے ایک گھنٹہ (منٹ) پندرہ ہوتی ہے۔ لیکن احتیاط یہی ہے کہ سحری طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ترک کر دی جائے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

۸ رجون ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۴۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں:-

۱- یہاں برطانیہ میں بعض شوگر کے مریض ہیں ان کو ڈاکٹر لوگ منع کرتے ہیں کہ تم لوگ شوگر کے مریض روزے نہ رکھو بلکہ دو تین گھنٹے کے بعد کچھ ضرور کھا پی لیا کرو یہ لوگ روزے کا فدیہ دے دیتے ہیں کیا فدیہ دینا صحیح ہے یا نہ۔

۲- ایک روزہ دار نے بھول کر کھایا اور یہ خیال کیا کہ روزہ تو اب ٹوٹ گیا ہے پھر جان بوجھ کر کھایا اور پیا اس کے لیے کیا حکم ہے۔

۳- ایک شخص مالدار ہے اس کے ذمہ میں کفارے کے روزے ہیں وہ لگاتار روزے نہیں رکھ سکتا کیا اس صورت میں مال سے کفارہ ادا کر سکتا ہے یا نہ، بینوا توجروا۔

المستفتی- محمد اقبال (صاحب) برمنگھم نمبر ۶ "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر ۱: بیمار جس قسم کا بیمار ہو اس کے لیے فدیہ دینا روزہ کے بدلہ میں جائز نہیں ہے روزہ کے بدلہ میں فدیہ صرف شیخ فانی (وہ بوڑھا جو کسی طرح روزہ نہ رکھ سکے) دے سکتا ہے در مختار میں ہے للشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوباً علامہ شامی لکھتے ہیں وهو يفدى فقط اشارة الى انه ليس على غيره فدية بیمار کے لیے اسلام نے اجازت دے رکھی ہے اگر روزہ اس کو مرض کی حالت میں نقصان دیتا ہے تو روزہ نہ رکھے، جب صحت ہو تو روزے قضا کر لے ہر شخص کے لیے فدیہ جائز نہیں ہے فدیہ صرف اس شخص کے لیے رکھا گیا ہے جو کہ بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی آئندہ موت تک طاقت کی امید ہو کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے آئندہ کمزوری دن بدن بڑھتی جائے گی لہٰذا اس کے لیے فدیہ کا حکم ہے اگر شوگر کا مریض گرمیوں میں روزہ نہیں رکھ سکتا اور سردیوں میں رکھ سکتا ہے تو پھر بھی فدیہ نہیں دے سکتا بلکہ سردیوں میں روزے رکھے اگر لگاتار ایک ماہ روزے نہیں رکھ سکتا بلکہ اس طرح رکھ سکتا ہے کہ ایک دن روزہ رکھ لے اور ایک دن چھوڑ دے تو پھر بھی فدیہ

نہیں دے سکتا ایسے بیمار کو بیماری جانے کا انتظار کرنا چاہئیے غرضیکہ فدیہ اس وقت دینا ہے جب روزے نہ گرمی میں رکھ سکے نہ جاڑے نہ لگاتار نہ متفرق اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اس عذر کے جانے کی امید نہ ہو جیسے بوڑھے شخص کا بڑھاپا کہ ایسا عذر ہے کہ دن بدن اس میں اضافہ ہی ہوگا کمی نہیں اس عذر میں فدیہ روزے کا بدل ہو سکتا ہے لیکن اگر شوگر کا مریض ایسا ہے کہ روزہ رکھنے سے بے ہوش ہو جاتا ہے اور مرض شوگر اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اب اس میں افاقہ کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر یہ بھی فدیہ دے سکتا ہے المریض اذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض - کہ مریض جب صحت سے ناامید ہو جائے تو پھر ہر روزے کے بدلہ میں فدیہ دے اگر سردی کے دنوں میں روزے رکھ سکتا ہے یا ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھ سکتا ہے تو پھر فدیہ نہیں دے سکتا جو فدیہ دیا ہے اس کا ثواب ہوگا لیکن وہ روزے کا بدل نہیں ہے اگر اس نے روزے نہیں رکھے تو مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے اتنے روزے ہیں ان کا فدیہ دیا جائے اس کے مرنے کے بعد وارثوں کو چاہیئے کہ وہ اس کے روزوں کا فدیہ دے دیں اور فدیہ کی مقدار وہی ہے جو کہ صدقہ فطر کی ہے اگر یہ مریض روزہ رکھنے سے بے ہوش ہو جاتا ہے یا اس کی مرض میں افاقہ نہیں ہوتا تو پھر روزوں کا فدیہ دے دیا کرے۔

جواب نمبر۲:- بھول کر کھانے سے یا پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اطعمك وسقاك - (درایہ شرح ہدایہ صفحہ ۲۱۰) تجھے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

ہدایہ میں ہے اذا اکل الصائم اوشرب ناسیا لم یفطر جب کھا لیا روزہ دار نے یا پی لیا بھول کر تو روزہ افطار نہ کرے بلکہ پورا کرے اس سے ظاہر ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں جاتا صورت مسئولہ میں اگر بھول کر کھانے کے بعد جان بوجھ کر کھا لیا تو روزہ ختم ہو گیا اب اس کے بدلہ میں روزہ قضا کرے کفارہ کی ضرورت نہیں ہے فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۰۱ میں ہے لو اکل اوشرب ناسیا وظن ان ذالك فطرة فاکل متعمدا لاکفارة علیه درمختار میں ہے صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں ہے او اکل ناسیا فظن انه افطر فاکل عمدًا قضی فقط الغرض بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر اس کے بعد جان بوجھ کر کھا لیا تو پھر روزہ ٹوٹ گیا اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ یہ روزہ قضا کرے اس صورت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔

جواب نمبر۳:- اس صورت میں اس مالدار آدمی کو روزے ہی رکھنے چاہئیں مال اور کھانے وغیرہ سے کفارہ ادا نہیں کر سکتا قرآن پاک میں ہے فان لم یستطع فاطعام ستین مسکینا اگر روزے کی طاقت نہ ہو تو پھر کھانے یا مال سے کفارہ ادا کر سکتا ہے اگر روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو پھر نہیں - واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ

۱۲/ جولائی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید شوگر کا مریض ہے مسلمان

ڈاکٹروں نے بھی اسے کہا ہے کہ تم روزہ نہ رکھا کرو اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے انگلش ڈاکٹروں نے اس کو سختی سے روکا ہے کہ روزہ رکھنے سے تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے اور یہ مرض بھی ایسی ہے کہ لا علاج ہے زید کو مرنے تک صحت ہونے کی امید نہیں ہے کیا ایسی صورت میں زید فدیہ دے دیا کرے اور روزہ نہ رکھے تو جائز ہے۔

سائل

محمد اقبال انصاری برمنگھم۔ یوکے۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

علماء لکھتے ہیں کہ بیماری سات قسم پر ہے:۔

۱۔ خفیف جس کے ساتھ روزہ میں مشقت اور تکلیف نہیں ہے جیسے کہ زکام۔

۲۔ خفیف جس سے مشقت نہیں صرف خطرہ ہے جیسے کہ زکام کا خوف۔

۳۔ تکلیف سخت ہے مگر روزہ سے افاقہ نہیں ہو گا۔

۴۔ تکلیف سخت ہے جو روزہ سے زیادہ ہو گی۔

۵۔ مرض سخت ہے روزہ سے دوسرا مرض بھی ہو سکتا ہے۔

۶۔ مرض سخت ہے روزہ سے اور لمبی ہو جائے گی۔

۷۔ بیماری بالفعل موجود نہیں ہے لیکن روزہ رکھے گا تو بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ پہلی اور دوسری قسم میں روزہ رکھنا چاہیئے، تیسری قسم میں اختیار ہے۔ چوتھی پانچویں، چھٹی قسم میں روزہ چھوڑ دے بعد میں قضا کرے اگر رکھ بھی لیا تو ادا ہو جائے گا، ساتویں قسم میں بھی افطار جائز ہے لیکن اگر روزہ رکھ لے تو بہتر ہے۔ غرضیکہ بیمار کے لیے شریعت نے اجازت دی ہے

کہ وہ روزے نہ رکھے پھر جب تندرست ہو جائے تو روزے رکھ لے ومن كان مريضا في رمضان فخاف ان صام ازداد مرضه افطر وقضى۔ اور جو شخص رمضان میں بیمار ہو پس وہ ڈرے کہ اگر روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی تو وہ روزہ چھوڑ دے اور قضا کرے لیکن صورت مسئولہ میں جب اتنی شدید اور سخت مرض ہے کہ روزہ رکھنے سے بے ہوش ہو جاتا ہے یا موت واقع ہونے کا خطرہ ہے اور تا دم زندگی اس مرض سے صحت کی بھی امید نہیں ہے اور نہ ہی اس مرض کا کوئی حقیقی علاج ہے تو پھر یہ مریض ہر روزے کے بدلے فدیہ دے دیا کرے المريض اذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض۔ (طحطاوی ص۴۶۵) واما المريض الذى لا يرجى برؤه والشيخ الكبير فانه لا صوم عليهما بل تجب الفدية عند ابى حنيفة وهو الاصح من مذهب الشافعي (میزان شعرانی ص ج۲)

اگر ایسی مرض ہو جس سے افاقہ کی امید ہرگز نہیں ہے تو پھر مریض فدیہ دے سکتا ہے مذکور مریض کی مرض بھی جب لا علاج ہے تو یہ بھی روزوں کے بدلے فدیہ دے سکتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۲ برطانیہ

۱۲ / جولائی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۲۶)

(۴۶) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ جب بھی ماہ رمضان آتا ہے ہر جگہ میں اور برطانیہ میں بھی چاند کے سلسلہ میں گڑبڑ ہوتی ہے کسی ٹاؤن میں روزہ ہوتا ہے اور کسی میں عید، سوال یہ ہے کہ شریعت میں رویت ہلال کے ثبوت کا طریقہ کیا ہے اگر کوئی شرعی طریقہ ہے تو اس پر عمل کرتے ہوئے یہ جھگڑا کیوں ختم نہیں کیا جاتا، ریڈیو ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون کی خبر پر عمل کرنا کیسا ہے۔

سائل

حاجی محمد اشرف خان صاحب (لندن) "یوکے"

الجواب هوالموفق للصدق والصواب

یہ اختلاف اور گڑبڑ اصل میں عوام الناس اور آلات جدیدہ کی خبر رسانی کا نتیجہ ہے کوئی کہتا ہے کہ فلاں ملک میں ریڈیو نے اعلان کر دیا ہے کہ چاند نظر آگیا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں ملک میں ٹیلی ویژن پر اعلان ہوا ہے کہ کل عید ہوگی اور کوئی کہتا ہے کہ اعلان ہوا ہے فلاں ملک میں روزہ ہے عید نہیں ہو رہی جس سے ظاہر ہے کہ عوام کی مداخلت اور آلات جدیدہ اس گڑبڑ کے اصل سبب ہیں ورنہ شریعت اسلامیہ نے تو رویتِ ہلال کے ثبوت کے لیے طریقے متعین کیے ہوئے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ثبوت رویۃ ہلال کے سات طریقے بیان کیے ہیں۔

۱۔ شہادت رویت کہ خود چاند دیکھنے والا ایک مسلمان عاقل بالغ گواہی دے کہ میں نے اس ماہ رمضان کا چاند فلاں دن کی شام کو دیکھا ہے اور مطلع بھی صاف نہ ہو اگر مطلع صاف ہے تو پھر ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک جماعت عظیم کی گواہی ضروری ہے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے یہ صرف ماہ رمضان کے چاند کے لیے ہے کہ مطلع صاف نہ ہو تو ایک مرد

مسلمان عاقل بالغ کا بیان کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے چاند میں ایک دیہاتی کی شہادت کو قبول فرمایا تھا نیز یہ دینی کام یعنی لوگوں پر روزہ کے واجب ہونے کی خبر دے رہا ہے اور امر دینی میں ایک آدمی کی بھی خبر معتبر ہے باقی گیارہ چاندوں کے لیے ہر حال میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں جو کہ قاضی یا مفتی اسلام کے سامنے بایں طور پر گواہی دیں کہ ہم نے اس ماہ کا چاند فلاں دن کی شام کو دیکھا ہے اور اگر عیدین میں مطلع صاف ہے تو پھر جماعت عظیم کے بیان پر رویت ہلال ثابت ہوگی اگر مطلع صاف نہیں تو پھر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی ضروری ہیں جو گواہی دیں کہ ہم نے فلاں دن کی شام کو چاند دیکھا ہے کیونکہ عید کی چاند سے حق العباد متعلق ہے پس حق العباد میں دو گواہ ضروری ہیں۔

۲۔ شہادت علی الشہادت۔ یعنی گواہوں نے خود چاند نہیں دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی ہے اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ بنایا انھوں نے اس گواہی کی گواہی دی یہ اس وقت ہوتا ہے جب قاضی یا مفتی اسلام کے جہاں اصل گواہ حاضر نہ ہو سکیں تو دوسروں کو گواہ بنائیں اصل گواہ فرع کے گواہ کو کہے کہ میری اس گواہی پر گواہ ہو جا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے فلاں ماہ فلاں سن کا فلاں ہلال (چاند) فلاں دن کی شام کو دیکھا ہے وہ دوسرے جا کر گواہی دیں وہ گواہان فرع یوں گواہی دیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھ سے کہا ہے کہ میری اس گواہی پر گواہ ہو جا فلاں بن فلاں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری

اس گواہی پر گواہ ہو چکا۔

۳۔ شہادت علی القضاء۔ کسی قاضی کے سامنے رویت ہلال پر شہادتیں ہوئیں قاضی نے حکم دیا کہ چاند ہو گیا وہاں دارالقضاء میں دو گواہ موجود تھے انہوں نے جا کر دوسرے علاقے میں کسی مفتی اسلام یا قاضی کے سامنے گواہی دی کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال (چاند) کی نسبت فلاں دن کی شام کو چاند کے ثبوت کی گواہیاں ہوئی تھیں اور قاضی نے ثبوت ہلال کا حکم دیا تھا۔

۴۔ کتاب القاضی الی القاضی۔ ایک قاضی کے سامنے شرعی گواہی گذری اس نے دوسرے قاضی کو خط لکھا کہ میرے سامنے اس رویت ہلال پر شہادت ہوئی ہے اور یہ خط دو آدمیوں کو دیا کہ میرا خط فلاں شہر کے قاضی کو دینا یہ خط لے کر دوسرے قاضی کے پاس پہنچے اور شہادت دی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی نے دیا ہے اور ہم اس کے گواہ ہیں کہ یہ خط اس قاضی کا ہے اب یہ قاضی اس شہادت کی بنا پر رویت ہلال کے ثبوت کا حکم کر سکتا ہے۔

۵۔ استفاضہ۔ کسی اسلامی شہر جس میں قاضی ہو اور اس قاضی کے حکم سے چاند کے احکام ثابت ہوتے ہوں وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب نے یک زبان ہو کر خبر دی ہو کہ فلاں دن بر بنائے رویت ہلال روزہ ہوا یا عید ہوئی تو اس طریقہ سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو سکتا ہے لیکن یہ استفاضہ وشہرت رویت یقینی کا باعث بنے تو اعتبار کریں گے رد المحتار میں ہے فی الذخیرۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدۃ الاخری یلزمهم حکم هذه البلدۃ ومثلا فی الشر نبلالیہ۔ غرضیکہ استفاضہ اور شہرت کا مطلب یہ ہے کہ اس شہر کے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا اور ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو تو اس طریقہ سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

۶۔ اکمالِ مُدّت۔ جب ایک ماہ کے تیس دن پورے ہو جائیں تو آئندہ ماہ کا ہلال خود ہی ثابت ہو جائے گا اگرچہ رویت، شہادت اور استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کیونکہ ماہ تیس دن سے زائد نہیں ہو سکتا جب ایک ماہ تیس دن کا ہوا تو اس کے ساتھ دوسرا ماہ متصلاً شروع ہو جائے گا اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر مطلع غبار آلودہ ہو تو تیس کی گنتی پوری کر لو، یہ اکمال مدت ہے یہ تو اس وقت ہے جبکہ گذشتہ چاند کی رویت واضح یا دو گواہان عادل کی شہادت سے ثابت ہوا اگر گذشتہ ماہ یعنی ہلال رمضان ایک گواہ کی شہادت پر مان لیا تھا اور اس حساب سے تیس دن آج پورے ہو گئے اور اب مطلع بھی صاف ہے اور عید کا چاند نظر نہیں آیا تو یہ اکمال مدت کافی نہ ہو گا بلکہ صبح ایک اور روزہ رکھیں کہ پہلے ہلال کا ثبوت حجت تامہ سے نہ تھا جب مطلع صاف تھا تیس دن کے بعد چاند کا نظر نہ آنا صاف بات ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی تھی اگر مطلع صاف نہیں ہے بلکہ غبار آلودہ ہے تو مطلقاً تیس پورے کر کے عید کر لیں گے اگرچہ ہلال رمضان ایک شاہد

کی شہادت سے ہو کیونکہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہوئی۔

۷- اعلان - علامہ شامی نے توپ کی آواز کو ثبوت ہلال سے شمار کیا ہے جبکہ اسلامی شہر میں حاکم کے حکم سے انتیس[29] کو توپ کی آواز کا سننا جبکہ توپ کا فائر صرف رؤیت ہلال کے ثبوت کے لیے کرتے ہوں یہ توپ کی آواز اعلان کی ایک صورت ہے اسی وجہ سے اگر شہر میں منادی کرائی گئی تو یہ بھی معتبر ہے کیونکہ یہ بھی اعلان کی ایک صورت ہے اسی طرح اگر اسلامی حکومت نے رؤیت ہلال کی ایک کمیٹی بنا رکھی ہے جس میں علماء اسلام شامل ہیں وہ تحقیق کے بعد ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان کرتے ہیں تو یہ اعلان بھی معتبر ہے جس سے ثبوت ہلال ہو سکتا ہے حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بلال اذن فی الناس فلیصوموا غداً (سنن ابوداؤد ص۳۲۰) اے بلال (رضی اللہ عنہ) لوگوں میں اعلان کرو کہ کل روزہ رکھیں فقہاء فرماتے ہیں۔ خبر منادی السلطان مقبول عدلاً کان او فاسقاً (فتاویٰ عالمگیری ص۱۹۲) بادشاہ اسلام کے اعلان کی خبر معتبر ہے عادل ہو یا فاسق قلت والظاھر انہ یلزم اھل القریٰ الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ واحتمال کون ذٰلک لغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذٰلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان (رد المحتار ص۱۲۵) گاؤں اور بستیوں والوں کو لازم ہے کہ وہ توپوں کے فائر سن کر یا شہر سے چراغاں دیکھ کر روزہ رکھیں کہ یہ ظاہر نشانی غلبہ ظن کی مفید ہے اور غلبہ ظن عمل کو واجب کر دینے والا ہے جیسے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اور یہ احتمال کہ یہ فائر یا چراغاں کسی اور سبب سے ہے بعید ہے کیونکہ ایسا رمضان کے ثبوت کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔

فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ بحکم حاکم اسلام اعلان عام کے لیے ایسی کوئی علامت معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے کہ توپوں کے فائر یا منادی وغیرہ طریق (اثبات ہلال ص۲۲) جب اعلان شرعی ثبوت پر مبنی ہو تو معتبر ہے اسی طرح حاکم اسلام یا رؤیت ہلال کمیٹی جو کہ علماء اسلام پر مشتمل ہے ریڈیو یا ٹی وی پر اعلان کرتے ہیں تو وہ بھی معتبر ہے بشرطیکہ ریڈیو یا ٹیلی ویژن چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرنے کا پابند ہو جو فیصلہ حاکم اسلام یا قاضی یا ہلال کمیٹی نے دیا ہے اس کے نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہو وہ الفاظ بعینہ نشر کرے اگر ملک کے مختلف حصوں اور سمتوں سے دس بیس ریڈیو ٹیلیویژن ٹیلی فون یا خط وغیرہ کے ذریعے چاند خود دیکھنے والوں کی طرف سے اطمینان بخش خبریں آجائیں تو ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ خبر رساں کی پوری شناخت ہو جائے اور وہ بیان کرے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے یا کہ ہمارے سامنے یا فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے شہادت پیش ہوئی ہے اس نے شہادت اعتبار کر کے چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ٹیلیگرام اور وائرلیس سے آئی ہوئی خبروں میں چونکہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہو سکتی اس لیے محض ایسی خبروں سے ہلال (چاند) ثابت نہیں ہوگا البتہ ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، ریڈیو پر آواز کی شناخت ہو جاتی ہے تو جب یہ معلوم ہو کہ خبر دینے والا کوئی ثقہ، معتبر، عاقل،

بالغ مسلمان اور آنکھوں والا آدمی ہے اور خود اپنے چاند دیکھنے کی خبر دے رہا ہے تو رمضان کا اعلان کرایا جا سکتا ہے رمضان کے چاند میں چونکہ شہادت یا استفاضہ خبر شرط نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان ثقہ کی خبر معتبر ہے اس لیے خط اور آلات جدیدہ کی خبروں پر اس شرط کے ساتھ عمل کرنا درست ہے کہ خبر دینے والا کا خط آیا یا آواز پہچانی جائے اور وہ بچشم خود چاند دیکھنا بیان کرے اور جس کے سامنے یہ خبر بیان کی جا رہی ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کی شہادت کو قابل اعتماد سمجھتا ہے۔ (آلات جدیدہ صد ۱۸۱، معدن الحقائق صد ۲۱۶) برطانیہ میں چونکہ زیادہ تر مطلع غبر آلودہ رہتا ہے چاند نظر نہیں آتا اگرچہ بعض علماء سے میں نے خود سنا ہے کہ برطانیہ میں بھی بعض علاقوں میں بعض موقعہ پر چاند نظر آ جاتا ہے لیکن یہ بہت کم ہوتا ہے لہٰذا بہتر یہاں بھی یہی ہے کہ چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے اگر نظر آ جائے تو فبہا ورنہ اکمال مدت پر عمل کیا جائے یعنی اگر انتیس ۲۹ کو چاند نظر آ جائے اور دو عینی شاہد شہادت دیں ہم نے عید کا چاند دیکھ لیا ہے اور مطلع غبر آلود ہو تو عید کر لینی چاہیئے اگر مطلع غبر آلود نہیں تو پھر زیادہ لوگوں کے دیکھنے کا اعتبار ہوگا اگر انتیس ۲۹ کو نظر نہ آئے تو پھر تیس روزے مکمل کر لینے چاہئیں حدیث پاک میں ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین اگر انتیس ۲۹ کو مطلع صاف نہ ہو تو تیس ۳۰ کی گنتی پوری کرو میرے خیال میں یہ ارشاد صرف ان علاقوں کے لیے غالباً فرمایا جہاں موسم خراب رہتا ہے مطلع صاف نہیں ہوتا جیسے کہ برطانیہ وغیرہ اگرچہ حکم عام ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے نور نبوت کے ذریعے علم تھا کہ جہاں مطلع صاف نہیں ہوگا ان کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ تیس ۳۰ دن کی مدت پوری کر لیا کریں یعنی پورے تیس ۳۰ روزے رکھ لیا کریں

اگر اس پر عمل ہو تو پھر اختلاف ہوتا ہی نہیں عوام الناس علماء کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں حالانکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عوام زیادہ تر اختلاف کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ریڈیو پر اعلان ہو گیا ہے کبھی کہتے ہیں کہ سعودی عرب میں چاند نظر آ گیا ہے کبھی کہتے ہیں کہ مراکش میں عید ہو رہی ہے اگر ریڈیو یا ٹی وی پر عمل کرنا ہے تو پھر اس بات کا پہلے یقین ہونا چاہیئے کہ واقعی سعودی عرب کی ہلال کمیٹی یا مراکش اور مصر کی ہلال کمیٹی یا وہاں کے علماء اسلام کی جماعت نے اس بات کی توثیق کر دی ہے کہ واقعی چاند نظر آ گیا ہے تو پھر یہاں برطانیہ میں اگر انتیس روزے مکمل ہو چکے ہیں تو عید کر سکتے ہیں کیونکہ ظاہر روایت کے مطابق اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے اگر چاند مشرق والوں نے دیکھ لیا ہے تو اہل مغرب والوں کے لیے بھی قابل عمل ہو سکتا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ ولا عبرة لاختلاف المطالع اور در مختار میں بھی ہے۔ واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی (بحر عن الخلاصة) وفي رد المحتار وظاهر الرواية وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة متعلق الخطاب عاما في حديث صوموا لرؤيته۔ البتہ اہل مغرب کی رویت اہل مشرق کے لیے ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اہل مشرق کو طریق موجب سے اہل مغرب کی رویت متحقق ہو جائے اور طریق موجب کی تشریح رد المحتار میں اس طرح کی گئی ہے کہ دو شاہد اگر دوسرے شہر کی رویت بیان کریں یا وہاں کے عالم و قاضی کے حکم کو دو شاہد بیان کریں یا خبر اس کی عام و مستفیض ہو جائے (فتاوی دار العلوم صد ۲۷۶) یلزم اهل

المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولیٰک بطریق موجب (عطایا نبویہ صفحہ ۴۲۲ بحرالرائق، تنویرالابصار.

خلاصہ اور درمختار میں ہے۔ واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاہر المذھب وعلیہ الفتویٰ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ صرحوا بان ما خرج عن ظاہر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔

اور بحرالرائق میں ہے ماخرج عن ظاھرالروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ۔ ردالمحتار میں ہے ما خلف ظاھرالروایۃ لیس مذھب لاصحابنا ثابت ہوا کہ ظاہر روایت کے مطابق اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگر مشرق والوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو یہ اہل مغرب کے لیے بھی معتبر ہے اسی طرح مغرب والوں نے دیکھ لیا تو مشرق والوں کے لیے معتبر ہے۔ بشرطیکہ طریق شرعی کے ساتھ رؤیت ثابت ہو جائے یہی حنفیہ کا مذہب ہے اسی پر فتویٰ ہے اس کے خلاف فتویٰ دینا غیر معتبر ہے بہرکیف برطانیہ میں چونکہ زیادہ تر موسم خراب رہتا ہے چاند نظر آنے کا کم احتمال ہے لہٰذا یہاں اکمال مدت یعنی تیس روزے پورے کرنے پر عمل کیا جائے تو بہتر ہے۔ بلکہ اس پر عمل کرنے سے گڑبڑ نہیں ہوگی۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم علاڈیلو کے،

۱۲/مئی ۱۹۹۶ء

(۴۷) - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ روزہ کی حالت اس اگر قے ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں جو حکم شرعی ہو تحریر فرمایا جائے۔

المستفتی حاجی محمد اشرف خان (صاحب) لندن

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر روزہ دار کو خود قے ہوئی اور خود ہی لوٹ گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اگر خود قے ہوئی اور روزہ دار نے لوٹائی اور قے منہ بھر تھی تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا اگر خود قے نہیں ہوئی بلکہ روزہ دار نے جان بوجھ کر قے کی اور منہ بھر تھی تو پھر بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ حدیث پاک میں ہے جس شخص نے قے کی اس پر قضا نہیں ہے قضا تو اس پر ہے جو جان بوجھ کر قے کرے (آئمۃ اربعہ، امام حاکم، ابو یعلی، ابن ابی شیبہ، امام مالک، عبدالرزاق، حافظ بزار) اور کنزالدقائق صفحہ ۲۲۱ میں ہے او قاء وعاد لم یفطر وان اعادہ او استقاء قضی فقط۔ شرح وقایہ میں ہے اگر قے ہوئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا فتاویٰ عالمگیری میں ہے اگر قے ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا اگر روزہ دار نے خود قے کی اور منہ بھر قے کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں اگر خود روزہ دار نے قے کی اور منہ بھرنے سے کم تھی پھر واپس لوٹائی تو پھر بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(فتاویٰ جامعیہ صفحہ ۳۰۹ ج ۲) قے ہونے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ قے یا خود آئے گی یا روزہ دار جان بوجھ کر کرے گا پھر منہ بھر کر ہوگی یا کم یا باہر

جائے گی یا اندر لوٹ جائے گی یا روزہ دار خود لوٹائے گا پھر ان تمام صورتوں میں روزہ یاد ہوگا یا نہ ہوگا ان تمام حالتوں میں روزہ صرف اس حالت میں فاسد ہوگا کہ قے منہ بھر اور جان بوجھ کر لوٹائے اور روزہ یاد بھی ہو۔ صورت مسئولہ میں اگر خود قے ہوئی روزہ دار نے خود ارادہ سے قے نہیں کی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر منہ بھر بھی کیوں نہ ہو۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۱۲/ستمبر ۱۹۸۶ء

(۴۸)- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان کے شوال کے جو روزے رکھے جاتے ہیں وہ متفرق رکھنے چاہئیں یا لگاتار جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

سائل
محمد افضل خان (صاحب) برمنگھم ۸ یو کے۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے جو رکھے جاتے ہیں ان کا ثواب ایک سال کا ہوتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ جس نے رمضان کے روزوں کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھے (عین الہدایہ صفحہ ۹۱۲) شامی میں ہے وندب تفریق صوم الست من شوال ولا یکرہ التتابع علی المختار

کہ شوال کے چھ روزے علیحدہ علیحدہ یعنی متفرق رکھنا افضل اور بہتر ہے اور پے در پے رکھنا بھی جائز ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۱۲/اگست ۱۹۸۶ء

(۴۹) الاستفتاء

جناب مفتی غلام رسول صاحب۔

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی جواب مطلوب ہے۔

۱- آنکھ میں روزہ کی حالت میں دوائی ڈالنا جائز ہے یا نہ کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہ۔

۲- کان میں دوائی ڈالی کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہ

۳- ناک میں دوائی ڈالی تو اس سے کیا روزہ باقی رہتا ہے یا نہ۔

سائل
محمد اقبال صاحب انصاری برمنگھم ۶ یو کے۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱:- روزہ کی حالت میں اگر آنکھوں میں دوائی ڈالی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا فتاویٰ عالمگیری میں ہے اگر آنکھ میں دوائی ٹپکائی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ دوائی کا اثر حلق میں بھی ظاہر ہو جائے۔

جواب ۲:- اگر روزہ دار نے کان میں دوائی ڈالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا شرح وقایہ میں ہے کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

جواب ۳ :۔ اگر روزہ دار نے ناک میں دوائی ڈالی تو روزہ فاسد ہو جائے گا مطلب یہ ہے اگر ناک میں دوائی ڈالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم "یوکے"
۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۷ء

کتاب الحج

۵۰۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں۔

۱۔ جس کے ماں باپ فوت ہو جائیں ان کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے یا نہ۔

۲۔ جس شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جا رہا ہے کیا اس نے پہلے حج فرض اپنا کیا ہو تو پھر ہی حج بدل کر سکتا ہے یا کہ ویسے بھی حج بدل کر سکتا ہے۔

۳۔ زید کے پاس کافی رقم ہو گئی ہے جس سے وہ بآسانی حج کر سکتا ہے حج پر جانے سے پہلے کیا والدین کی اجازت ضروری ہے یا نہ۔

راقم محمد افضل خان صاحب برمنگھم یوکے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱ :۔ صورت مسئولہ میں جس کے والدین فوت ہو گئے ہیں ان کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے لیکن اس حج بدل کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ والدین کے ذمہ حج فرض تھا انہوں نے مرتے وقت وصیت کی کہ ہماری طرف سے حج کیا جائے اس صورت میں والدین کی طرف سے حج بدل کرانا ضروری ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ والدین نے وصیت نہیں کی بلکہ اولاد خود اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کراتے ہیں تو یہ بھی صحیح ہے غرضیکہ والدین فوت ہو جائیں یا کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے حج بدل کرایا جا سکتا ہے۔

جواب ۲ :۔ بہتر اور افضل یہ ہے کہ حج بدل وہ کرے جس نے پہلے حج کیا ہو اگر ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جس نے خود حج فرض ادا نہیں کیا تو پھر بھی حج بدل ہو جائے گا فقہاء کرام فرماتے ہیں والافضل للانسان اذ اراد ان یحج رجلا عن نفسہ ان یحج رجلا قد حج عن نفسہ ومع ھذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا وسقط عن الآمر کذا فی المحیط۔
(فتاویٰ عالمگیری ص۲۵۷، فتاویٰ جماعتیہ ص۳۲۵ ج ۲) بہر کیف صورت مسئولہ میں اگر ایسے شخص کو بھیجا گیا جس نے خود حج فرض نہیں کیا ہوا تو حج بدل ادا ہو جائے گا اگرچہ افضل اور بہتر صورت یہی ہے کہ حج بدل کے لیے اس کو بھیجا جائے جس نے خود حج فرض ادا کیا ہو۔

جواب ۳ :۔ اگر زید کے پاس اتنی رقم ہے کہ حج کر سکتا ہے اور دیگر شرعی مانع بھی کوئی نہیں ہے تو زید کے لیے والدین سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت

نہیں زید پر فرض ہے کہ حج کے لیے چلا جائے اگر حج فرض نہ ہو تو پھر اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیئے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم یو۔کے برطانیہ
۱۵/ اگست ۱۹۸۶ء

(۵۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں برطانیہ میں زید کے پاس کافی پونڈ بھی ہیں اور اس کو ویکلی حکومت کی طرف سے بھی ملتے ہیں ہیں نے اس کو کہا کہ تم پر حج فرض ہے حج کر لو وہ کہتا ہے کہ میں نے بچیوں اور بچوں کی شادی کرنی ہے شادی بڑا فرض ہے اب سوال یہ ہے کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہو اور اس کی اولاد بھی جوان ہو کیا پہلے وہ حج کرے یا پہلے بچوں کی شادیاں کرے جو شرعی حکم ہو وہ تحریر فرمایا جائے تاکہ اس حکم شرعی پر عمل کرنے کے لیے اس کو کہا جائے۔ بینوا و توجروا۔

سائل

حاجی تنویر حسین صاحب سپارک بروک برمنگھم یو کے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید پر حج فرض ہو چکا ہے تو اس پر لازم ہے کہ پہلے حج کرے بعد میں اولاد کی شادیوں کا بندوبست کرے زید پاس وقت حج سے واپس آنے تک صرف اہل وعیال کا نفقہ فرض ہے لہذا زید کو پہلے حج کرنا چاہیئے (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۴۹۶) واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم یو۔کے برطانیہ
۲۰/ اگست ۱۹۸۶ء

(۵۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر حاجی لوگ جب مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو عمرہ کر کے احرام کھول دیتے ہیں پھر آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھ کر احکام حج ادا کرتے ہیں کیا حج بدل ادا کرنے والا بھی احرام کھول دے یا نہ۔

سائل

حاجی تنویر حسین صاحب سپارک بروک برمنگھم یو کے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

حج کا اصلی معنے ارادہ اور زیارت کے ہیں اور شریعت کی زبان میں بیت اللہ کی مخصوص حیثیت سے زیارت کرنے کا نام حج ہے حج کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ افراد اس کا معنے تنہا کام کرنا ہے شریعت میں افراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے بلکہ صرف حج کا احرام باندھا جائے اور جب تک احکام حج ادا نہ کیے جائیں احرام نہ کھولا جائے۔

۲۔ قران اس کا معنے دو چیزوں کو ملانا ہے شریعت میں حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ کرنا اور حج کے دنوں میں احکام حج ادا کرنا اور دونوں کے درمیان احرام نہ کھولنا حج قران ہے۔ حج افراد اور حج قران میں فرق یہ ہے کہ افراد میں عمرہ نہیں ہوتا احرام مستقل بندھا رہتا ہے حج کے مناسک و احکام ادا کرنے کے بعد احرام کھولا جاتا ہے لیکن حج قران میں

پہلے عمرہ کیا جاتا ہے اور جب تک احکام و مناسک حج ادا نہ کیے جائیں احرام نہیں کھولا جاتا۔

۲- حج تمتع اس کا معنے یہ ہے کچھ وقت کے لیے فائدہ اٹھانا اور شریعت میں حج تمتع یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھنا اور عمرہ کے بعد احرام کھول دینا پھر آٹھویں ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر مناسک حج ادا کرنا اور قربانی کے بعد حلق یا قصر کروا کر احرام کھول دینا۔ اور حج کی یہ تیسری صورت حج تمتع زیادہ آسان ہے اور حج بدل میں افراد کی نیت افضل ہے حج بدل میں افراد کی نیت ہوگی تو احرام نہیں کھولا جائے گا اگر حج بدل کرنے والا احرام کھولنا چاہتا ہے تو پھر حج بدل کرنے والے سے اجازت حاصل کرے اور اجازت کے بعد میقات سے عمرہ کا احرام باندھ لے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر مناسک و احکام حج ادا کرے اور قربانی کے بعد حلق یا قصر کروا کر احرام کھول دے غرضیکہ اگر حج بدل کرنے والے نے عمرہ کا احرام نہیں باندھا بلکہ بنیادی طور پر صرف حج کا احرام باندھا ہے تو پھر یہ حج بدل کرنے والا احرام نہ کھولے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۵ جولائی ۱۹۹۶ء

۵۷- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حاجی لوگ جب جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں تو اس وقت کیا پڑھنا چاہیئے۔

سائل

حاجی تنویر حسین صاحب۔ سپارک بروک برمنگھم

"یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جب کنکریاں پھینکی جائیں تو تلبیہ (لبیک) ختم کر دینا چاہیئے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنی چاہیئے خواہ حج افراد ہو یا تمتع یا قران ہو کیونکہ صحیحین کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ ختم کر دیا اور کنز الدقائق ص ۲۴۵ میں ہے اور تکبیر کہہ کر ہر کنکری کے ساتھ اور ختم کر تلبیہ (لبیک) پہلی کنکری سے اور منیٰ کے اندر جن جمروں پر کنکریاں ماری جائیں گی وہ تین مقام ہیں۔

۱- جمرہ اولیٰ جو مسجد خیف کے پاس ہے۔

۲- جمرہ وسطیٰ ان دونوں کے درمیان ۲۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

۳- جمرہ عقبہ اور پہلے دونوں اور جمرہ عقبہ کے درمیان ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

جب مزدلفہ سے منیٰ میں آئے تو جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں مارے سات سے کم جائز نہیں ہیں کنکریاں مارنے والے اور جمرہ کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا لازم ہے یہ کنکریاں خواہ مزدلفہ سے اٹھائے یا مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان پہاڑ سے یا کسی اور جگہ سے اٹھا لے البتہ جو کنکریاں جمرات کے پاس پڑی رہتی ہیں انکو ہرگز نہ اٹھائے کیونکہ وہ مردود ہیں ابن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جمرات پر کنکریاں پھینکتے ہیں اور کنکریوں کا انبار نہیں لگتا حالانکہ اتنی مدت میں کنکریوں کا ایک پہاڑ بن جانا چاہیئے تھا جو آسمان سے باتیں کرتا حضرت ابن عباس

نے فرمایا تجھے معلوم نہیں جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں اٹھوالی جاتی ہیں اور جس کا حج قبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے اور کنکری لوبیے کے دانے کی مقدار کے برابر ہو اگر اس سے بڑی یا چھوٹی مارے تب بھی جائز ہے ان سب جمرات کی کنکریوں کی شمار ستر ہے یعنی سات جمرہ عقبہ کی اور منی کے تین دنوں میں ہر دن تینوں جمرات کی سات سات کنکریاں یہ کل ستر ہوئیں اور جمرات کے پاس بوقت طلوع شمس دعا بھی قبول ہوتی ہے اس کے علاوہ بیت اللہ میں عصر کے بعد دونوں ستونوں کے سامنے ملتزم میں آدھی رات موقف عرفات میں بوقت سورج غروب موقف مزدلفہ میں بوقت طلوع، طواف میں ہر وقت سعی اور صفا و مروہ پر بوقت عصر، زمزم کے پاس بوقت غروب۔ مقام ابراہیم میں اور میزاب رحمت کے نیچے بوقت سحر ان جگہوں میں دعا کی قبولیت حسن بصری کے مکتوب سے ثابت ہے جو آپ نے اہل مکہ کو لکھا تھا۔ طواف زیارت کے بعد گیارھویں تاریخ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے رمی کی ابتداء جمرہ اولیٰ سے کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے پھر جمرہ وسطیٰ کی جو جمرہ اولیٰ کے قریب ہے پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ تینوں مقام میں پیدل رمی کرنا افضل ہے کیونکہ پیدل رمی کرنے میں تواضع زیادہ ہے بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ تمام مسلمان پیادہ پا ہوتے ہیں پھر بارھویں ذی الحجہ کو بھی تینوں شیطانوں پر زوال کے بعد سات سات کنکریاں پھینکیں اگر حاجی اگلے تیرہ تاریخ کو واپس آنا چاہیں تو کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ میں واپس آئیں غرضیکہ جب حاجی جمرات پر کنکریاں مارنے لگے تو تلبیہ (لبیک) ختم کردے اور شروع میں یہ دعا بھی پڑھ لے تو بہتر ہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر رغما للشیطان
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب سے بڑا ہے تاکہ شیطان ذلیل ہو

پھر ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۵ / اگست ۱۹۹۶ء

الاستفتاء (۵۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو پیشاب کرنے کے بعد قطرے آتے ہیں جس کے لیے وہ لنگوٹ استعمال کرتا ہے اب حج کے لیے جا رہا ہے احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا تو استعمال نہیں ہو سکتا کیا وقت مجبوری حالت احرام لنگوٹ استعمال کر سکتا ہے یا نہ جو حکم شرعی ہو تحریر فرمایا جائے بینوا و توجروا

ایک سائل برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں حالت احرام میں حاجی اگر لنگوٹ کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ استعمال کر سکتا ہے لنگوٹ سلا ہوا بھی ہو سکتا ہے اور غیر سلا ہوا بھی بہتر یہی ہے کہ غیر سلا ہوا استعمال کرے کیونکہ احرام کے معنے ہیں بعض جائز امور کو اپنے اوپر حرام کر لینا حاجی جب میقات سے احرام باندھ لیتا ہے تو اس پر کچھ پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں اور چند حلال چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں جن میں سے ایک پابندی مرد کے لیے سلا ہوا لباس پہننے کی ممانعت ہے حاجی جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو پہلے غسل یا وضو کرے اور احرام کے لیے دو چادریں ہونا سنت ہیں ایک کا تہبند بنائے اور دوسری کو جسم پر لپیٹ لے۔

والبس ازاراً ورداءً جديدين او غسيلين

اور پہن ایک تہبند اور ایک چادر نئی ہوں یا دھلی ہوں اگر نئی چادریں ہوں تو افضل ہے اور عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ سلے ہوئے ہی کپڑے پہنے رہے البتہ اپنے سر کے بالوں کو ایک رومال سے باندھ لے کوئی بال ننگا نہ ہو عورت کا یہی احرام ہے البتہ عورت لباس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا خیال رکھے کہ لباس نہ تو بہت باریک اور شوخ ہو اور نہ ہی عریاں اور چست ہو سادہ اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے اور اوپر سے سفید رنگ کا کوٹ یا چادر استعمال کرے اور عورت چہرے کو کھلا رکھے جب حاجی احرام باندھنے لگے تو وضو کرے یا غسل اور غسل کرنا بہتر ہے کیونکہ امام ترمذی، امام طبرانی، دار قطنی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تھا یہ غسل برائے نظافت ہوتا ہے لہٰذا اگر عورت حائضہ یا نفاس والی ہو وہ بھی کرے اور بچے اگر احرام باندھنا ہے تو وہ بھی کرے حج کے موقعہ پر دس چیزوں کے لیے غسل مسنون ہے

۱۔ احرام کے لیے۔

۲۔ دخول مکہ۔

۳۔ وقوف عرفہ۔

۴۔ وقوف مزدلفہ۔

۵۔ طواف زیارۃ۔

۶،۷،۸۔ ایام تشریق میں رمی جمرات ثلاثہ۔

۹۔ طواف صدر۔

۱۰۔ دخول حرم مدینہ منورہ۔

اس سے ظاہر ہے کہ مرد کے لیے حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے استعمال نہیں کرنے چاہیئے البتہ بوقت مجبوری حاجی سلا ہوا لنگوٹ بھی استعمال کر سکتا ہے کہ بوقت مجبوری تو ممنوع چیزیں بھی مباح ہوتی ہیں لان الضرورات تبیح المحظورات۔ کہ ضرورتیں اور مجبوریاں ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں اور بخاری شریف میں ہے کہ احرام باندھنے والے کو بوقت ضرورت جانگیا پہننے کی اجازت ہے دراصل حاجی کے لیے سلا ہوا کپڑا وہ ممنوع ہے جو عادۃً بطور لباس استعمال ہوتا ہے اور جس کا استعمال عادت میں نہیں ہے اگر بامر مجبوری وہ استعمال ہو تو منع نہیں ہے لنگوٹ اور جانگیا اس لباس سے ہے جو عادت میں استعمال نہیں ہوتا لہٰذا حاجی کے لیے بوقت مجبوری بحالت احرام سلا ہوا لنگوٹ بھی پہننا جائز ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ

۱۰/ جولائی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ـ ۵۵

جناب مفتی غلام رسول صاحب

سلام مسنون مزاج گرامی۔ یہاں برطانیہ میں لوگ سوشل سیکورٹی لیتے ہیں اور ان میں سے پونڈ بچا کر حج کرتے ہیں کیا اس طرح حج کرنا ٹھیک ہے یا نہ

الراقم ہذا سید عبدالمجید شاہ (صاحب)

کونٹری روڈ برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص پونڈ بچا کر حج کرتا ہے تو جائز ہے کیونکہ

سوشل سیکورٹی حکومت برطانیہ کی طرف سے اپنے عوام اور رعایا کے لیے ھبہ و عطیہ ہے جس کا لینا جائز ہے (امام اعظم ابوحنیفہ صفحہ ۲۴۳) ھبہ و عطیہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی مسلمان ہی مسلمان کو دے اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کو دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے امام بخاری نے حضرت عائشہ سے اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح کے لیے تشریف لے گئے تو ایک یہودی عورت نے دعوت کی جس میں گوشت میں زہر ملا دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوت کو قبول فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ جب یہود اور نصاریٰ کی دعوت قبول کرنی اور کھانی مسلمان کے لیے جائز ہے تو اگر یہ لوگ بطور عطیہ مسلمانوں کو پونڈ کپڑے یا کھانے کے پاک اشیاء اور چیزیں دیں تو مسلمانوں کو ان سے لینا جائز ہے بلکہ مسلمان کے لیے کافر کے ساتھ بیع و شراء اور لین دین کرنا جائز ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارة لم یمنع ذالک فتح القدیر میں ہے فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحًا اگر غیر مسلم بخوشی اپنا مال مسلمان کو دیتا ہے تو مسلمان کو لینا جائز ہے البتہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ غیر مسلم کے ساتھ بدعہدی اور خیانت وغیرہ نہ کرے (فتح القدیر صفحہ ۳۰ ج ۴۔ فتاویٰ رضویہ صفحہ ج ۶، فتاویٰ جماعتیہ صفحہ ۴۰۹ ج ۲) غرضیکہ صورت مسئولہ میں جو پونڈ ملتے ہیں ان سے بچا کر کوئی شخص حج کرتا ہے یا نیک کاموں پر خرچ کرتا ہے تو شرعًا صحیح ہے شریعت مباح چیزوں کو مباح ہی رکھتی ہے مباحات کا دائرہ تنگ نہیں کرتی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ

۲۷/ جولائی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ⑤٧

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت اکیلی حج کے لیے جاسکتی ہے یا نہ جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فتوے دیا جائے۔

یوسف کمال صاحب چارلٹن روڈ مانچسٹر۔

برطانیہ۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

عورت کا تنہا حج پر جانا منع ہے عورت کے ساتھ شوہر کا ہونا یا محرم کا ہونا شرط ہے حج کی شرطیں تین قسم پر ہیں۔

۱۔ شرط وجوب۔

۲۔ شرط ادا۔

۳۔ شرط صحت۔

وجوب کے لیے آٹھ شرطیں ہیں:۔

۱۔ اسلام۔ ۲۔ عاقل۔

۳۔ بالغ ہونا۔ ۴۔ آزاد ہونا۔

۵۔ وقت۔ ۶۔ سفر خرچ۔

۷۔ سواری کا ہونا۔ ۸۔ حج کے فرض ہونے کا علم ہونا۔

حج کے ادا کے لیے پانچ شرطیں ہیں:۔

۱۔ تندرستی بدن۔

۲۔ موانع حسی کا نہ ہونا۔

۳۔ راستہ با امن ہونا۔

۴۔ عورت کے حق میں قیام عدت کا نہ ہونا

۵۔ عورت کے ساتھ شوہر یا ذی رحم محرم کا ہونا۔

اور صحت کی چار شرطیں ہیں :۔

۱۔ احرام۔

۲۔ وقت مخصوص۔

۳۔ مکان مخصوص۔

۴۔ اسلام اس سے ظاہر ہے کہ حج کے ادا کے لیے عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ شوہر ہو یا محرم ہو یعنی اگر عورت کے گھر سے مکہ مکرمہ تک کی مسافت تین دن یا اس سے زیادہ کی ہو تو وہ بلا محرم سفر حج نہ کرے، محرم ہر وہ عاقل بالغ شخص ہے جس کا نکاح اس عورت کے ساتھ تا ابد حرام ہو خواہ بطریق قرابت ہو یا بطریق رضاعت یا بطریق صہریت۔ سیدنا امام شافعی کے نزدیک عورت کے لیے محرم کا ہونا شرط نہیں ہے ان کے یہاں اگر عورت کے ساتھ رفقاء سفر میں ثقہ عورتیں ہوں تو ان کے ساتھ اس کا حج ادا ہو جائے گا ان کی وہ تعمیمات ہیں جن پر نصوص وارد ہیں مثلاً آیت وللّٰہ علی الناس حج البیت اور حدیث قد فرض علیکم الحج۔ ہم حنفیہ کہتے ہیں کہ ان تعمیمات میں تخصیص تو بالاتفاق لازمی ہے چنانچہ امام شافعی بھی امن طریق کو شرط قرار دیتے ہیں پس محرم کا ہونا بھی شرط ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک عورت کو بغیر خاوند یا محرم کے حج نہیں کرنا چاہیئے اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کر لیا تو فرض ساقط ہوا اور یہ حج مع الکراہتہ ادا ہوا اور یہ عورت گنہ گار ہوئی۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ

۱۴ مئی ۱۹۸۶ء

(۵۷)۔ الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب سُنی حنفی شرعی کونسل "یوکے"

سلام مسنون کے بعد گذارش آنکہ ایک شرعی مسئلہ پیش خدمت ہے اس کا جواب مطلوب ہے سوال یہ ہے کہ زید بیمار ہوگیا اپنی مرض کو لاعلاج سمجھنے لگا اپنی جگہ دوسرے آدمی کو حج بدل کے لیے بھیج دیا اس نے حج بدل کیا کچھ مدت کے بعد زید تندرست ہوگیا سستی کی وجہ سے خود حج نہ کر سکا باوجودیکہ زید کافی مالدار تھا اب پھر زید بیمار ہوگیا ہے اب ایسی بیماری ہے کہ تندرست ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں کیا وہ پہلا حج بدل کافی ہے یا اس کو دوبارہ حج کرانا چاہیئے جو شرعی حکم ہو اس پر زید عمل کرے بینوا و توجروا۔

یوسف کمال (صاحب) مانچسٹر "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت کرنے والا اپنی ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے نماز ہو یا روزہ، زکوٰۃ ہو یا حج، عمرہ ہو یا طواف۔ قرأت قرآن ہو یا اللہ کا ذکر نیز انسان کا نیک عمل دوسرے کے لیے

سود مند ہوتا ہے البتہ معتزلہ اس کے منکر ہیں ان کا خیال ہے کہ عبادت کا ثواب
فاعل کے سوا دوسرے کو نہیں پہنچتا یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے لیس
للانسان الا ما سعیٰ. کہ انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے
خود کوشش کی جس سے ظاہر ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے لیے کار آمد نہیں
اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ولیس للانسان الا
ما سعیٰ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ
آیت والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم ہے اور
منسوخ قابل عمل نہیں ہوتی باوجودیکہ آیات قرآنی اور احادیث نبویہ ناطق ہیں کہ
ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے چنانچہ اولاد کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والدین
کے واسطے یوں دعا کرے۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔
اگر انسان کا عمل دوسرے کے لیے نافع نہ ہوتا تو اولاد کی دعا والدین کے حق میں
بے فائدہ ہوتی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے دو مینڈھوں
کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے نیز دار قطنی کی
روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے والدین
حیات تھے تو ان کے ساتھ میں نیکی کرتا تھا لیکن اب وہ فوت ہو چکے ہیں تو میں
ان کے ساتھ نیکی کیسے کروں آپ نے فرمایا ان کے واسطے اپنی نماز اور روزہ
کے ساتھ نماز پڑھا کر اور روزہ رکھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا
گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قبرستان پر گذرے
اور گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اس کو بقدر اموات
ثواب دیا جائے گا پھر عبادات کی تین قسمیں ہیں۔
۱۔ مالیہ محضہ جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، عشر وغیرہ۔

۲۔ بدنیہ محضہ جیسے نماز روزہ، اعتکاف، قرأت قرآن، اذکار۔
۳۔ مرکبہ یعنی مالیہ و بدنیہ جیسے حج، عمرہ، عبادات مالیہ محضہ میں ہر طرح سے نیابت
سے بھی جواز ہے بحالت قدرت ہو یا بحالت عجز ہو کیونکہ مالیہ محضہ میں مالدار
کی آزمائش اور محتاج کی حاجت کا دفعیہ مقصود ہوتا ہے جو نائب کے فعل
سے بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن عبادات بدنیہ محضہ میں کسی صورت سے نیابت
جائز نہیں ہے کیونکہ عبادات بدنیہ میں اصل غرض ہوتی ہے کہ افعال مخصوصہ
سے روح اور بدن پر محنت و مشقت پڑے تاکہ نفس امارہ کی سرکوبی اور روح
کی صفائی اور قرب الٰہی حاصل ہو اور یہ چیز نائب کے فعل سے حاصل نہیں
ہو سکتی اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یصم
احد عن احد ولا یصل احد عن احد جس کا مطلب یہ ہے کہ
صوم و صلوٰۃ میں نیابت کے ذریعے فرض ساقط نہیں ہوتا اور عبادات مرکبہ
میں جب انسان عاجز ہو تو نیابت جائز ہے اور جب قادر ہو تو ناجائز ہے
عبادت مالی ہونے کی وجہ سے جواز ہے اور بدنی ہونے کے اعتبار سے
عدم جواز ہے حج چونکہ عبادات مرکبہ سے ہے اس میں نیابت اس وقت
جائز ہوگی جبکہ انسان عاجز ہو جائے اور یہ عاجز ہونا موت تک رہے کیونکہ
جو شخص حج بدل اپنی طرف سے بوجہ مجبوری کراتا ہے اس کے حج کے صحیح
ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ مجبوری آخر تک رہے اگر حج کے بعد مجبوری جاتی
رہی اور یہ خود حج پر قادر ہو گیا تو اس نے جو پہلے حج بدل کرایا ہے وہ
ساقط ہو گیا اس کو چاہیے تھا کہ جب قادر ہو گیا تھا خود حج کرتا اگر اس وقت
نہیں کیا اور پھر بیمار ہو گیا ہے اب مجبور ہے تا عمر جا نہیں سکتا تو پھر دوبارہ
حج بدل کرائے اور جو حج پہلے کرایا ہے وہ نفلی ہو گا۔ فرضیکہ صورت مسئولہ

میں زید کو چاہیئے کہ دوبارہ حج بدل کرائے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۲ برطانیہ

۱ر جنوری ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ۔ (۵۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس کچھ مال حلال ہے اور کچھ حرام کیا ایسے مال سے وہ حج کرسکتا ہے یا نہ شرعی جواب مطلوب ہے۔

سائل

مرزا منور حسین (صاحب) لندن E 11 "یو کے"

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

حج اسلام میں ایک بنیادی رکن ہے اور عظیم عبادت ہے اس کے لیے حلال طیب اور پاکیزہ مال ہونا چاہیئے حرام مال سے حج نہ کرنا چاہیئے اگر حرام مال سے حج کیا تو بارگاہ خداوندی میں قابل قبول نہیں ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا حدیث پاک میں ہے جو مال حرام لے کر حج کے لیے جاتا ہے جب وہ احرام باندھ کر لبیک کہتا ہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے لا لبیک ولا سعدیک وحجك مردود علیك حتی ترد ما فی یدیك۔

یعنی نہ تیری حاضری قبول ہے اور نہ تیری خدمت قبول ہے اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھوں میں ہے واپس نہ دے اس سے ظاہر ہے کہ حج کرتے ہوئے حرام مال نہ خرچ کیا جائے بلکہ حلال مال خرچ

کرنا چاہیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا تھا اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دعا قبول ہو تو رزق حلال کھایا کرو دعا بھی عبادت ہے اور حج بھی عبادت ہے جب حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی تو حج کیسے قبول ہوگا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم "۱۱" برطانیہ

۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ۔ (۵۹)

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم کے بعد گذارش ہے کہ ایک مسئلہ دریافت طلب ہے وہ یہ کہ عورت کو اگر حالت احرام میں حیض آجائے تو کیا اس کا احرام ٹوٹ گیا حیض آنے کی صورت میں عورت کیا کرے۔ اور عورت حالت احرام میں جرابیں اور زیور وغیرہ پہن سکتی ہے یا نہ۔

سائل

حاجی عبدالحق صاحب کونٹری روڈ برمنگھم "یو کے"

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں عورت کا احرام بدستور قائم ہے ٹوٹتا نہیں، ہر وہ کام کرے جو دوسرے حاجی کرتے ہیں البتہ طواف کعبہ نہیں کرسکتی جب تک حالت حیض سے پاک نہ ہوجائے پاک ہونے پر غسل کے بعد دوسرے کپڑے پہن کر احرام بدستور رکھے پہلا احرام ٹوٹا نہیں ہے اگر احرام باندھنے کے پہلے حیض آگیا تو غسل کر

کے احرام باندھے بشرطیکہ غسل نقصان نہ دے اگر غسل نقصان دیتا ہو تو پھر وضو کرکے احرام باندھ لے۔ عورت احرام کے لیے سلے ہوئے کپڑے پہنے البتہ اپنے سر کے بالوں کو ایک رومال سے باندھ لے کوئی بال ننگا نہ ہو یہ عورت کا احرام ہے عورت لباس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا خیال رکھے کہ نہ تو بہت زیادہ کپڑے باریک اور شوخ ہوں اور نہ ہی عریاں اور چست ہوں۔ سادہ اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے ہوں اور اوپر سے نیلے یا سفید رنگ کا کوٹ یا بڑی چادر لپیٹ لے۔ اور چہرے کو کھلا رکھے اور اگر عورت پردہ کرنا چاہے تو اس طرح آگے کپڑا لٹکائے کہ کپڑا چہرے کو نہ لگے عورت احرام کی حالت میں جرابیں، دستانے زیور وغیرہ پہن سکتی ہے عورت اتنے بلند آواز سے لبیک نہ کہے کہ غیر محرم سنے ہاں اتنا بلند آواز سے ضرور پڑھے کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم یو۔کے برطانیہ

۵/جون ۱۹۸۶ء

⑨⓪۔ الاستفتاء

جناب مفتی صاحب!

سلام مسنون کے بعد گذارش ہے کہ حج اور عمرہ میں کیا فرق ہے اور رمل کس کس طواف میں کیا جاتا ہے۔

سائل

حاجی عبدالحق صاحب "یو۔کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

حج اور عمرہ میں فرق یہ ہے کہ حج فرض ہے۔ عمرہ فرض نہیں ہے، حج ایک مقررہ وقت پر ہوتا ہے۔ عمرہ سال کے کسی وقت بھی سوائے حج کے پانچ دنوں کے (۹/ذی الحجہ ۱۳/ذی الحجہ تک) کیا جاسکتا ہے۔ عمرہ میں صرف احرام باندھنا طواف کرنا، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور حلق یا قصر کرواکر احرام کھول دینا ہوتا ہے لیکن حج میں ان کے علاوہ وقوف مزدلفہ، نمازوں کو اکٹھا پڑھنا، خطبہ، طواف قدوم اور طواف وداع بھی شامل ہے، عمرہ میں طواف شروع کرتے وقت تلبیہ پڑھنا بند ہوتا ہے اور حج میں جمرہ العقبہ کی رمی شروع کرتے وقت بند ہوتا ہے حج کے دنوں میں جو عمرہ کیا جاتا ہے اس میں حج بھی شامل ہوتا ہے۔ ان دنوں کے علاوہ عمرہ اکیلے ہی کیا جاتا ہے بیرون ممالک سے جانے والے اگر قیام مکہ کے دوران عمرہ کرنا چاہیں تو مقام تنعیم سے احرام باندھیں جو مکہ مکرمہ سے صرف تین میل دور ہے یہیں مسجد عائشہ بھی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تنعیم سے ہی احرام باندھنا افضل ہے امام شافعی کے نزدیک جعرانہ سے افضل ہے اور جعرانہ مکہ سے بارہ میل دور ہے۔ عمرہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میقات (یعنی تنعیم یا جعرانہ) سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور تلبیہ (لبیک) کہتے ہوئے طواف کے لیے جائے حجر اسود کو چومنے کے ساتھ ہی تلبیہ بند کردے اور رمل کرے اور رمل (ٹہل کر چلنا) صرف تین پہلے پھیروں میں ہوتا ہے باقی میں نہیں اور رمل اس طواف میں سنت ہے جس کے بعد سعی ہو اور طواف اضطباع کے ساتھ یعنی چادر کو دائنے ہاتھ کے نیچے کریں اور پھر بائیں مونڈھے پر ڈال دے اور طواف کے ساتھ اضطباع مسنون ہے اور طواف کے بعد اضطباع نہ کرے طواف کے بعد اگر نماز پڑھتے ہوئے اضطباع کیا تو مکروہ ہے اور صفا و مروہ کی سعی کرے اور پھر سر منڈوا کر یا بال کٹوا کر احرام سے باہر آجائے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم علا برطانیہ

۱۶/ جولائی ۱۹۸۶ء

(۶۱) الاستفتاء

جناب قبلہ مفتی غلام رسول صاحب

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ میں اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا اس سال حج اور مدینہ منورہ کی حاضری کے لیے جا رہا ہوں دل میں مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق ہے اگر آپ مہربانی فرما کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف لکھ کر دے دیں تو بہتر ہے تاکہ وہ بار بار پڑھتا رہوں ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے ہی سرکار علیہ السلام کی حقیقی حاضری نصیب ہو جائے۔

ایک سائل

از "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

مدینہ منورہ کی حاضری بہت بڑی سعادت ہے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان مدینہ منورہ جائے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ کی خاص حاضری کی نیت کرے کثرت سے درود پڑھنا چاہیئے اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے امام محمد بن حاج مکی مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں اور دیگر ائمہ دین فرماتے ہیں لافرق بین موتہ وحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مشاھدتہ لامتہ و

ومعرفة باحوالهم وعزائمهم وخواطرهم وذالك عنده لاخفاء به ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں ان کی نیتوں ان کے ارادوں ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں علی قاری لکھتے ہیں وانه صلى الله عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وسلامك اى بل جميع احوالك وارتحالك ومقامك۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام حالات و کوچ و مقام سے آگاہ ہیں مسلمان کو مدینہ منورہ پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں مستغرق ہو جانا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کا حسن و جمال لامحدود ہے جس کو محدود الفاظ بیان نہیں کر سکتے متعدد صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ کیجئے حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ دریافت کیا اور وہ آپ کا حلیہ بیان کرنے کا بڑا شغف رکھتے تھے میں نے چاہا کہ وہ آپ کے اوصاف جمیلہ کا میرے سامنے بھی کچھ ذکر فرمائیں تاکہ میں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں چنانچہ میری فرمائش پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف اس طرح بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بھاری بھرکم تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی بزرگ و برتر تھے آپ کا روئے انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند پورے میانہ قد والے، ذرا درازقامت سرمبارک بڑا، بال اتنے خمیدہ جیسے گونگروالے بالوں میں کنگھی کی ہو، اگر سہولت سے مانگ نکل آتی تو نکال لیتے

ورنہ زیادہ تکلف نہ فرماتے جب آپ کے گیسو مبارک ذرا دراز ہو جاتے تو کانوں کی لو سے ذرا نیچے آجاتے رنگ بڑا رونق دار اور روشن پیشانی کشادہ، ابرو خمدار باریک اور گنجان اور دونوں ابرو جدا جدا درمیان میں ایک رگ جو غصہ میں ابھر جاتی۔ بلند بینی اس پر چمکتا ہوا نور سرسری طور پر دیکھنے والا یوں سمجھے کہ شاید آپ کی ناک ہی بلند ہے دحالانکہ وہ نور کی چمک ہوتی) ریش مبارک گنجان ستے ہوئے رخسار دلٹکے ہوئے پر گوشت نہیں) فراخ دہن۔ دندان مبارک کے درمیان ذرا ذرا فاصلہ، سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی دھاری گردن مورتی کی سی تراشی ہوئی اور چاندی کی طرح سفید اور چمکدار نہایت معتدل پر گوشت جسم گٹھے ہوئے سینہ اور شکم ہموار دیعنی پیٹ بڑا نہ تھا) دونوں مونڈھوں کے درمیان ذرا فاصلہ اور کشادگی، مضبوط جوڑ وبند، کپڑوں سے باہر جسم کا حصہ گورا دتو ڈھکے ہوئے کا کیا کہنا) حلق اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک لکیر اس کے علاوہ چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی البتہ دونوں بازو اور کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے آپ کی کلائیاں دراز، ہتھیلیاں اور سینہ فراخ، دونوں ہاتھ اور پیر پر گوشت اور گداز اور انگلیاں دراز مائل پیروں کے تلوے ذرا گہرے، قدم مبارک ایسے چکنے کہ پانی ان پر نہ ٹھہر سکے، جب قدم اٹھاتے تو زمین سے اٹھا کر دیعنی گھسیٹ کر نہ چلتے) اور آگے کو جھک کر جب زمین پر قدم رکھتے تو آہستہ دمتکبرانہ نہیں) تیز رفتار یوں معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ دمتکبروں کی طرح نہیں، نظریں نیچی بہ نسبت آسمان آپ کی نظر اکثر زمین کی طرف رہتی اگر وحی کا انتظار ہوتا تو آسمان کی طرف دیکھتے اکثر گوشہ چشم سے دیکھتے دحیا کی وجہ سے) چلنے میں اپنے صحابہ کو آگے رکھتے اور جس شخص سے بھی ملتے پہلے اس کو خود سلام کرتے۔ ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت

معوذ سے عرض کی کہ آپ ہم سے کچھ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرمائیں انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے" اگر تم حضور کو دیکھتے تو یہ دیکھتے کہ آفتاب نکل آیا ہے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار چاندنی رات میں دیکھا تو میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کبھی چاند کو دیکھنے لگا اس وقت آپ سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے مجھے تو آپ چاند سے زیادہ حسین نظر آتے تھے بخاری کی ایک روایت میں حضرت انس سے مروی ہے کہ میں نے حضور جیسا حسین و خوبصورت نہ آپ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ کے بعد (ترجمان السنۃ صفحہ ۲۰۰) یہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال و حلیہ شریف کی ایک مختصر جھلک اس کو اب پورے ایمان و یقین اور ذوق و شوق سے بار بار پڑھیے۔ یقیناً تم کو اس پروردگار حقیقی کے حسن حقیقی کا جلوہ نظر آئے گا۔

داد یم ترا از گنج مقصود نشان
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم، برطانیہ

۲۲/ مئی ۱۹۸۶ء

کتاب النکاح

۱. الاستفتاء ۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دے دی تو عرصہ نو دس سال کے بعد حالات نے مجبور کیا تو دوبارہ عورت سے نکاح کرنے کے لیے حلالہ نکالا تو دوسرے مرد کے ساتھ اس عورت کا نکاح کیا اس بات کا علم نہیں کہ اس مرد کو حلالہ کے مسئلہ کی پوری واقفیت تھی یا نہیں تو جس دن نکاح ہوا اسی رات تقریبًا گیارہ بارہ بجے عورت اپنے لڑکے کے گھر چلی گئی تو دوسرے دن اس مرد نے دو گواہوں کے روبرو طلاق نامہ پر دستخط کر کے کہا کہ میں نے طلاق دے دی مباشرت یا جماع نہیں ہوا تو اب حلالہ کی یہ صورت یا طریقہ جو اختیار کیا گیا اس سے وہ مقصد پورا ہوا کہ نہیں اگر نہیں ہوا تو پھر کیا کرنا چاہیئے اس کا جواب ارشاد فرما کر تحریر فرمائیں۔

فقط والسلام

سائل

حاجی محمد سجاول (صاحب) مکان نمبر ۵۳ رینجر سٹریٹ

ریکرنگٹن "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جس مرد کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے اس سے یا عورت مذکورہ سے یا دونوں سے پوچھا جائے کہ کیا بعد از نکاح (حلالہ) انہوں نے مباشرت اور جماع کیا ہے یا نہیں اگر دونوں اقرار کریں یا دونوں سے کوئی ایک اقرار کرے تو نکاح حلالہ کا مقصد پورا ہو جائے گا یعنی یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی اگر دونوں ہی انکار کرتے ہیں تو پھر نہیں فقہاء فرماتے ہیں ولو قالت دخل بی الثانی والثانی منکر ما المعتبر قولها وكذا فى العكس اگر ہر دو اقرار وطی کنند یا صرف

زوجہ اقرار وطی کند کافی است (رد المحتار ص۵۴۲ فتاویٰ دار العلوم ص۵۰۹) اس سے ظاہر ہے کہ اگر دونوں سے کوئی ایک بھی کہے کہ مباشرت ہو گئی ہے تو یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی اگر دونوں انکار کرتے ہیں تو پھر حلالہ کا جو مقصد تھا وہ پورا نہ ہوا کیونکہ حلالہ میں مرد کا عورت کے ساتھ جمع ہونا ضروری ہے حدیث پاک میں ہے لا تحل للاول حتّٰى تذوق عسيلته الاخرى (درایہ فی تخریج الہدایہ ص۲۷۰) وان كان الطلاق ثلاثا فى الحرة لم تحل له حتّٰى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها (ہدایہ ص۳۷۹) یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی جب تک شوہر ثانی جماع نہ کرے فتاویٰ رضویہ ص۲۴۱ ج۵ میں ہے اگر دوسرا شخص جس کے ساتھ حلالہ کا نکاح کیا گیا ہے بغیر صحبت کے طلاق دے جب بھی ہرگز شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی غرضیکہ اگر دوسرے خاوند نے جس کے ساتھ حلالہ کا نکاح کیا گیا ہے اگر اس نے جماع کیا ہے تو یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہے اگر جماع نہیں کیا تو پھر حلال نہیں ہے اس عورت کو چاہیئے کہ کسی ایسے خاوند کے ساتھ نکاح کرے جو اس کے ساتھ جماع بھی کرے اور بعد از مجامعت طلاق لیں حاصل کر کے عدت گذارنے کے بعد پھر پہلے خاوند سے نکاح کرے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ برطانیہ

۲۱/ فروری ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۶۳)

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ زید نے سلیمان بی بی سے نکاح کیا اور بوقت نکاح حق مہر ایک ہزار پونڈ اور آٹھ تولہ زیور مقرر کیا گیا اور بعد ازاں زید کے اپنی بیوی سے تعلقات کشیدہ ہو گئے جس کی وجہ سے زید نے سلیمان بی بی کو طلاقیں دے دیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو مہر ادا کرنا لازم ہے یا نہ اور کیا حق مہر کے مطالبہ کا عورت کے لیے کوئی وقت مقرر ہے کہ اس مدت کے بعد وہ مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور مہر خود بخود ختم ہو جاتا ہے یا جب چاہے وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

سائل

زید۔ لنکا شائر۔ "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید پر فرض ہے کہ وہ حق مہر جو بوقت نکاح مقرر کیا گیا تھا ادا کرے۔ اسلام میں جب مسلمان مرد عورت کے ساتھ نکاح کرے تو مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کو مہر دے قرآن پاک میں ہے۔ فاتوھن اجورھن فریضۃ جن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہو ان کے مقرر شدہ مہر انہیں دو اور قرآن پاک میں ہے واتوھن صدقاتھن نحلۃ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو اور حدیث پاک میں ہے جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور نیت یہ رکھے کہ عورت کو مہر میں کچھ نہ دے گا تو جس دن مرے گا وہ زانی مرے گا اس سے ظاہر ہے کہ مہر دینا شرعاً فرض ہے جو شخص ادا نہیں کرتا وہ شرعاً سخت مجرم ہے نکاح کے بعد مہر کی ادائیگی مرد پر فرض ہو جاتی ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے المھر یتاکد بثلاث بالوطی وموت احد الزوجین و بالخلوۃ۔ کہ مہر کا وجوب تین چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ جماع ہو جائے۔

۲۔ دونوں میاں بیوی سے کوئی ایک فوت ہو جائے۔

۳۔ خلوت صحیح ہو جائے (دونوں میاں بیوی کے لیے تنہائی میسر ہو جائے) اور مہر عورت کا حق ہے اور عورت اپنے حق کا مطالبہ کر سکتی ہے مدت گذرنے کے بعد بھی مہر ساقط نہیں ہوتا جب تک مرد نے ادا نہیں کیا عورت مطالبہ کر سکتی ہے اگر مہر بوقت نکاح مقرر کیا گیا لیکن اس کی ادائیگی کا وقت نہیں مقرر کیا گیا تو پھر بھی تفریق (طلاق وغیرہ) کے بعد عورت مطالبہ کر سکتی ہے اگر مہر کا وقت مقرر کیا گیا کہ مرد فلاں تاریخ کو ادا کرے گا تو مرد پر لازم ہے کہ تاریخ مقررہ پر ادا کرے اگر مقررہ تاریخ پر نہیں دیا تو پھر وقت طلاق عورت مطالبہ کر کے لے سکتی غرضیکہ مہر عورت کا حق ہے اگر مہر کی ادائیگی فوراً قرار پائی گئی تھی تو فوراً ادا کرے اگر وقت مقرر نہیں کیا گیا تو پھر بعد از تفریق عورت لے سکتی ہے مرد کی نجات اسی وقت ہوگی جب ادا کرے گا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم۔ برطانیہ

۲۵/ جون ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۶۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی خالدہ پروین کی حقیقی خالہ سے نکاح کر لیا ہے کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے یا نہ، کیا خالدہ پروین اور اس کی خالہ دونوں زید کے نکاح میں رہ سکتی

ہیں یا نہ جو حکم شرعی ہو اس کے متعلق فتویٰ دیا جائے۔

سائل

صوفی نذیر احمد چشتی (صاحب) لندن۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی خالدہ پروین کی موجودگی میں اس کی خالہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ بھانجی اور بھانجی کی خالہ کو بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے بخاری شریف میں ہے لا ينكح المرأة على عمتها ولا على خالتها۔ کہ نہ نکاح کیا جائے پھوپھی کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بھانجی سے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ اصل اس میں یہ ہے کہ جو دو عورتیں آپس میں محرم ہوں یعنی ان میں سے جب ایک کو مرد فرض کیا جائے دوسری اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں ایک وقت میں جمع کرنا بھی حرام ہے بحر الرائق میں ہے الاصل ان كل امرأتين لو كانت احدٰهما ذكرا والاخرى انثى لم يجز للذكر ان يتزوج الانثى فانه يحرم الجمع بينهما بالقياس على حرمة الجمع بين الاختين۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے فلا يجوز الجمع بين امراة وعمتها نسبًا او رضاعًا وخالتها كذٰلك

اگر بھانجی اور خالہ دونوں سے بیک وقت نکاح کیا جائے تو کسی سے بھی نہ ہوا اگر پہلے ایک سے کیا پھر دوسری سے تو پہلی کے ساتھ ہو گیا دوسری سے نہ ہوا

صورت مسئولہ میں زید کا خالدہ پروین کے ساتھ نکاح صحیح تھا جب اس کی خالہ کے ساتھ نکاح کیا اور اس کو ہاتھ لگایا تو دونوں خالدہ پروین اور اس کی خالہ زید پر حرام ہو گئیں اب زید پر لازم ہے کہ خالدہ پروین کی خالہ کو چھوڑ دے اور اس کو گھر سے نکال دے جب اس خالہ کی عدت گذر جائے اس کے بعد خالدہ پروین زید پر حلال ہو گی رد المحتار میں ہے الثاني باطل فتحرم الاولى الى انقضاء عدة الثانية اگر خالہ کو گھر سے نہیں نکالتا تو دونوں حرام ہوں گی اگر خالہ کو چھوڑ دیتا ہے اور اس متارکہ (چھوڑنے) کی عدت بھی گذر جاتی ہے تو پھر خالدہ پروین زید کے لیے حلال ہو گی اور زید نے جو یہ فعل قبیح کیا ہے اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی بھی مانگے اور توبہ کرے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۸/جون ۱۹۸۷ء

الاستفتاء (۹۵)

جناب قبلہ مفتی صاحب سنی حنفی شرعی کونسل یوکے،

السلام علیکم: مجھے والدہ صاحبہ نے پاکستان بھیجا تھا آپ جا کر لڑکے کو دیکھ لیں جبکہ میں پاکستان والدہ صاحبہ کے حکم کے مطابق گئی تھی جب میں وہاں گئی تو مجھے حکم تھا کہ منگیتر کو دیکھ کر واپس چلی آنا۔ جب میں نے منگیتر کو دیکھا تو منگیتر پسند نہ آیا تو میں نے ان کو کہا مجھے واپس برطانیہ جانے کی اجازت دو تو لڑکے کے والدین نے مجھے کہا کہ ہم تمہارا نکاح اپنے بچے کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو میں نے ان کو جواب دیا کہ مجھے آپ کا لڑکا پسند نہیں ہے اور ساتھ میں نے بولا کہ

میری والدہ نے مجھے کہا تھا کہ اگر لڑکا پسند نہ ہو تو نکاح نہ کرنا جب میں موجود ہونگی تو نکاح کروں گی عدم موجودگی میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں نے کہا کہ جب میرا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہوگا تو میں نکاح نہ کروں گی پھر انہوں نے کہا کہ بچی تم اتنا کہہ دو کہ میں نے اس لڑکے کو قبول کیا تو میں نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے میں نے کہا کہ کیوں قبول کروں تو لڑکے کے والدین نے کہا کہ اس کا کوئی مطلب نہیں ہے تو میں پھر واپس انگلینڈ چلی آئی ہوں جب میں انگلینڈ میں آئی تو لڑکے کے چچا صاحب نے کہا کہ میں لڑکے کو یہاں منگوانا چاہتا ہوں کہ شادی ہو جائے جب لڑکے کے چچا نے درخواست دی تو میں نے لڑکے کے چچا کو بولا کہ میں اس لڑکے سے شادی نہیں کروں گی تو درخواست پر جب مجھے امیگریشن والوں نے طلب کیا تو میں نے ان کو جواب دیا کہ میں اس لڑکے سے شادی نہیں کروں گی کیس میرا ختم ہو گیا اس لیے مفتی صاحب میری درخواست ہے کہ میں آگے نکاح کر سکتی ہوں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

شاہدہ اسلم مکان نمبر ۵۵ کالڈویل روڈ
لوروڈزلی گرین برمنگھم "یوکے"

حلفیہ بیان، منکہ شاہدہ اسلم خدا کو حاضر وناظر سمجھتے ہوئے حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ جو کچھ میں نے اپنا واقعہ مفتی صاحب کو تحریر کر کے پیش کیا ہے وہ صحیح ہے اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے میں نے ہرگز اس لڑکے کو قبول نہیں کیا بلکہ میں بار بار پاکستان میں بھی انکار کرتی رہی کہ میں اس کے ساتھ ہرگز نکاح نہیں کرونگی اور نہ ہی کرنا چاہتی ہوں یہ بیان میں حلفاً تحریر کر رہی ہوں۔

شاہدہ اسلم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

اسلام میں نکاح تب ہوتا ہے جب کہ مرد اور عورت کے درمیان ایجاب قبول ہو کیونکہ ایجاب اور قبول نکاح کے رکن[1] ہیں ان کے سوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا فقہاء اسلام فرماتے ہیں النكاح ينعقد بالايجاب و القبول۔ کہ نکاح کا منعقد ہونا ایجاب اور قبول ہوتا ہے (ہدایہ صفحہ ۳۰۶، قدوری صفحہ ۱۳۲، درمختار صفحہ ۲۳ ج ۳، رد المحتار صفحہ ۲۲ ج ۲، کنز صفحہ ۳۷۶، معدن الحقائق صفحہ ۲۷۹، فتاوی عالمگیری صفحہ ۱ ج ۲، فتاوی حماقیہ صفحہ ۲۴۳) جیسے کہ نکاح کے لیے ایجاب قبول ضروری ہے اسی طرح اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے تو اس کی رضامندی بھی ضروری ہے حدیث پاک میں ہے ولا تنكح البكر حتى تستأذن (ابوداؤد صفحہ ۱۲۸، مشکوۃ صفحہ ۲۷۰) کہ کنواری کا نکاح بلا اس کی اجازت لیے نہ کیا جائے، فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۱ ج ۲، اور فتاوی رضویہ صفحہ ۲۷ میں ہے لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا۔ اور درمختار میں ہے لا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية۔ کہ بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہ کیا جائے نیز فتاوی رضویہ میں ہے کہ جب لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور وہ اذن و اجازت نہ دے بلکہ صاف انکار کر دے اور انکار پر مقرر ہے تو نکاح باطل و مردود

---

[1] رکن وہ ہے جس سے کوئی چیز بنتی ہے رکن شئے کے اجزائے ترکیبی میں داخل ہوتا ہے جیسے کہ قیام، رکوع، سجدہ نماز کے رکن ہیں رکن کی جمع ارکان آتی ہے ارکان ان اجسام بسیطہ کو کہتے ہیں جن سے مادیات کی ترکیب ہوتی ہے جیسے آگ پانی ہوا، مٹی اجسام بسیطہ کے رکن ہیں ان سے مل کر اجسام بنتے ہیں اسی طرح ایجاب وقبول رکن ہیں ان سے مل کر نکاح تشکیل پاتا ہے (اسلامی قانون صفحہ ۱۶۹) ۱۲۔

محض ہوتا ہے اور ایسے باطل نکاح کو نکاح سمجھنا جہل بعید و ظلم شدید ہے۔ بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب شاہدہ اسلم نے نکاح کی اجازت نہیں دی اور منگیتر کو قبول نہیں کیا اور لڑکا کے چچا کے کہنے کے وقت بھی انکار کیا اور بار بار انکار کرتی رہی اور جب پاکستان میں رہی منگیتر کے ساتھ رضامندی یا ایسا کوئی فعل اور کام نہیں کیا جو کہ رضامندی پر مشتمل ہو بلکہ انکار ہی انکار رہا تو ہرگز نکاح نہ ہوا کیونکہ نکاح کے لیے ضروری تھا کہ شاہدہ اسلم رضامندی ظاہر کرتی یا منگیتر کو قبول کرتی جب کسی صورت میں بھی شاہدہ اسلم نے منگیتر کو قبول نہیں کیا تو شرعاً نکاح نہ ہوا تو اب شاہدہ اسلم اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۱۸ جون ۱۹۸۶ء

⑯۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد سمندر کا اسلامی اور انگلش نکاح کوثر پروین کے ساتھ ہوا تھا اسلامی نکاح بتاریخ ۲-۱۱-۱۹۸۵ء کو ہوا اور حق مہر ۱۵ تولے زیورات تھا۔ جو کہ نکاح نامہ پر درج ہے مگر دیا نہیں گیا تھا ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی خاوند نے حق مہر دینے سے انکار کر رکھا ہے اور لڑکی نے حق مہر وصول کرنے سے پہلے خاوند کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہنے سے انکار کر رکھا ہے۔ خاوند نے انگلش عدالت میں طلاق دینے کے لیے درخواست دے رکھی ہے کیا میں اس بات میں صحیح تھی کہ حق مہر وصول کرنے کے بغیر میں خاوند کے لیے حلال نہ تھی اس وجہ سے میں نے ساتھ رہنے سے انکار کیا تھا اور یہ حق مہر ۱۵ تولے زیورات ہیں جب انگلش طلاق خاوند کی طرف سے ہو جائے گی تو کیا اسلام میں بھی وہ طلاق قابل قبول ہوگی۔ برائے کرم شرعی فتوے دیا جائے۔

سائلہ

کوثر پروین معرفت کنفڈریشن آف سنی مساجد

مڈلینڈز برطانیہ

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

قرآن پاک میں ہے وآتوا النساء صدقتهن نحلة اور دیا کرو اپنی عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ اور قرآن پاک ہے فآتوهن اجورهن فريضة۔ تو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور قرآن پاک میں ہے ان تبتغوا باموالكم طلب کرو نکاح بذریعہ مال کے یعنی مہر کے اور صحیح مسلم شریف میں ہے ابو سلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا فرمایا حضور کا مہر ازواج مطہرات کے لیے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اوقیہ کا وزن چالیس درہم ہے جس کے ساڑھے دس تولے ہوتے ہیں گویا کہ کل مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا امام طبرانی نے حضرت صہیب سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر[1] نہ

---

[1] نکاح کے اثرات سے ایک اثر مہر بھی ہے کیونکہ جب نکاح ہو جاتا ہے تو زوجہ کو نفقہ (خرچ) دینا ہوگا اور مہر کا حق حاصل ہوتا ہے مہر کی شرعی طور پر اتنی اہمیت ہے کہ اگر زوجین مل کر بھی اسکو ساقط کرنا چاہیں بھی تو ساقط نہیں کر سکتے عورت کا اپنی خوشی سے معاف کر دینا دوسرا معاملہ ہے کہ وہ اپنا حق معاف کر سکتی ہے مگر ساقط نہیں کر سکتے یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ ہم نہ لیں گے نہ دیں گے مہر ایک لازمی جز ہے مہر کی حیثیت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں کچھ نہ دے گا تو جس روز مرے گا زانی مرے گا مہر تین قسم پر ہے۔

۱۔ معجل کہ مرد خلوت اور صحبت سے پہلے مہر ادا کرے گا اس صورت میں مرد کو چاہیئے کہ پہلے ہی مہر ادا کردے اگر مرد ادا نہیں کرتا تو پھر عورت کو شرعًا اختیار ہے کہ مرد کو اپنے پاس آنے سے باز رکھے ہدایہ میں ہے۔ وللمرأة ان تمنع نفسها حتى تاخذ المهر اى المعجل وقایہ میں ہے۔ لها منعه من الوطى من السفر نقایہ میں ہے قبل اخذ المعجل لها منعه من الوطیٔ والسفر بها کنز میں ہے لها منعه من الوطیٔ والاخراج للمهر تنویر الابصار میں ہے لها منعه من الوطیٔ والسفر بها درمختار میں ہے ولو منعت نفسها للمهر دخل بها او لا اس سے ظاہر ہے کہ اگر مہر مقرر کرتے وقت یہ طے پایا تھا کہ پہلے ہی خاوند مہر ادا کرے گا تو پھر عورت کو اختیار ہے وہ اپنے کو خاوند سے دور رکھے اور خاوند کو پاس نہ آنے دے تاوقتیکہ وہ مہر ادا نہ کرے۔

۲۔ مؤجل یہ وہ مہر ہے جس کے لیے یہ معاہدہ کیا گیا کہ مثلاً پانچ سال کے بعد مہر ادا کیا جائے تو اس صورت میں مدت پوری ہونے سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی کیونکہ عورت نے اپنے حق کو یہ معاہدہ کرکے خود مؤخر کرلیا ہے ہدایہ میں ہے ولو کان المهر کله مؤجلا لیس لها ان تمنع نفسها لاسقاطها حقها بالتعجیل۔

حاشیہ صفحہ گزشتہ

کی کلید ہے نکاح کی عظمت اور عورت کے شرف کا اظہار ہے معاوضہ اور قیمت نہیں ہے قیمت دیکر حاصل کی ہوئی چیز مملوک ہوتی ہے محبوب نہیں ہوسکتی (اسلامی قانون صفحہ ۱۹) مفتی غلام رسول ۱۲

اندریں صورت عورت کو منع کرنے کا حق نہیں ہے جب تک یہ مدت ختم نہیں ہوجاتی، جب مدت پوری ہوجائے اور خاوند مہر نہ ادا کرے تو پھر عورت مطالبہ کرسکتی ہے اور مرد پر لازم ہوگا کہ وہ مہر ادا کرے اگر نہیں کرتا تو پھر عورت اپنے آپ کو خاوند سے دور کرسکتی ہے۔

۳۔ جس میں نہ وہ ہو اور نہ یہ تو پھر وہاں کے عرف اور رواج کا اعتبار ہے اگر اس برادری کا رواج ہے کہ کچھ یا تمام مہر صحبت اور مباشرت سے پہلے دے دیتے ہیں تو اس کا حکم مہر معجل کا ہی ہے یعنی مرد پر لازم ہے کہ وہ پہلے ہی ادا کرے اگر ادا نہیں کرتا تو پھر عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے کو مرد سے دور رکھے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مہر معجل وہ ہے جس کا ادا کرنا فورًا اقرار پایا ہو خواہ ازروئے شرط کے کہ نفس عقد میں مذکور ہو کہ جلدی ادا ہوگا یا عقد نکاح کے بعد شرط تعجیل ٹھہری ہو خواہ ازروئے عرف کے جبکہ وہ شرط صریح کے مخالف نہ ہو یہ مہر فورًا واجب الادا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ادا سے پہلے شوہر عورت کو ہاتھ نہیں لگا سکتا بلکہ رخصت نہیں کراسکتا بہار شریعت میں ہے اگر مہر معجل میعادی ہیں میعاد مجہول ہو جب بھی فورًا دینا واجب ہوتا ہے صورت مسئولہ میں کوثر پروین کے نکاح کے وقت اگر یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مہر فورًا ادا کیا جائے گا تو پھر کوثر پروین حق بجانب ہے جب تک اس کا خاوند حق مہر ادا نہیں کرتا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کوثر پروین کو مجبور کرے کہ وہ رخصت ہوکر اس کے گھر آئے اگر کوثر پروین نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ پانچ سال یا دس سال کے بعد مہر لونگی تو پھر مدت سے پہلے وہ مطالبہ نہیں کرسکتی اگر مدت نہیں مقرر کی گئی اور نہ ہی کوئی مہر کی

ادائیگی کے لیے وقت مقرر ہوا ہے تو پھر ان کی برادری کے رسم ورواج کو دیکھا جائے گا اگر وہ پہلے ادا کرتے ہیں تو پھر محمد سمندر پر بھی لازم ہے کہ وہ پہلے ادا کرے اگر مہر ادا نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہے جیسے سوال میں مذکور ہے تو پھر کوثر پروین کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند سے دور رکھے۔ درحقیقت نکاح کے وقت ہی مہر واجب ہو جاتا ہے البتہ مہر کی پختگی بوقت خلوت صحیح ہوتی ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے ۔

المهر تاكد بثلاث بالوطى و موت احد الزوجين و بالخلوة الصحيحة . یعنی مہر تین چیزوں سے لازم ہو جاتا ہے، مباشرت ہو جائے، دونوں سے کوئی فوت ہو جائے، یا خلوت صحیح یعنی مرد اور عورت دونوں تنہائی میں ملاقات کریں (اگرچہ جماع نہ کریں) اگر خلوت صحیح یا جماع نہیں ہوا اور مرد نے طلاقیں دے دی ہیں تو نصف آدھا مہر لازم ہوگا قرآن پاک میں ہے

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن و قد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم

اور اگر تم طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے ان کے لیے مہر تو نصف (آدھا مہر) ادا کرو جو تم نے مقرر کیا ہے یعنی وہ عورت جس کا مہر بوقت نکاح مقرر ہو چکا ہے لیکن مباشرت سے پہلے خاوند نے طلاق دے دی ہے تو اس صورت میں خاوند عورت کو نصف مہر دے گا نقایہ میں ہے یجب نصفه بطلاق قبلها ای قبل الخلوة الصحيحة اگر خلوت صحیح کے پہلے طلاق ہوئی تو پھر بھی نصف مہر واجب ہوگا بہرکیف کوثر پروین کے خاوند پر لازم ہے کہ

وہ مہر ادا کرے اگر یہ معاہدہ ہوا تھا کہ نکاح ہونے کے بعد فوراً ادا کریگا تو فوراً واجب ہے اگر ان کا رواج ہے کہ قبل از صحبت ادا کرتے ہیں تو پھر اس وقت واجب ہے اگر ادا نہیں کرتا تو پھر کوثر پروین کو اس کی رضامندی کے علاوہ ہاتھ نہیں لگا سکتا اگر دونوں نے کہیں علیحدگی میں ملاقات کی ہے جہاں مباشرت سے مانع نہیں تھا تو پھر مقرر شدہ مہر دینا لازم ہے اگر رخصتی نہیں ہوئی اور نہ ہی خلوت صحیح ہوئی ہے تو پھر بعد از وقوع طلاق نصف مہر دینا ہوگا۔ باقی رہا انگلش طلاق کا مسئلہ تو اسلام نے طلاق دینے کا مالک مرد کو بنایا ہے اور طلاق سے مقصد عورت کو حقوق زوجیت سے آزاد کرنا ہوتا ہے اگر وہ اسلامی طریقہ سے آزاد کرتا ہے تو پھر بھی ٹھیک ہے اگر مرد انگلش عدالت میں طلاق دیتا ہے جس سے طلاق کا معنے سمجھا جاتا ہے تو پھر بھی طلاق ہو جاتی ہے قرآن پاک میں ہے فطلقوهن لعدتهن پس تم مرد عورتوں کو طلاق ان کی عدت کے مطابق دو اور قرآن پاک میں ہے فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف ۔ ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو اس سے ظاہر ہے کہ عورت کو رکھنے یا چھوڑنے کا حق مرد کو دیا گیا ہے چونکہ ازدواجی زندگی کی زیادہ تر ذمہ داریاں مرد کے کندھے پر ہیں اسی لیے اسلام نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے عورت کو نہیں اگر عورت مرد کو طلاق دے تو طلاق نہیں ہوتی اسلام نے جب طلاق دینے کا مرد کو مالک بنایا ہے تو اس کی ملکیت کو کوئی باطل نہیں کر سکتا حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما بال اقوام يشترطون شروطا ليست في كتاب

اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فھو رد

جو شرائط قرآن کے خلاف ہوں وہ مردود ہیں جب طلاق دینے کا حق مرد کو ہے تو اب اس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اگر محمد سمندر انگلش عدالت کے ذریعے کوثر پروین کو طلاق دینا چاہتا ہے تو پھر بھی واقع ہو جائے گی اور مہر بھی دینا پڑے گا مہر سے انحراف کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ۔

۱۲ جنوری ۱۹۸۷ء

الاستفتاء (۶۷)

بخدمت معزز ارکان سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"۔

السلام علیکم - معزز صاحبان، میرا نام نوربی بی ہے میں برطانیہ میں پیدا ہوئی اور تب ہی سے یہاں رہ رہی ہوں میری تاریخ پیدائش ۶۶-۷-۲ ہے میری عمر اب اکیس سال ہے میں ۱۶ سال کی عمر میں سکول چھوڑا تھا۔ سکول چھوڑنے کے بعد میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ پہلی مرتبہ ملاقات کے لیے پاکستان گئی تھی میرا والد فوت ہو چکا ہے میری نانی کا اس دوران انتقال ہو چکا تھا اس وجہ سے میری والدہ پاکستان جانا چاہتی تھی وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ پاکستان لیجانا چاہتی تھی تاکہ میں بھی وہاں کی زندگی کے متعلق دیکھ سکوں اس سے پہلے میں کبھی بھی پاکستان نہیں گئی تھی اس لیے میں پہلی دفعہ وہاں پر گئی تھی ہم مورخہ ۸۲-۱۱-۲۳ کو پاکستان گئے تھے مجھے کبھی بھی معلوم نہ تھا کہ انگلینڈ چھوڑنے سے پہلے میری والدہ نے میرے بہنوئی کے ساتھ اور اس کے والد کے ساتھ میرے متعلق شادی وغیرہ

کرنے کی بات چیت اور میرے بہنوئی کے چھوٹے بھائی کے ساتھ شادی کرنے کے انتظامات طے کر لیے ہوئے تھے انہوں نے بہت خفیہ طور پر مجھے بتلائے بغیر یہ سب پلان بنایا ہوا تھا اس کے متعلق مجھے کسی نے کچھ نہیں بتلایا اور نہ ہی پوچھا تھا۔ انہوں نے ان تمام باتوں کے بارے مجھے اندھیرے میں رکھا مجھے بالکل کوئی خبر نہ تھی جو کچھ بھی یہ میرے لیے سوچا تھا اس بات کو مجھ سے خفیہ رکھا پاکستان پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد میں نے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ میری والدہ، میرا ماموں اور میرے بہنوئی کا والد مجھے میرے بہنوئی کے چھوٹے بھائی کے ساتھ میرا نکاح کرنے کے لیے مجھ پر سخت دباؤ ڈال کر مجبور کر رہے تھے۔ مجھے بالکل نہیں بتایا گیا کہ وہ میری شادی کرنے لگے تھے یہ سب کچھ اچانک ہو گیا یہ سب دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا یہ ایک غیر متوقع اور اچانک ہوا مجھے ایک بڑے غیر مناسب حالات میں ڈالا گیا میں نے ہر ایک کو بتلا دیا کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں اور یہ کہ میں شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں اور یہ کہ میں تو صرف اپنی مرحومہ نانی کی قبر دیکھنے اور مختصر ملاقات کے لیے یہاں آئی ہوں۔ یہی میری والدہ نے انگلینڈ سے رخصت ہونے سے قبل مجھے بتلایا تھا مجھے یقین نہیں آتا جو کچھ ہو رہا ہے میرے بہنوئی کا بھائی اس کی والدہ اور والد گھر پر آگئے اور نکاح وغیرہ کا تقرر کرنے لگے میں اپنی والدہ اور ماموں کی طرف متوجہ ہوئی اور انہیں کہا کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی مہربانی سے میری مدد کریں میں تو صرف سیر و تفریح کے لیے پاکستان آئی تھی لیکن کسی نے بھی میری بات کو ہر گز نہ سنا وہ مجھے صرف یہ ہی کہتے رہے کہ اب تو دیر ہو گئی ہے اس لیے اب ہم کچھ نہیں کر سکتے تمہیں اب یہ شادی کرنا پڑے گی ان سے یہ الفاظ سن کر مجھے احساس ہوا کہ انہوں نے یہ پلان بڑے احتیاط کے ساتھ بنایا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو بہت تنہا اور بے بس محسوس کیا میرا

کسی نے بھی کوئی ساتھ نہ دیا وہ سب میرے خلاف ہو چکے تھے میں غمگین افسردہ اور پریشان اور جذباتی طور پر بہت گھبرائی ہوئی تھی میری اپنی والدہ نے میرے ساتھ ہر طرح سے دھوکہ اور فریب کیا نکاح کے وقت مولوی صاحب نے نکاح پڑھا اور پھر مجھ سے پوچھا آیا کہ یہ نکاح مجھے منظور ہے لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس کی بجائے میں رونے لگی مولوی صاحب نے پھر دوبارہ مجھے پوچھا اس وقت میری ممانی جس کے بازو میں میں تھی اس نے میری طرف سے جواب دیا مولوی صاحب کمرے میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ باہر ہی کھڑے تھے اس لیے انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ میں نے جواب دیا ہے انہوں نے سمجھا کہ شاید میں نے ہی جواب دیا ہے پھر مولوی صاحب چلے گئے اور نکاح نامہ پر میرے دستخط کرانے کے لیے نکاح نامہ بھیجا میں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا میں بار بار اس پر دستخط کرنے سے انکار کرتی رہی میرے مسلسل انکار کرنے پر میری والدہ کو بہت سخت غصہ آیا اس نے مجھے سخت دھمکیاں دینی شروع کر دیں اس نے کہا یا تو میں نکاح نامہ (دستاویز) پر دستخط کروں ورنہ وہ مجھے پاکستان رہنے دے گی اور وہ مجھے اور اپنے آپ کو مار دے گی (قتل کر دے گی) اپنی والدہ سے یہ الفاظ سن کر مجھے بہت ڈر اور پریشانی ہوئی میں بہت غمگین پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی وہ نکاح نامہ پر دستخط کروانے کے لیے مجھ پر دباؤ ڈال کر مجبور کر رہے تھے آخر جب مجھ پر ہر طرف سے دباؤ بڑھ گیا تو میں نے نکاح نامہ پر مجبور ہو کر دستخط کر دیئے لیکن میں آپ سے قسم کھاتی ہوں کہ میں یہ نکاح دل سے قبول نہیں کیا تھا نکاح وغیرہ میرے ماموں کے گھر مورخہ ۳-۱۲-۸۲ کو ہوا تھا نکاح کے بعد میں نے اپنے ماموں کا گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا میں نے انہیں کہا کہ میں کہیں بھی باہر نہیں

جانا چاہتی ہوں لیکن میری والدہ اور ماموں نے بار بار کہنا شروع کر دیا کہ تمہیں اور جانا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی میرے ساتھ جائیں گے ہم پھر اپنے مفروضہ خاوند کے گھر روانہ ہوئے میں اپنی والدہ اور ماموں کے ہمراہ گئی اور اس کے گھر چار روز ٹھہرے میں تمام عرصہ کے دوران اپنی والدہ کے ساتھ ٹھہری رہی میرا مفروضہ خاوند پاکستان کی فوج میں سپاہی ہے اس نے اپنی چھٹی ختم ہونے کی وجہ سے واپس ڈیوٹی پر جانا تھا اس لیے وہ ڈیوٹی پر واپس چلا گیا تمام وقت میں اپنے مفروضہ خاوند کے گھر ٹھہری رہی میں نے اپنی والدہ کو کہا کہ میں خوش نہیں ہوں کیا ہم اپنے ماموں کے گھر واپس جا سکتے ہیں پھر ہم چار روز کے بعد اپنے ماموں کے گھر واپس رخصت ہوئے پھر میری انگلینڈ واپسی تک مورخہ ۱۶-۱-۸۳ کو وہاں ماموں کے گھر ٹھہرے تھے۔ اندریں حالات میاں بیوی کی صورت میں معاشرت کبھی بھی نہیں ہوئی میں اپنے مفروضہ خاوند کے ساتھ اس کی بیوی کی حیثیت سے اکٹھی نہیں رہی ہوں میں مورخہ ۱۶-۱-۸۳ انگلینڈ واپس آ گئی اور اس وقت سے یہاں پر ہی رہ رہی ہوں یہاں پر واپس آنے کے بعد میں نے اپنی والدہ اور بھائیوں کو یہ واضح کر دیا تھا کہ میں یہ شادی قائم رکھنا نہیں چاہتی۔ میں نے کہا کہ میں شروع سے اس مفروضہ خاوند سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی انگلینڈ آنے کے بعد میں بہت بیمار ہو گئی ذہنی اور جسمانی لحاظ سے بہت کمزور ہو گئی تھی میں اپنے گھر کے افراد سے الگ تھلگ اور خاموش رہنے لگی میں دماغی پریشانی اور جذباتی اذیت کے زیر اثر رہی میں بہت کمزور ہونا شروع ہو گئی میری خرابی صحت سے میرے گھر والے میری طرف متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ میں واقعی ہرگز خوش نہیں ہوں اس سے میری والدہ کو احساس ہوا کہ اس کے لیے کچھ کرنا چاہیئے اس لیے میری والدہ اور بھائی دونوں نے مجھے کہا کہ وہ میری مدد کریں گے اور

وہ میرے مفروضہ خاوند اور اس کو لکھیں گے اور حالات سے آگاہ کریں گے۔
اس دوران میں مجھے یہ بتلانے اور تسلی دینے کے بعد میری لاعلمی میں انہوں نے میرے مفروضہ خاوند کو خفیہ طور پر یہاں انگلینڈ منگوانے کے لیے درخواست داخل کر دی۔ انہوں نے تمام کاغذات اور متعلقہ دستاویزات پر میرے جعلی دستخط کر کے بھیج دیئے اور مجھے اس کا ہرگز نہیں بتلایا اور وہ میرے بہنوئی کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور اس طرح کیا جوں ہی مجھے اس کے متعلق معلوم ہوا میں نے برطانوی سفارت خانے اسلام آباد کو خط لکھا اور بتایا کہ وہ اگر مفروضہ خاوند ان کے پاس جائے تو اسے ویزا دینے سے انکار کیا جائے لیکن سفارت خانہ نے مجھے واپس جواب دیا اور بتلایا کہ وہ اسے پہلے ہی ویزا جاری کر چکے ہیں اور وہ کسی وقت انگلینڈ آجائے گا میں نے ویسے ان کو خط لکھا تھا مورخہ ۶/۱/۸۵ کو وہ میرا مفروضہ خاوند یہاں انگلینڈ ہیتھرو ایئر پورٹ پر پہنچ گیا امیگریشن حکام نے ایئر پورٹ سے مجھے بتایا کہ وہ میرا مفروضہ خاوند آگیا ہے کیونکہ میں نے کبھی بھی سپانسرڈ نہیں کیا تھا۔ مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ آ رہا ہے میں اسے لینے ایئر پورٹ بالکل نہیں گئی اور نہ ہی اس کے داخلہ کے لیے رضامندی ظاہر کی دراصل یہ میرا بہنوئی تھا جو اسے ایئر پورٹ سے لینے گیا تھا انہوں نے امیگریشن آفیسر کو بتلایا کہ میں بیمار ہوں اور آ نہیں سکتی اور اس لیے میں نے اپنی جگہ انہیں یعنی بہنوئی کو بھیجا ہے جو سراسر غلط اور جھوٹ تھا۔ لیکن امیگریشن آفیسر نے اس پر یقین نہیں کیا تھا تو انہوں نے مجھے ٹیلیفون کر کے اس کے بارے تصدیق کیا میں نے امیگریشن آفیسر کو بتلایا کہ یہ جھوٹ ہے اور یہ کہ میں اسے مفروضہ خاوند کے لینے کے لیے نہیں آئی کیونکہ میں نے اسے کبھی سپانسرڈ نہیں کیا اور یہ کہ میں اپنی طرف سے اسے یہاں نہیں چاہتی ہوں اور یہ کہ مجھے اس کے

آنے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اس کے (مفروضہ خاوند) انگلینڈ آنے سے میں نے اسے اور اس کے والد کو پاکستان کافی خطوط بھیجے تھے کہ مجھے طلاق بھیج دیں کیونکہ میں شروع سے ہی اس سے شادی نہیں کرنی چاہتی تھی لیکن مجھے اسکی طرف یا اس کے والد کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا انھوں نے میرے خطوط نظر انداز کر دیئے میں نے انہیں صاف واضح کر دیا تھا کہ میں طلاق چاہتی ہوں وہ مفروضہ خاوند عرصہ دو سال سے اب یہاں پر رہ رہا ہے اور میں نے نہ کبھی اسے دیکھا ہے اور نہ کبھی اس کے ساتھ بات وغیرہ ہوئی ہے انگلینڈ آنے کے بعد اس نے فضول قسم کی درخواستیں امیگریشن آفیسر کو لکھیں اور مستقل داخلہ حاصل کرنے کے لیے بہت جھوٹ بولا وہ امیگریشن آفیسر کو بہت کچھ بتلا چکا ہے جو سچ نہیں ہے تاکہ داخلہ کی انکاری کے لیے انہیں اپیل کر سکے اس نے بہت سی اپیلیں انہیں کی ہیں اور ہر بار بار اسے داخلہ کے لیے انکار ہوتا رہا ہے اس جولائی ۱۹۸۵ء میں اپیل کی تھی اس اپیل کے روز مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے میرے بڑے بھائی نے صبح سویرے آکر جگا دیا اور جلدی سے تیار ہونے کے لیے کہا کہ ہم کہیں ضروری جا رہے ہیں لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتلایا کہ کہاں جا رہے ہیں میری والدہ مجھے میرے بھائی کے گھر لے گئی اور مجھے کار میں بیٹھنے کے لیے کہا ہمارے پہنچنے تک پہلے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ مجھے کہاں لے کر آئے تھے میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں ہم کہاں ہیں ہم یہاں کس لیے آئے ہیں میری والدہ نے جواب دیا اور کہا کہ ہم تمہیں تمہارے خاوند کے حق میں بیان دینے کے لیے یہاں پر لائے ہیں اس لیے تم نے اس کے حق میں بیان دینا ہے مجھے بہت صدمہ ہوا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے جو وہ کہتے تھے میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میں نے انہیں کہا میں اس مفروضہ خاوند

کے حق میں کوئی بیان نہیں دوں گی کیونکہ میں اُسے نہیں چاہتی اس لیے میں
ایسا ہرگز نہیں کروں گی چنانچہ وہ مجھے علیحدہ کمرے میں لے گئے اور مجھے دھمکی دینا
شروع کر دی اور حقیقی طور پر مجھے پیٹا میرے بڑے بھائی نے مجھے بہت دفعہ مارا اور کہا
جو وہ کہتے ہیں مجھے ضرور کرنا ہو گا میں نے پھر بار بار انکار کیا اور مسلسل میں انکار
کرتی رہی اور وہ مجھے دھمکیاں دیتے رہے میرے بڑے بھائی نے مجھے کہا اگر
میں ایسا نہ کروں گی جس کے لیے وہ پوچھتے ہیں تو وہ بڑا بھائی میرے چہرے
پر تیزاب ڈال کر میرا چہرہ بدصورت کر دے گا میری والدہ نے کہا وہ مجھے مار مار کر
ہلاک کر دے گی وہ مجھے قتل کر دے گی لیکن ان سب کے باوجود میں نے انکار
کر دیا پھر وہ مجھے گھر لے آئے اور مجھے میرے کمرے میں لے گئے اور مجھے
بہت دفعہ بے دردی سے پیٹا اور مجھے وہاں کمرے میں بند کر دیا اور کسی سے ملنے
اور بات وغیرہ کرنے سے منع رکھا میری والدہ اور میرے بھائی نے مجھے کہا کہ وہ
برطانوی قانون کے مطابق میری شادی رجسٹرڈ کرانے لگے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ
مفروضہ خاوند کے ساتھ میری شادی رجسٹرڈ کریں گے اور میری مرضی کے خلاف
اس کے گھر بھیج دیں گے اور یہ کہ چاہے مجھے پسند ہو یا نہ ہو مجھے وہاں بھیج دیا
جائے گا انہوں نے کہا کہ وہ مجھے مجبور کریں گے کہ تمہارا گھر ہے اور مجھے ضرور
جانا ہو گا اگلے روز میری والدہ نے میرے چھوٹے بھائی کو اوپر میرے کمرے
میں بھیج کر مجھے بتلایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں اگر میں نہیں مانوں گی تو مجھے
یہ گھر ضرور چھوڑنا پڑے گا مجھے ضرور باہر نکل جانا ہو گا اور کبھی بھی واپس نہیں
آنا اور یہ کہ میری والدہ کبھی بھی دوبارہ مجھ سے ملنا نہیں چاہیں گی یہ الفاظ ان سے
سن کر مجھے احساس ہوا کہ سوائے گھر چھوڑنے کے کوئی چارہ کار نہیں ہے مجھے
کوئی اختیار نہیں تھا مجھے معلوم تھا کہ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ مجھے میری والدہ

نے مجھے اپنے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا کوئی ایسا نہ تھا جو اب میری مدد کرتا
میں بالکل تنہا رہ گئی تھی کوئی میرے ساتھ نہ تھا۔ میری زندگی مشکل ہو چکی تھی چنانچہ
میں اپنی خالہ اور خالو کے گھر ۱۹۰/ ہیملٹن روڈ پر آ گئی اور سب حالات سے انہیں
آگاہ کر دیا وہ اس کے متعلق اچھی طرح سمجھ گئے انہوں نے مجھے اپنی بیٹی کی حیثیت
سے گھر رکھا اور میں نے پولیس کو مطلع کیا اور میں نے پولیس سے سفارش کی کہ
میں اپنی خالہ اور خالو کے گھر پہ ہی ٹھہری رہوں کیونکہ لڑکی کا تنہا ہونا ٹھیک نہیں
ہے پولیس بہت مہربان تھی اور انہوں نے مجھے پوچھا کہ اگر پھر کوئی جھگڑا وغیرہ ہو
تو ہمیں رپورٹ (اطلاع) کریں میرے اپنے خالو اور خالہ کے گھر آنے کے بعد
میری والدہ اور بھائی پھر بھی ٹیلیفون پر دھمکیاں دیتے تھے لیکن کوئی جھگڑا نہیں
ہوا میں اپنی خالہ اور خالو کے گھر عرصہ دو سال سے رہتی ہوں اور وہ بالکل میرے
ساتھ اپنی بیٹی جیسا سلوک کرتے ہیں انہوں نے میرے سخت اور بڑے مشکل
وقت میں میری مدد کی ہے انہوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بہت کوشش
کی وہ میرے ساتھ ساتھ رہے ہیں اس کے علاوہ گذشتہ تین ماہ کے دوران
میرے مفروضہ خاوند کے بھائی ٹیلیفون پر مختلف قسم کی دھمکیاں دیتے رہے تھے
اور ہمیں تنگ کرتے کہ یہاں ٹھہرنے کے لیے انٹری ویزا حاصل کرنے میں
ان کی مدد کریں تو وہ مجھے طلاق دے دیں گے لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ اس سے
میرے کیس میں بہت مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں میرا کیس عدالت میں جا چکا تھا
میں نے تنسیخ نکاح کے لیے عدالت میں درخواست دی ہوئی تھی یہ کیس عدالت
میں موسم بہار ۱۹۸۵ء میں داخل ہو چکا تھا پہلے پہل میرے مفروضہ خاوند نے
اس کیس کے دفاع کرنے کی کوشش کی اسے دفاع کرتے ہوئے اس نے
کہا کہ ہمارے درمیان کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا اور یہ کہ شادی ٹھیک ہوئی تھی

اور یہ کہ میں نے اس مفروضہ خاوند سے بخوشی شادی کی تھی اس نے مختلف دوسری فضول درخواستیں دی ہوئی تھیں جو کہ سب جھوٹ تھا اور اس نے یہ سب اپنی طرف سے بنائی ہوئی تھیں گذشتہ موسم بہار ۱۹۸۶ء کو اس مفروضہ خاوند نے کیس کا دفاع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اس نے عدالت کو بتایا کہ مدعی کی درخواست پر جو لکھا گیا ہے وہ اس پر متفق ہے اور یہ کہ وہ کیس کا دفاع نہیں کرنا چاہتا تب کیس خود بخود ہائی کورٹ سے کاؤنٹی کورٹ میں منتقل ہو گیا کیس منتقل ہونے کے بعد مقدمہ پر پیشی ہونے کی تاریخ مورخہ ۱۸ ۲/۸۷ مقرر ہو گئی اور دونوں فریقین (مدعی اور مدعی علیہ) کو عدالت نے مقررہ تاریخ پر پیش ہونے کے نوٹس جاری کر دیئے لیکن مفروضہ خاوند عدالت میں مقدمہ سننے کے لیے پیش نہیں ہوا اس لیے مقدمہ کی سماعت مدعی علیہ کے بغیر ہوئی اور عدالت نے اپنا فیصلہ کر کے تنسیخ نکاح کا حکم جاری کر دیا یہ تنسیخ نکاح تو انگلش عدالت نے کی ہے میں چاہتی ہوں اس شادی کو اسلامی قانون کے مطابق تنسیخ نکاح قرار دیا جائے میں اپنے کیس کی حقیقت کے بارے پھر بیان کرتی ہوں کہ یہ شادی میری خواہش اور مرضی کے خلاف ہوئی ہے میں اس مفروضہ خاوند کے ساتھ کبھی بھی اکٹھی نہیں رہی ہوں مذکورہ شادی میں قطعاً کوئی مباشرت نہیں ہوئی ہے اور اس کے علاوہ ہم چار سال سے ایک دوسرے سے الگ رہے ہیں اس علیحدگی کے دوران عرصہ میں نے نہ تو کبھی اپنے مفروضہ خاوند کو دیکھا اور نہ کبھی اس سے بات چیت کی ہے میں برطانوی عدالت سے اپنا تنسیخ نکاح حاصل کر چکی ہوں لیکن چونکہ میں مسلمان ہوں میرا پختہ ایمان ہے اور محسوس کرتی ہوں اس شادی کو اسلامی قانون کے مطابق تنسیخ نکاح قرار دیا جائے اس لیے میں کونسل کے معزز حضرات سے عرض کرتی ہوں کہ میرے کیس کے حقائق کو دیکھ کر بڑی احتیاط اور ہمدردی سے

اس پر غور کریں اور اسلامی قانون کے مطابق شادی کی تمام پابندیوں سے مجھے نجات دلوائیں میں بہت مشکور ہوں گی اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے آپ کو اجر دے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جو بیان (ثبوت) میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے بالکل سچ ہے۔

منجانب نور بی بی ہملٹن روڈ لانگ سایٹ مانچسٹر ۱۳
"یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب نور بی بی نے بوقت نکاح خاوند بننے والے مرد کو بحیثیت خاوند قبول نہیں کیا تو نکاح منعقد نہ ہوا کیونکہ نکاح[1] کا ہونا ایجاب

---

[1] نکاح کی تعریف یہ ہے کہ نکاح وہ عقد ہے جو توالد و تناسل کے جواز کے لیے شرعی ضابطے کے مطابق عمل میں آئے اور نکاح کے ارکان ایجاب و قبول (یعنی عاقدین کی رضامندی اور منظوری کا زبانی اظہار) ہیں اور نکاح کے شرائط میں درج ذیل چیزیں ہیں (۱) مرد اور عورت کا ایک مذہب اسلام میں ہونا ضروری ہے البتہ مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ عورت (یہودی یا عیسائی) سے جائز ہے لیکن دار حرب میں ان سے بہتر نہیں ہے (۲) ایجاب اور قبول کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے (۳) ایجاب اور قبول کرنے والوں کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے (۴) ایجاب و قبول کے وقت کم از کم دو مسلم عاقل و بالغ گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اور وہ دونوں گواہ ایک ساتھ ایجاب و قبول سنیں اور دیکھیں دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور وہ گواہ عاقدین سے واقف ہوں (۵) یہ ضروری ہے کہ عاقدین میں سے کسی میں شرعی طور پر عدم قابلیت نہ پائی جائے مثلاً عورت محرمات سے نہ ہو (۶) نکاح صرف انسان مرد اور انسان عورت کے درمیان ہو سکتا ہے انسان کا نکاح دوسری مخلوق مثلاً جن کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مرد کا نکاح مرد کے ساتھ اور عورت کا نکاح عورت کے ساتھ نہیں ہو سکتا (۷) عقد نکاح میں عورت کے مہر کی صراحت ہونی چاہئے (رباني حاشيه صفحه ۲۸۶)

اور قبول پر منحصر ہے فقہاء اسلام فرماتے ہیں النکاح ینعقد بالایجاب والقبول مثل نکحتك فیقول قبلت (ہدایہ صفحہ ۳۰۶، قدوری صفحہ ۱۳۲، در مختار صفحہ ۲۲۳، رد المحتار صفحہ ۲۲ ج ۳، کنز صفحہ ۲۷۶، معدن الحقائق صفحہ ۲۷۶، فتاویٰ جامع عتیقیہ صفحہ ۲۷۲) اگر ایجاب اور قبول نہ ہو تو بنیادی طور پر نکاح نہیں ہوتا اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے تو اس کی اجازت کے سوا بھی نکاح نہیں ہوتا عاقلہ بالغہ لڑکی پر جبر کرکے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ لا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة ہدایہ میں ہے ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة العاقلة (ہدایہ صفحہ ۳۱۴) کہ بالغہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہ کیا جائے فتاویٰ رضویہ صفحہ ۲۷ میں ہے کہ جب لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور وہ اجازت نہ دے بلکہ صاف انکار کردے اور انکار پر مستقر رہے تو نکاح باطل و مردود محض ہے اور ایسے باطل نکاح کو نکاح سمجھنا جہل بعید و ظلم شدید ہے بعض فقہاء فرماتے ہیں ان نکاح المکرہ صحیح ان کان ہو الرجل اگر مرد مکرہ ہو یعنی اگر بوقت نکاح مرد پر جبر ہو تو نکاح صحیح ہے اگر عورت پر جبر ہو فهو فاسد تو نکاح فاسد ہے اگر عورت پر بوقت نکاح جبر کیا گیا اس نے نکاح قبول نہیں کیا یا خاموش ہو گئی یا رو پڑی تو پھر ہرگز نکاح نہیں ہوگا جبر کا معنے یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا کہ وہ ایسا کام کرے جس کو وہ کرنا نہیں چاہتا اگر مجبور نے قبول نہیں کیا یا خاموشی اختیار کرلی یا رو پڑا یا انکار کردیا تو پھر ہرگز نکاح منعقد نہیں ہوگا اگر بالغہ سے نکاح کی اجازت اجنبی یا ولی ابعد

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) چاہیے اور مہر کی صراحت نہیں کی تب بھی مہر مثل لازم ہوگا ؏ نکاح کو کسی مدت اور وقت کیساتھ مقید نہ کیا جائے ورنہ یہ نکاح منعقد نہ سمجھا جائیگا۔ (اسلامی قانون صفحہ ۳۰۶) مفتی غلام رسول ۱۲۔

نے لی اور حالت جبر بھی نہیں ہے اور بالغہ عورت خاموش ہو گئی تو پھر بھی خاموشی اجازت تصور نہیں ہوگی فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها جب اجنبی یا ولی بعید بالغہ سے اجازت طلب کرے تو اس کا سکوت (خاموش رہنا) معتبر نہیں ہے بلکہ اس عورت بالغہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظاہر کرے کہ میں اس نکاح پر راضی ہوں اگر وہ اظہار نہیں کرتی خاموش ہی رہتی ہے تو اس کی یہ خاموشی عند الشرع معتبر نہیں ہے اگر بالغہ سے بحالت مجبوری کسی اجنبی یا دور کے رشتہ دار نے اجازت لی اور وہ خاموش ہو گئی تو یہ خاموشی اجازت نہ ہوگی صورت مسئولہ میں نور بی بی سے بحالت جبر کسی ولی اقرب نے اجازت نہیں لی بلکہ نکاح خوان نے جو کہ اجنبی تھا اجازت مانگی نور بی بی نے صرف خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ رونا شروع کردیا اور اس سے پہلے وہ بار بار اس نکاح سے اظہار نفرت بھی کر چکی تھی جیسے کہ استفتاء میں مذکور ہے لہٰذا یہ رونا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ اس نکاح پر راضی نہیں ہے لانه دلیل السخط والکراهة اگر رونا آواز کے ساتھ ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس نکاح کو رد کر رہی ہے ان کان مع الصیاح والصوت فهو رد وهو الاوجه وعلیه الفتوی۔ رد المحتار صفحہ ۹۵ نور بی بی کا رونا بحالت مجبوری اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس نکاح کو قطعاً رد کر رہی تھی اور بوقت مجبوری اگر مجبور عورت نکاح کو قبول نہ کرے تو ہرگز نکاح منعقد نہیں ہوتا جب یہ رو تی رہی اور اپنی زبان سے قبول کا لفظ نہیں نکالا اور اس کی بجائے معافی نے ہاں میں جواب دیا تو نور بی بی کا نکاح ہرگز نہ ہوا اور نور بی بی نے جو نکاح نامہ پر مجبوراً دستخط کیے ان سے شرعاً نکاح نہیں ہوتا لان الکتابة اقیمت

مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھھنا ۔ (ردالمحتار صفحہ ۲۳) کہ نکاح کا منعقد ہونا زبان اور عبارت سے ہوتا ہے اور کتابت قائم مقام عبارت کے بوقت ضرورت ہوتی ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ بوقت جبر ضرورت نہیں ہے بلکہ بوقت جبر زبان سے قبول کرنا ضروری ہے جب اس نے خاوند کو قبول نہیں کیا صرف مجبوراً دستخط کیے تو نکاح نہ ہوا نکاح کا ہونا ایجاب وقبول پر موقوف ہے اگر ایجاب وقبول نہ ہو تو نکاح ہرگز نہیں ہوتا۔ جب صورت واقعہ یہ ہے کہ نور بی بی عاقلہ بالغہ ہے اور اس سے بوقت نکاح قریبی ولی (رشتہ دار) نے نکاح کی اجازت نہیں لی بلکہ اجنبی نے اجازت کا مطالبہ کیا ہے اور اس نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی خاوند کو قبول کیا اور یہ پہلے بھی انکار کرتی رہی اور بوقت مطالبہ اجازت مسلسل روتی رہی اور اس کی بجائے اس کی ماسی نے نکاح خواں کو ہاں میں جواب دیا اور رخصت کے بعد بھی انکار پر مصر رہی اور بعد از رخصت بھی کوئی دلیل رضا، مہر کی قبولیت اور رضا و رغبت بوس وکنار اور حقوق زوجیت ومباشرت وغیرہ ظاہر نہ ہوئی اور یہ صراحتہً کہتی بھی رہی کہ میرا اس مرد کے ساتھ نکاح نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس کو قبول کیا ہے تاحال انکار کر رہی ہے تو یہ جعلی نکاح باطل بلکہ منعقد ہی نہیں ہوا جب بنیادی طور پر نکاح نہ ہوا تو پھر نکاح کا ذکر اور اس کے بعد طلاق یا تنسیخ نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ طلاق کا مطالبہ یا تنسیخ کا دعویٰ انگلش عدالت میں یا کسی شرعی کونسل میں تو تب ہو جبکہ پہلے نکاح بھی ہوا ہو جب نکاح ہی منعقد نہیں ہوا تو نور بی بی اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول رکن سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی

علامہ احمد نثار بیگ صاحب قادری۔

علامہ حافظ فضل احمد صاحب قادری۔

الاستفتاء (۷۸)

جناب قبلہ مفتی غلام رسول صاحب۔

سلام مسنون مزاج گرامی درج ذیل مسائل کا شرعی جواب مطلوب ہے۔

۱۔ طلاق دی ہوئی عورت کتنا عرصہ اس طرح گذارنے پر اس شوہر کے لیے جائز ہوتی ہے جبکہ اس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا ہو۔

۲۔ عورت کا شوہر شادی کے بعد کہیں غائب ہو گیا عرصہ سے کسی قسم کا خط وغیرہ اس نے نہیں لکھا پتہ نہیں حیات بھی ہے یا کہ نہ ایسی صورت میں عورت کب تک انتظار کر سکتی ہے کیا وہ اس کے نکاح سے خارج ہو گئی اور وہ اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہ۔

۳۔ شوہر اپنی عورت سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں رکھتا کیا اس کا نکاح کچھ مدت کے بعد فسخ ہو سکتا ہے اور عورت آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہ۔

الراقم سید عبدالمجید شاہ صاحب برمنگھم
"یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر ۱: صورت مسئولہ میں اگر ایک طلاق یا دو طلاق صریح اور رجعی دی

ہیں جیسے کہ کہا طلاق، طلاق تو عدت کے اندر خاوند رجوع کر سکتا ہے
اور عدت گذرنے کے بعد یہ طلاقیں بائن ہو جاتی ہیں اور نکاح ختم ہو جاتا
ہے اگر مرد اور عورت باہمی رضا مند ہو جائیں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔
قرآن پاک میں ہے الطلاق مرتان علامہ صاوی اس کی تفسیر
میں فرماتے ہیں ای التطلیق الذی یراجع بعدہ
مرتان ای اثنتان فامساک ای فعلیکم امساکھن
بعدہ بان تراجعوھن۔ یعنی دو طلاقیں
دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہے اگر تین طلاقیں دے دی ہیں تو پھر سوائے
حلالہ کے اس سے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اگر طلاق بائن دی ہے تو یہ
عورت اپنے اس خاوند کے ساتھ عدت کے اندر بھی نکاح کر سکتی ہے
اور بعد از عدت بھی کر سکتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا کان
الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان
یتزوجھا فی العدۃ و بعد انقضائھا۔
جب طلاق بائن ہو تو عورت آزاد ہو جاتی ہے نکاح سے نکل جاتی
ہے اس کے بعد جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے البتہ اپنے سابقہ
خاوند کے ساتھ عدت کے اندر اور بعد از عدت دونوں حالتوں میں نکاح
کر سکتی ہے لیکن کسی دوسرے مرد کے ساتھ بعد از عدت نکاح کر سکتی ہے
عدت کے اندر نکاح نہیں کر سکتی اور یہ سوال کہ کتنا عرصہ اس طرح گذارنے
پر اس شوہر کے لیے جائز ہوتی ہے عرصہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے جب
چاہے وہ اس خاوند سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ تین طلاقیں خاوند نے نہ دی
ہوں اگر تین طلاقیں دی ہوں تو پھر سوائے حلالہ اسکے خاوند کیساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔

اب ملا :- یہ صورت مفقود الخبر کی ہے اس کے متعلق فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں
کہ جب اس مرد مفقود الخبر (جو کہ گم ہو گیا ہے اس کا علم نہیں ہو سکا) کی کل
عمر ستر سال تک پہنچ جائے تو پھر قاضی وقت اس مفقود الخبر کی موت کا حکم
لگا دے پھر یہ عورت عدت وفات چار ماہ دس دن بیٹھے اور بعد از انقضاء
عدت نکاح کرے اس سے قبل وہ کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتی فتاویٰ رضویہ
میں ہے کہ مفقود الخبر کی عورت اتنی مدت انتظار کرے کہ مرد کی عمر سے
ستر برس گذر جائیں یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستر برس کا ہو مثلاً تیس سال
کی عمر میں گم ہوا تو عورت چالیس برس انتظار کرے اور پچاس سال کی عمر
میں گم ہوا تو بیس سال انتظار کرے اس مدت کے گذرنے پر قاضی اس
کی موت کا حکم کرے بعد از حکم چار مہینے دس دن عورت عدت بیٹھے
عدت گذارنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے فتح القدیر میں
ہے عندی الاحسن سبعون لقولہ صلی اللہ
علیہ وسلم اعمار امتی مابین الستین الی
سبعین فکانت المنتھی. غالباً جواہر اخلاطی میں ہے انہ
احوط واقیس وعلیہ الفتویٰ. بہت سن رسیدہ مرد
نو عمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں
کہ مرد ستر برس کا اور عورت جوان ہو مثلاً پچاس برس کی عمر میں پندرہ برس
کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا تو جب اس کی عمر سے ستر برس
گذر یں گے تو عورت پینتیس برس کی ہو گی اب اس عورت کی عمر بے شک
نکاح کے قابل ہے اگر عورت کی عمر زیادہ بھی ہو جائے تو حکم شرع کے
لیے ہے نہ کہ اپنی خواہش کے لیے قرآن عظیم نے صاف حکم فرمایا ہے

والمحصنات من النساء - پھر اس کے خلاف راستہ کیا ہے۔
(فتاوی رضویہ صفحہ ۳۳۲، فتاوی جامعیہ صفحہ ۲۹۵) اور فتاوی دیوبند صفحہ ۵۲۹ میں
ہے۔ کہ شامی میں بعض فقہاء اسلام سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں فتوی
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے کہ چار سال کے بعد مفقود الخبر کی بیوی
کو قاضی وقت نکاح سے خارج کر کے عدت وفات کا حکم دے بعد از عدت
عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں
کہ ہمارے مذہب حنفیہ میں وہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک شوہر کی عمر ستر
سال گذر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدت نکاح
کر سکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی کی طرف سیدنا امام شافعی
نے رجوع فرمایا اور امام مالک چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے
کے دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن سے (یعنی جس دن
سے قاضی کے ہاں مقدمہ پیش ہوا) خود امام مالک نے کتاب "مدونہ" میں
تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گذر چکے ہوں ان کا اعتبار نہیں
ہے اڈعائے ضرورت کا علاج تو ان کے یہاں بھی نہ نکلا آج تک جتنا
زمانہ گذرا ہے بیکار ہے اب قاضی شرع اگر ہو بھی اور اس کے یہاں مرافعہ
کیا جائے اور وہ شوہر مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اس کے بعد تفریق کرے
اور عورت عدت بیٹھے یہ ممتد طویل زمانہ ہے جو کہ بے شوہر اور بے نان و
نفقہ کیسے گذرے گا۔ مذہب بھی چھوڑا اور کام بھی نہ نکلا لہذا وہ کرے جو
امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھی امرأۃ ابتلاھا
اللہ تعالیٰ فلیصبر حتی یأتیھا البیان یہ عورت ہے
جسے اللہ تعالیٰ نے بلا میں مبتلا فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے

یہاں تک کہ شوہر کی موت و حیات ظاہر ہو فرورت صادقہ کے وقت جو
کسی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اسی
مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امور واجبہ میں ضرور ہوگی دیگر مسائل میں
اپنے امام کی ہی تقلید کی جائے گی اس سے واضح ہوا کہ مفقود الخبر کی عورت
جب تک مفقود الخبر کی عمر ستر سال تک نہ ہو جائے یہ عورت اس مفقود الخبر
کی ہی رہے گی جب مفقود الخبر کی عمر ستر سال پوری ہو جائے گی تو پھر قاضی
وقت اس کی موت کا حکم کرے گا اور یہ عورت عدت وفات بیٹھے گی بعد
انقضائے عدت اگر عورت کی مرضی ہوئی تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔
الجواب ۱۴۳:- جب عورت نکاح کی بندش میں بندھ جاتی ہے تو جب تک
خاوند طلاق نہ دے یا مر نہ جائے تب تک عورت نکاح سے نکل نہیں
سکتی۔ اگر خاوند حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا یا کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا
تو اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اگر عورت چاہتی ہے کہ آزاد ہو جائے
تو پہلے شوہر سے طلاق حاصل کرے عزیز الفتاوی میں ہے کہ یہ عورت
بدون طلاق لینے شوہر سے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی پہلے یہ اپنے
خاوند سے طلاق لے بعد از عدت کسی جگہ شرعاً نکاح کر سکتی ہے فتاوی
رضویہ میں ہے کہ یہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک
پہلے خاوند سے طلاق نہ لے یا پہلا خاوند مر نہ جائے (عزیز الفتاوی
صفحہ ۵۳، فتاوی رضویہ صفحہ ۱۵۱) اس سے ظاہر ہے کہ عورت جب نکاح
میں بندھ گئی تو اب اس سے اگر خاوند تعلق نہیں رکھتا تو خود بخود نکاح
فسخ نہیں ہوگا پہلے خاوند سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے پھر دوسری
جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱

۲۲ مئی ۱۹۸۹ء

(۴۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد اسلم نے کلثوم بی بی سے نکاح کیا ابھی کلثوم بی بی زندہ اور محمد اسلم کے نکاح میں ہے لیکن اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور محمد اسلم صاحب جائیداد ہے اب کلثوم بی بی اپنے خاوند محمد اسلم کو کہتی ہے کہ تم دوسرا نکاح کر لو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰے تمہیں اولاد نرینہ دیدے، محمد اسلم نے اپنی بیوی کلثوم بی بی کو کہا کہ ٹھیک ہے کوئی رشتہ تلاش کرو تو کلثوم بی بی نے کہا میرے بھائی عبدالعزیز کی نواسی راحیلہ جوان ہے اس کا رشتہ لے لیتے ہیں عبدالعزیز سے رشتہ پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم رشتہ دے دیتے ہیں لیکن پہلے کسی عالم دین سے یہ تو پتہ کر لو کہ راحیلہ کا نکاح محمد اسلم کے ساتھ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے تو ہم رشتہ دے دیتے ہیں لہٰذا مفتی صاحب ہم کو فتویٰ دیا جائے کہ یہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔

سائل

محمد اعظم خان، برمنگھم ۲۶، یو کے۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے جن میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اس کے لیے دوسری حلال نہ ہو جیسے کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع کرنا، اگر عورت کو مرد فرض کیا جائے تو ان نکاح کا جائز نہیں ہے کیونکہ اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تب بھی نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ بھتیجی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے

والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احدھما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما

(فتاویٰ قاضی خان صـ۳۶۵، فتاویٰ عالمگیری صـ۲۷۷، درمختار صـ۳۸، ردالمختار صـ۳۸) اور فتاویٰ رضویہ صـ۱۳۶ ج ۵ میں ہے کہ ان میں سے جس کو مرد فرض کیا جائے دوسری اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے یہاں ایسا ہی ہے اگر منکوحہ اول کو مرد فرض کرتے ہیں تو وہ دوسری اس کی بھتیجی کی بیٹی ہے اور جس طرح بھتیجی حرام ہے یوں ہی بھتیجی کی بیٹی بھی حرام ہے اور اگر دوسری کو مرد فرض کرتے ہیں تو پہلی اس کی ماں کی پھوپھی ہے اور جس طرح پھوپھی حرام ہے اسی طرح اس کی ماں حرام ہے۔ غرضیکہ صورت مسئولہ میں محمد اسلم کا نکاح راحیلہ کے ساتھ بموجودگی کلثوم بی بی نا جائز ہے کیونکہ جیسے کہ محمد اسلم کے گھر کلثوم بی بی کی موجودگی میں راحیلہ کی ماں کے ساتھ محمد اسلم کا نکاح حرام ہے اسی طرح راحیلہ کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے کیونکہ جیسے کہ پھوپھی اور بھتیجی بیک وقت محمد اسلم کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی کی بیٹی (نواسی) بھی دونوں بیک وقت محمد اسلم کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۳ مئی ۱۹۸۹ء

(۷۰) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب دامت برکاتہ۔

سلام مسنون کے بعد گذارش ہے کہ میں شمیم اختر دختر محمد ابراہیم ۹۷ ابنگڈن روڈ مڈلز برا حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ کچھ عرصہ پیشتر میرے والد صاحب نے محمد ریاض نامی ایک لڑکے سے میرا رشتہ اس شرط پر طے کیا کہ اگر وہ لڑکا انگلینڈ میں قیام پذیر رہے ورنہ انگلینڈ سے باہر میرا رشتہ نہیں ہو سکتا لیکن طرفین کی بات چیت کے پیش نظر مجھے اپنی والدہ کے ہمراہ پاکستان بھیج دیا گیا۔ کیونکہ لڑکے کے سرپرست اصرار کر رہے تھے کہ لڑکی پاکستان آ جائے اور برٹش ایمبیسی اسلام آباد میں لڑکی اور لڑکا دونوں انٹرویو کے لیے پیش ہوں تو لڑکے کا ویزا لگ جائے گا چنانچہ اس معاہدہ کے تحت میں پاکستان گئی وہاں مجھ سے ایک سادہ فارم پر دستخط کرنے کو کہا گیا اور بتایا گیا کہ یہ محض ایمبیسی میں دکھانے کے لیے دستخط کرائے جا رہے ہیں اگر ویزا لگ گیا تو بہتر اور نہ لگ سکا تو یہ کاغذ اور فارم ضائع کر دیا جائے گا اس کے علاوہ ایجاب وقبول یا کلمے وغیرہ نہیں پڑھائے گئے اس موقعہ پر نہ تو میری والدہ اور نہ ہی کوئی گواہ وغیرہ موجود تھے اس کے باوجود محمد ریاض کو ویزا نہ مل سکا میں واپس انگلینڈ آ گئی شرط اور وعدہ کے مطابق انھوں نے فارم ضائع نہیں کیا بلکہ اب اس کو کسی دوسری صورت میں مکمل کر کے پروپیگنڈہ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ میرا نکاح ہو چکا ہے میں اپنے والد صاحب کا بیان حلفی بھی ارسال کر رہی ہوں مندرجہ بالا مسئلہ کے بارے میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائلہ

شمیم اختر ۹۷ ابنگڈن روڈ مڈلز برا کلیولینڈ
"یو کے"

حلف نامہ

منکہ محمد ابراہیم ولد سید محمد، ۹۷ ابنگڈن روڈ مڈلز برا کلیولینڈ "یو کے" کا ہوں میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ کچھ عرصہ پیشتر سائیں منگا خان نے اپنے بھتیجے کے لیے میری لڑکی شمیم اختر کا رشتہ طلب کیا میں نے اس شرط پر ارادہ ظاہر کیا کہ اگر لڑکا اس ملک انگلینڈ میں رہتا ہے تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا کچھ دنوں بعد سائیں منگا خان، محمد ریاض نامی لڑکے کو ساتھ لے کر میرے پاس آیا اور بتایا کہ یہی وہ لڑکا ہے جس کے رشتہ کا ذکر کیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ لڑکا مذکور یہاں برائے سیر و سیاحت اور عزیزان کو ملنے آیا ہوا ہے میں نے اپنی شرط کے مطابق رشتہ دینے میں پس و پیش کیا لیکن مجھے مجبور کیا گیا کہ وہ کوشش کریں گے اگر لڑکے کا ویزا لگ گیا تو ٹھیک ہے پھر انھوں نے کاغذات تیار کرنے کی کوشش شروع کر دی اور کیس برٹش ایمبیسی اسلام آباد پاکستان داخل کرانے کے لیے لڑکا پاکستان چلا گیا وہاں سے لڑکے کے سرپرستوں نے اصرار کیا کہ اگر لڑکی پاکستان آ جائے ویزا لگنے میں آسانی رہے گی ان کے کہنے پر میں شرط مذکورہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ لڑکی پاکستان بھیج دی لیکن اس کے باوجود لڑکے کو ویزا نہ مل سکا لڑکی اپنی والدہ کے ہمراہ واپس انگلینڈ آ گئی قریباً تین ماہ کے بعد سائیں منگا خان چند آدمیوں کے ہمراہ میرے گھر آیا اور بتایا کہ لڑکی کا نکاح پاکستان میں محمد ریاض کے ساتھ ہو چکا ہے لہٰذا لڑکی کی رخصتی کر دی جائے یا ہمارا خرچہ ادا کیا جائے اس وقت میں نے اپنی لڑکی سے نکاح کی بابت دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ نکاح نہیں ہوا تھا البتہ مجھ سے ایک فارم پر دستخط لیے گئے

اور بتایا گیا کہ یہ فارم پُری محض برٹش ایمبیسی میں دکھانے کے لیے ہے تاکہ ویزا لگ جائے اگر ویزا نہ ملا تو یہ فارم ختم کر دیا جائے گا چنانچہ ان تمام کاوشوں کے باوجود لڑکے کو ویزا نہ مل سکا اور حسب وعدہ وہ فارم ضائع بھی نہ کیا گیا بلکہ اس کے ذریعہ نکاح ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے مسئلہ مذکورہ کے بارے میں فتویٰ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

آج مورخہ ۱۲ / نومبر ۱۹۸۸ء

محمد ابراہیم ۹۷ مڈلز برا "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

مذہب اسلام میں نکاح تب ہوتا ہے جب مرد اور عورت کے درمیان ایجاب و قبول ہو اس لیے کہ ایجاب[1] و قبول نکاح کے رکن ہیں ان کے سوا نکاح منعقد نہیں ہوتا فقہاء اسلام فرماتے ہیں النكاح ينعقد بالايجاب و القبول۔ کہ نکاح کا ہونا ایجاب و قبول سے ہوتا ہے واما ركنه فالايجاب والقبول کہ ایجاب و قبول نکاح کے رکن ہیں۔ (ہدایہ صفحہ ۳۰۶، قدوری صفحہ ۱۳۲، در مختار صفحہ ۲۳۳ ج ۳، رد المحتار صفحہ ۲۲۲ ج ۳، کنز صفحہ ۲۷۶، معدن الحقائق صفحہ ۲۶۹

[1] ایجاب شرع میں وہ لفظ ہے جو عاقدین مرد اور عورت میں سب سے پہلے کہے اس کا نام ایجاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ پہل کرنے والے کی یہ پیش کش مخاطب کے اوپر ہاں یا نہیں میں عرفی جواب کو لازم کر دیتی ہے ایجاب و قبول کے لیے عاقدین جو لفظ استعمال کریں گے ان کو شرع نے بمنزلہ مادہ کے قرار دیا ہے اور ان کے الفاظ سے جو ان کا باہم ربط نکاح کی صورت میں قائم ہوا وہ گویا کہ نکاح کی شکل و صورت قرار پائی اور یہ مادہ اور نکاح کی شکل و صورت مل کر وہ جوہر تیار ہوا جو ان کے جنسی تعلق کو جائز قرار دیتا ہے اور صورت نکاح جب ختم ہو جاتی ہے تو وہ جوہر نکاح جنسی تعلق کا اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے (اسلامی قانون صفحہ ۲۹ مفتی غلام سرور)

فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۷۰، فتاویٰ جماعتیہ صفحہ ۲۷۲) جیسے کہ نکاح کے لیے ایجاب اور قبول ضروری ہے اسی طرح اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے تو اس کی رضامندی بھی ضروری ہے حدیث پاک میں ہے ولا تنكح البكر حتى تستاذن ابوداؤد صفحہ ۲۸۱، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۷۰) لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا۔ (فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۸۷ ج ۲) کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے سوا نہ کیا جائے اور نکاح میں شہادت اور گواہوں کی موجودگی بھی شرط ہے ہدایہ میں ہے ان الشهادة شرط في باب النكاح۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے منها الشهادة عندنا کہ گواہوں کی موجودگی جواز نکاح کے لیے شرط ہے اور بدائع میں ہے کہ چونکہ شہادت ارکان عقد کے شرائط سے ہے اور نکاح کے رکن ایجاب اور قبول ہیں اور قبول کے بغیر نکاح کے ایک رکن کا وجود نہیں ہے پس جس طرح بغیر قبول کے حقیقتاً عقد اور نکاح کا ایک رکن موجود نہیں ہوتا اسی طرح شرعاً بغیر شہادت کے اس رکن کا کوئی وجود نہیں ہوتا لہٰذا نکاح تب ہوگا جبکہ دو گواہ بوقت نکاح موجود ہوں اس سے ظاہر ہے کہ نکاح ہونے کے لیے مرد اور عورت کے مابین ایجاب اور قبول ہونا اور عاقلہ بالغہ لڑکی کی اجازت اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب شمیم اختر دختر محمد ابراہیم نے محمد ریاض کے لیے بحیثیت خاوند کے نکاح کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی شمیم اختر سے اجازت لی گئی اور نہ ہی ایجاب و قبول ہوا اور نہ ہی نکاح کے منعقد ہونے کے کوئی گواہ ہیں تو اندریں صورت ہرگز نکاح نہ ہوا۔ غرضیکہ نکاح کا ہونا ایجاب اور قبول پر موقوف ہے اگر لڑکی کی طرف سے قبول نہ ہو تو نکاح نہیں ہوگا جب صورت واقعہ یہ ہے کہ شمیم اختر

عاقلہ بالغہ ہے اور شمیم سے محمد ریاض کے لیے نہ کسی قریبی اور بعیدی رشتہ دار
اور نہ ہی کسی اجنبی نے نکاح کے لیے اجازت لی ہے اور نہ ہی اس نے
اجازت دی ہے اور نہ ہی شمیم اختر نے محمد ریاض کو بحیثیت خاوند قبول
کیا ہے اور نہ ہی بقول شمیم اختر کوئی گواہ ہے اور جن کاغذوں پر دستخط
کیے گئے وہ اس کو امیگریشن کے کاغذ بتائے گئے اور اس کو یہ نہ بتایا
گیا کہ نکاح کے کاغذ ہیں اور شمیم اختر نے امیگریشن کے کاغذ ہی تصور
کرتے ہوئے دستخط کیے تو اس صورت میں شمیم اختر کا محمد ریاض کے
ساتھ ہرگز نکاح نہ ہوا اب شمیم اختر اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے
شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ملا برطانیہ
۱۰/ نومبر ۱۹۸۹ء

الاستفتاء (۷۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد یوسف ولد جان محمد خان ساکن میرپور آزاد کشمیر کا نکاح خالدہ بیگم دختر نثار احمد خان ساکن میرپور آزاد کشمیر کے ساتھ بتاریخ $\frac{16}{7-69}$ ۱۶ کو ہوا تھا۔ تقریباً دو ہفتے خالدہ بیگم اپنے خاوند محمد یوسف کے ساتھ رہی پھر وہ اپنے میکے چلی گئی تقریباً ۴ ہفتے کے بعد جولائی کے مہینے میں خالدہ بیگم کا نکاح اس کے والد نثار احمد خان نے ایک اور جگہ محمود نامی کے ساتھ جو ضلع گوجر خان کا رہنے والا ہے کے ساتھ کر دیا محمود، خالدہ بیگم کو لے کر

برطانیہ چلا آیا اور اس کو اپنے گھر رکھا ہوا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا محمود کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا یا نہ کیا محمود اس کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر رکھ سکتا ہے یا نہ اور محمد یوسف کے پاس نکاح نامہ بھی ہے جو رجسٹرڈ شدہ ہے گواہوں کے نام نکاح خواں کا نام اور تمام دستخط اس میں بھی موجود ہیں وہ ساتھ ہی منسلک ہے ہمیں شرعی فتویٰ دیا جائے

سائل
محمد افضل خان "ریلوے"

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ خالدہ بیگم کا نکاح جو پہلے محمد یوسف کے ساتھ ہوا ہے وہ بحال سابق قائم ہے اور محمود کے ساتھ جو دوسرا نکاح ہوا ہے وہ نکاح پر نکاح ہے جو کہ صحیح نہیں بلکہ بنیادی طور پر ہوا ہی نہیں ہے قرآن پاک میں ہے والمحصنت من النساء (پ۵) کہ حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں یعنی جن عورتوں کے پہلے نکاح ہو چکے ہیں اور ان کے خاوند موجود ہیں وہ دوسرے مردوں کے لیے حرام ہیں ان کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا جب خالدہ بیگم کا شرعی طور پر نکاح محمد یوسف کے ساتھ ہو چکا ہے اور یہ محمد یوسف کی شرعی بیوی ہے محمد یوسف سے بلا طلاق لیے محمود کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ جو کیا گیا ہے وہ شرعاً باطل ہے نکاح نہیں ہوا اگر محمود کو علم تھا کہ یہ محمد یوسف کی بیوی ہے تو پھر محمود کا نکاح پر نکاح کرنا ایک نہایت قبیح فعل اور سنگین جرم ہے حدیث پاک میں ہے لیس منا من خبب

امراة علی زوجها کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کو اس کے خاوند سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں ہے فتاوی رضویہ میں ہے کہ جب کسی کی عورت کو اس کے خاوند سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو معاذاللہ عورت کو خاوند سے جدا کر کے آدمی کا اس کو اپنے نکاح میں لینا کتنا شدید و خبیث ظلم ہے کہ دوسرے کی بیوی کو بلا طلاق لیے اپنی ناجائز بیوی بنانا یہ نکاح نہیں ہے بلکہ زنا ہے قال اللہ تعالیٰ و المحصنٰت من النساء۔ کہ شادی شدہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے فتاوی رشیدیہ ص۵۱۶ میں ہے اگر کسی نے غیر کی بیوی سے نکاح کر لیا تو پہلا نکاح صحیح ہے دوسرا نکاح پر جو نکاح کیا گیا ہے وہ باطل ہے اور زنا ہے۔

لا عدة لو تزوج امراة الغیر و وطیها عالما بذلك و منها یحد مع العلم بالحرمة و انه زنا والمزنی بها لا تحرم علی زوجها۔ رد المختار میں ہے اما نکاح منکوحة الغیر و معدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا کہ دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اگر کسی نے کیا تو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا جب خالدہ بیگم کا نکاح محمود کے ساتھ شرعاً منعقد نہیں ہوا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے سے جدا کر دے اور عورت پر فرض ہے کہ وہ اس مرد سے جدا ہو جائے اور اپنے خاوند محمد یوسف کے پاس آئے کیونکہ یہ عورت بدستور سابق محمد یوسف کے نکاح میں ہے اور محمود کے لیے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو اپنی ناجائز بیوی

بنا کر رکھے خالدہ بیگم اور محمود کو خدا تعالیٰ کے غضب و قہر سے ڈرنا چاہیئے اور اس گناہ کبیرہ سے باز آنا چاہیئے اور فوراً جدا ہو جانا چاہیئے اگر یہ دونوں جدا نہیں ہوتے تو دیگر مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے قطع تعلقات کر لیں اور ان کو اپنی برادری سے خارج کر دیں اور ان سے سلام و کلام ترک کر دیں نہ ان کے پاس بیٹھیں نہ انہیں اپنے پاس بیٹھنے دیں قرآن پاک میں ہے فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین۔ کہ تم ظالموں کے پاس ہرگز نہ بیٹھو اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ دوسرے مسلمان کی بیوی کو انسان اپنی ناجائز بیوی بنا کر گھر رکھے ہر صورت میں محمود کو چاہیئے کہ وہ خالدہ بیگم کو علیحدہ کر دے اور اس گناہ کبیرہ سے توبہ کرے بلکہ خالدہ بیگم کے والد اور نکاح خواں اور جو لوگ بطور گواہ اس ناجائز نکاح میں شریک ہوئے ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ علی الاعلان کریں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں اور محمود پر لازم ہے کہ وہ خالدہ بیگم کو اپنے گھر سے نکال دے اور خالدہ بیگم پر لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے خاوند محمد یوسف کے ہاں آباد ہو اگر اس کے ہاں آباد نہیں ہونا چاہتی تو اس سے طلاق حاصل کرے یا محمد یوسف سے خلع کرے بعد از خلع وغیرہ اور انقضائے عدت کے محمود کے ساتھ نکاح کرے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول۔
۱۳/ فروری ۱۹۸۶ء

کتابُ الطّلاق

﴿۵۷﴾ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ خالد نے اپنے سسر کے ساتھ اپنی منکوحہ یعنی کہ اپنی بیوی سکینہ بی بی کی موجودگی میں جھگڑا شروع کر دیا میرے والد کے ساتھ جھگڑتے جھگڑتے خالد نے یہ الفاظ مجھے کہے کہ تم کو میری طرف سے طلاق ہے، میری طرف سے طلاق ہے، میری طرف سے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، میرے والد صاحب کے علاوہ باقی گواہ ایک میری بہن اور ایک دوسرا آدمی تھا میں گزارش کرتی ہوں کہ علمائے دین شریعت کی رو سے مسئلہ پر غور کریں اور فتوے صادر فرمایا جائے۔

دستخط بقلم خود سکینہ بی بی
مڈلز برو۔ یو کے"

(خالد کا بیان)

جب سکینہ بی بی نے یہ استفتاء میرے پاس (بحیثیت مفتی اسلام) پیش کیا اور مجھ سے جواب اور فتویٰ چاہا تو اس کے خاوند (خالد) نے طلاق دینے کا انکار کرتے ہوئے درج ذیل بیان دیا جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا یہ واقعہ یوں ہوا ہے کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان اتوار کے دن جو جھگڑا ہوا میں گھر سے باہر نکلا اور اپنی گاڑی میں بیٹھنے والا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ میری

چابیاں دوسرے کوٹ میں رہ گئی ہیں تو میں نے واپس جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اس طرح میں نے کئی مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا مگر دروازہ نہیں کھولا آخر کار جب دروازہ کھولا تو میں اس وقت غصہ میں تھا اور جا کر اپنی بیوی کو طمانچہ مارا اس لیے کہ تم نے دروازہ اتنی دیر لگا کر کیوں کھولا تو وہ بولی کہ میں ٹائلیٹ میں گئی ہوئی تھی اور پھر میں چابیاں کوٹ کی جیب سے نکال کر باہر آ گیا میں باہر آ کر دیکھتا ہوں کہ دو مرد اور خالہ کار میں آ رہے ہیں تو میں رک گیا اور دروازہ کھولا تاکہ وہ اندر آ سکیں اور پھر وہ اندر آ گئے اور ہم السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے اب میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا تو پہلے ہی ہو چکا تھا ہم خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بھی کچھ خاص بات نہیں کی ان کو معلوم ہو گیا کہ ہم کچھ آپس میں بولے ہوئے ہیں آخر وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر کہنے لگے کہ ہم چلتے ہیں اور پھر وہ وہاں سے چل دیئے دوسرے دن سوموار کو میں کام پر جایا کرتا تھا اور میری بیوی بھی ایک جگہ سلائی کے کام کرنے پر جایا کرتی تھی میں سات بجے کام شروع کرتا تھا اور میری بیوی نو بجے کام شروع کرتی تھی اور ہم سوموار کی صبح اٹھے اور اس نے ناشتا بنایا اور ہم دونوں نے کھایا اور پھر میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے پاس پیسے ہیں، بس کے لیے اس نے بولا کہ نہیں ہیں تو میں نے اس کو پیسے دیئے اور میں اپنے کام پر چلا گیا میں کام چھ بجے چھوڑا کرتا تھا اور اس کو وہاں سے لے آیا کرتا تھا جہاں وہ کام کرتی تھی تو میں نے ایسا ہی کیا اور شام کو چھ بجے اس کو لینے چلا گیا تو وہاں سے مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ گھر چلی گئی ہے میں نے دل میں سوچا کہ وہ کیوں ایسے ہی وقت سے پہلے ہی اپنے باپ کے گھر چلی گئی بجائے چھ بجے کہ وہ اس کو چار بجے گھر لے گئے پھر وہاں سے میں ان کے گھر گیا اندر گیا تو السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا پھر میں نے

اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ تم آج چھ بجے کی بجائے چار بجے کیوں آگئی تو وہ کہنے لگی کہ کام ختم ہوگیا تھا اس لیے میں آگئی ہوں پاس ہی اس کے والد صاحب بیٹھے تھے وہ کہنے لگے کہ دل ٹھیک ہو تو آدمی کام کر سکتا ہے اگر دل پر بوجھ ہو تو کام نہیں ہو سکتا پھر اس کے والد کہنے لگے کہ تم آپس میں جھگڑتے کیوں ہو، تو میں نے بولا اسی سے پوچھ لو یعنی کہ میری بیوی سے تو وہ کہنے لگے کہ میں تم سے پوچھتا ہوں میں نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں تو پھر وہ بولے تم اس کو مارتے کیوں رہتے ہو میں نے جواب دیا کہ یہ اپنی غلطیاں پر مار کھاتی ہے اس کے بعد انہوں نے مجھے ایک گالی دی، اور پھر کہا کہ تم اگر ٹھیک ہوتے تو تمہیں تمہارا باپ اپنے گھر سے الگ نہ کرتا یہاں پر مجھ کو غصہ آگیا اور میں نے یہ کہا کہ آپ کی ایک بیٹی گھر پر بیٹھی ہوئی ہے، اب اس کو بھٹانا چاہتے ہیں پھر انہوں نے کہا کہ تم کو اس لیے بیٹی نہیں دی تھی کہ تم اس کو مارتے رہو پھر میں نے کہا کہ اگر آپ کی بیٹی کو ناحق مارتا ہوں تو پھر طلاق لے لو۔ انہوں نے کہا کہ اس کو مارنے کا کوئی حق نہیں ہے، تو میں نے کہا کہ پھر طلاق لے لو، یہ الفاظ میں نے تین چار مرتبہ کہہ دیئے تو پھر انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے طلاق لاؤ۔ تو میں نے کہا کہ ہو جائے گا یہ کہہ کر ہم خاموش ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ کہنے لگے کہ اب تم جا سکتے ہو تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا وہاں پر ایک اور لڑکا بھی موجود تھا اور میری بیوی کی بہن بھی تھی جب میں باہر نکلا وہ لڑکا بھی میرے ساتھ آیا اور مجھ کو اس نے کہا کہ تم اس طرح نہ جاؤ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤ تو میں نے اس کو بولا کہ ٹھیک ہے تم جاؤ اور اس کو لے آؤ اور میں گاڑی سٹارٹ کرتا ہوں پھر وہ اندر گیا تو میری بیوی کے والد صاحب نے کہا کہ میں سکینہ بی بی کو نہ بھیجوں

اور اس کو بولا جب تمہاری اپنی لڑکیاں ہوں گی تو پتہ چلے گا یہ بات اس لڑکے نے آکر مجھ کو بتائی اور کہنے لگا وہ تو اس کو نہیں بھیجنا چاہتے تم جاؤ کل دیکھتے ہیں پھر میں وہاں سے چل دیا۔

دستخط

خالد مڈلز برو "یو کے"

خالد کا حلفیہ بیان

میں گواہوں کے روبرو حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی سکینہ بی بی کو طلاقیں نہیں دیں۔

خالد ، ۴ جنوری ۱۹۸۷ء

گواہ شد — گواہ شد

محمد علی ، مڈلز برو ، "یو کے" — محمد بشیر بھٹی ، مڈلز برو ، "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

میرے پاس خود سکینہ بی بی اور اس کا خاوند خالد مورخہ ۴ جنوری ۱۹۸۷ء کو حاضر ہوئے اور مدعیہ سکینہ بی بی نے طلاق نامہ پیش کیا جس میں وہ مظہر تھی کہ مجھے میرے خاوند نے طلاقیں دے دی ہیں اور اس کے خاوند نے انکار کیا۔ اور اپنا بیان تحریر کر کے پیش کیا جس میں وہ مظہر تھا کہ میں نے طلاقیں نہیں دیں بلکہ میری سسر سے جب گفتگو شروع ہوئی تو میرے سسر نے کہا کہ میں نے بیٹی تمہیں ناحق مارنے کے لیے نہیں دی تھی تو پھر میں نے کہا اگر میں آپ کی بیٹی کو ناحق مارتا ہوں تو پھر طلاق لے لو یہ الفاظ میں نے تین چار مرتبہ کہہ دیئے تھے۔ تو پھر میرے سسر نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر طلاق لاؤ تو

میں نے کہا کہ ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر ہم خاموش ہو گئے، خالد اور سکینہ بی بی کے ساتھ دونوں فریق بھی پیش ہوئے فریقین نے متفقہ طور پر مجھے بحیثیت مفتی اسلام اختیار دیا کہ جو فیصلہ آپ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کے مطابق کریں گے وہ ہمیں منظور ہو گا۔

مدعیہ سکینہ بی بی کا طلاق نامہ، محمد خالد کا بیان انکار و حلفیہ بیان اور فریقین کا باہمی متفق ہو کر شرعی فیصلہ کو تسلیم کرنا ان تمام کو میں نے بغور و فکر ملاحظہ کیا اور فریقین سے تمام حالات جو اس واقعہ سے متعلق تھے دریافت کئے اور خالد سے پوچھا وہ کہنے لگا کہ میں نے ہرگز ہرگز طلاقیں نہیں دیں اور خالد سے حلفیہ بیان بھی لیا مدعیہ سکینہ بی بی کے فریق نے یہ بھی کہا کہ ہم دونوں فریق اس سے پہلے ایک دیوبندی مولوی صاحب کے پاس گئے تھے ان کے سامنے خالد نے طلاقیں دینے کا اقرار کیا ہے بلکہ خود مولوی صاحب مورخہ ۴ جون ۱۹۸۶ء کو بوقت شب بعد از نماز عشاء ۲۱ شیکسپیئر سٹریٹ برمنگھم میں مجھے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ میرے سامنے خالد نے کہا کہ شاید میں نے طلاقیں دی ہوں میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ شاید وائد کا لفظ کیوں استعمال کرتے ہیں صاف صاف خالد کے طلاق دینے کا اقرار بیان کریں اور لکھ کر دیں لیکن وہ کہنے لگے کہ میں لکھ کر نہیں دوں گا پھر میں نے سکینہ بی بی کے فریق کو کہا کہ تم مولوی صاحب کو کہو کہ وہ خالد کے طلاق دینے کا اقرار لکھ کر دیں وہ بھی کہنے لگے کہ ہم کو مولوی صاحب لکھ کر نہیں دیتے دوسری طرف خالد کا فریق تقریباً چار مرتبہ مولوی صاحب کے پاس گیا ان لوگوں نے مولوی صاحب کو کہا کہ اگر تمہارے سامنے خالد نے طلاقیں دینے کا اقرار کیا ہے تو پھر یا خود مفتی صاحب کے سامنے شہادت دیں یا کم از کم لکھ کر ہی دے دیں لیکن مولوی صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ میں نے شہادت دینی ہے اور نہ لکھ کر دینا ہے یہ باتیں مولوی صاحب نے آٹھ نو آدمیوں کے سامنے کہیں اور ان آٹھ نو آدمیوں نے ہمارے سامنے مسجد میں یہ کہا کہ مولوی صاحب اس واقعہ کے متعلق نہ تو خود آکر گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی وہ لکھ کر دیتے ہیں ان تمام حالات اور واقعات کے پیش نظر میں نے شرعی فیصلہ یہ لکھا کہ اندریں صورت طلاقیں واقع نہیں ہوئیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاقیں واقع نہیں ہوئیں کیونکہ طلاق کے وقوع کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ یا تو خاوند خود اقرار کرے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقیں دے دی ہیں اگر خاوند اقرار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہے، اور عورت کہتی ہے کہ مجھے خاوند نے طلاقیں دے دی ہیں تو عورت پر لازم ہے کہ وہ دو عادل، ثقہ، متقی، پرہیزگار گواہ پیش کرے جو شہادت دیں کہ ہماری موجودگی میں خاوند نے اپنی بیوی کو طلاقیں دی ہیں قرآن پاک میں ہے،

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتن ممن ترضون من الشهداء۔

اور بنا لیا کرو دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں

وما سوى ذلك من الحقوق تقبل فيها شهادة رجلين او رجل وامراتين سواء كان الحق مالا او غير مال مثل النكاح والطلاق (ہدایہ، فتح القدیر، جوہرہ، نیرہ، عنایہ قدوری) ولا بد في ذالك كله من العدالة فلا تيه ممن ترضون من الشهداء والمرضى من الشهداء هو العدل۔ اس سے ظاہر ہے کہ طلاق کے ثبوت

کے لیے دو گواہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں اور گواہ بھی عادل ہو
ہوں، متقی اور پرہیزگار ہوں اور سکینہ بی بی نے اپنے طلاق نامہ میں جو گوا
کئے ہیں ان میں ایک سکینہ بی بی کا والد ہے جس کی گواہی اپنی بیٹی کے حق می
قبول نہیں ہے حدیث پاک میں ہے۔ لا تقبل شهادة الولد
لوالد ولا الوالد لولده۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں، ولا
شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا
شهادة الولد لابيه واجداده، لا
تقبل، شهادة الفرع لاصله و بالعكس
(قدوری، توضیح) جب باپ شرعاً گواہ نہ بن سکا تو اب سکینہ بی بی کے پاس صرف
ایک مرد گواہ اور ایک اس کی بہن رہ گئی جو کہ نصاب گواہ سے کم ہیں کیونکہ گواہ دو
مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں یہاں صرف ایک مرد اور ایک عورت
ہے فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۳ میں ہے ایقاع طلاق کا ثبوت دو گواہوں سے
ہوتا ہے ایک گواہ سے اگرچہ عادل ہو، نہیں ہوتا جب کہ سکینہ بی بی دو گواہ
پیش نہیں کر سکی اور اس کا خاوند انکار کرتا ہے تو خاوند سے حلف لیا جائے
گا اور خاوند نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سکینہ بی بی کو طلاقیں نہیں
دیں فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۳ میں ہے اگر دو گواہ نہ ہوں بلکہ ایک گواہ ہو تو اس
گواہ کا اعتبار نہیں ہے پس انکار زوج پر عمل ہوگا یعنی خاوند کی بات معتبر ہوگی
طلاقیں نہ ہوں گی اور خالد نے جو اپنے بیان میں کہا ہے طلاق لے لو۔ طلاق لے
لو، طلاق لے لو، یہ طلاقیں نہیں ہیں بلکہ وعدہ طلاق ہے اور وعدہ طلاق سے طلاق
واقع نہیں ہوتی، فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام لکھتے ہیں ولا يقع باطلقك
کہ اس طرح کہنے سے کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا طلاق واقع نہیں ہوتی اور

میں ہے لو قال بالعربية اطلق لا يكون طلاقاً۔
وئی زبان میں کہا کہ میں طلاق دے دوں گا اس سے طلاق نہیں ہوتی۔
المشتاق ص ۱۲) پھر یہ وعدہ خالد نے اپنی بیوی سے نہیں کیا بلکہ بیوی کے
والد سے کیا ہے جیسے کہ بیان اور درخواست سے واضح ہے جس سے طلاق
کا وقوع اور ثبوت سکینہ کے لیے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ سکینہ بی بی کے
پاس جب دو گواہ نہیں ہیں تو طلاقیں نہ ہوں گی، رہی یہ بات کہ مولوی صاحب
کے پاس خالد نے اقرار کیا ہے بیان بالا مذکور سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب
اقرار طلاق کے گواہ نہیں ہیں اگر مولوی صاحب یا ان کے ساتھ کوئی دوسرا
اقرار طلاق کا گواہ ہوتا تو وہ ضرور گواہی دے دیتے یا لکھ کر دے دیتے جب
وہ نہ شہادت دیتے ہیں اور نہ لکھ کر دیتے ہیں تو وہ گواہ نہیں بن سکتے۔
يجب الاداء بلا طلب الشهادة في حقوق الله
كطلاق امرأة اى بائنا۔ یعنی طلاق کی گواہی دینی
واجب اور ضروری ہے اگرچہ کوئی مطالبہ بھی نہ کرے اشباہ والنظائر میں ہے
طلاق کی شہادت میں دیر کرنا فسق ہے جب ایک آدمی شہادت پر قادر ہے
وہ شہادت نہیں دیتا اس کے بعد اس کی شہادت مردود ہے اشباہ والنظائر میں
ہی ہے۔ تسمع الشهادة بدون الدعوى في الحد
الخالص و في الطلاق والايلاء والظهار۔
فتاویٰ رضویہ میں ہے اگر طلاق مغلظہ تھی یا بائن تھی اور ادائے شہادت
میں کوئی عذر مانع نہیں تھا اور گواہی نہ دی تو گواہی مردود ہے اگر ہنوز تین دن
ہوئے ہوں جب مولوی صاحب نہ گواہی دیتے ہیں اور نہ لکھ کر دیتے ہیں تو پھر
وہ گواہ نہیں ہیں اور ٹیلی فون پر جو انہوں نے بیان دیا تھا اس میں انہوں نے کہا

کہ میرے سامنے خاوند نے کہا کہ شاید میں نے طلاقیں دی ہوں۔ یہ کلام شک والی ہے اور شک سے طلاق واقع نہیں ہوتی صاف صاف اقرار ہونا چاہیے الطلاق فلا یقع بالشک۔ جواہر اخلاطی میں ہے، فلم یکن تحقیقا مع الشک۔ اور اقرار گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاف اور صریح لفظوں میں گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں آدمی نے کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقیں دی ہیں اگر وہ صاف گواہی نہیں دیتے یا گواہی سے منحرف ہوتے ہیں تو ان کی گواہی غیر معتبر اور ان کا گواہ بننا شرعاً صحیح نہیں ہے جب مولوی صاحب لکھ کر نہیں دیتے اور نہ حاضر ہو کر شہادت دیتے ہیں تو پھر وہ اقرار طلاق کے شرعاً گواہ نہیں ہیں جب گواہ نہ ہوں اور مرد طلاق دینے کا انکار کرے تو مرد سے حلف لیا جائے گا اگر وہ حلفاً کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقیں نہیں دی ہیں تو طلاقیں واقع نہ ہوں گی فتاویٰ رضویہ میں ہے اگر خاوند طلاق سے منکر ہو اور دو گواہ عامل قبول شرع نہ نکلیں تو طلاق ثابت نہ ہوگی۔

خاوند کے حلف کے بعد عورت اسے جبراً واپس دلائی جائے گی مرد کی قسم معتبر ہے عورت کی قسم کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ مدعیہ ہے مدعی کا حلف نہیں سنا جاتا اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں اگر گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ سکینہ بی بی کے پاس جب شرعی گواہ نہیں ہیں اور اس کا خاوند طلاق کا انکار کرتا ہے تو خاوند سے حلف لیا جائے گا اور جب صورت مذکورہ میں خالد نے حلف اٹھا لیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سکینہ بی بی کو طلاقیں نہیں دیں تو طلاقیں واقع نہ ہوئیں تو سکینہ بی بی بحال سابق خالد کی بیوی ہے سکینہ بی بی کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنے خاوند (خالد) کے گھر آباد ہو۔

واللہ و رسولہ، اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ع۱۱ ۲۵ر جنوری ۱۹۸۶ء

(۴۳) الاستفتاء

بخدمت سنی، حنفی، شرعی کونسل آف انگلینڈ مؤدبانہ التماس ہے کہ میرا نام نسیم اختر ہے اور میری شادی ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو مجیب خان سے لندن میں ہوئی تھی اس کے بعد ۶ جنوری ۱۹۸۶ء کو مجھے ایک بچی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد مجھے وہ گالیاں دیتا اور مارنا شروع کر دیا تھا اور ہر وقت مجھے یہی کہتا تھا کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا یا اپنے والدین سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ مجھے لے کر دو اور بہت سے لوگوں کے سامنے اس نے مجھے بولا کہ تم میری بیٹی کے برابر ہو جو کہ میرے چند گواہ بھی موجود ہیں اور میں نے انگلش عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا ہوا ہے اور یہ واقعہ ۲۹ر مارچ ۱۹۸۶ء کا تھا جو کہ ہمارا دونوں کا جھگڑا شروع ہوا تھا۔

منجانب نسیم اختر مکان نمبر ۵۸ ڈیلنگٹن ایوینیو، لندن

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
گلاب دین،	محمد سلیم	وحید الرحمان

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب گواہوں کے روبرو مجیب خان نے اپنی بیوی نسیم اختر کو یہ کہا کہ تو میری بیٹی کے برابر ہے تو پھر اس کی بیوی نسیم اختر کو طلاق بائن

ہوگئی جس سے نکاح ختم ہوگیا، طلاق کے ثبوت کے لیے دو گواہ عادل، ثقہ
متقی پرہیزگار یا خود خاوند کا اقرار ہونا چاہیے قرآن پاک میں ہے واستشہدوا
شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل
وامرأتن ممن ترضون من الشہداء - اور بنالیا
کرو دو گواہ اپنے مردوں سے اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ،
فقہائے اسلام لکھتے ہیں ۔ وماسوی ذلک من الحقوق
تقبل فیہا شہادۃ رجلین او رجل وامراتین
سواء کان الحق مالا او غیر مال مثل النکاح والطلاق ۔
(ہدایہ، فتح القدیر، جوہرہ، نیرہ، عنایہ، قدوری، کنز الدقائق) اس سے ظاہر
ہے کہ طلاق کے ثبوت کے لیے دو گواہ ہونے ضروری ہیں جب مجیب خان
نے دو گواہوں کے سامنے نسیم اختر کو کہا کہ تو میری بیٹی کے برابر ہے تو اس
سے طلاق بائن ہوگئی جس سے فوراً نکاح ختم ہوگیا عزیز الفتاوی صـ ۴۹۳ ج ۱ میں
ہے اگر مرد نے کہا کہ تو میری ماں بہن کے برابر ہے تو طلاق ہے چونکہ یہ لفظ کنا
یہ ہے اور کنایات میں دلالت حال میں بلا نیت بھی وقوع طلاق کا حکم ہوتا
ہے ۔ وفی الشامی قولہ لانہ کنایۃ الی ان قال وینبغی
ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان
فی حال المشاجرۃ وذکر الطلاق ۔ چونکہ مجیب
خان نے نسیم اختر کو یہ لفظ کہتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا
جب اس نے بوقت تنازع اور جھگڑا طلاق کا ذکر کیا تھا تو یہ الفاظ کہ نسیم اختر
میری بیٹی کے برابر ہے دلالت حال کی وجہ سے بلا نیت بھی طلاق بائن ہوگی ۔
فتاوی رضویہ میں ہے اگر خاوند نے یہ الفاظ بارادہ طلاق کہے تھے تو ظاہراً

ایک طلاق بائن ہو کر عورت نکاح سے نکل گئی وفی رد المحتار عن العلامۃ
خیر الدین رملی وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا
کان فی حالۃ المشاجرۃ وذکر الطلاق -
(فتاوی رضویہ صـ ۴۲۳) فتاوی عالمگیری میں ہے اما حکمہ فوقوع الفرقۃ
بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن (فتاوی جامعتیہ صـ ۲۸۹)
بہر کیف صورت مسئولہ میں جب گواہوں کے سامنے مجیب خان نے بوقت
جھگڑا اور بوقت ذکر طلاق اپنی بیوی نسیم اختر کو یہ کہا کہ یہ میری بیٹی کے برابر ہے
یا تو میری بیٹی کے برابر ہے تو اس سے طلاق بائن ہوگی جس سے فوراً نکاح ختم
ہوگیا چونکہ یہ طلاق بائن نسیم اختر کو ۲۹ مارچ ۱۹۸۶ء کو ہوئی تھی جس کی عدت
بھی گذر چکی ہے لہٰذا اب نسیم اختر کو شرعاً اجازت ہے کہ وہ اپنی مرضی کے
مطابق جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے ۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب ۔
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۔ ۵ رجون ۱۹۸۶ء ۔

۴۳ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو جو
کہ گاؤں لوہدہ ڈاک خانہ لوہدہ ڈھانگری تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر کی ہے طلاق
دی ہے طلاق نامہ مندرجہ ذیل مذکور ہے ۔

طلاق نامہ

منکہ زید بمقام لوہدہ کلاں پوسٹ آفس ڈھانگری تحصیل وضلع میرپور آزاد
کشمیر پاکستان جو موجود ۱۸۰ سٹیفن روڈ ایسٹ انگلینڈ بقائمی ہوش وحواس
خمسہ اپنی بیوی ہندہ جو کہ گاؤں لوہدہ پوسٹ آفس لوہدہ ڈھانگری تحصیل وضلع

میرپور آزاد کشمیر پاکستان کو بموجودگی دو گواہان طلاق دیتا ہوں مسلم قانون کے مطابق میرا بحیثیت میاں بیوی کوئی حق نہیں ہے اور یہ شادی کرنے کے لیے میری طرف سے آزاد ہے میں گواہان کی موجودگی میں دستخط کرتا ہوں اور واضح کرتا ہوں کہ اس نے کپڑے وغیرہ لے لیے ہیں۔

دستخط

زید ، ۲ر ستمبر ۱۹۷۹ء

گواہ شد

محمد حنیف بمقام گاؤں بوعہ کلاں بموجودہ رہائش ۹۶ سٹیفن روڈ رادھرم

گواہ ۲

شوکت خان ۴۶ ویدرسے روڈ ایسٹ وڈ رادھرم انگلینڈ یہ طلاق ۲ر ستمبر ۱۹۷۹ء کو زید نے دی تھی اب سوال یہ ہے کہ ۱۹۷۹ء میں طلاق ہو چکی ہے تو چار مارچ ۱۹۸۰ء میں ہندہ نے بکر کے ساتھ نکاح کر لیا، کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہوا یا کہ نہیں جبکہ فریق مخالف نے ایک مولوی صاحب سے جو نیو کاسل میں رہتے ہیں فتویٰ لیا ہے کہ بکر کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے وہ صحیح نہیں فریق مخالف کے بعض آدمیوں نے بکر کے والد صاحب کو جب وہ مسجد میں آئے باجماعت نماز ادا کرنے سے منع کیا جناب قبلہ مفتی صاحب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ اندریں صورت طلاق ہوئی یا نہ، نکاح دوسرا صحیح ہوا یا نہ، حاجی صاحب کو مسجد سے نماز پڑھنے سے روکنا جائز ہے کہ نہیں اصل طلاق نامہ کا سرٹیفکیٹ ساتھ منسلک ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں مولوی صاحب کا فتویٰ بھی آپ کی خدمت میں پیش ہے ان تمام مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں فتویٰ دیا جائے۔

سائلین

حاجی کرامت حسین، عبدالغنی سیکریٹری مسجد کمیٹی، حاجی مبارک علی، حاجی محمد بشیر، چوہدری ولایت خان ویڈفورڈ، محمد رزاق نوٹنگھم، حاجی محمد نجیب خان۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ کو دو بائن طلاقیں واقع ہوگئیں اس لیے کہ لفظ "طلاق" سے ایک صریح اور رجعی طلاق ہوئی اور "میرا بحیثیت میاں بیوی کوئی حق نہیں" سے بائن ہوئی اور لفظ آزاد سے بھی بائن، جب پہلی صریح طلاق ہے اور دوسری بائن ہے تو اس بائن سے پہلی صریح بھی بائن ہوگئی، فقہا کرام فرماتے ہیں والبائن یلحق الصریح ولا یلحق البائن البائن۔ کہ بائن صریح کو لاحق ہو جاتی ہے اور بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی جب صورت مذکورہ میں پہلی صریح ہے اور دوسری بائن ہے، تو ہندہ پر دو بائن طلاقیں واقع ہوئیں جن سے بلا تاخیر ہندہ زید کے نکاح سے نکل گئی فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اما حکمہ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذا فی فتح القدیر۔ جب طلاق بائن کا وقوع ہو جائے تو مرد کو کوئی اختیار نہیں رہتا اور نہ ہی رجوع کر سکتا ہے طلاق دینے کے بعد اگر مرد نے انکار بھی کیا تو دو گواہوں سے طلاق کے واقع ہونے کا ثبوت ہوگا جب ہر صورت میں طلاقیں ثابت ہو گئیں تو مولوی صاحب نیو کاسل کا فتویٰ غیر متعلقہ ہوا قضائے قاضی کی بحث و تمحیص کی تب ضرورت تھی جبکہ زید خود طلاقیں نہ دیتا جب زید نے خود طلاقیں دے دی ہیں تو طلاقیں واقع ہوگئیں اگرچہ اسلامی شرعی عدالت بھی نکاح فسخ

کرسکتی ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ نکاح کے فسخ کے لیے جیسے قضاء قاضی شرط ہے اسی طرح خاوند کا عدالت شرعی میں حاضر ہونا بھی شرط ہے اگر عدالت اسلامی شرعی ہو اور خاوند عدالت شرعی میں حاضر ہو تو جج شرعی اور قاضی نکاح فسخ کرسکتے ہیں لیکن صورت مسئولہ میں تو فسخ کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ مرد نے خود طلاقیں دے دی ہیں جیسے کہ طلاق نامہ اور مصدقہ سرٹیفکیٹ اور گواہوں کی شہادت وحلفیہ بیان سے واضح ہے لہٰذا مولوی صاحب موصوف کا فتویٰ غیر متعلقہ ہوا اور طلاقیں واقع ہوگئیں طلاقیں چونکہ ۲ ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہوئیں اور بعد از انقضائے عدت ہندہ نے ۴ مارچ ۱۹۸۱ء میں بکر کے ساتھ نکاح کیا جو کہ شرعاً صحیح ہوا جب نکاح شرعاً صحیح ہے تو پھر بکر پر طعن وتشنیع کرنا یا اس کے والد صاحب پر کوئی معاملہ اٹھانا یا ان کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے روکنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے فتاویٰ رضویہ میں صریح جزئیہ موجود ہے کہ مسجدیں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لیے جانے سے روکے یہ سب ظلم شدید ہے اور بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو جماعت سے علیحدہ کرنا ظلم شدید ہے اس میں حق اللہ تعالیٰ کا بھی مواخذہ ہے اور حق العبد کی بھی گرفتاری توبہ بھی کریں اور ان لوگوں سے جن کو روکا ہے معافی بھی مانگیں اس سے ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی مسجد سے روکنا یا باجماعت نماز پڑھنے سے منع کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے بہرکیف صورت مسئولہ میں ہندہ کو طلاقیں ہوگئیں ہیں اور زید سے اس کا نکاح ختم ہوگیا اور اس نے جو نکاح بعد از انقضاء عدت بکر کے ساتھ کیا ہے وہ شرعاً صحیح ہے اور فریق مخالف نے جو فتویٰ حاصل کیا

ہے وہ اس سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ بکر کے والد صاحب کو مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے سے روکے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ، ۷ اگست ۱۹۸۶ء

(۷۵) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام وعلماء اسلام دریں مسئلہ کہ زید ساکن موضع کس ہاڑاں کنیلی تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر حال مقیم ویکفیلڈ انگلینڈ نے اپنی بیوی ہندہ ساکن ڈھانگری بالا تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر کو دو گواہوں ۱ راجہ نجیب خان ولد محمد خان ۲ برکت خان ولد یوسف خان کی موجودگی میں شرعی اور عدالتی طریقے سے طلاق دے دی، طلاق نامہ میں طلاق دینے کی تاریخ یکم اگست ۱۹۷۹ء درج ہے طلاق کے موقعہ پر گو ہندہ جائے وقوع پر موجود نہ تھی بلکہ اس وقت انگلینڈ میں مقیم تھی۔ لیکن طلاق نامہ کی کاپی اسے بھیج دی گئی اس دوران زید تقریباً چھ سال تک پاکستان میں رہا ہیں اس نے دوسری شادی کرلی اور پھر انگلینڈ مئی ۱۹۸۵ء میں واپس لوٹا یہاں آکر چند ہفتے بعد اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو اپنے ساتھ رکھ لیا لیکن بغیر کسی قسم کی وضاحت کے یا شرعی عذر دور کئے ہوئے۔ ہم نے برادری میں اس مسئلہ کو اٹھایا لیکن ہمارے پاس نہ تو طلاق نامہ یا اس کی کاپی تھی اور نہ ہی موقعہ کا گواہ موجود تھا لہٰذا ہم وقتی طور پر خاموش ہوگئے لیکن ان سے باہمی تعلقات منقطع کرلیے اس واقعہ کے چھ ماہ بعد زید نے پھر اپنی سابقہ بیوی ہندہ کو دوبارہ گھر سے نکال دیا اور ساتھ ہی اسے یہ بھی کہا کہ میں نے تمہیں عرصہ سات سال سے فارغ کیا ہوا ہے۔ اب ہم نے

کوشش کر کے طلاق نامہ کی کاپی حاصل کر لی ہے جس کی نقل اس کے ساتھ منسلک ہے لہٰذا آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ان حالات میں آپ شرعی طور پر فتوے دیں کہ زید اور اس کی سابقہ بیوی ہندہ پر کیا شرعی جرم عائد ہوتا ہے اور ان کی کیا سزا ہونی چاہیئے دوسرے نمبر پر جس کے گھر یہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے تقریباً ۲/۲ ماہ رہے اور اس کو تمام واقعات کا پتہ تھا ہمارے اصرار پر اس نے دونوں کو نکال دیا اس معاونت پر اس پر کیا شرعی جرم عائد ہوتا ہے۔ تیسرے نمبر پر بعض دیگر لوگوں نے بھی ان دونوں کو اپنے گھر میں رکھا اور ان لوگوں کو بھی تمام حالات کا علم تھا ان کو بھی برادری کے اندر آگاہ کیا گیا لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی حتی کہ بعد میں زید نے ہندہ کو دوبارہ گھر سے نکال دیا جولائی ۷۸ء میں زید پاکستان دو ہفتے کے لیے گیا اور وہاں قیام کے دوران ہماری برادری میں رہا اور وہاں ملتا جلتا رہا اور ان کو بھی علم تھا کہ زید ابھی تک شرعی مجرم ہے کیونکہ طلاق نامے کے پورے گواہ پاکستان میں موجود تھے ان لوگوں پر شرعی جرم کیا عائد ہوتا ہے ہماری برادری کے اکثر لوگ اس بارے میں نفرت کا اظہار کرتے رہے ہیں اور اس دوران زید اور اس کے ساتھیوں سے دور ہی رہے اب آئندہ انہیں کیا کرنا چاہیئے امید ہے کہ آپ اپنا فتوٰی صادر فرما کر ہماری اس مشکل کو حل فرمائیں گے اور سابقہ مجرمین کے لیے شرعی حدود کو توڑنے پر ایسی سزا تجویز کریں گے تاکہ دوسرے اس سے عبرت پکڑیں اسلام اور اس کے قوانین اور حدود کو توڑنے کی جرأت نہ کریں۔

سائلین

حاجی محمد اقبال، لونگھ روڈ ۱۰۳ - ڈیوزبری یارک شائر انگلینڈ

ترجمہ طلاق نامہ

منکہ زید بمقام کس ہاڑاں تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر اپنی منکوحہ بیوی مسماۃ ہندہ کو بمقام ڈھانگری بالا تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر بے اسلام کے مطابق آج مورخہ ۱ اگست ۱۹۶۹ء کو تین دفعہ طلاق دیتا ہوں بموجودگی دو گواہوں کے اب یہ میری طرف سے آزاد ہے۔ اور عدت پوری ہونے کے بعد شادی کر سکتی ہے۔

مورخہ یکم اگست ۱۹۶۹ء

دستخط زید

مقام کس ہاڑاں تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر

گواہان

۱۔ دستخط راجہ نجیب خان ولد محمد خان بمقام کس ہاڑاں تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر

۲۔ دستخط برکت خان ولد یوسف خان موضع کس ہاڑاں تحصیل وضلع میرپور آزاد کشمیر

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو تینوں ہی واقع ہو کر اس پر ہندہ مغلظاً حرام ہو گئی تھی جس کو وہ بلا حلالہ کے کسی وجہ سے بھی اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا تھا قرآن پاک میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غیرہ۔ پھر اگر خاوند نے اسے تیسری طلاق دی تو وہ اب وہ عورت اسے

حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے یعنی تین طلاقیں ہونے کے بعد عورت مرد پر قطعاً حرام ہو جاتی ہے حاشیہ جلالین صفحہ ۳۵ میں ہے: والمعنی فان ثبت طلاقها ثلاثا فی مرة او مرات فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره کما اذا قال لها انت طالق ثلاثا وهذا هو المجمع علیه. آیت کریمہ کا معنی یہ ہے اگر تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت ہو جائے خواہ ایک مرتبہ دے جیسے کہ کہے انت طالق ثلاثا یا الگ الگ دے جیسے انت طالق، انت طالق، انت طالق، تو عورت حلال نہ رہے گی اس پر تمام کا اتفاق ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں ان رجلا جاء الی ابن عباس وقال طلقت امراتی الفا فقال تاخذ ثلاثا و دع تسع مائة و سبعة تسعین۔ کہ ایک شخص نے ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تین پکڑ لو (یعنی عورت کو تین ہوئیں) اور نو سو ستانوے چھوڑ دو ایک اور روایت بھی ہے جس کو امام بیہقی نے ہی ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس شخص کو کہا جس نے عورت کو تین طلاقیں دی تھیں حرمت علیک کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہو گئی فقہاء اسلام لکھتے ہیں۔ و ان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة لم تحل له حتی تنکح زوجا نکاحًا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها (قدوری صفحہ ۱۶۱، کنز الدقائق صفحہ ۳۳۵، شرح وقایہ صفحہ ۶۰، ہدایہ صفحہ ۳۹۹ عمدة الرعایہ صفحہ ۶۵ معدن الحقائق صفحہ ۳۳۹) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع الثلاث. (رد المحتار صفحہ ۴۱۹ ج ۲، فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۶۵ ج ۱) جب مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو تین ہی واقع ہوں گی جس کے بعد عورت اس پر حرام ہو جائے گی نکاح ختم ہو جائے گا اس عورت کو یہ مرد اپنے گھر بحیثیت بیوی نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کر سکتا ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جب تین طلاقیں ہو جائیں تو پھر وہ عورت بلا حلالہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی اگر تین طلاقیں دینے کے بعد مرد نے پھر عورت کو گھر رکھ لیا تو مرد زانی ہوا وقد قال رد المحتار وغیره من الاسفار انه زنا اذا علم بالحرمة۔ اس میں برابر ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ ہوں یا متفرق اور رد المحتار میں ہے ای ولو کان تطلیقة الثلاث بلفظ واحد فلا یسقط عنه الحد الا ان ادعی ظن الحل وکذا لو وقع الثلاث متفرقة بالطریق الاولی اذ لم یخالف فیه احد لان القرآن ناطق بانتفاء المحل بعد الثلاثة

اس سے ظاہر ہے کہ جب عورت کو تین طلاقیں دی جائیں تو وہ مرد پر قطعاً حرام ہو جاتی ہے اس کو سوائے حلالہ کے گھر نہیں رکھ سکتا صورت مسئولہ میں جب زید نے تین طلاقیں دے دی تھیں تو ہندہ اس پر حرام ہو گئی تھی اس کو وہ اپنے گھر بحیثیت بیوی کے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر اس نے اس کو گھر رکھا ہے اور فعل قبیح کا ارتکاب کرتا رہا ہے تو وہ فاسق و فاجر ہوا چونکہ یہ برطانیہ اسلامی ملک نہیں ہے لہٰذا حد و سزا تو یہاں نہیں ہو سکتی البتہ ان پہ فرض ہے کہ وہ توبہ علی الاعلان کریں کہ آئندہ اس فعل قبیح کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ قرآن پاک میں ہے۔ انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء

بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم ـ

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں توبہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو گناہ وکفر اور شرک کو مٹا دیتی ہے اسی طرح جو لوگ زید کی معاونت کرتے رہے کہ ان پر فرض ہے کہ وہ بھی توبہ کریں کیونکہ ظالم اور مجرم کی حمایت کرنا بجائے خود ایک ظلم اور جرم ہے۔ قرآن پاک میں ہے ولا تعاونوا على الاثم والعدوان ۔ اور گناہ اور زیادتی پہ باہم مدد نہ دو اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرء مع من احب به۔ کہ آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الرجل على دين خليله کہ آدمی اپنے خاص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص مجرم کی حمایت کرتا ہے وہ بھی مجرم ہوتا ہے لہٰذا جو لوگ زید کی حمایت کرتے رہے ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ یہ بھی لوگوں کے سامنے توبہ کریں۔ اگر زید اور اس کے حامی توبہ نہیں کرتے تو پھر دوسرے مسلمانوں کو ان سے تعلقات ختم کرلینے چاہئیں فتاوی رضویہ صـ۔۔ میں ہے کہ غیر مسلم حکومت میں ترک تعلقات کے سوا سزا جاری نہیں ہوسکتی اور نہ ہی حد جاری ہوسکتی ہے لہٰذا اسی قدر کریں کہ جب تک وہ مجمع عام میں توبہ نہ کریں اور صاف صاف اس حرکت قبیحہ و شنیعہ سے باز نہ آئیں اس وقت تک مسلمان ان سے ملنا جلنا ان کے پاس بیٹھنا ان کی شادی بیاہت میں شریک ہونا یا اپنی شادی بیاہت میں انہیں شریک کرنا یک قلم چھوڑ دیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب زید نے ہندہ کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس پر ہندہ بالکلیہ حرام ہو گئی تھی اس کو کسی صورت میں حلالہ کے بغیر گھر نہیں رکھ سکتا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کر سکتا تھا اگر زید نے بعد از طلاق ثلاثہ پھر اس کو گھر رکھا اور اس کے ساتھ ناجائز صحبت کرتا رہا تو اس پر اور ہندہ پر اور دیگر تمام معاونوں پر توبہ لازم اور فرض ہے اگر یہ لوگ توبہ نہیں کرتے تو ان سے کلی طور پہ تعلقات ختم کرلیے جائیں اور ان کو برادری سے خارج کردیا جائے۔

والله ورسولہٗ اعلم بالصواب

حررہ مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"

الجواب صحیح،

مفتی گل رحمان صاحب، برمنگھم چارلس روڈ "یوکے"

الاستفتاء (۴۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں میرا نکاح مسٹر عبدالغنی ولد محمد حسین کے ساتھ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۹ء کو جہلم پاکستان میں ہوا تھا اور میں اگست ۱۹۷۲ء میں اس ملک میں آئی تھی میرے خاوند سے میرے تین بچے ہیں مگر کچھ اختلاف کی وجہ سے اکتوبر ۱۹۸۲ء میں میں نے طلاق کے لیے بذریعہ وکیل عدالت سے رجوع کیا اور عرصہ ڈھائی سال سے میرے خاوند کے ساتھ ازدواجی تعلقات نہیں ہیں ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء سے میں کونسل کے مکان میں بچوں کے ساتھ اکیلی رہ رہی ہوں ۲۶ فروری ۱۹۸۷ء کو عدالت کے ذریعہ مجھے طلاق ہوگئی ہے جس کی فوٹو کاپی اس درخواست

کے ساتھ ارسال کر رہی ہوں اس کے علاوہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کا ایک خط میرے خاوند نے لکھ کر نیوکاسل کے لوگوں میں تقسیم کیا اور مختلف جگہوں یعنی پاکستانی اور انڈین دکانوں پر لگایا اور ابھی چند روز قبل نیوکاسل مسجد میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ پر تمام حاضرین میں اس کی فوٹو کاپیاں تقسیم کیں اس خط کی ایک کاپی بھی ارسال کر رہی ہوں ان واقعات کی روشنی میں آپ بتائیں کہ کیا مجھے شرعی طلاق ہو گئی ہے یا نہیں آپ سے خدا اور اس کے رسول کے نام پر سوال ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کا جواب ارسال کریں۔

سائلہ

جمیلہ بیگم مکان ۴۲ برقد ریلی روڈ نیوکاسل "یوکے"

"مسٹر عبدالغنی کا خط جمیلہ بیگم کے نام"

میں اپنی عورت جمیلہ بیگم کو حسب ذیل وجوہات پر چھوڑتا ہوں عبدالغنی نے اپنے اس خط میں جمیلہ پر نہایت فحش اور گندے الزامات عائد کئے ہیں جو کہ لکھنے کے قابل نہیں ہیں آخر میں لکھتا ہے کہ ان وجوہات پر چھوڑتا ہوں۔

عبدالغنی مکان ۶۶ اولڈرہم روڈ نیوکاسل "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں قطع نظر ان الزامات کے جو مسٹر عبدالغنی نے اپنی سابقہ بیوی جمیلہ بیگم پر لگائے ہیں اپنی تحریر میں دو دفعہ یہ لکھا ہے کہ میں جمیلہ بیگم کو چھوڑتا ہوں ان الفاظ "میں چھوڑتا ہوں" سے دو طلاقیں رجعی واقع ہوئیں، رجعی وہ طلاق ہوتی ہے جس میں خاوند عورت کو عدت کے اندر واپس کر لینے کا حق رکھتا ہے قرآن پاک میں ہے وبعولتهن احق بردهن فی ذالك ان ارادوا اصلاحا ــــ مطلقات رجعیہ کے شوہروں کو عدت کے اندر اندر واپس کر لینے کا حق ہے اگر اصلاح مقصود ہو اگر خاوند عدت کے اندر رجوع نہیں کرتا تو عورت اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے فان انقضاء العدة یجعلها اجنبیه۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب عبدالغنی نے اپنی اس تحریر میں دو دفعہ لکھا ہے کہ میں چھوڑتا ہوں، عرف عام اور رواج میں طلاق میں صریح ہیں جس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے فتاوی عالمگیری میں ہے لو قال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بهشتم ۔ فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفا حتى يكون رجعيا ويقع بدون النية المضارع اذا غلب فى الحال صريح فتاوی رضویہ صــ۲۱۳ میں ہے۔ قلت وصيغة الحال بلساننا علیحده فینبغی ان یقع بها اذا كان صريحا من دون نیته ومنها قوله۔ میں تجھے چھوڑتا ہوں اگر مرد نے عورت کو کہا کہ میں تجھے چھوڑتا ہوں تو یہ الفاظ طلاق میں صریح ہیں اور ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے چونکہ عبدالغنی نے دو مرتبہ جمیلہ کو کہا ہے کہ میں چھوڑتا ہوں لہذا دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی درمختار اور فتاوی بزازیہ میں ہے فان الصريح يلحق الصريح کہ صریح صریح کو لاحق ہوتی ہے جب پہلی صریح ہے اور دوسری بھی صریح ہے۔ تو صریح صریح کو لاحق ہو کر دو طلاقیں رجعی ہو جائیں گی اور طلاق رجعی ہونے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی جب تک عدت نہ گزر جائے اگر عدت گزر جائے اور مرد عدت کے اندر رجوع نہ کرے تو عورت نکاح سے نکل جاتی ہے اور

جب مرد طلاق لکھے یا دے اسی وقت واقع ہوجاتی ہے اور اسی وقت سے عدت بھی شروع ہوجاتی ہے اور جب عدت ختم ہوجائے اور عدت کے اندر اندر مرد رجوع نہ کرے تو عورت نکاح سے نکل جائے گی فتاوٰی قاضی خان میں ہے ان ارسل الطلاق فکما کتب یقع و یلزمہا العدۃ من وقت الکتابۃ

یعنی اگر طلاق لکھ کر بھیجی تو جبھی لکھی اسی وقت واقع ہوگئی اور عدت بھی طلاق لکھنے کے وقت سے شروع ہوجائے گی فقہاء کرام فرماتے ہیں و مبدا العدۃ بعد الطلاق والموت کہ عدت طلاق اور موت کے بعد شروع ہوجاتی ہے (ہدایہ صـ۴۰۵ ، ردالمحتار صـ۲۳۹ ، شرح وقایہ صـ۱۵۰ ، عمدۃ الرعایہ صـ۱۵۰ ، فتاوٰی عالمگیری صـ۱۲۷ ، بحرالرائق صـ۱۴۲ ، فتاوٰی قاضی خان صـ۲۲۶ ، فتح القدیر صـ۱۶۱ ، بدائع صـ۲۰۹ ۔ مبسوط صـ۶۱ ج ۶ ۔

جب آدمی طلاق لکھ کر دے یا زبان سے دے یا خاوند مر جائے تو بلا تاخیر عدت اسی وقت شروع ہوجاتی ہے اگر طلاق رجعی تھی مرد نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا اور عدت گزرگئی تو عورت نکاح سے نکل جائے گی غرضیکہ صورت مسئولہ میں جمیلہ بیگم کو دو طلاقیں ہوگئی ہیں جو کہ رجعی تھیں اور بعد از انقضائے عدت بائن ہوگئیں اگر عبد الغنی عدت کے اندر اندر رجوع کرلیتا تو کرسکتا تھا اور جب عبد الغنی نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا اور طلاقیں مورخہ ۲۵ ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو دی تھیں تو ظاہر ہے کہ عدت بھی گزر چکی ہے تو اب جمیلہ بیگم کو شرعی طور پر اختیار ہے جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب ،

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ ، ۱۸ ر اپریل ۱۹۸۷ء ۔

(۷۷) ۔ الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب اسنی حنفی شرعی کونسل یوکے "السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ میری شادی ۱۵ ، اگست ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی میرا خاوند میرے ابا جان کے ماموں کا لڑکا تھا اس نے سیٹل ہونے کی خاطر شادی کی میں نے پہلے لڑکے کو نہیں دیکھا تھا ۔ ماں سے رشتہ بڑے اچھے طریقہ سے مانگا میری ماں نے ٹکٹ بھیج کر لڑکے کو یہاں بلایا میری ماں نے اسی ہفتے نکاح کردیا کیونکہ ایک گھر میں تھے میرے خاوند کو مجھ سے پیار نہیں تھا بلکہ اس نے انگلینڈ میں سیٹل ہونا تھا اور اس کو میری ماں کی دولت پر نظر تھی ۔ ۳ ماہ کا ویزا ملا اس دوران اس نے چوری کی شراب اور سگریٹ پینا اس کی عادت تھی ، حالانکہ میری خالہ نے میری ماں کو منع کیا تھا کہ اس لڑکے کو وہاں مت بلاؤ یہ لوگ لالچ میں ہیں مگر نکاح تو ہوگیا اس شخص نے میری زندگی خراب کردی تھی چوری کی وجہ سے پولیس نے اسے ڈیپورٹ کردیا تھا اور مجھے بھی ماں نے ساتھ بھیج دیا ۔ پاکستان میں میری ساس اور دیور جیٹھ نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ، گالیاں دیتے تھے اور مجھ سے حق مہر معاف کرا کر کہا کہ اب تجھ کو میری طرف سے طلاق ہے میری طرف سے تم آزاد ہو اپنی ماں کے پاس رہو جس نے مجھے انگلینڈ سیٹل نہیں کرایا تم میرے قابل نہیں ہو اب تمہاری ضرورت نہیں ہے جب میں یہاں برطانیہ آئی تو دوسرے ہفتے خط اس نے لکھا کہ تم کو طلاق دے دی مگر وہ خط ماں نے شرم کے مارے پھاڑ دیا ، کہ پردہ پڑا رہے پھر اس نے ایک خط لکھا جو مفتی صاحب آپ کو بھیج رہی ہوں اس کے بعد خط و کتابت نہیں ہوسکی سنا تھا کہ پیرس (فرانس) جیل

ہیں تھا مگر وہاں گئے تو اس نے ملنے سے انکار کر دیا اب سنا ہے امریکہ میں ہے مگر اس کا مجھے پتہ نہیں ہے میری اور دو بہنیں ہیں جو کہ جوان ہیں میری ماں میرا بیاہنا چاہتی ہے مگر وہ طلاق دے تو دوسرا نکاح ہو، اب اس کا کوئی پتہ نہیں ہے میں اور میری ماں بہت پریشان ہیں کہتے ہیں کہ شادی کی تو گھر میں کیوں رکھا ہے خاوند کے پاس جائے اب میں کہاں جاؤں آپ انصاف کر کے فیصلہ دیں تاکہ کوئی آگے نیک قدم اٹھائیں زمانہ کے لوگ خراب ہیں میری ماں فکر مند ہے خاوند کا کوئی پتہ نہیں ہے مگر سسرال والوں کا پتہ لکھ رہی ہوں۔

منجانب روبینہ مرتضیٰ مکان ۵ بلین ہیم گریس لیوٹن "یو کے"

طاہر منیر کا خط بنام روبینہ مرتضیٰ

روبینہ السلام علیکم آج ہی تمہارا خط ملا پڑھ کر حالات پتہ چلے شکر ہے کہ تم خیریت سے انگلینڈ پہنچ گئی ہو پہلی بات یہ واضح کر دوں کہ یہ میرا آخری خط ہے کیونکہ مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے اس لیے براہ کرم مجھے خط نہ لکھنا اپنی ماں سے کہنا جس دولت کے لیے اس نے مجھ پر الزام لگائے تھے اسی کے ساتھ تمہیں رکھے میری طرف سے اب تم آزاد ہو کیونکہ میں چور ہوں، ڈاکو ہوں اور تمہاری ماں کو میں نے فریب دیا ہے اس لیے ایسے آدمی سے کنارہ کرو۔ جو تمہارا دشمن ہے اور میرا اور تمہارا گزارہ نہیں ہو سکتا کیونکہ کراچی میں آتے وقت تم نے کراچی میں زبیدہ سے کہا کہ اس نے میری ماں کی چوری کی ٹھیک ہے میں چور ہوں اس لیے تم سے علیحدہ ہو رہا ہوں۔

طاہر منیر از راولپنڈی جی ٹی روڈ
پاکستان

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں بقول روبینہ دو طلاقیں بائن واقع ہو گئیں ہیں ایک طلاق صریح لفظ طلاق سے اور دوسری بائن لفظ آزاد سے اور بائن جب صریح کو لاحق ہوتی ہے تو اس صریح کو بھی بائن کر دیتی ہے والبائن یلحق الصریح ولا یلحق البائن۔ (کنز الدقائق) بائن صریح کو لاحق ہوتی ہے اور بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اور لفظ "آزاد ہو" از قسم کنایات ہے اور کنایہ لفظ سے طلاق بائن ہوتی ہے اور اس سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا حالات بتاتے ہوں کہ طلاق مراد ہے جیسے کہ پہلے طلاق کا ذکر ہو یا کنایہ کا لفظ غصہ کی حالت میں بولا اور کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہوتے ہیں در مختار میں ہے۔ والکنایات ثلاث ما یحتمل الردا وما یصلح السب اولا ولا فنحو اخرجی واذھبی یحتمل ردا ونحو خلیة وبریة یصلح سبا ونحو اعتدی انت حرة لا یحتمل السب والرد، مختصر الوقایة میں ہے واما القسم الاخیر وھو ما لا یصلح ردا لا سبا یقع به الطلاق وان لم ینو، واعتقتك مثل انت حرة کما فی الفتح والحالة کما تری حالة الغضب فلا یفھم فی الحکم الا الطلاق رد المحتار میں ہے الحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا والغضب والمذاکرہ والثانی فی حالة الرضا فقط ویقع فی

حالة المذاكرة بلا نية والثالث يتوقف عليها
في حالة الرضا فقط ويقع في حالة الغضب والمذاكرة بلا نية
(در مختار صـ۲۰۱، رد المحتار صـ۳۰۱، فتاویٰ جامعیہ صـ۲۲۶، فتاویٰ رضویہ صـ۵۲۳) بعض
میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے اور بعض میں گالی دینے کا احتمال ہے اور بعض
میں یہ دونوں نہیں ہوتے بلکہ جواب کے لیے یعنی طلب طلاق کے لیے متعین
ہیں اگر رد کرنے کا احتمال ہے تو ہر حالت میں نیت کی ضرورت ہے۔ بغیر نیت
کے طلاق نہیں ہوتی اور جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور
غضب میں نیت پر موقوف ہے اگر طلاق کا پہلے ذکر تھا تو نیت ضروری ہے
اور تیسری صورت یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور
غضب اور مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی
ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ آزاد تیسری قسم میں داخل ہے در مختار میں ہے
انت حرة لا يحتمل السب والرد۔ کہ تو آزاد ہے اس
میں نہ احتمال گالی کا ہے اور نہ ہی رد کا جب یہ (تو آزاد ہے) تیسری قسم
سے ہے تو اس میں اگر پہلے غضب یا ذکر طلاق ہو تو بلا نیت طلاق ہو
جائے گی چونکہ یہ از قسم کنایات ہے لہٰذا طلاق بھی بائن ہوگی گویا کہ رو بینہ
کے قول کے مطابق دو بائن طلاقیں ہوں گی علاوہ ازیں طاہر منیر نے اپنے
خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ تم رو بینہ میری طرف سے آزاد ہو اور اس
سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھے تم سے نفرت ہے اور مجھے آئندہ خط نہ لکھنا
اور اپنی ماں کو یوں کہنا یہ حالت غضب ہے لہٰذا ان الفاظ (تم آزاد ہو) سے
طلاق بائن ہی ہوگی اور فوراً نکاح ختم ہو جائے گا غرضیکہ ہر صورت میں طاہر
منیر اور رو بینہ کا باہمی نکاح ختم ہو گیا ہے رو بینہ بعد از انقضائے عدت

اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء

(۵۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا
تو میری ماں کی مثل ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی مذکورہ صورت
میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار، بینوا وتوجروا۔

محمد بیر ولی مکان ۲۳ چادلوٹ والسل "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جب زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری ماں کے مثل ہے اور طلاق کی
نیت کی ہے تو طلاق بائنہ ہوگی جس سے نکاح ختم ہو گیا فقہاء کرام فرماتے
ہیں ولو قال انت علی مثل امی وان قال اردت الطلاق فهو
طلاق بائن لانه تشبيه بالام في الحرمة فكانه قال
انت علی حرام ونوى الطلاق (هدایه صـ۳۷۱) وان نوى
بانت علی مثل امی طلاقا فكما نوى۔
(عالمگیری صـ۳۴۸) یعنی اگر کہا کہ تو مجھ پہ ماں کی مثل ہے اور نیت طلاق کی کرتا ہے
تو طلاق بائن ہوگی جس سے فوراً نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے
اما حكمه فوقوع الفرقة في البائن كذا في فتح القدير۔

درمختار میں ہے وان نوی بانت علی مثل امی طلاقا صح
نیته و وقع مانواه لانه کنایة

عزیز الفتاوی صد ۵۲۳ میں ہے کہ مثل ماں بہن کہنے میں اگر نیت طلاق ہے تو اس سے ایک طلاق بائنہ ہوگی اس سے ظاہر ہے کہ جب زید نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ تو میری ماں کی مثل ہے اور زید نے اس سے طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن ہوگی جس سے فوراً نکاح ختم ہوگیا عورت بعد از انقضاء عدت جہاں چاہے شرعاً نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۶ ستمبر ۱۹۸۸ء

(۷۹)۔ الاستفتاء

منکہ مسمی زید کہ میرا نکاح مؤرخہ ۹ مارچ ۱۹۸۳ء کو ہندہ کے ساتھ ہوا اور ہندہ انگلینڈ آگئی اور اس کے بعد مجھے انگلینڈ بلایا گیا اور ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں بیمار تھا مجھے چچا صاحب نے کہا کہ ادھر آؤ اور میں گیا تو انہوں نے زبردستی مجھ سے طلاق لکھوائی اور میں رونے لگا تو مجھے اپنی جان کا خطرہ تھا تو جس کی وجہ سے مجھے مجبوری دستخط کرنے پڑے اور میں نے زبانی کچھ نہیں کہا اور اس کے بعد انہوں نے ایک اور کاغذ پر خود لکھا تھا کہ ہندہ اگر انگلینڈ کی اجازت کرا دو تو طلاق ہے اگر نہ کراؤ تو طلاق نہیں ہے اور اس کے درمیان کوئی گواہ نہیں تھا اور پچھلے دو ہفتے میں گیا تو انہوں نے خالی کاغذ پر دستخط کرائے تو میں نے دریافت کیا کہ یہ دستخط کیوں کرائے ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ اس لیے کرائے ہیں کہ تمہارے نام پر درخواست ہوم آفس میں روانہ کرنی ہے۔ باقی مجھ سے خرچہ لیتے تھے میں خرچہ ۱۰ پونڈ فی ہفتہ دیتا رہا ہوں اور آخری خرچہ مؤرخہ ۴ مئی ۱۹۸۸ء کو دیا اور جو حکومت برطانیہ کا خرچہ مجھے ملتا تھا وہ بھی لیتے تھے کہ ہم نے انگلینڈ بلوایا ہے۔ مفتی صاحب مجھے فتویٰ دیا جائے۔

سائل
زید۔ ڈڈلی "یو کے"

حلفیہ بیان

میں زید گواہوں کے روبرو حلفیہ بیان دیتا ہوں جو میں نے درخواست سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے" مفتی صاحب کو دی ہے یہ بالکل صحیح ہے۔

دستخط، زید

گواہ شد
محمد غضنفر

گواہ شد
محمد طاہر

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید کو اس کے چچا نے طلاق لکھنے پر مجبور کیا اور اس نے مجبوراً طلاق لکھ دی اور زبان سے طلاق نہیں دی تو ہندہ کو طلاق واقع نہ ہوئی رد المحتار میں ہے فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأة فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة عند الحاجة ولا حاجة ھھنا (رد المحتار صد ۴۳۲) یعنی اگر کسی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے بالجبر طلاق

لکھ دی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لکھنا الفاظ کے قائم مقام ہوتا ہے اور یہ بوقت ضرورت ہوتا ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے عزیز الفتاوی صہ ۴۹۹ اور فتاوی جامعیہ صہ ۱۱۳ میں ہے کہ کاغذ پر لکھی ہوئی طلاق حالت عدم رضا میں اور انگوٹھا لگوانے سے جبکہ انگوٹھا جبراً لگوایا گیا ہو طلاق واقع نہیں ہوتی، بہار شریعت صہ ۱ میں ہے اگر کسی نے شوہر کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا اس نے لکھ دیا مگر نہ دل میں ارادہ ہے نہ زبان سے طلاق کا لفظ کہا تو طلاق نہ ہوگی مجبوری سے مراد شرعی مجبوری ہے محض کسی کے اصرار کرنے پر لکھ دینا یا بڑا ہے اس کی بات کیسے ٹالی جائے یہ مجبوری نہیں ہے، شرعی مجبوری یہ ہے کہ نقصان کا خطرہ ہو اور جبر کرنے والا اس پر قدرت بھی رکھتا ہو صرف یہ مجبوری مراد نہیں ہے کہ مجھے فلاں دوست نے مجبور کیا تھا یا فلاں آدمی پیچھے پڑا تھا اس نے مجبور کیا ایسی مجبوری سے اگر طلاق لکھ دے گا تو طلاق ہو جائے گی بلکہ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ جبر کرنے والا تکلیف دینے کی طاقت رکھتا ہو اور اس سے نقصان پہنچنے کا خطرہ بھی ہو ایسی صورت میں اگر طلاق بالجبر لکھ دے تو طلاق واقع نہ ہوگی، فتاوی رضویہ صہ ۲۳۴ میں ہے اگر کسی نے جبر و اکراہ سے عورت کو خطرہ میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا اور زبان سے الفاظ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ ہوگی مگر یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ اکراہ اکراہ شرعی ہو کر اس سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو اور جبر کرنے والا ایذا پر قادر ہو، جب شرعی طور پر بالجبر طلاق لکھنے سے واقع نہیں ہوتی اور زید نے زبان سے بھی طلاق نہیں دی اور بقول اس کے اس کو جان کا خطرہ تھا اور اس نے صرف مجبوراً طلاق لکھی تو ہندہ کو طلاق نہ ہوئی اور یہ الفاظ کہ ہندہ اگر انگلینڈ کی اجازت کرا دے تو طلاق ہے اگر نہ کرائے تو طلاق نہیں ہے یہ زید کے الفاظ نہیں ہیں لہٰذا ان الفاظ کا طلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بہر حال جب زید نے زبان سے طلاق نہیں دی اور بامر مجبوری طلاق لکھی تو اندریں صورت طلاق واقع نہ ہوئی جب طلاق نہ ہوئی تو ہندہ بحال سابق زید کی منکوحہ بیوی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۲۹/مئی ۱۹۸۹ء

۸۰- الاستفتاء

بخدمت جناب معزز ارکان سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

السلام علیکم - میرے خاوند نے مجھے تحریری طور پر طلاق رجعی دی تھی دو ماہ سے کچھ اوپر گزرنے کے بعد اس نے بذریعہ خط مجھے آگاہ کیا کہ اس نے طلاق واپس لے لی ہے براہ مہربانی اسلامی شریع کی روشنی میں فیصلہ بتائیں کر کیا دو ماہ گزرنے کے بعد بھی ابھی طلاق رجعی تھی یا بائنہ پڑ چکی تھی اور کیا میرے خاوند کو دو ماہ بعد طلاق واپس لینے کا حق تھا یا اب تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا میں آزاد ہوں خاوند کی دونوں تحریریں ارسال ہیں۔

آپ کی بیٹی ریحانہ ۶ گیڈ مری گرو مانچسٹر "یو کے"

طلاق نامہ

جمعہ ۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو رات کے ۸ بجکر ۱۵ منٹ پر میں نے (محمد عیاض الحسن) اپنی بیوی امتیاز شاہین ریحانہ کو ایک طلاق رجعی دی۔

دستخط

محمد عیاض الحسن

طلاق سے رجوع

محمد عیاض الحسن ، ۱۷ ہارٹن روڈ مانچسٹر "یوکے" بتاریخ ، ۷ ، فروری ۸۷ء

ریحانہ ! احوال یہ ہے کہ میں محمد عیاض الحسن نے تم کو مورخہ ۵ ، دسمبر ۱۹۸۶ء کو ایک طلاق رجعی دی تھی اور تحریر بھی تمہارے حوالے کی تھی اور آج مورخہ ۷ فروری ۱۹۸۷ء یعنی سات فروری کو میں تحریری طور پر تم کو مطلع کرتا ہوں کہ میں تم کو اپنے نکاح میں رکھتا ہوں یہ اسلامی شرع سے میرا حق ہے اور تم ہنوز میری منکوحہ بیوی ہو اور اسلامی شرع کے لحاظ سے تم میری زندگی میں کسی سے نکاح نہیں کر سکتی اگر تم خلع چاہو تو میں سنجیدگی سے اس معاملے میں سوچوں گا لیکن خلع مشروط ہوگا اس کے لیے تم مجھ سے معاملہ بڑھا سکتی ہو اور پھر میں تم پر شرائط ظاہر کروں گا آگے تمہاری مرضی اور یہ بھی میں اپنے طور پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جب تم اپنے طور پر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس وقت تم عدت میں تھیں کیونکہ میں نے تم کو ایک طلاق رجعی دے رکھی تھی اور عدت کی مدت کم از کم ۳ ماہ یا ۳ حیض ختم ہونے تک ہوتی ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم کو باقاعدگی سے حیض آتے ہیں اگر تم ابھی تک مسلمان ہو تو اسلامی شرع کے لحاظ سے تم کی عدت عدت سے پہلے اپنے طور پر میرا گھر کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی تھی اگر تم دین اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی پیرو ہو تو میں اس معاملہ میں ضرور جاننا چاہوں گا اور شریعت اسلامیہ کا عدت کے دوران عورت کا گھر چھوڑنے کے بارے میں کیا حکم ہے اس معاملے میں میرا علم ناقص ہے لیکن بہر طور پر میں اپنے طور پر اس معاملے میں تحقیق کروں گا اور عالموں کی تحریروں اور عالم وقت سے آگاہی حاصل کروں گا اور میں واضح کر دوں کہ بطور مسلمان کے میں اسلامی شریعت اور قانون کی پابندی کروں گا فی الوقت اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ تم کو مطلع کر دوں کہ میں ایک طلاق واپس

لے چکا ہوں اور اب صرف مزید دو کا حق رکھتا ہوں اور تم اس کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں میں جانتا ہوں کہ تم برطانوی معاشرہ کی پروردہ ہو اور اس تہذیب میں مرد اور عورت کے میل جول کی کوئی حد بندی نہیں اور فخریہ بغیر نکاح کے اکٹھے رہتے ہیں ۔ جو کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے ۔ لیکن میں ہر صورت میں اسلامی احکام کی پابندی کروں گا ۔ اور دوران عدت گھر چھوڑنے کے بارے میں علماء سے مشورہ لوں گا ۔

دستخط

محمد عیاض الحسن ، ۷ ، فروری ۱۹۸۷ء

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر عورت کو حیض (ماہواری خون) آتا ہے جیسے کہ خود اس کا خاوند عیاض الحسن مظہر ہے تو پھر عدت تین حیض ہے قرآن پاک میں ہے ۔ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء ، کہ جن عورتوں کو طلاقیں ہو چکی ہیں ان کی عدت تین حیض (ماہواری خون) ہے اگر عورت کہتی ہے کہ میری عدت ! تین حیض ، دو ماہ (۶۰ دن) کے اندر پوری ہو چکی ہے تو عورت کی بات اس کی حلف کے ساتھ شرعاً معتبر ہوگی صورت مسئولہ میں جب محمد عیاض نے ایک طلاق رجعی دی ہے تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ عدت کے اندر رجوع کرتا فقہا کرام فرماتے ہیں ۔ واذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك اولم ترض لقوله تعالیٰ فامسكوهن بمعروف ۔

(ہدایہ صفحہ ۲۹۵) اگر مرد نے طلاق رجعی دی ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ عدت کے اندر رجوع کرلے اگر عدت کے اندر رجوع نہیں کرتا تو بعد از عدت یہی طلاق رجعی بائن ہو جاتی ہے جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۲۶۶) اگر خاوند کہتا ہے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کیا ہے اور عورت کہتی ہے کہ میری عدت دو ماہ کے اندر پوری ہو چکی ہے۔ یعنی تین حیض مکمل ہو چکے ہیں تو پھر رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ رجوع بعد از عدت ہوگا جو کہ غیر معتبر ہے فقہا کرام فرماتے ہیں۔ قالت مضت عدتی والعدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها فاقلها لحرة ستون یوما (ردالمحتار صفحہ ۵۲۲، ہدایہ صفحہ ۴۲۴، فتح القدیر صفحہ ۱۳۱ ج ۳) در مختار میں ہے واقل مدة عدة بحیض شهران۔ فتاویٰ عالمگیر صفحہ ۱۱۱ ج ۲ میں ہے لا تصدق فی اقل من ستین یوما فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ بعد گزرنے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے اگر عورت دعویٰ کرے کہ دو ماہ کے اندر تین حیض گزر چکے ہیں اور عدت ختم ہو گئی ہے تو عورت کا قول بقسم معتبر ہوگا صورت مسئولہ میں اگر ریحانہ کہتی ہے کہ دو ماہ کے اندر میری عدت تین حیض گزر چکی ہے اور یہ حلفیہ کہتی ہے تو ظاہر ہے کہ ریحانہ کا قول شرعاً معتبر ہوگا کیونکہ تین حیض ساٹھ دن کے اندر بھی پورے ہو سکتے ہیں اور صورت مسئولہ میں ۶۲ دن ہوئے ہیں اور جب عدت گزر جائے تو پھر اگر طلاق رجعی ہو تو بعد از عدت یہی طلاق بائنہ ہو جاتی ہے جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے اور مرد بعد از انقضاء عدت رجوع نہیں کر سکتا اگر دو ماہ میں تین حیض نہیں گزرے تو پھر رجوع ٹھیک ہے پہلا نکاح برقرار ہے ریحانہ بحال سابق محمد عیاض الحسن کی منکوحہ بیوی ہے البتہ ریحانہ پر یہ لازم تھا کہ عدت اپنے خاوند کے گھر پر گزارتی جہاں اسے طلاق ہوئی ہے طلاق ہونے کے بعد اپنے خاوند کے گھر سے نکلنا حرام ہے قرآن پاک میں ہے ولا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن۔ کہ ان کو اپنے گھر سے نہ نکالو اور نہ یہ خود نکلیں حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو حکم فرمایا تھا جس کا خاوند قتل ہو گیا تھا اسکنی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجله (درایہ صفحہ ۲۲۹) کہ تو اپنے گھر میں ٹھہر یہاں تک کہ عدت گزر جائے ہدایہ صفحہ ۴۲۸ میں ہے ولا یجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بیتها۔

فتاویٰ جامعیہ صفحہ ۱۰۱ ج ۲ میں ہے اگر عورت بوقت طلاق خاوند کے گھر تھی تو اس پر لازم ہے کہ وہ عدت بھی وہیں گزارے غرضیکہ صورت مذکورہ میں ریحانہ کو اگر دو ماہ کے اندر تین حیض آ چکے ہیں اور اس مدت میں خاوند نے رجوع نہیں کیا تو طلاق بائنہ ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا اگر ریحانہ کی مرضی ہو تو دوبارہ اپنے سابقہ خاوند محمد عیاض الحسن کے ساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے اگر ریحانہ اس کے ساتھ نکاح نہ کرنا چاہے تو پھر اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے اگر دو ماہ کے اندر تین حیض پورے نہیں ہوئے تو پھر بحال سابق یہ محمد عیاض الحسن کی منکوحہ بیوی ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، ۱۴ر جنوری ۱۹۸۶ء

(۹۱) ۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا تھا لیکن پھر اس کو عرصہ ایک سال تک اپنے گھر رکھا اور بیوی کو علم تک نہ ہونے دیا اب سوال یہ ہے کہ طلاقیں دینے

کے بعد کوئی مرد شرعاً عورت کو گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں اگر رکھتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے کیا اس پر کوئی تعزیر لاگو ہوتی ہے یا نہیں شرعی فتویٰ دیا جائے۔

ایک سائل

"توکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصّواب

صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس پر یہ تین طلاقیں واقع ہو کر بیوی مرد پر قطعاً حرام ہو گئی تھی جس کو وہ بغیر حلالہ کرائے کسی وجہ سے بھی اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا تھا قرآن پاک میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس شخص کو کہا جس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی تھیں حرمت علیك کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہو گئی فقہاء کرام فرماتے ہیں وان كان الطلاق ثلاثا فى الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها — (ہدایہ صـ ۳۹۹، شرح وقایہ صـ ۲۷۲، عمدة الرعایہ صـ ۲۷۹، قدوری صـ ۱۷۹، جوہرہ نیرہ صـ ۱۷۹، کنز الدقائق صـ ۲۳۹، معدن الحقائق صـ ۲۳۹، رد المحتار صـ ۴۱۹، فتاویٰ جامعیہ صـ ۴۱۹ ج ۲، فتاویٰ رشیدیہ صـ ۳۶۲، عزیز الفتاویٰ صـ ۵۱۳، فتاویٰ رضویہ صـ ۴۴۰)

اس سے ثابت ہوا کہ جب عورت کو تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی واقع ہو کر یہ عورت مرد پر قطعاً حرام ہو جاتی ہے اس عورت کو بعد از عدت گھر رکھنا عدت میں یا بعد از عدت اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کرنا حرام اور ناجائز ہیں۔ زید کو چاہیئے تھا کہ جب اس نے بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں اس کو مطلع کرتا اور ان کو پوشیدہ نہ کرتا کیونکہ طلاقیں بعد از وقوع حقوق اللہ سے ہو جاتی ہیں جن کا پوشیدہ کرنا سخت گناہ ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ طلاق بعد وقوع یعنی بعد حدوث اس کا ثمرہ کہ حالاً یا مآلاً تحریم فرج ہے اللہ عزوجل کا حق ہے ولہٰذا اس پر ادائے شہادت کے لیے کسی کا مدعی ہونا ضرور نہیں یہاں تک کہ زن و مرد منکر ہوں مگر دو شاہد شرعی شہادت طلاق دیں حکم طلاق دیا جائے گا۔ اور دونوں کے انکار پر اصلاً التفات نہ ہوگا يجب الاداء بلا طلب الشهادة فى حقوق الله تعالى كطلاق امرأة اى بائنا - اس سے ظاہر ہے کہ جب مرد طلاق ثلاثہ دے دے تو پھر طلاق حقوق اللہ میں شمار ہوگی جس کا پوشیدہ کرنا شرعی جرم ہے مرد کو چاہیئے کہ جس وقت طلاق دے اسی وقت ——— اسی وقت عورت کو اطلاع دے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے اگر عورت کو اطلاع نہیں دی اور عورت کو علم نہیں ہوا تو جس تاریخ سے طلاق دی ہے اسی وقت سے طلاق واقع ہو جائے گی عزیز الفتاویٰ صـ ۵۴۹ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہو جاتی ہے جس وقت طلاق دی جائے فتاویٰ رضویہ صـ ۴۶۸ میں ہے جس وقت مرد کے قلم یا زبان سے یہ لفظ نکلے اسی وقت سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی وقت سے عدت کا شمار ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ خط پہنچے یا عورت کو سنایا جائے

اس مرد کا لکھنا یا زبان سے کہنا ہی طلاق کا موجب ہے بھیجنے پہنچنے سنانے پر موقوف نہیں ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ عورت کو اگر طلاق کا علم نہ بھی ہو تب بھی جبھی سے طلاق دی ہے اسی وقت سے طلاق ہو جاتی ہے اور جبھی سے طلاق ہوتی ہے، اسی وقت سے عدت کا شمار ہوتا ہے، فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ متاخرین نے ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ اور تابعین کے خلاف جو فتویٰ دیا ہے کہ وقت اقرار سے عدت معتبر ہوتی ہے وہ وہاں ہے جہاں طلاق پہلے ثابت نہ ہو بلکہ اقرار سے ثابت ہو اگر معلوم ہو جائے کہ اقرار سے پہلے ہی اس نے طلاق دی ہے تو بالاتفاق جب سے طلاق دی ہے اسی وقت سے ہی عدت کا اعتبار ہو گا کیونکہ پھر یہ صورت متاخرین کے فتویٰ سے متعلق نہیں ہے اور صورت مسئولہ میں استفتاء سے ظاہر ہے کہ زید نے پہلے طلاقیں دے دی تھیں لیکن ان کو پوشیدہ رکھا اور عدت بھی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جس تاریخ سے اس نے طلاقیں دی تھیں زید پر لازم تھا کہ طلاقیں دیتے وقت بیوی سے علیحدگی اختیار کر لیتا۔ بیوی کو بعد از عدت گھر رکھنا یا عدت میں یا بعد از عدت اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کرنا زید کے لیے ناجائز تھا اگر عدت میں یا بعد از عدت زید اس بیوی کے ساتھ مباشرت اور صحبت کرتا رہا ہے تو فعل قبیح کا مرتکب ہوتا رہا ہے چونکہ یہ برطانیہ اسلامی ملک نہیں ہے لہٰذا یہاں حد اور تعزیر لاگو تو نہیں ہو سکتی البتہ زید پر فرض ہے کہ وہ توبہ کرے اگر توبہ نہیں کرتا تو دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے ملنا جلنا اس کے پاس بیٹھنا اس کی شادی بیاہ میں شریک ہونا یا اپنی شادی بیاہ میں اس کو شریک کرنا چھوڑ دیں۔
(فتاویٰ رضویہ صـ۷۶)

اس سے ظاہر ہے کہ زید پر توبہ لازم ہے قرآن پاک میں ہے۔ انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم۔ وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں توبہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کو مٹا دیتی ہے چونکہ زید نے تین طلاقیں دینے کے بعد اس عورت کو ایک سال تک اپنے گھر رکھا ہے اگر اس نے عدت میں اور بعد از عدت اس کے ساتھ زوجیت والے تعلقات اور روابط رکھے جو کہ عند الشرع ناجائز تھے وہ توبہ کرے اگر توبہ نہیں کرتا تو دیگر مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس سے تعلقات منقطع کر لیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۱۴/ جون ۱۹۸۸ء

۸۲۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شرع اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی بیوی سے خلع کیا اور زید کی بیوی نے بعد از خلع چار سال سے گزشتہ نفقہ اور خرچہ کا عدالت میں دعوے کر دیا اس کا یہ دعویٰ شرعاً صحیح ہے یا نہ۔

مستجاب
محمد شریف از لندن "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید کی بیوی نے خلع کیا ہے اور اس کے بدلے زید کو خلع میں مال وغیرہ دے چکی ہے تو بعد از خلع گزشتہ چار سال کے نفقہ کا شرعاً دعویٰ نہیں کر سکتی کیونکہ خلع میں شوہر اور بیوی کے حقوق مثلاً نان و نفقہ وغیرہ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں جس کی توضیح یہ ہے کہ خلع یہ ہے کہ عورت کچھ مال وغیرہ دے کر طلاق حاصل کرے مگر اس میں خلع کا لفظ بولنا ضروری ہے مثلاً عورت کہے کہ تو مجھ سے ہزار روپے یا ہزار پونڈ کے عوض خلع کرلے اگر مال کا ذکر کیا خلع کا ذکر نہ کیا تو وہ طلاق بالمال کہلائے گی نہ کہ خلع۔ اور خلع سے طلاق بائن ہوتی ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخلع تطليقة بائنة (درایہ صفحہ ۴۰۴) صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ خلع کنایہ الفاظ سے ہے اگر مال لے کر مرد نے طلاق دی ہے اور خلع کا لفظ نہیں بولا تو پھر بھی طلاق بائن ہو گی و ان طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق۔ یعنی اگر طلاق مال لے کر دی ہے تو طلاق بائن ہو گی کیونکہ عورت مال ہی اس لیے دے رہی ہے کہ مرد سے جدا ہو جائے اور جدائی طلاق بائنہ سے ہوتی ہے گویا کہ خلع اور طلاق بالمال دونوں میں ہی طلاق بائنہ ہوتی ہے البتہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ دونوں میں ہوتا تو معاوضہ ہے اگر معاوضہ باطل ہو جائے تو پھر خلع میں تو طلاق بائن ہو گی اور طلاق بالمال میں طلاق رجعی ہو گی و ان بطل العوض فی الخلع فلا شيء للزوج و الفرقة

بائنة و ان بطل العوض فی الطلاق كان رجعيا (ہدایہ صفحہ ۴۰۵) اور یہ بھی فرق ہے کہ خلع میں اس رقم کے ساتھ جو عورت نے مرد کو دی ہے مہر بھی خود بخود معاف ہوتا ہے اور طلاق بالمال کی صورت میں مہر معاف نہیں ہو گا بلکہ عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے (اسلامی فقہ صفحہ ۴۲۹) جب خلع میں مہر خود بخود ختم ہو جاتا ہے تو گزشتہ سالوں کا نفقہ بھی ختم ہو جائے گا و الخلع يسقط كل حق لكل واحد من الزوجين على الآخر فما يتعلق بالنكاح مثل المهر والنفقة الماضية دون المستقبلة (عینی حاشیہ ہدایہ صفحہ ۴۰۸ عنایہ حاشیہ ہدایہ صفحہ ۴۰۹) عزیز الفتاویٰ صفحہ ۵۲۰ میں ہے کہ خلع کے بعد عورت کا دعویٰ گزشتہ زمانے کے نفقہ کا صحیح نہیں ہے کیونکہ خلع سے گزشتہ نفقہ سب ساقط ہو جاتا ہے البتہ عدت کا نفقہ بدون تصریح کرنے کے ساقط نہیں ہوتا اور عدت کے نفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے اور گزشتہ زمانہ کے حالت نکاح کے نفقہ کا دعویٰ نہیں کر سکتی اس سے ظاہر ہے کہ جب زید نے اپنی بیوی سے خلع کیا ہے اور بیوی نے زید کو خلع میں مال وغیرہ دیا ہے تو خلع ہونے کے ساتھ ہی تمام وہ حقوق جو نکاح سے متعلق ہیں مثلاً مہر نفقہ وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں اب زید کی بیوی گزشتہ چار سالوں کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ شرعاً کسی عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتی ہے ہاں عدت کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اگر اس کے معاف کرنے کی پہلے تصریح نہیں کر چکی اگر عدت کے نفقہ کے متعلق پہلے یہ کہہ چکی ہے کہ میں بعد از خلع اس کا مطالبہ نہیں کروں گی تو پھر اس کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول ، برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۵ ؍ جون ۱۹۸۶ء

(۸۳) - الاستفتاء -

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بوستان خان ساکن سر ہفلا تحصیل ڈڈیال ضلع میرپور نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ وہ میری ماں بہن ہے میں اس کو نہیں رکھوں گا یہ کہہ کر گھر سے چلا گیا دو ہفتے لندن رہ کر پھر پاکستان چلا گیا بوستان خان کہتا ہے غصہ کی حالت میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا لیکن دو آدمی محمد بشیر اور پنجوں خان وہاں موجود تھے ان کی گواہی یہ ہے کہ بوستان خان نے درج بالا لفظ کہے تقریباً دو سال گزر گئے اب بوستان اپنی بیوی سے صلح کرنا چاہتا ہے کیا شرعاً طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں کیا ان الفاظ پہ کوئی کفارہ بھی ہے یا نہیں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بوستان خان کونٹری "یو کے"

محمد بشیر ، پنجوں خان ،

- الجواب هو الموفق للصدق والصواب -

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی ظہار ہوا ہے بلکہ یہ لفظ (میری ماں بہن ہے) بے ہودہ ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو قال لها انت امی لا یکون مظاهرًا وینبغی ان یکون مکروها۔ جوہرہ، نیرہ میں ہے

لان التحریم انما یکون اذا جعلها مثل امه فاما اذا قال انت امی فهو کذب درمختار میں ہے۔ او حذف الکاف لغا۔ و نیز الفتاویٰ میں ہے۔ ولو قال انت امی لا یکون مظاهرا و ینبغی ان یکون مکروها ومثله ان یقول لها یا بنتی او یا اختی و نحوه اگر مرد نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے تو ظہار نہ ہوگا اور یہ لفظ بولنے مکروہ ہیں اور ظہار یعنی عورت کا حرام ہو جانا اس وقت ہوتا جبکہ مرد اس طرح کہتا کہ میری ماں کی مثل ہے جب لفظ مثل نہیں کہا اور صرف یہ کہا کہ تو میری ماں ہے تو یہ لفظ لغو اور بے ہودہ ہے اور جھوٹ ہے اس سے نہ ظہار اور نہ طلاق ہوگی اور بوستان خان کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ میں اس کو نہیں رکھوں گا اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی فتاویٰ رضویہ میں ہے واما قوله میں اس کو نہیں رکھوں گا اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوا کرتی۔ فتح القدیر، بهجة المشتاق اور فتاویٰ جماعتیہ میں ہے کہ وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی صورت مسئولہ میں طلاق وغیرہ نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی کفارہ لازم ہے بحال سابق نکاح برقرار ہے بوستان خان اپنی بیوی کو اپنے گھر آباد رکھے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول۔ برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۲۶ ؍ ستمبر ۱۹۸۵ء

الاستفتاء - ۹۲

بخدمت مفتی صاحب، سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے" عرض ہے کہ میری شادی ایک ایرانی شہری رضا مصطفوی سے ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو ہوئی بعد میں ہمارے اندر اختلافات پیدا ہوگیا اور میرا خاوند اسٹریلیا چلا گیا۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۸۶ء کو اس نے بذریعہ وکیل اسٹریلیا کی فیملی کورٹ میں طلاق کے لیے درخواست دی اور مجھے بھی اطلاع کی میں نے اپنے وکیل سے مشورہ کیا تو میرے وکیل نے کہا کہ اس کو کہو کہ طلاق کے کاغذات یہاں بھیج دے۔ اور ہم یہاں لندن میں کورٹ میں سے طلاق کا فیصلہ لیں گے لہذا اس کے وکیل نے ہمیں لندن میں طلاق کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا جسے میرے وکیل نے لے کر لندن عدالت میں فیصلے کے لیے درخواست دی لندن عدالت نے اس سرٹیفکیٹ اور میرے وکیل کی درخواست پر طلاق کا فیصلہ کر دیا اور طلاق نامہ جاری کر دیا جس کی فوٹو کاپی ساتھ منسلک ہے آپ مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ براہ مہربانی اسلامی طریقے پر بھی فیصلہ صادر فرمادیں۔ کیونکہ طلاق کی پہل میرے خاوند نے کی اب میرے بارے میں فیصلہ فرما کر ممنون فرمادیں۔ نکاح نامہ، طلاق نامہ از عدالت انگلش اور میرے خاوند کے وکیل کی طرف سے طلاق کا سرٹیفکیٹ ارسال خدمت ہے۔

دستخط

رویا یعقوب - لندن "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں رضا مصطفوی نے جو طلاق بذریعہ وکیل اسٹریلیا فیملی کورٹ اپنی بیوی رویا کو دی ہے اس سے رویا پہ طلاق واقع ہوگئی ہے کیونکہ اسلام نے طلاق دینے کا حق مرد کو دیا ہے قرآن پاک میں ہے فطلقوهن لعدتهن تم مرد عورتوں کو طلاق ان کی عدت کے مطابق دو اور قرآن پاک میں ہے فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف ان کو بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو جب طلاق دینے کا حق مرد کو ہے تو مرد جس طرح بھی طلاق دے واقع ہو جائے گی کیونکہ طلاق سے مقصد ہوتا ہے عورت کو حقوق زوجیت[1] سے آزاد کرنا اگر وہ اسلامی طریقہ سے آزاد کرتا ہے تو پھر بھی ٹھیک ہے اگر انگلش یا کسی دیگر عدالت کے ذریعہ طلاق دیتا ہے جس سے طلاق کا مفہوم سمجھا جاتا ہے تو پھر بھی طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کا مفہوم ہے هو رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص هو ما اشتمل على الطلاق وہ دور کرنا قید نکاح کا ہے جو لفظ مخصوص کے ساتھ ہو جو کہ طلاق کے معنی پر مشتمل ہو غرضیکہ رویا کو طلاق ہوگئی ہے اور یہ اب رضا مصطفوی

---

[1] اسی وجہ سے اسلامی شریعت کی زبان میں طلاق کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ طلاق سے مراد وہ علیحدگی ہے جس کا حق مرد کو دیا گیا ہے اور جس کے ذریعے مرد نکاح کے رشتے کو ختم کر کے اپنے حقوق زوجیت سے دست بردار ہوتا ہے (اسلامی قانون ص ۸۱) مفتی غلام رسول۔

کی شرعی بیوی نہیں رہی۔ بعداز انقضائے عدت جہاں چاہے شرعاً نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ لندن
۱۳/ مارچ ۱۹۹۱ء

(۸۵) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب، شرعی کونسل یو کے" میں عطیہ طفیل ۲۷ چارلٹن روڈ مانچسٹر/۱۴ حلفیہ بیان دیتی ہوں جو کہ درج ذیل ہے کہ میری شادی مسمی فیاض احمد رانا سے لاہور (پاکستان) میں ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو ہوئی تھی یہ شادی میرے والدین نے کی تھی بدقسمتی سے بعض اختلافات کی بنا پر شادی ٹوٹ گئی اگست ۱۹۸۹ء میں اس نے ایک بار پھر مجھے مارا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا بعد میں وہ واپس پاکستان چلا گیا اس کے دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۸۹ء میں میری والدہ نے میرے خاوند کے پڑوس میں ٹیلیفون کر کے اس سے بات کرنا چاہی کیونکہ اس کے گھر میں ٹیلیفون نہیں ہے جب وہ ٹیلیفون پر آیا تو میری ماں نے اس سے پوچھا کہ اس صورت حال میں اس کا کیا ارادہ ہے اور اب وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے میری ماں سے کہا کہ وہ یہ شادی جاری نہیں رکھنا چاہتا اور ساتھ ہی کہا کہ عطیہ سے بات کرائیں میں نے ٹیلیفون لیا اور اس سے پوچھا کہ اب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا انگلینڈ واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی شادی قائم رکھنے کا ارادہ ہے اور پھر کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں اس نے یہ تین دفعہ کہا مجھے یہ سن کر سخت دھچکا لگا میرا بھائی نعیم ساتھ کھڑا ہوا تھا اس نے فون میرے ہاتھ سے لیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے تمہاری بہن عطیہ کو طلاق ابھی دے دی ہے اور ٹیلیفون رکھ دیا چونکہ میرے بھائی کے علاوہ اس موقعہ پر اور کوئی مرد گواہ وہاں موجود نہیں تھا لہذا میرے پاس اور کوئی ثبوت نہیں کہ میں کیسے ثابت کروں کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے اب اس نے تحریری طور پر طلاق دینے سے بھی انکار کر دیا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ میری زندگی تباہ کرے کیونکہ اس نے جو کچھ مجھے فون پر کہا اس پر دو گواہ نہیں اس لیے میری بات پر کون یقین کرے گا اور اس کی بات پر ہر کوئی یقین کرے گا میری اس بات پر اللہ تعالےٰ کے علاوہ اور میرے بھائی اور ماں کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے۔ لہذا اسلامی شرع کی روشنی میں میری رہنمائی فرماویں کہ اب میری کیا حیثیت ہے، کیا اب بھی میں اس کی قانونی بیوی ہوں یا نہیں مہربانی فرما کہ میری مدد فرمائیں، اور مجھے اس کربناک حالت سے نجات دلوائیں۔

دستخط
عطیہ طفیل

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب عطیہ طفیل یہ کہتی ہے کہ میرے خاوند فیاض احمد رانا نے مجھے تین دفعہ یہ کہا ہے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں اور فیاض احمد رانا طلاقوں کا انکار نہیں کرتا اگرچہ تحریر نہیں دیتا تو اس سے عطیہ طفیل کو تین طلاقیں ہوگئیں جن سے عطیہ طفیل فیاض احمد رانا کے

لیے حرام ہوگئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے فان طلقها فلا تحل له
من بعد حتی تنکح زوجا غیره۔ پھر اگر
اس کو طلاق دے دی تو اب یہ اسے حلال نہ ہوگی جب تک کسی دوسرے
خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے یعنی تین طلاقیں ہونے کے بعد عورت مرد
پر حرام ہو جاتی ہے یہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی جب
تک کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے فقہاء اسلام فرماتے
ہیں۔ وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة لم تحل له حتی تنکح زوجا
غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها (ہدایہ
ص۳۹۹، شرح وقایہ ص۲۷۸، عمدة الرعایہ ص۲۷۸، قدوری ص۱۷۸، جوہرہ
نیرہ ص۱۷۸، کنز الدقائق ص۲۳۸، معدن الحقائق ص۲۳۸، فتاوی دیوبند
ص۵۱۴، رد المحتار ص۴۱۹۔ فتاوی رضویہ ص۳۴۰، فتاوی جامعہ غنیہ ص۲۹۴ اس
سے ظاہر ہے کہ فیاض احمد رانا نے جب عطیہ طفیل کو تین طلاقیں دی ہیں تو
تین واقع ہو کر عطیہ اس پر حرام ہوگئی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ طلاقیں
لکھ کر ہی دی جائیں بلکہ زبان سے کہہ دینے سے بھی ہو جاتی ہیں کیونکہ حقیقت
میں طلاق کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اگر زبان سے طلاقیں دے دیں تو
طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ وعلی هذا الاصل کل ما یتعلق
بالنطق کالطلاق والعتاق۔ اس سے
ظاہر ہے کہ طلاق کا تعلق زبان سے ہے اگر زبان سے کہہ دیا تو پھر بھی طلاقیں
ہو جائیں گی لکھ کر طلاقیں دینا کوئی ضروری نہیں ہے غرضیکہ جب فیاض احمد
رانا نے عطیہ طفیل کو زبانی طلاقیں دے دی ہیں تو عطیہ کو طلاقیں ہو گئیں
عطیہ اب فیاض احمد کی شرعی بیوی نہیں ہے لہٰذا عطیہ انقضاء عدت کے

بعد جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ لندن "یو کے"

۱۴/ مارچ ۱۹۹۱ء،

(۸۶) الاستفتاء

بخدمت سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے" السلام علیکم کے بعد عرض ہے
کہ میں اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچے ایمان سے جو کچھ درخواست پیش
کر رہی ہوں جو مجھ پر ظلم ہوا یا دھوکا ہوا وہ بیان کر رہی ہوں آپ سے میری
عاجزانہ اپیل ہے یہ سن کر یا پڑھ کر آپ مجھ سے انصاف کریں میں یتیم اور
بے سہارا لڑکی ہوں مجھے یقین ہے آپ میری دکھوں بھری داستان سن کر غور
کریں گے عرض یوں ہے کہ جہاں میری شادی ہوئی میرے سسرال والے
کوئی ہمارے رشتہ دار نہیں تھے اور نہ ہی ان کو ہم پہلے جانتے تھے بس یوں
میں سلائی کا کام کرتی تھی تو میرے سسر انگلینڈ سے گئے ہوئے تھے
تو یہ سلائی کروانے کے لیے ہمارے گھر گئے پھر انہوں نے مجھے دیکھا
تو اسی بہانے آتے جاتے رہے پھر یہ میرا رشتہ مانگنے لگے میرا والد صاحب
تو فوت ہو گئے تھے میری ماں سے یہ رشتہ مانگتے تھے میری بوڑھی ماں
بیوہ بالکل سادہ اور بھولی طبیعت کے ہیں ان کے آگے کافی بیٹھی اور تسلی
کی باتیں کرتے تھے اور ان کی باتوں میں آ کر میری ماں نے ان کے آگے
رشتہ کی ہاں کر دی مگر میری والدہ صاحبہ نے یہ ضرور میرے سسر سے پوچھا
تھا کہ بھائی صاحب آپ کا نہ ماننا لندن آزاد ملک ہے ادھر کے بچے بگڑے
ہوتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ آپ کا بیٹا گوریوں یا جوا یا شراب وغیرہ کا عیب والا

ہو تو بھائی صاحب بتا دیں میری یتیم بچی ہے ہم غریب لوگ ہیں یہ نہ ہو کہ میری بیٹی سے دھوکا ہو تو آگے سے میرے سسر نے جواب دیا کہ بہن میں نے حج کیا ہوا ہے اس مدینے کو مانتے ہیں تو میں اس جگہ کی تسلی دیتا ہوں میرے بیٹے میں کوئی ایسا ویسا عیب نہیں ہے اور میرے کنٹرول میں ہے میری عزت کرتا ہے اور انشاء اللہ یہ آپ کی بیٹی نہیں ہے یہ میری بیٹی ہے اس کو میں باپ کا سایہ دوں گا اسے کوئی پتہ نہیں چلے گا کہ میرا والد نہیں ہے۔ میں باپ کا اسے پیار دوں گا پھر میری ماں نے کہا اگر آپ مدینے والے کی تسلی دے کر رشتہ مانگ رہے ہیں تو ان پر تو میں جان بھی قربان کر دوں گی اور آپ نے میری بیٹی مانگی ہے ٹھیک ہے میری طرف سے آج سے آپ کی بیٹی ہوئی تو پھر میرا سسر کہنے لگا کہ ٹھیک ہے آپ نسرین بیٹی کا فوٹو مجھے دے دیں میں لندن جا کر اپنی بیوی اور بیٹے سے پوچھوں گا کہ تو پھر میں آپ کو بتاؤں گا پھر یہ لندن آیا تو ادھر آ کر اپنی بیوی اور بیٹے سے ساری بات کی اور میری تصویر دکھائی پھر میری ساس نے میری والدہ سے فون پر ہی رشتہ طے کر لیا کہ ٹھیک ہے کہ یہ رشتہ ہمیں بھی قبول ہے اور ہمارے بیٹے کو بھی قبول ہے ہم سب اس رشتے پر رضامند ہیں پھر اسی طرح سے دو ماہ خط آتے جاتے رہے پھر انہوں نے لکھا کہ ہم شادی کی تیاری کر کے ڈیڑھ دو ماہ تک پاکستان آ رہے ہیں آپ بھی نسرین کی شادی کی تیاری کریں ہم پاکستان پہنچتے ہی شادی کر دیں گے پھر ان کے کہنے کے مطابق میری ماں نے شادی کی تیاری کر دی۔ اور یہ لوگ بھی تیاری کر کے پاکستان چلے گئے جب پاکستان پہنچے تو پھر اپنے بیٹے محمد عظیم کو ساتھ لے کر ہمارے گھر گئے شادی سے پہلے اس نے مجھے دیکھا جب مجھے دیکھ آیا تو اس کے والد اور تائی نے لڑکے سے

پوچھا کہ ٹھیک ہے تمہیں رشتہ پسند ہے یا نہیں اس نے کہا مجھے لڑکی بہت پسند ہے آپ شادی کی تاریخ پکی کر دیں پھر انہوں نے یہ بھی بتایا کہ لڑکی والوں کی قوم علوی قریشی ہے اور ان کا پیشہ قصائی ہے اور قصائی شاپ پر جاتا بھی رہتا تھا جب نکاح کا وقت آ گیا میرا نکاح ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ہوا تھا۔ مگر میرے نکاح کے بعد کچھ ہی دن تقریباً پندرہ بیس دن بعد میرے بھائی کی بھی شادی تھی میری ماں نے ان سے کہا کہ میں غریب ہوں اور میرا خاوند سر پر نہیں ہے آپ بھائی صاحب ایسا کریں کہ جب میں اپنے بیٹے کی ڈولی گھر لاؤں گی تو دوسرے دن آپ برات لے کر آ جانا تاکہ میرا ایک خرچہ ہو جائے تو میں اپنی بیٹی رخصت کر دوں گی مگر میری ماں کو ان کے دل کا کیا پتہ تھا یہ کہنے لگے کہ جی نہیں ہمیں تو بہت جلدی ہے ہم نے واپس لندن جانا ہے۔ نسرین کے ساتھ محمد عظیم رہے گا اس کا ویزا کروا کر یہ دونوں اکٹھے لندن جائیں گے لیکن میں جلدی چلا جاؤں گا۔ مگر ہر طرح سے انہوں نے میری ماں کے آگے جھوٹ بول کر انہیں رضامند کیا پھر میری ماں سے کہا کہ اس برات کا خرچہ میں دیتا ہوں آپ اپنی بیٹی جلدی رخصت کر دیں پھر میری ماں نے انہیں جواب دیا ایسا میں ہرگز نہیں کروں گی میں اپنی بیٹی کے لیے ساری زندگی کا طعنہ نہیں بننے دوں گی مجھے قرض بھی اٹھانا پڑا تو میں بیٹی کی برات کا خرچہ خود کروں گی آپ ایسا کریں صرف دس آدمی لے آئیں تو میں بیٹی رخصت کر دوں گی پھر یہ کافی برات لے گئے آپ میری وڈیو فلم دیکھ سکتے ہیں جب شادی کر کے گھر لے آئے پھر انہوں نے جو میرے ساتھ سلوک کیا اب سنئے۔

اس میرے خاوند کے ساتھ سات سوتیلے ماموں ایک سوتیلی نانی اور ایک خالہ یہ سب سوتیلے اس کے نانکے ہیں تین سگے ماموں دو سگیاں خالہ ہیں

سوتیلے پاکستان جو تھے انہوں نے میرا بہت بُرا حشر کیا وہ تو میری ڈولی جاتے ہی نانی کہنے لگی ہم شادی کر کے لے تو آئے ہیں ہم اسے آباد نہیں ہونے دیں گے پھر لڑکے کو بھڑکانے لگے کہ لڑکی تو بوڑھی تمہارے پلے پڑی ہے اس کی عمر چالیس برس ہے دوسرا یہ قصائی گھرانے سے ہے تو تم اس کو چھوڑ دے اسی طرح انہوں نے گھر میں جھگڑا شروع کروا دیا میرے سسرال والوں کو اپنا تو گھر تو تھا نہیں جہاں میری شادی کی وہ ان کے نانکے کا گھر تھا وہی میری ڈولی لے کر گئے اور انہوں نے ہی جھگڑا کروا دیا جب گھر میں یہ ایسی باتیں کرنے لگے تو میں نے نانی ماسی سب ماموں کے پاؤں پکڑے کہ آپ مجھ یتیم پر ایسا ظلم نہ کریں مگر ان کے دل میں ذرا خدا کا خوف نہ آیا آگے سے ہنستے تھے پھر میں نے اپنے خاوند کے پاؤں پکڑے تو آگے سے اس نے مجھے مارا تو دوسرے نانی وغیرہ بیٹھی ہنس رہی تھیں کہنے لگے اس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے میں نے کہا کہ میری ماں بھائی نے ڈولی آپ کے گھر بھیجی ہے میں چاہتی ہوں کہ میرا جنازہ آپ کے گھر سے نکلے مگر انہوں نے میری یہ بات مذاق سمجھی اپنی مرضی کرتے رہے ، میری ماں مجھ سے کافی پوچھتی تھی کہ نسرین تمہاری نئی نئی شادی ہوئی ہے تو تم خوش نظر نہیں آرہی گھر میں اپنے دل کے زخم چھپا کر اپنی ماں کو ہنس کر ٹال دیتی تھی کہ امی آپ وہم نہ کریں میں گھر میں بہت خوش ہوں میرا خاوند بھی مجھ سے بہت اچھا ہے پھر ایک دن میرے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا تو اوپر سے میرا بھائی اور ماں آگئی تو تب انہوں نے میرا حال دیکھا تو تب ان سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے ابھی شادی کو ہوئے دس دن بھی نہیں گزرے آپ گھر میں جھگڑا کیوں کر رہے ہیں میرے بھائی نے اپنے بہنوئی محمد عظیم سے پوچھا کہ میری بہن کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو میری بہن کا قصور بتاؤ

اپنی بہن کو آپ کے سامنے پیش کر رکھ دوں گا۔ آگے سے محمد عظیم نے جواب دیا لڑکی آپ کی بہن کا قصور نہیں ہے میں اس پہ جھوٹا الزام نہیں لگا سکتا بس میری مرضی میں آپ کی بہن کو نہیں رکھوں گا اسے آپ واپس لے جائیں میں اسے طلاق ہی دوں گا پھر انہوں نے مجھے دھکے مار کر باہر نکال دیا۔ پھر میں نے رو کر اپنے خاوند کو اتنا جواب ضرور دیا کہ آپ اگر مجھ بے قصور پہ اتنا ظلم کر رہے ہو یاد رکھو خدا کی لاٹھی بے آواز ہے وہ انصاف ضرور کرے گا تم مرد ہو جو چاہے فیصلہ کر سکتے ہو مگر میری قسمت کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔ میں تو ایک بے بس لڑکی ہوں مگر جب میرے ساتھ ایسا ظلم ہو رہا تھا تو میرے سسر نے بھی کہا کہ تم بہت بُرا سلوک کر رہے ہو آگے سے محمد عظیم نے جواب دیا کہ میں اسے بالکل نہیں رکھوں گا یہ سادہ ماحول کی لڑکی ہے دوسرا اس کی عمر چالیس برس ہے۔

پھر میں اپنے ماں کے گھر اپنے بھائی کی شادی کی سلائی کرنے لگی کیونکہ بھائی کی شادی کے دن نزدیک تھے۔ تو عظیم کا ماموں ہمارے گھر گیا مجھ سے کہنے لگا کہ میں اور محمد عظیم ہم دونوں لاہور سیر کرنے جا رہے ہیں جلدی شام کو واپس آجائیں گے مگر اس کے بعد مجھے محمد عظیم نظر نہیں آئے۔ دھوکا دے کر لندن آئے کافی دن میں ڈھونڈتی رہی ان کے ماموں نانا، نانی سے بھی پوچھتی رہی کہ کدھر گئے ہیں میرے بھائی کی برات کے ساتھ چلیں آگے سے جواب دیتے تھے ہمیں کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ خود ایئرپورٹ پہ چھوڑ کر آئے تھے مگر مجھ سے جھوٹ بولتے رہے پھر مہندی کی رسم کے دن میں اپنے گھر یعنی نانی کے گھر گئی بھائی کی شادی پہ جانے کے لیے تو اندر نانی نے نہیں آنے دیا جو کچھ اندر سے زیور انہیں ملے یہ انہوں نے چوری کر لیے میری جیولری بھی یہ چوری کر کے لے گئی۔

نانی جو تھی۔ پھر کچھ دن میں عظیم کو ڈھونڈتی رہی روتی رہی پھر میں نے اپنی ساس کو لندن فون کیا کہ آپ کا بیٹا تقریباً ایک ہفتہ سے غائب ہے تو تب اس نے بتایا کہ میرا بیٹا میرے پاس پہنچ آیا ہے میں نے کہا کہ اگر بتا کر جاتے تو اچھا تھا تو میری ساس نے مجھے جواب دیا کہ تمہیں بتانا کوئی ضروری تو نہیں تھا ٹھیک ہے میرا بیٹا میرے پاس آگیا ہے تو تم اپنی ماں کے پاس رہو جو عظیم جب لندن آگیا تو میرا سسر پاکستان ہی تھا میرا سسر بھی کہنے لگا کہ آپ مجھے ایک ماہ کی مہلت دیں میں اپنے بیٹے کو سمجھا کر لاؤں گا پھر ایک ماہ کا وعدہ کر کے میرا سسر بھی لندن آگیا مگر ایک ماہ کی بجائے سات ماہ گزر گئے یہ واپس پاکستان نہیں گئے میرا سسر بھی ہم سے دھوکہ دے کر نکل آیا۔ میں اپنے سسر کے آگے بہت عاجز ہو کر بہت روئی کہ اگر آپ کا بیٹا ایسا تھا تو آپ نے مجھے ایک یتیم بے قصور بے سہارا لڑکی کو کیوں اس مصیبت میں ڈالا وہ کہنے لگا کہ بیٹی میں ایک مہینہ تک لندن سے بیٹے کو لے کر آؤں گا یہ بھی جھوٹ بول کر آگیا تھا لیکن پھر میں نے پاکستان سے تین چار دفعہ فون ان کے گھر کیا میں نے محمد عظیم سے فون پر بات کرنے کی بہت کوشش کی آگے سے میری ساس کہہ دیتی تھی کہ محمد عظیم گھر پر نہیں ہے پھر میں اسے پیغام دے دیا کرتی تھی کہ جب گھر آئے تو اسے کہنا اس فون نمبر پر مجھ سے بات کرے مگر انتظار کرتی رہتی تھی پھر تنگ آکر میں نے اپنے بہنوئی یسین نعظیم کو ان کے گھر کا اڈریس دیا یہ ان کے گھر تین چار دفعہ گئے تو آگے میری ساس نے اپنے دروازے میں کھڑے ہو کر کہا کہ وہ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں مکان انہوں نے کہیں اور لیا ہے حالانکہ وہ خود ہی تھی پھر ان کو اندر نہیں جانے دیا مگر ان کی سٹریٹ کے لوگوں کے گھر چلے

گئے ان سے ساری بات کی کہ ہماری بہن سے پاکستان شادی کر کے دھوکا دیکر ادھر آگئے ہیں پھر ان لوگوں نے ان کے حالات بیان کئے کہ یہ اس طرح کا لڑکا ہے کہ گوریوں کے پیچھے بھاگتا ہے دوسرا یہ چوری بھی کرتا ہے اس کے تو حالات ایسے ہیں آپ قسمت کے مارے ان کے آگے کس طرح پھنس گئے ہیں۔ ان کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ پھر دوسری مرتبہ ان کے گھر گئے پھر انہوں نے کہا کہ ہم نسرین کو انگلینڈ بلالیں گے ہم اسے ایک ہفتہ تک کاغذات بھیج دیں گے۔ جھوٹ بول کر ان کو ٹال دیا میرا خاوند ان کے سامنے نہیں ہوا کاغذ تو کیا انہوں نے خیریت کا خط بھی پاکستان نہیں بھیجا نہ ہی انہوں نے مجھے خرچہ بھیجا آج تک تقریباً ڈیڑھ سال میری شادی کو ہو گیا ہے میرے خاوند نے میرے ساتھ کوئی بیوی والا تعلق نہیں رکھا نہ ہی میرے سامنے آیا پھر میرا بہنوئی یسین پاکستان گئے تو انہوں نے مجھے روتے ہوئے دیکھا اور ان کی میں نے منت کی خدا ان کا بھلا کرے انہوں نے مجھے سپانسر لیٹر کاغذ وغیرہ دیئے تو میں ان کے ذریعہ ویزٹر لندن آئی پھر بھی میرے سسرال والوں نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی نہ ہی میرا خاوند مجھے ملا پھر میں نے قانون کا سہارا لینا چاہا کیونکہ لوگ اسے کہتے تھے اگر تم اس لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتے تو تم اسے طلاق دے کر فارغ کر دو تو آگے سے ان کو جواب دیتا تھا کہ طلاق کس بات کی دوں میری شادی ہی نہیں ہوئی اس لیے میرے پاس نکاح نامہ، وڈیو فلم تھی اس ثبوت پہ میں نے آکر کیس کر دیا اب وکیل کو بھی اس نے جواب دیا ہے کہ میری طرف سے پاکستانی اسلامی قانون کے مطابق اس کو طلاق ہے مگر پھر وکیل نے اس سے طلاق کا ثبوت مانگا تو آگے اس نے وکیل کو جواب نہیں دیا اب میری زندگی برباد کرنا

چاہتے ہیں کیا یہ اسلام اجازت دیتا ہے کہ کسی کی بیٹی کی زندگی برباد ہو
در بدر ٹھوکریں کھاتی رہے یہ تو کہتے ہیں کہ ہم طلاق کا ثبوت نہیں دیں گے
زندگی بھر رلاتے رہیں گے۔ تو میری شرعی کونسل آگے اپیل ہے کہ میری درخواست
پر غور کریں میں آپ کو قسم دے کر کہتی ہوں کہ میں ادھر لندن میں بہت مشکل
سے پہنچی ہوں میرے بھائی نے اور ماں نے قرضہ اٹھا کر مجھے اس ملک میں
بھیجا ہے اب آٹھ ماہ ہو گئے ہیں میری ماں دل کی مریض ہے وہ پاکستان
تڑپ رہی ہے کہ میری بیٹی نہ جانے کس طرح ٹھوکریں کھا رہی ہوگی آپ کو
معلوم ہے، بے شک بہن بہنوئی میرے ہیں مگر ماں تو تڑپ رہی ہے
میری بیٹی آباد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی جان چھوڑ رہے ہیں زبانی تو محمد عظیم
کہتا ہے کہ میری طرف سے فارغ ہے مگر طلاق کا ثبوت نہیں دیتا میری
زندگی برباد کرنا چاہتے ہیں۔

دستخط

نسرین

ایڈریس

گلی فورڈ سٹریٹ۔ شیلٹن سٹوک ان ٹرنٹ

سٹاف، ایس ٹی ای پی۔

انگلش وکیل کے خط کا ترجمہ

مسز نسرین مجھے ایک خط مسٹر عظیم کے وکیل سے ملا ہے انہوں نے
مجھے اطلاع دی ہے کہ اس نے پاکستانی قانون کے مطابق تجھے طلاق
دے دی ہے۔

۳۰ نومبر ۱۹۹۱ء

محمد یاسین کا حلفیہ بیان

میں مسمی محمد یاسین حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے محمد عظیم کے گھر سٹاکٹن
ٹیلی فون کیا آگے سے ٹیلی فون محمد عظیم کے والد صاحب نے اٹھایا اور انہوں
نے میرے ساتھ بات کی میں نے کہا آپ نے ہمارے گھر آنا تھا کیوں نہیں آئے
انہوں نے کہا ہم تمہاری انتظار کر رہے ہیں ہمارے پاس یہاں تین گواہ موجود
ہیں اور ہم نے طلاق لکھ کر میز پر رکھی ہوئی ہے اور گواہوں کے سامنے ہے
اس بات پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے ٹیلی فون رکھ دیا۔

دستخط

محمد یسین

عبدالستار کا حلفیہ بیان

میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں محمد یسین کے ساتھ سٹاکٹن گیا اور وہاں
ہم نے محمد عظیم سے ملاقات کی میں نے محمد عظیم سے کہا کہ بھائی ہم اتنے
دور سے تمہارے پاس آئے ہیں تم نسرین کو یا آباد کرو یا فارغ کر دو اس
نے جواب دیا کہ میں تے آباد نہیں کرتی کیونکہ میں نے اسے پاکستان سے
ہی فارغ کر آیا تھا میں نے کہا اگر تم نے اسے پاکستان میں ہی فارغ کر دیا
تھا تو پھر وہ انگلینڈ میں کیوں آئی تو اس نے جواب دیا یہ اس کی مرضی وہ اپنے
رشتہ داروں کے پاس آئی ہے۔ میری طرف سے وہ فارغ ہے اس کا
جواب سن کر میں واپس محمد یاسین کے پاس گیا میری نسرین یا محمد عظیم
کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے میں نے یہ کام صرف خدا کی رضا کے لیے
کیا تھا تاکہ اس بچی کی جان چھوٹ جائے۔

دستخط

عبدالستار

حلفیہ بیان قاری محمد شبیر احمد امام جامع مسجد شیلٹن سٹوک آن ٹرنٹ

میں مسمیٰ قاری محمد شبیر احمد حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے ٹیلیفون پر ارشد محمود سے پاکستان سے شہادت لی ارشد محمود نے حلفیہ بیان دیا کہ مجھے والد نے محمد عظیم اور اس کے والدین کو گھر میں بلا کر استفسار کیا کہ آپ لوگ اسے کو آباد کیوں نہیں کرتے تو محمد عظیم نے جواب دیا کہ قصور نہ لڑکی کا ہے اور نہ اس کے والدین کا میں نے یہ شادی مجبور ہو کر والدین کے کہنے پر کی ہے لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتا لڑکی میری طرف سے فارغ ہے۔

دستخط

قاری محمد بشیر احمد

۹ مارچ ۱۹۹۱ء

نسرین کا حلفیہ بیان روبرو اجلاس شرعی کونسل "ڈیوسے"

میں حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ میں ہر حال اس کے ساتھ آباد ہونے پر تیار تھی محمد عظیم مجھے آباد کرنے پر تیار نہیں تھا ایک دن میں نے اپنے خاوند محمد عظیم کو کچن میں بلا کر اس کے پاؤں پکڑے اور میں نے کہا کہ میرے والد فوت ہو چکے ہیں میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں میں واپس اپنے ماں کے پاس نہیں جانا چاہتی تم جس حال میں مجھے رکھو گے میں رہنے پر تیار ہوں اس نے پاؤں مجھ سے چھڑا کر مجھے ٹھوکر ماری اور کہا کہ میری طرف سے تم فارغ ہو۔

دستخط

نسرین

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب محمد عظیم نے کہا ہے کہ میری بیوی نسرین میری طرف سے فارغ ہے جیسے کہ نسرین کے حلفیہ بیان اور درخواست سے ظاہر ہے انگلش وکیل نے بھی مسز نسرین کو اطلاع دی ہے کہ مسز نسرین تم کو تمہارے محمد عظیم نے پاکستانی قانون کے مطابق طلاق دیدی ہے۔ اور عبد الستار کے بیان اور قاری صاحب کا بیان بھی اس کا مؤید ہے کہ محمد عظیم نے طلاق دی ہے ان تمام حالات، واقعات اور حلفیہ بیانات سے واضح ہے کہ محمد عظیم نے نسرین کو فارغ کر دیا ہے جس سے نسرین کو طلاق بائن ہو گئی ہے اس سے نکاح ختم ہو گیا ہے کیونکہ یہ الفاظ کہ میری طرف سے نسرین فارغ ہے کنایہ ہے فتاویٰ دار العلوم دیوبند صفحہ ۳۴۲ میں ہے کہ الفاظ فارغ سے طلاق بائن ہوتی ہے۔ یہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے فتاویٰ رضویہ صفحہ ۵۴۲ میں ہے کہ ان الفاظ سے کہ فارغتی دیتا ہوں طلاق بائن واقع ہوتی ہے عورت نکاح سے نکل گئی جب یہ الفاظ کنایات ہیں تو ان سے طلاق بائن ہوتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۳۸ اور در مختار صفحہ ۲۷۸ میں ہے

اما حکمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة فى الرجعى وبدونه فى البائن، لانها لا تملك نفسها الا بالبائن.

لہٰذا جب محمد عظیم نے نسرین کو کہا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے اور اس کو فارغ کر دیا ہے تو اس سے نسرین کو طلاق بائن ہو گئی جس سے نکاح ختم ہو گیا اب نسرین اس کی شرعی بیوی نہیں رہی اب یہ بعد از انقضاء

عدت اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔
واللہ ورسولہ، اعلم بالصواب

حررہ مفتی غلام رسول دار العلوم قادریہ جیلانیہ
لندن "یو کے"
۱۳ مارچ ۱۹۹۱ء

علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی، نوٹنگھم "یو کے"
علامہ احمد نثار بیگ صاحب قادری، مانچسٹر، "یو کے"
حافظ علامہ فضل احمد قادری، ڈربی "یو کے"

(۵۰) الاستفتاء

بخدمت سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

السلام علیکم، گزارش ہے میرا نام ریاض اختر والد کا نام عبد الکریم ہے میری شادی لیاقت حسین شاہ ولد ولایت حسین شاہ سے ۱۹۷۷ء میں پورے اسلامی طریقہ سے دونوں طرف کے گواہوں کی موجودگی میں امام مسجد ہینسلو کے ہاتھوں انجام پائی امام مسجد کو میرے شوہر لائے تھے اس وقت میرے شوہر ہینسلو HANSWORTH روڈ ISI RoLLITEI میں رہتے تھے شادی پر میرے شوہر نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ہمیں کہا کہ پہلی بیوی مرگئی ہے شادی کے کچھ دیر بعد مجھ پر اس کے دوست کی فیملی سے اور پاکستان سے خطوط آنے پر انکشاف ہوا کہ ان کے بیوی اور بچے ہیں مجھے بہت پریشانی ہوئی لیکن میں نے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں رکھی حالانکہ وہ پاکستان سے مختلف خطوط آنے پر جھگڑتے تھے کیونکہ ان کی

پاکستان والی بیوی کے رشتہ داروں کا ان پر کافی دباؤ تھا انہوں نے اس کے اپنے رشتہ داروں سے بھی کافی دباؤ ڈلوایا وہ لوگ سٹوک آن ٹرنٹ میں رہتے ہیں انہوں نے بذات خود بھی یہاں آکر بہت ہنگامہ برپا کیا مجھے باہر نکالنے کی کوشش کی اس کی پاکستان والی بیوی بھی یہاں وزیٹر ویزا پر آئی اور ان سب کے ساتھ مجھے باہر نکالنے کی کوشش کی یہ ان کے دباؤ میں تھا لہٰذا اس نے ان کی سکیم کے مطابق سٹوک میں اوپر مکان نیچے دکان خریدی یہ بات ۱۹۸۵ء کی ہے اور مجھ سے آہستہ آہستہ یہ ہینسلو والا مکان فروخت کرادیا اور ۱۴ نومبر کو ۱۹۸۵ء کو مجھے کہا کہ تم کچھ دن کے لیے اپنے عزیزوں کے یہاں ٹھہرو میں پھر آکر تمہیں لے جاؤں گا اس دوران میں نے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق نہیں آئے تو اس نے کہا کہ وہ تو میں وہیں ختم کرآیا تھا۔ اور اس نے اپنا نمبر بدل لیا میں نے دوبارہ اس کی دوست کی بیوی سے نمبر لے کر کوشش کی اس نے دوبارہ نمبر بدل لیا جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ وہاں پاکستان والی بیوی اور بچوں کے ساتھ رہ رہا ہے میری شادی ساڑھے آٹھ سال رہی اور اب علیحدگی کو ۵ سال ہوگئے ہیں میں اسی امید پر اتنا انتظار کیا کہ شاید اس کا ضمیر جاگ جائے اور صلح ہوجائے لیکن ایسا نہ ہوا میں اپنے عزیزوں کے پاس رہ رہی ہوں اب مایوس ہوکر دوسری شادی کا رسک لینے کے لیے طلاق کے لیے رجوع کررہی ہوں آپ برائے مہربانی اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں۔

دستخط
ریاض اختر "یو کے"

گواہوں کے حلفیہ بیان۔

ہم حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ مسمی لیاقت حسین شاہ صاحب نے ہمارے سامنے اس بات کی تصدیق مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۹۰ء کو کی ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ ریاض اختر کو پانچ سال پہلے طلاق دے دی تھی جس وقت وہ اسے رشید کے گھر چھوڑ آئے تھے اس کے بعد انہوں نے اس سے کوئی رابطہ رکھا نہ ہی اسے اپنی بیوی سمجھا انہوں نے یہ بھی کہا کہ ریاض اختر کی طرف سے ان کے ساتھ کئی بار ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر کے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ہر بار یہی کہا کہ وہ اسے چھوڑ چکے ہیں اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

گواہ شد

محمد رزاق سٹوک ان ٹرنٹ

گواہ شد

قاری محمد بشیر احمد سٹوک آن ٹرنٹ امام مسجد اسلامک سنٹر

بیڈ فورڈ روڈ شیلٹن،

۱۵ نومبر ۱۹۹۰ء۔

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب لیاقت حسین شاہ (صاحب) نے دو گواہوں کے سامنے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں نے پانچ سال پہلے اپنی اہلیہ ریاض اختر کو طلاق دے دی تھی جیسے کہ گواہوں کے حلفیہ بیانات سے ظاہر ہے تو ریاض اختر کو اسی وقت طلاق ہو گئی تھی کیونکہ طلاق کے ثبوت کے لیے

ضروری ہے کہ یا تو خاوند خود اقرار کرے کہ میں نے طلاق دی ہے یا دو گواہ گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے طلاق دی ہے یا طلاق دینے کا اقرار کیا ہے فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ تقبل فيها شهادة رجلين اورجل وامراتين سواء كان الحق مالا اوغير مال مثل النكاح والطلاق۔ (ہدایہ ص۱۵۴ قدوری ص۲۱۲، فتاویٰ رشیدیہ ص۳۶۲، مخزن الفتاویٰ ص۱۹، فتاویٰ جماعتیہ ص۳۰۹) جب لیاقت حسین شاہ نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں نے ریاض اختر کو پانچ سال پہلے طلاق دی تھی تو طلاق جس وقت دی تھی اسی وقت ہو گئی تھی چنانچہ فتاویٰ رضویہ ص۵۳۵ میں ہے کہ جس وقت مرد کی زبان سے یا قلم سے طلاق کا لفظ نکلے اسی وقت سے عورت پر طلاق پڑ جاتی ہے اور اسی سے عدت کا شمار ہوتا ہے اور نیز فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جہاں اقرار سے پہلے طلاق کا ثبوت ہو تو وہاں بالاتفاق جس وقت سے طلاق دی ہے اسی وقت سے عدت کا اعتبار ہوتا ہے اور صورت مسئولہ میں لیاقت حسین شاہ کے مصدقہ بیان سے ظاہر ہے کہ اس نے پانچ سال پہلے ریاض اختر کو طلاق دی تھی تو اندریں حالت جس وقت اسی نے طلاق دی تھی اسی وقت سے عدت معتبر سمجھی جائیں گی لہٰذا جیسے کہ ریاض اختر کو طلاق ہو چکی ہے اسی طرح اس کی عدت بھی گزر چکی ہے اب ریاض اختر لیاقت حسین کی شرعی بیوی نہیں ہے لہٰذا ریاض اختر اب مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ لندن" یو کے"

۳۰، نومبر ۱۹۹۰ء

الاستفتاء (۸۸)

بخدمت جناب مفتی صاحب،

السلام علیکم زیادہ آداب بعد عرض خدمت ہے کہ میرا بیٹا جس کی عمر تقریباً تیس ۳۰ برس ہے، شادی شدہ ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں گزارش ہے کہ مجھے بڑی سخت پریشانی ہے کہ پچھلے سال سے میرا بیٹا دماغی توازن میں مبتلا ہے وہ کلیبری ہسپتال میں بھی رہ چکا ہے اور گھر کے تمام افراد سے جھگڑا کر چکا ہے اپنی بہنوں کو بھی مار چکا ہے دروازے اور کھڑکیاں گھر کی بھی نقصان کر چکا ہے اور آخر میں اس نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا ہے مارا بھی ہے اور اسے طلاق، طلاق، طلاق تین دفعہ دہرا کر کہہ چکا ہے جو کہ چند گواہوں کے سامنے کہا ہے اور ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے آپ مہربانی فرما کر ہمیں اس کا حل بتائیں کہ ہم اپنی بیٹی جو کہ ہماری بہو ہے اس کے لیے کیا کریں شریعت کے کیا حقوق ہیں اور ہم کو شرعی فیصلہ دیں۔

از طرف، نور علی ۲۱۰ فارسٹ روڈ والتھم سٹو ای ۱۷ لندن

گواہ شد

محمد شریف خان ۱۷ والپول روڈ ای ۱۷ لندن۔

گواہ شد

کرم حسین ۳۰ ایورسلے روڈ ایسٹ ہیم ای ۴ لندن

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب گواہوں کی گواہی اور ڈاکٹر کی رپورٹ سے ثابت ہے کہ انور علی کا بیٹا پاگل، مجنون اور اس کا دماغ صحیح نہیں ہے تو پھر جو اس نے اپنی بیوی کو طلاقیں دی ہیں وہ شرع میں واقع نہیں ہوئیں کیونکہ جس مرد کا دماغی توازن برقرار نہ ہو مجنون، دیوانہ اور پاگل ہو تو اس کی دی ہوئی طلاقیں واقع نہیں ہوتیں حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رفع القلم عن ثلاث و عد منهم المجنون کہ مجنون (پاگل) مرفوع القلم ہے، جس کی کلام کا اعتبار نہیں ہے۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں لا طلاق الصبی المجنون (در مختار صـ ۵۸۵، فتاوی عالمگیری صـ ۳۵۳، فتاوی دار العلوم دیوبند صـ ۳۹) اور فتاوی رضویہ میں ہے، کہ مجنون کی طلاق باطل ہے وہ لاکھ دفعہ بھی طلاق دے ہرگز طلاق نہ ہوگی، الغرضیکہ انور علی کے بیٹے نے جو اپنی بیوی کو بحالت دیوانگی طلاقیں دی ہیں وہ عند الشرع طلاقیں نہیں ہیں اس کی بیوی بحال سابق اس کی شرعی بیوی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن "یوکے"

۱۱، دسمبر ۱۹۹۰ء

الاستفتاء (۸۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ مسماۃ ہندہ ساکنہ برمنگھم برطانیہ کا نکاح حسب شریعت محمدیہ زید کے ساتھ ۱۹۸۵ء میں انعقاد پذیر

ہوا کچھ عرصہ بعد زید کے رویہ میں تبدیلی اور میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں سرد مہری اور کشیدگی پیدا ہونی شروع ہوگئی نوبت بایں جا رسید کہ زید نے اپنی بیوی کو کہنا شروع کر دیا کہ میں تجھے پسند نہیں کرتا، دفع ہو جا، میری آنکھوں سے دور ہو جا میں تیرے ساتھ رہنا نہیں چاہتا اب میں تمہیں نظر نہیں آؤں گا تم مجھے زندگی بھر نہیں دیکھو گے بالآخر وہ اپنی بیوی کے والدین کے گھر سے چلا گیا اور تقریباً چار سال ہونے کو ہیں اس کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ ہندہ نے ایک طویل اور صبر آزما دور گزارنے کے بعد برٹش کورٹ میں تنسیخ نکاح کا دعوی دائر کر کے برطانوی کورٹ سے طلاق اور فسخ نکاح کی ڈگری بھی حاصل کر لی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید جس نے ہندہ کو بطور بیوی قبول کر کے اس کے نان و نفقہ اور رہائش وغیرہ کی شرعی ذمہ داری کو نبھانے کا عہد کیا تھا ایک طویل مدت گزرنے کے باوجود ہندہ کو اس کے جملہ حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور خود کو اس سے لاتعلق گردانتے ہوئے روپوشانہ زندگی گزار رہا ہے ایسے حالات میں کیا ہندہ برطانوی کورٹ کے فیصلے کے مطابق آگے نکاح کرنے کی مجاز ہے یا مزید اسے ذمہ دار علماء دین سے اپنے نکاح کی تنسیخ و حصول طلاق کے لیے ان کے فیصلہ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر اسلام ایک مکمل، ضابطہ حیات ہے اور دینی اور دنیاوی مشکلات کا حل پیش کرنے کا دعویٰ رکھتا ہے تو یقیناً مذکورہ بالا مسئلہ کا حل بھی اس کی روشن تعلیمات میں موجود ہوگا، براہ کرم اس مسئلے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اس کا شرعی حل پیش فرمائیں تاکہ ہندہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھ سکے۔

مسئولہ از دفتر کنفیڈریشن آف سنی مساجد مڈلینڈز، "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں ہندہ پر طلاق بائنہ واقعہ ہو گئی ہے جس سے اس کا زید کے ساتھ نکاح ختم ہو گیا ہے کیونکہ زید کا ہندہ کو یہ کہنا کہ میں تجھے پسند نہیں کرتا۔ دفع ہو جا، میری آنکھوں سے دور ہو جا میں تیرے ساتھ رہنا نہیں چاہتا یہ تمام الفاظ از قسم کنایات ہیں جن سے طلاق بائن ہوتی ہے البتہ ان میں سے بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے بوقت نیت طلاق ہوتی ہے اور بعض ایسے ہیں جن سے بوقت نیت اور بوقت دلالت حال بھی طلاق ہوتی ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں الحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا و الغضب والمذاکرة والثانی فی حالة الرضا والغضب فقط ویقع فی حالة المذاکرة بلا نیة۔ (در مختار ص۳۰۳، رد المحتار ص۳۰۱، کنز الدقائق ص۲۲۱، فتاوی دیوبند ص۳۹۲، فتاوی رضویہ ص۵۳۳ فتاوی جامعیہ ص۴۲۶) جب زید کے ان الفاظ مذکورہ سے بوقت نیت طلاق یا بوقت دلالت حال سے جیسے استفتاء میں مذکور ہے کہ ان کے تعلقات میں کشیدگی شروع ہوگئی تھی ہندہ کو طلاق بائن ہوگئی ہے تو اس سے فوراً نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے اما حکم فوقوع الفرقة بانقضاء العدة فی الرجعی و بدونه فی البائن و انها تعلق نفسها بالبائن۔ (فتاوی عالمگیری ص۳۴۸) کہ طلاق بائنہ ہونے کے بعد نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے اور عورت خود مختار ہو جاتی ہے اب جبکہ زید کے ان الفاظ مذکورہ سے ہندہ کو شرعاً طلاق ہو چکی ہے تو

پھر ہندہ کو تنسیخ نکاح و حصول طلاق کے لیے کسی دیگر فیصلے کے انتظار کی
ضرورت نہیں ہے بلکہ ہندہ زید کی شرعی بیوی نہیں رہی لہٰذا ہندہ بعد
انقضائے عدت جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن "یو کے"

۲۲، نومبر ۱۹۹۰ء

(۹۰) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب شرعی کونسل "یو کے"

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میری شادی مورخہ مئی، جون ۱۹۸۸ء میں مظہر اقبال کے ساتھ ہوئی تھی لیکن میری بدقسمتی سے اچھا نہیں ہوا ہے مظہر اقبال واپس ابوظہبی میں جون ۱۹۸۶ء میں گیا تھا لیکن اسی سال دسمبر ۱۹۸۶ء میں واپس انگلینڈ آیا تھا جو میرے والدین کا گھر تھا اسی جگہ تقریباً ایک سال اور چھ ماہ رہا شادی کے بعد میرے والدین نے مجھے الوداع نہیں کیا تھا۔ آخر کار میں نتیجہ پر پہنچی تھی کہ اس کو صرف انگلینڈ کی ضرورت تھی یہ گھر آباد نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا چال چلن اچھا نہ تھا۔ میں صرف شرعی اس کی بیوی تھی حقیقی بیوی نہیں بنی تھی برائے مہربانی میری گزارش ہے کہ مجھے مسلمان ہونے کی حیثیت سے خداوند کریم اور انکے رسول پاک کے قانون پر چلنے کے لیے اسلامی طریقہ کی طلاق کا مجھے اجازت نامہ دیا جائے۔ تاکہ میں اپنی زندگی سنت رسول کے طریقہ سے بسر کروں شرعی کونسل کے آگے میری اپیل ہے کہ خدا واسطے میری زندگی پر رحم کرکے مجھے اجازت دی جائے میں نے انگلش طلاق کے لیے کورٹ انگلش میں درخواست دی تھی انگریزی طلاق کے لیے میرے وکیل نے میرے خاوند کو عدالت کی طرف سے نوٹس بھجوایا جس میں لکھا تھا کہ کیا وہ طلاق کے مقدمہ کو دفاع کرنا چاہتا ہے یا کہ نہیں میرے خاوند نے اپنے وکیل کے ذریعہ دستخط کرکے واپس عدالت کو بھیجا کہ وہ طلاق کا دفاع نہیں کرنا چاہتا نوٹس کی فوٹو کاپی درخواست کے ساتھ منسلک ہے میں حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ میں اپنے خاوند کے دستخط پہچانتی ہوں دستخط مظہر اقبال کے ہی ہیں اس کے اس جواب پر عدالت نے مجھے انگریزی طلاق نامہ مورخہ ۸، اگست ۱۹۸۹ء جاری کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ اسلامی طور پر مجھے طلاق نامہ حاصل نہیں ہوا اس لیے میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرے کاغذات جو ثبوت کے لیے ساتھ منسلک ہیں ان پر نظر فرما کر مجھے اسلامی طلاق نامہ جاری فرمائیں اس ثبوت کے لیے کہ یہ دستخط میرے خاوند کے ہی ہیں اس کا ڈرائیونگ لائسنس جس پر اس کے دستخط ہیں وہ ساتھ ہی منسلک کر رہی ہوں نیز وکیل کا تصدیق نامہ بھی بھیج رہی ہوں جس کے سامنے اس نے دستخط کیے تھے۔

سائلہ

رخسانہ کوثر نمبر ۹، ٹونلے سٹریٹ برائے فیلڈ —— BB95JD

گواہوں کے حلفیہ بیانات

گواہ نمبر ۱

چوہدری فتح خان نمبردار

میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ مظہر اقبال میرے ماموں کا لڑکا ہے رخسانہ کوثر کی شادی اور پھر طلاق وغیرہ کے مسئلہ میں میں نے بہت زیادہ دونوں طرف سے کسی مصالحت تک پہنچنے میں مصروف رہا ہوں کیونکہ دونوں طرف سے

میری قریبی رشتہ داری ہے میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ میں نے رخسانہ کے والد
حاجی لال خان صاحب سے ۱۰۰/۱۶۷ پونڈ نقد وصول کر کے مسمی مظہر اقبال کو دیئے
کیونکہ مظہر اس سے پہلے ۸۳۰/ پونڈ قیمت کی کار حاجی صاحب سے وصول
کر چکا تھا۔ اس طرح اس نے رخسانہ کے والد سے پورے ۲۵۰۰/ پونڈ
اس نے شادی کے عرصہ میں تھوڑے تھوڑے کر کے ان کو دینے تھے واپس وصول
کر لیے لہٰذا اب ان کا لین دین ختم ہو گیا تھا اب جب میں نے مظہر سے طلاق
دینے کے لیے کہا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا لیکن جب رخسانہ نے انگلش عدالت
کی طرف سے طلاق لے لی تو پھر میں نے اس سے اصرار کیا کہ طلاق دے دو
تو مظہر اقبال نے کہا کہ انگریزی طلاق ہو گئی ہے تو میں نے کہا تم نے بھی دی
ہے یا صرف اس نے تو وہ کہنے لگا کہ میں نے بھی دے دی ہے۔ کیونکہ وکیل
کہتا تھا کہ تم طلاق نہیں بھی دو گے تو بھی طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ رک نہیں
سکتی لہٰذا میں نے وکیل کے کہنے پر طلاق دے دی تھی۔

دستخط

چوہدری فتح خان نمبردار

گواہ ۲

غلام نبی ڈار / ۵۹ میکلوڈ روڈ سٹریٹ نیلس "یو کے"

آج سے تقریباً دو ہفتے پہلے مظہر اقبال ایک کام کے سلسلے میں میری
دکان پر آیا دوران گفتگو مجھے معلوم ہوا کہ مظہر اقبال حاجی لال خان کا بھتیجا
ہے جنہیں میں اچھی طرح جانتا تھا میں نے اس سے بال بچہ کی خیریت معلوم کی
تو اس نے کہا کہ کون سا بال بچہ وہ تو طلاق ہو گئی ہے میں نے کہا کتنا عرصہ ہوا
اس نے کہا سال یا سال سے کچھ اوپر ہو گیا ہے میں نے پوچھا کس طرح طلاق

ہو گئی تو اس نے کہا کہ کورٹ میں طلاق ہو گئی ہے میں نے کہا حد ہو گئی تو اس
نے کہا دیکھو تو چچا نے مجھ سے طلاق لے لی ہے اور اس نے مجھ پر مکان کا مقدمہ
بھی کر دیا ہے۔

دستخط

غلام نبی ڈار - ۲۰/ جنوری ۹۰ء

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب مظہر اقبال نے دو گواہوں، چوہدری فتح خان نمبردار
اور غلام نبی ڈار کے سامنے کہا ہے۔ کہ میں نے اپنی بیوی رخسانہ کوثر کو طلاق دے
دی ہے تو رخسانہ کوثر پر شرعاً طلاق واقع ہو گئی کیونکہ طلاق کے وقوع کے
ثبوت کے لیے ضروری ہے یا خاوند خود اقرار کرے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق
دی ہے یا گواہ کہیں کہ اس مرد نے اپنی عورت کو ہمارے سامنے طلاق دی ہے
یا گواہ یہ کہیں کہ اس نے ہمارے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اقرار کیا
ہے قرآن پاک میں ہے واستشهدوا شهيدين من رجالكم
فان لم يكونا رجلين فرجل و امراتان
ممن ترضون من الشهداء
اور بنا لیا کرو دو گواہ اپنے مردوں سے تو اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں
جن گواہوں سے تم پسند کرتے ہو فقہاء کرام فرماتے ہیں تقبل فيها
شهادة رجلين او رجل و امراتين سواء كان
الحق مالا او غير مال مثل النكاح والطلاق در مختار صفحہ ۴۶۵،
رد المحتار صفحہ ۴۶۵، قدوری صفحہ ۲۱۲، ہدایہ صفحہ ۱۵۸، کنز صفحہ ۲۹۸، معدن الحقائق

صـ ۲۹۵، فتاویٰ عالمگیری صـ ۱۵۲) اور فتاویٰ دیوبند صـ ۲۱۲ میں ہے اگر ان لوگوں میں سے جن کے سامنے اس شخص نے طلاق کا اقرار کیا ہے دو شخص بھی عادل و نمازی ہیں تو طلاق ثابت ہو گئی اور انکار کرنا اس کا معتبر نہ ہوگا غرضیکہ جب مظہر اقبال نے مذکورہ دو گواہوں کے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں نے رخسانہ کوثر کو طلاق دے دی ہے تو عند الشرع طلاق ہو گئی اور جب سے طلاق ہوئی اسی تاریخ سے رخسانہ کوثر اپنی عدت شروع کرے کیونکہ جس وقت سے مرد طلاق دے اسی وقت سے عدت شروع ہوتی ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں ومبدأ العدة بعد الطلاق اور عدت کا شروع ہونا طلاق کے بعد ہے (ہدایہ صـ ۴۰۵، ردالمحتار صـ ۲۳۹، شرح وقایہ صـ ۱۵۰، فتاویٰ عالمگیری صـ ۱۳، بحرالرائق صـ ۱۴۴، فتاویٰ قاضی خان صـ ۲۲۶، فتح القدیر صـ ۱۶۰، بدائع صـ ۱۹۹، مبسوط صـ ۶۱) اس سے ظاہر ہے کہ جس وقت سے یا تاریخ سے طلاق دے دی جائے اسی وقت سے عدت شروع ہوتی ہے بنابریں رخسانہ کوثر تکمیل عدت کے بعد جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن "یو کے"

۱۲/ فروری سنہ ۱۹۹۰ء

(۹۱)۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں منکہ زاہد حسین جو بات کہوں گا ٹھیک کہوں گا میرا جھگڑا خورشید امن کے ساتھ ہوا میں نے اپنی خورشید امن کو کہا تم کیا چاہتی ہو خورشید امن نے کہا طلاق چاہتے ہیں میں نے کہا کہ پھر طلاق ہو گئی مگر اس وقت مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خیال بھی نہیں تھا اب دریافت طلب امر یہ ہے اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہ،

دستخط

زاہد حسین

زاہد حسین کا حلفیہ بیان

میں گواہوں کے روبرو حلفیہ بیان دیتا ہوں جو تحریر میں نے مفتی صاحب کو دی ہے وہ بالکل درست ہے اور جو میرا جھگڑا ہوا ہے وہ خورشید امن کے ساتھ ہوا ہے اس میں میں نے بیوی کا نام تک نہیں لیا۔

زاہد حسین

چیڈز ورتھ روڈ - ۱۲۲، لندن ای ۵

گواہ شد

مطلوب حسین، چیڈز ورتھ روڈ - ۱۲۳ لندن ای ۵

گواہ شد

غلام عباس ہائی روڈ - ۳۲، لیٹن، لندن ای - ۱۰ "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں زاہد حسین کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی ہے کیونکہ عند الشرع طلاق واقع ہونے میں لازمی شرط یہ ہے کہ مرد جب اپنی عورت کو طلاق دے تو طلاق[1] کو عورت کی طرف نسبت بھی

---

[1] طلاق واقع ہونے کے لیے درج ذیل شرطیں ہیں اگر ان میں سے کوئی (باقی اگلے صفحہ پر)

بھی کرے اگر طلاق کو عورت کی طرف نسبت نہیں کرتا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔
فتاویٰ قاضی خان میں ہے

رجل قال لامرأته اتريدين ان اطلقك
فقالت نعم فقال لها۔
اگر تو زن منی یک طلاق و سہ طلاق و ہزار طلاق لانه
لم يضف الطلاق اليها۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال
لها ان خرجت يقع الطلاق فخرجت لم يقع الطلاق
درمختار میں ہے قيد بخطابها لم يقع بتركه الاضافة
اليها۔ یعنی طلاق کے واقع ہونے میں عورت کی طرف نسبت اور اضافت شرط
ہے اور اگر یہ صرف کہا کہ طلاق تو طلاق نہ ہوگی زاہد حسین نے چونکہ اپنی بیوی کو یہ
نہیں کہا کہ میری بیوی کو طلاق ہے بلکہ خورشید امن کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ
طلاق ہوگئی ہے تو اس صورت میں چونکہ زاہد حسین نے اپنی بیوی کا ذکر تک

(حاشیہ صفحہ سابقہ) شرط موجود نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی ۱؎ طلاق دیتے وقت طلاق دینے والا بالغ ہو، بیدار ہو، ہوش و حواس میں ہو، نابالغ، پاگل سونے والے کی طلاق واقع نہ ہوگی اسی طرح کسی بیماری یا کسی دوا کے استعمال سے بے ہوش ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲؎ طلاق واقع ہونے کی دوسری شرط یہ ہے جس عورت کو مرد طلاق دے رہا ہے وہ اس کی شرعی طور پر منکوحہ بیوی ہو۔

۳؎ تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق کی نسبت ظاہراً یا دلالۃً طلاق دینے والے کی طرف سے اپنی منکوحہ بیوی کی طرف ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ اس کی طلاق کا خطاب اپنی بیوی کی طرف ہے خواہ بیوی سامنے ہو یا نہ ہو (اسلامی قانون صد ۸۲) ۱۲ ؎

نہیں کیا اور نہ ہی طلاق کو اپنی بیوی کی طرف نسبت کیا ہے اور نہ ہی وہ بیوی کو
طلاق دینے کا قصد کر رہا تھا جیسے کہ زاہد حسین کی تحریر اور اس کے حلف نامہ
سے ظاہر ہے لہٰذا زاہد حسین کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی ہے اسکی بیوی بحال سابق
اس کی شرعی بیوی ہے،

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن "یوکے"
۴ مارچ ۱۹۹۰ء

(۹۲)۔ الاستفتاء

بخدمت جناب علماء کرام و مفتیان عظام سنی حنفی شرعی کونسل "یوکے"
السلام علیکم، گزارش ہے کہ میرا نکاح چچا کے لڑکے مسمی سعید اقبال کے
ساتھ ۱۹۷۷ء میں ہوا تھا تقریباً سات سال پیشتر بدنصیبی سے اس نے ایک گوری
کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے تھے اور گھر سے بھی لاتعلق ہو کر نکل گیا تھا کچھ انتظار
کے بعد میں مجبوراً اپنے والدین کے گھر چلی آئی اس وقت سے اب تک اس نے
براہ راست مجھ سے رابطہ نہیں کیا بلکہ مسلسل گوری کا ہی ہو کر رہ گیا گزشتہ ماہ
مئی ۱۹۸۹ء کو سعید اقبال نے وکیل کے ذریعہ مجھے طلاق نامہ حاصل کرنے کے
لیے خط لکھا چونکہ میں اس وقت پاکستان تھی لہٰذا واپس آکر میں نے اس خط
پر دستخط کر کے واپس کر دیا کہ مجھے طلاق قبول ہے، گزشتہ ہفتہ مجھے وکیل
نے بتایا کہ ملکی قانون کے مطابق سعید اقبال کی طرف سے میرے نام طلاق کا دوسرا
نوٹس آیا ہے کیونکہ برطانوی قانون کے مطابق عدالت سے حصول طلاق کے
لیے ضروری ہے کہ دو نوٹس جاری ہوں لہٰذا جب دوسرا نوٹس مل گیا تو میں نے

اس پر دستخط کر کے وکیل کے حوالے کر دیا ہے۔ برائے مہربانی اسلامی شریعت
کی روشنی میں فتویٰ جاری کر کے فرمائیں کہ کیا فقہ حنفی کے مطابق بھی طلاق
واقع ہوتی ہے یا نہیں اور اس وقت میری شرعی حیثیت کیا ہے۔

شیراز بیگم ۱۹ شیلی گرولانگ سائڈ

مانچسٹر ایم - ۱۳

مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۸۹ء کو مسمی ایس اے اقبال (سعید اختر اقبال)
نے کونٹی کورٹ ال ٹرنچم میں درخواست دی کہ چونکہ دسمبر ۱۹۸۷ء سے اس
نے بیوی کو چھوڑ دیا ہے اور دونوں اس وقت سے اب تک علیحدہ رہ رہے
ہیں اس لیے عدالت سے درخواست ہے کہ میری شادی ختم کر دی جائے، ۲۱ نومبر
۱۹۸۹ء کو اس کورٹ کو سعید اختر اقبال نے درخواست دی کہ اس کی شادی ختم
کر دی جائے تو کورٹ نے ۲۱ نومبر ۱۹۸۹ء کو یہ فیصلہ دیا کہ چونکہ ان کی شادی
ختم ہو چکی ہے اور اس کو باضابطہ طریقے سے ختم کر دیا جائے گا۔ جب تک
وہ چھ ہفتوں کے اندر وجہ نہ بیان کرے۔

کونٹی کورٹ معاملہ ۸۹ ڈی ۲۷۸

مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۹ء

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں شیراز بیگم کو شرعاً طلاق واقع ہو چکی ہے اس
لیے کہ سعید اقبال نے جو درخواست بذریعہ وکیل شیراز بیگم کو ارسال کی ہے
اس میں وہ صاف لکھ رہا ہے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے ان الفاظ سے
طلاق ہو جاتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے کہ مذہب اسلام میں طلاق

دینے کا حق مرد کو تفویض کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے واذا طلقتم
النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او
سرحوهن بمعروف کہ جب تم طلاق دو عورتوں کو پس پہنچ جائیں اپنی
میعاد کو تو روک لو انہیں ساتھ بھلائی کے یا چھوڑ دو انہیں ساتھ بھلائی کے اس سے
ظاہر ہے کہ طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے کیونکہ یہاں ارشاد ہے واذا
طلقتم کہ جب تم طلاق دو۔ طلاق کا فاعل مرد کو قرار دیا ہے اور مفعول عورت
کو لہٰذا اگر مرد طلاق دے گا تو ہو جائے گی۔ حدیث پاک میں ہے ایما
امراة سألت زوجها طلاقا في غير ما
بأس فحرام عليها رائحة الجنة (سنن ابوداؤد
صـ ۳۰۳، سنن ترمذی صـ ۱۵۳، سنن بیہقی صـ ۳۱۶، مشکوٰۃ صـ ۱۰۷) کہ جو عورت
بلا وجہ اپنے خاوند سے سوال کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اس
سے بھی ظاہر ہے کہ عورت کا مرد سے طلاق کا سوال کرنا اس بات کو ثابت کر
رہا ہے کہ طلاق دینے کا مالک مرد ہے جس سے عورت طلاق مانگ رہی ہے
اور حدیث پاک میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق الا انما
يملك الطلاق من يأخذ بالساق۔
یعنی طلاق کا مالک وہ شخص ہے جو پنڈلی پکڑتا ہے (یعنی مجامعت کرتا ہے
(ابن ماجہ صـ ۱۵۲، سنن بیہقی صـ ۳۶۰) جب مرد طلاق کا مالک ہوا تو جب
بھی مرد طلاق دے گا جیسے دے گا طلاق عند الشرع ہو جائے گی عزیز الفتاویٰ
میں ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ طلاق
دینے کا اختیار مرد کو ہے فتاویٰ قاضی خان صـ ۴۵۲ میں ہے کل لفظ
يكون من الزوج طلاقا يكون طلاقا کہ خاوند کی

طرف سے جو لفظ طلاق کا ہوگا اس سے ہی عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی صورت مذکورہ میں جب سعید اقبال نے درخواست میں یہ لکھا ہے کہ میں نے شیراز بیگم کو چھوڑ دیا ہے تو اس سے شرعاً طلاق ہو گئی فتاوی عالمگیری صہ ۳۸۹ میں ہے

ولو قال الرجل لامرأته - ترا چنگ بازداشتم او ہشتم فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفا و يقع بدون النية ۔ فتاوی عبدالحی صہ ۳۴۸ میں ہے کہ اس لفظ سے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا کہ معنی صریح طلاق کے ہیں طلاق واقع ہو جائے گی فتاوی رضویہ میں ہے کہ جب مرد نے عورت کو کہا کہ میں تجھے چھوڑتا ہوں اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے چونکہ سعید اقبال نے اپنی درخواست میں لکھا تھا کہ میں نے سنہ ۱۹۸۲ء کو ہی اس کو چھوڑ دیا ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ شیراز بیگم کی عدت بھی گزر چکی ہے کیونکہ جب مرد طلاق دے یا طلاق لکھ دے تو اسی وقت عدت شروع ہو جاتی ہے فتاوی قاضی خان میں ہے ان ارسل الطلاق فكما كتب يقع و يلزمها العدة من وقت الكتابة یعنی اگر طلاق لکھ کر بھیجی تو جبھی لکھی اسی وقت واقع ہو گئی اور عدت بھی وقت کتابت سے شروع ہو گئی دیگر فقہاء کرام بھی لکھتے ہیں و مبدا العدة بعد الطلاق - (ہدایہ صہ ۴۰۵ ، رد المحتار صہ ۲۳۹ شرح وقایہ صہ ۱۵۰ ، فتاوی عالمگیر صہ ۱۳ ، بحر الرائق صہ ۱۴۴ ، فتاوی رضویہ صہ ۵۲۵ ، فتح القدیر صہ ۱۶۰ ، بدائع صنائع صہ ۲۰۹ مبسوط صہ ۶۱) اس سے ثابت ہوا کہ جب طلاق دی جائے اسی وقت سے عدت شروع ہو جاتی ہے تو صورت مسئولہ میں جیسے کہ شیراز بیگم کو عند الشرع طلاق ہو گئی اسی طرح اس کی عدت بھی گزر چکی ہے لہٰذا یہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے ۔

واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب ۔

مفتی غلام رسول ، دار العلوم قادریہ ، جیلانیہ لندن

۲/ فروری سنہ ۱۹۹۰ء

الاستفتاء - (۹۳)

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام مندرجہ ذیل مسئلہ میں مسمی آصف خان ولد عبید اللہ خان چوہدری وزیر آباد پاکستان کا رہنے والا ہوں فی الحال عرصہ چھ سال سے انگلینڈ برمنگھم میں رہ رہا ہوں میری شادی سنہ ۱۹۸۲ء میں مسماۃ بشریٰ بیگم دختر نذیر احمد صاحب ساکن برمنگھم سے ہوئی تھی عرصہ اڑھائی سال ہم نے اکٹھے گزارے دو سال سے زائد عرصہ تک میں نے باقاعدہ اپنی "تنخواہ لاکر اپنی بیوی کو دیتا رہا ہوں کبھی بھی بیوی سے میں نے نہ تو کوئی جھگڑا کیا نہ کوئی بدزبانی کی نہ کوئی حقوق زوجیت کی ادائیگی میں کوئی کسی قسم کی کوتاہی کی تھی میری زوجہ مذکورہ نے انگریزی کورٹ میں طلاق حاصل کرنے کے لیے میرے خلاف کیس کیا جس میں اس نے جھوٹے بے بنیاد الزامات لگانے کی کوشش کی تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکے لیکن میں نے نہ تو کورٹ میں یہ کہا ہے کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں یا طلاق دینے پر راضی ہوں اور نہ ہی کورٹ سے باہر رہ کر طلاق دی ہے اور نہ کوئی ارادہ ہے کہ بشریٰ بیگم دختر نذیر احمد کو طلاق دوں میری نقد رقم بطور قرضہ ۲۵۰۰/ پونڈ اور تقریباً دس تولے زیور سونا بھی اپنی بیوی کے ذمہ واجب الادا ہے ۔ جو بطور قرضہ امانت دیتا رہا ہوں اب میری بیوی

مذکورہ نے کورٹ سے طلاق حاصل کرلی ہے اب کیا شریعت اسلامیہ کے اندر ہوسکتا ہے کہ میری بیوی میری طرف سے طلاق دیئے بغیر کورٹ یا کسی ادارہ سے طلاق لے کر میری زوجیت سے خلاصی حاصل کرلے شرعی فتویٰ صادر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل

آصف خان صاحب، برمنگھم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

مذہب اسلام میں جب تک مرد اپنی عورت کو طلاق نہ دے عورت کو طلاق واقع نہیں ہوتی قرآن پاک میں ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف اوسرحوهن بمعروف کہ جب تم طلاق دو عورتوں کو پس پہنچ جائیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں ساتھ بھلائی کے یا چھوڑ دو انہیں ساتھ بھلائی کے اس سے ظاہر ہے کہ طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہے واذا طلقتم طلاق کا فاعل مرد کو قرار دیا ہے اور مفعول عورت کو لہٰذا اگر مرد طلاق دے گا تو ہوگی ورنہ نہیں حدیث پاک میں ہے عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما امرأة سالت زوجها طلاقا فى غير ما باس فحرام عليها رائحة الجنة (سنن ابوداؤد صـ۳۰۳ ج ۱، سنن ترمذی صـ۱۵۲ ج ۱، مشکوٰۃ صـ۱۰)

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(فرمایا) جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اس سے ظاہر ہے کہ عورت کا مرد سے طلاق کا سوال کرنا اس بات کی وضاحت کررہا ہے کہ طلاق کا مالک مرد ہے جس سے عورت طلاق مانگ رہی ہے ورنہ مرد سے طلاق مانگنے کا کیا مطلب ہے جب مرد طلاق کا مستقل مالک ہوا تو جب تک مرد طلاق نہیں دے گا عورت کو طلاق نہ ہوگی اور حدیث پاک میں ہے۔ الطلاق لمن اخذ بالساق الا انما يملك الطلاق من يأخذ بالساق۔ (ابن ماجہ صـ۱۵۱، سنن بیہقی صـ۳۶۰) یعنی طلاق کا مالک وہ شخص ہے جو عورت کی پنڈلی پکڑتا ہے یعنی اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے، فتاویٰ دیوبند صـ۵۲۲ میں ہے کہ چونکہ اختیار طلاق کا شوہر کو ہے کما ورد فى الحديث الطلاق لمن اخذ الساق۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے شریعت اسلامیہ نے طلاق کا مالک مرد کو بنایا ہے اس کے ملک کو کوئی باطل نہیں کرسکتا حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مابال اقوام يشترطون شروطا ليست فى كتاب الله من اشترط شرطا ليس فى كتاب الله فهو رد وان كانت مائة شرط شرط الله احق واوثق۔ یعنی جو شرط اللہ تعالےٰ کی کتاب کے خلاف ہے وہی مردود ہے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ شرائط ہی حق اور مضبوط ہیں جب اسلام نے مرد کو طلاق دینے کا حق تفویض کردیا ہے تو اب اس کو کوئی اس سے سلب نہیں کرسکتا مرد طلاق دے گا تو ہوگی ورنہ نہیں اگر عورت نے انگلش کورٹ میں طلاق حاصل کرلی ہے اور مرد نے کورٹ میں جاکر طلاق پر دستخط نہیں کئے اور

نہ ہی کوئی ایسا لفظ بولا ہے جو کہ طلاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہو تو پھر یہ انگلش
کورٹ سے حاصل کردہ طلاق اسلام میں معتبر نہیں ہے کیونکہ طلاق پر مرد کا اختیار
ہے مرد کی اجازت کے سوا دوسرا کوئی اس کی عورت کو طلاق نہیں دے سکتا
اور نہ ہی عورت خود اپنے کو طلاق دے سکتی اور نہ ہی عورت مرد کو طلاق دے سکتی
ہے جب محمد آصف خان نے بار بار اپنے سوال میں اس کا اظہار کیا ہے کہ میں
نے طلاق نہیں دی اور نہ ہی کورٹ میں جا کر دستخط کئے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا
لفظ استعمال کیا ہے جو کہ طلاق کے مفہوم پر مشتمل ہو تو طلاق نہ ہوئی۔ اور انگلش
کورٹ نے اگر طلاق آصف کی اجازت کے بغیر دے دی ہے تو وہ عند الشرع
معتبر نہیں ہے البتہ اگر آصف خان کی بیوی کسی اسلامی عدالت میں دعویٰ کرتی
اور اسلامی جج اور یا قاضی آصف خان کی موجودگی میں نکاح فسخ کرتا تو نکاح منسوخ
ہو جاتا کیونکہ فسخ کے لیے جیسے دار قضا شرعی ہونا لازم ہے اسی طرح قضائے
قاضی بھی شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے اگر قاضی اسلام نکاح فسخ کرے تو خاوند
بوقت فسخ حاضر ہو اگر خاوند حاضر نہ ہو تو قاضی اسلام نکاح فسخ نہیں کرے گا۔
ولا يقضى القاضي على غائب ۔ (ہدایہ ص ۱۳۲)
و ان كان غائبا لا يفرق ۔ درمختار ص ۵۹۰) الزوج
لو كان غائبا لم يفرق القاضي بينهما ما لم يحضر للزوم
القضاء على الغائب (فتاویٰ رضویہ ص ۲۱۹ اگر خاوند بوقت فیصلہ موجود نہ ہو تو قاضی
تنسیخ نکاح نہیں کرے گا کہ فیصلہ کی صورت میں قضا علی الغائب لازم ہو گی
جو کہ ناجائز ہے فتاویٰ رضویہ میں یہ بھی ہے کہ انگلش کچہریاں دار قضا شرعی
نہیں اور نہ وہ حکام و قضاۃ شرع ہیں تو ایسے مسائل میں ان کی طرف رجوع
اصلاً مفید نہیں ہے ان کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہو گا اور عورت

بدستور زوجہ شوہر رہے گی۔ اگر اسلامی ملک نہیں ہے جیسے کہ یہ برطانیہ ہے
تو یہاں کے مسلمانوں نے جن علماء کو اپنے لیے شرعی فیصلوں کے لیے مقرر
کر رکھا ہے ان کے ہاں یہ بشریٰ بیگم دعویٰ کرے کہ میں آصف خان کے پاس
ہرگز نہیں رہنا چاہتی میرا نکاح منسوخ کیا جائے یہ علماء اس کے خاوند آصف
خان کو بلا کر کہیں کہ تمہاری بیوی تمہارے پاس نہیں رہنا چاہتی اس کو طلاق دے کر
فارغ کر دو اگر وہ طلاق نہ دے تو علماء اس نکاح کو فسخ کر دیں۔ فتاویٰ رضویہ
میں ہے اگر خاوند براہ شرارت واضرار زوجہ کسی صورت میں طلاق نہ دے تو پھر
چارہ کار یہ ہے کہ اس شہر میں جو عالم دین وہاں کے سب اہل علم فقہ وعلوم
دینیہ میں زائد ہو عورت یہاں بطور خود دعویٰ مذکورہ پیش کرے عالم موصوف
خاوند کو بلا کر اس کے نکاح کو فسخ کرے اگر خاوند نہ آئے تو عالم موصوف
خود اس کے پاس جائے اور اس خاوند سے بات کرے اور اس کو اطلاع
دے کہ تمہارا نکاح فسخ کر دیا گیا ہے فی الهندية يذهب بنفسه و
يبعث من يحضره و رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل
كلا النوعين ۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۴۹۵) غرضیکہ بشریٰ بیگم نے
جو انگلش کورٹ سے طلاق لی ہے وہ عند الشرع غیر معتبر ہے اس کو چاہیے
کہ وہ اپنے خاوند آصف خان سے طلاق حاصل کرے یا خلع کی صورت اختیار
کرے اگر آصف خان طلاق نہیں دیتا اور نہ ہی خلع کرتا ہے تو بشریٰ بیگم یہاں
کے علماء کی طرف رجوع کرے جن کو شرعی فیصلوں کے مقرر کیا گیا ہے اگر
بشریٰ علماء کی کونسل کی طرف رجوع نہیں کرتی تو پھر بحال سابق آصف خان کی
شرعی بیوی ہے۔ یہ کسی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی رہا معاملہ زیور اور قرض
کا اگر زیور عورت کو دیتے وقت ہبہ کر دیا تو پھر آصف خان واپس نہیں لے سکتا

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ اذا وھب احد الزوجین لصاحبہ لا یرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما اگر بیوی وقت کہا کہ میں استعمال کے لیے دیتا ہوں عورت کو مالک نہیں بنایا تو پھر واپس لے سکتا ہے اور جو قرض دیا ہے وہ بھی آصف خان واپس لے سکتا ہے۔

واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱" یوکے"

۹ ر جنوری ۱۹۸۶ء

۹۳۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا اور ان تین طلاقوں کے عینی گواہ دو موقع پر موجود تھے جنہوں نے ۵۰ آدمیوں کی موجودگی میں گواہی بھی دے دی اس کے باوجود زید نے اپنی بیوی کو جو مطلقہ ہے اپنے پاس رکھا ہوا ہے از روئے شرع زید کے بارے میں کیا حکم ہے بیان فرما کر ہماری الجھن دور فرمائیں۔

سائلین

"یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا تھا تو تینوں ہی واقع ہو کر زید کی بیوی زید پر حرام ہو گئی تھی جس کو وہ بلا حلالہ کسی وجہ سے بھی اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا تھا قرآن پاک میں ہے۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجًا غیره۔ پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے یعنی تین طلاقیں ہونے کے بعد عورت مرد پر قطعاً حرام ہو جاتی ہے یہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی جب تک کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے پھر اس سے بعد از مباشرت طلاق لے کر بعد از انقضائے عدت پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں تفسیر جلالین کے حاشیہ ص۳۵ میں ہے کہ آیت مذکورہ کا معنی یہ ہے اگر تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت ہو جائے۔ خواہ وہ ایک مرتبہ دے جیسے کہ کہے انت طالق ثلاثا (تجھے تین طلاقیں ہیں) یا الگ الگ جیسے کہ انت طالق، انت طالق، انت طالق، تو عورت حلال نہ رہے گی اس پر تمام کا اتفاق ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں ان رجلا جاء الی ابن عباس وقال طلقت امراتی الفا فقال تاخذ ثلاثا و دع تسع مائة و سبعة و تسعين۔ کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں آپ نے فرمایا تین پکڑ کو (یعنی تمہاری عورت کو تین طلاقیں ہو گئیں) اور نو سو ستانوے چھوڑ دو ایک اور روایت ہے جس کو امام بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس شخص کو کہا جس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی تھیں حرمت علیك کہ تجھ پہ تیری بیوی حرام ہو گئی۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحًا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا

او یموت منہا ۔ (ہدایہ صـ۳۹۹ ، شرح وقایہ
صـ۲۷۸ ، عمدۃ الرعایہ صـ۲۷۸ ، قدوری صـ۱۷۸ ، جوہرہ نیرہ صـ۱۷۸ ،
کنز الدقائق صـ۲۳۸ ، معدن الحقائق صـ۲۳۸ ، رد المحتار صـ۲۱۹ ، فتاویٰ
جماعتیہ صـ۲۱۹ ، فتاویٰ رشیدیہ صـ۴۶۲ ، عزیز الفتاویٰ صـ۵۱۳ ، فتاویٰ
رضویہ صـ۲۴۰) ۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب عورت کو تین طلاقیں دی جائیں تو تین واقع ہو کر مرد پر حرام ہو جاتی ہے اس کو بعد از عدت اپنے گھر رکھنا یا عدت میں یا بعد از عدت اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کرنا حرام اور ناجائز ہے اگر زید طلاق دینے کا انکار کرتا ہے یا کہتا ہے کہ میں نے ایک دی ہے اور گواہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دی ہیں تو پھر بھی گواہوں کا اعتبار کرتے ہوئے تین طلاقیں ہی معتبر ہونگی فتاویٰ رضویہ صـ۲۴۰ میں ہے اگر مرد کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی یا ایک دی ہے اور قسم اٹھاتا ہے لیکن دو گواہ کہتے ہیں کہ اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو گواہوں کی گواہی کا لحاظ کرتے ہوئے تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی ۔ عزیز الفتاویٰ میں ہے کہ جب دو گواہ عادل ، ثقہ گواہی دیں کہ اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو تین ہی واقع ہوں گی خاوند کا انکار معتبر نہیں ہے ۔

جب زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں تو ان سے نکاح ختم ہو گیا تھا اور بیوی زید کے لیے حرام ہو گئی تھی اس کو زید اپنے گھر نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ حقوق زوجیت قائم کر سکتا ہے ۔

اگر زید نے اس مطلقہ بیوی کو گھر رکھا ہوا اور بغیر حلالہ کے رکھا ہوا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس شرعی فتویٰ کے حصول کے بعد اس کو فوراً گھر سے نکال دے اور اس پر فرض ہے کہ وہ علی الاعلان توبہ اور استغفار کرے کہ وہ آئندہ اس فعل قبیح کا ارتکاب نہیں کرے گا اور نہ ہی اس بیوی سے کسی قسم کا رابطہ رکھے گا ۔

قرآن پاک میں ہے ۔ انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب فاولئك يتوب الله عليهم ۔
وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں توبہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کو مٹا دیتی ہے ۔

اگر زید اس مطلقہ بیوی سے علیحدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس بات سے توبہ کرتا ہے تو دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ زید سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر کے اس کو برادری سے خارج کر دیں اور اس سے مکمل بائیکاٹ کریں ۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول
برمنگھم ۱۱ ”یو کے“
۳۰ مئی ۱۹۸۸ء

كتاب الوقف

(٩٥) الاستفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم. سماحة المفتى العام، السلام عليكم ورحمة الله وبركاته،
نعيش فى بلاد غير اسلاميه ونشرى فيها المبانى مثل المنازل او الكنائس او مبانى الدولة فنحولها الى مساجد فيها عدة حجرات و نستعملها لامور مختلفة منها الصلوة فى بعض القاعات والتعليم فى اخرى وهكذا ويطلقه على جميع المبنى اسم مسجد او مركز الاسلامى ونظر الضرورات خدمة الامام او لاحتياج المسجد الى نفقات فنضطر الى تاجير بعض الحجرات للسكن وغيرها فهل يجوز السكنة فى المسجد على هذه الحال فى غير حجرات اقامة الصلوات مع ملاحظة ان الساكنة قد يكون متزوجا وله اطفال وقد يكون منه مباشرة مع اهله او دخوله وخروجه جنبا او دخول وخروج النساء فى حالة الحيض او النفاس الى السكنة الذى قد يكون فوقه او تحت او بجانب حجرة الصلوة و يعيش المسلمون فى بلاد الغرب و يشترون المبانى ليحولوها الى مساجد لضرورات كثيرة قد يضطرون الى تحويل المسجد من مكان الى مكان اكبر من الاول او اقرب من الاول الى مواقع السكنة المسلمية او هدم المكان لمشاريع الخاصة و غيرها تحتاج المكان فيدفعونه ثمنا جيدا للمكان فهل يجوز بيع المبنى الاول الذى كان مسجدًا من اجل ذالك، افيرونا افادكم الله بالدليل و التعليل و الرد على مسألة الحجز الوقف على ما وقف عليه و الله يجزل مثوبكم.

اخوكم فى الله عبد السلام عمران
المنزل ٣٠٢ شارع ايكس برج لندن

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

اعلم ان المملكة البرطانية و الاروباليست دار اسلام لان ظهور الاحكام فيها غير اسلامية

والقانون المسيطر فيها قانون غير اسلامى
والاحكام التى تنفذ فيها احكام
متناقضة لاحكام الاسلامية بان كان
الاسلام محرم الربوا والقوانين المسيطرة
تبيحه ، والقران والحديث يحرم الزنا
والقوانين فيها بتيحه ، والقانون الشرعى
الاسلامى يحرم الخمر والخنزير والقمار
والقوانين المتنفذة فيها تبيح هذه
الخبائث لجميع الناس واذا احكام
المسيطرة فيها مبائن لاحكام دار اسلام
بكلها فتنعكس الاحكام فى البرطانية
بداهة الاترى ان الحدود والقود لاتجرى
فيها ولا يجرى حكم الربوا وعقود الفاسدة
بين المسلم والحربى فى دار الحرب ولذا
ان العباس رضى الله عنه بعدما اسلم
يوم بدر رجع الى مكة باذن رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكان يربى
قبل نزول التحريم وبعد نزوله

(المبسوط للسرخسى ص٥٩ ج١)

واذا تنعكس الاحكام فى البرطانية لا
تكون المساجد المبنية فيها كالمساجد

التى بنيت فى دار اسلام ولذا قال الفاضل
احمد رضا البريلوى نور الله مرقده
فى الفتاوى الرضوية المساجد التى بنيت
فى دار الحرب ليست مساجد كمن بنى مسجدا
فى برية بل اضعف ، كما فى الفتاوى الهندية
(فتاوى رضويه ص٤٠٥ ج٦) وبهذا يظهر
المساجد التى بنيت فيها ليست مساجد فى
الحقيقة بل هى معابد كما بنيت فى
البيوت واذا المساجد التى بنيت فيها
ليست كالمساجد التى بنيت فى دار الاسلام
فتجوز تاجير بعض الحجرات الملحقة
بالمسجد للسكونة ولم توجر مكان
المسجد الذى يصلون ويؤدون فيها
الجماعة والجمعة والعيد وغيرها ولا
ينبغى السكونة فيها ادبا واحتراما و
يكره دخول الناس وخروجهم جنبا ودخول
وخروج النساء فى حالة الحيض او
النفاس فى مكان الصلوة (تكريمًا) لا تجوز
تاجير مكان السجود والصلوة لئلا تسقط
توقير المسجد فى اعين الناس لكن هذا
كله مبنى على التعظيم وهكذا ينبغى للناس

ان یاخذوا عن ھدم و تحول و غیرھا
عوضا ثمنًا و یعمروا فی مقام اٰخر
مسجدا او مرکزًا اسلامیا حررت اٰنفا
المساجد التی بنیت و عمرت فی دار
غیر اسلام و لو کانت لیست کالمساجد
التی عمرت فی دار اسلام لکن لو یعمرون
للضرورۃ مسجدًا فی غیر دار الاسلام یصلون
فیھا الصلوۃ و یؤدون الجمعۃ و العید کما
ھم یفعلون فتجب علیھم حرمۃ المساجد
لئلا تسقط حرمۃ المساجد فی غیر دار الاسلام
و فی اعین اعداء الاسلام بعد ذلک الاٰن
یبقیٰ ھذہ السوال حجز الوقف علی ما
وقف علیہ فجوابہ ھذا و لو وقف
الناس الاراضی او المنازل و غیرھا للمراکز
الاسلامیۃ لا للمساجد فیجب اتباع
شرائط الواقف ولا یجوز تغییر الوقف عن
ھیأتہ و فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حین
اراد ان یتصدق بارض لہ تدعی ثمغ تصدق
باصلھا لاتباع ولا توھب ولا تورث۔

(الدرایہ ص۶۲۷)

قال فی الاشباہ و النظائر شرط الواقف کنص
الشارع فی وجوب العمل و اذا لم یجز
تغییر الوقف عن ھیئاتہ و یجب اتباع
شرائط الواقف فیسال عن الواقف ماذا یرید
فیعمل علی مایقول الواقف لکن ھذا ایضا فی
الاروبا محل النظر، واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھام ۱۱
برطانیہ ۲۷ جولائی ۱۹۸۹ء

(۹۶)۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع خیر الانام اندریں صورت کہ بلیک ہیتھ کے مسلمانوں نے اپنی دینی و شرعی ضرورتوں کی تکمیل اور اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے لیے ۱۹۸۳ء میں لانگ مین روڈ پر ایک پراپرٹی خریدی۔ اس کی خریداری پر ۲۲ ہزار پونڈ کی رقم خرچ ہوئی۔ اس رقم کا ۹۰ فی صد حصہ بلیک ہیتھ کے سنی حنفی بریلوی مسلمانوں نے ادا کیا، کیونکہ بلیک ہیتھ میں مسلک اہل سنت و جماعت کے پیروؤں کی اکثریت آباد ہے۔ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے افکار و نظریات کے پیروکار چند افراد بھی اس مہم میں شامل ہوگئے جنہوں نے اپنی پرانی سیاسی روش کو سامنے رکھتے ہوئے سنی مسلمانوں کی ناتجربہ کاری اور سادہ لوحی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس جگہ کو سپارک بروک اسلامک سنٹر کی سرپرستی اور نگرانی میں دے کر اسے اعلانیہ جماعت اسلامی اور دیو کے اسلامک مشن کی برانچ ثابت کر دیا۔ اہل سنت و جماعت کے ذمہ دار اور دین دوست

حضرات نے ان کے عزائم کو بھانپتے ہوئے ٹرسٹ میں اپنا نمائندہ رکھنے اور مینجمنٹ کمیٹی کے مقامی اور آزاد ہونے کا مطالبہ پیش کر دیا۔ جسے انہوں نے یکسر مسترد کر دیا۔ المختصر نوبت باایں جا رسید کہ انہوں نے پہلے اہل سنت و جماعت کے بچوں کو پڑھانے سے انکار کر دیا اور ایک گہری سازش کے تحت اہل سنت و جماعت کے تمام نمائندگان کو اس جگہ سے لاتعلق اور بے دخل کر دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ،

١. کیا وہ رقوم جو اہل سنت و جماعت نے مسلک حق کی اشاعت اور اپنے بچوں کے دینی مستقبل کو سنوارنے کے لیے وقف کے طور پر دی تھیں، ایسے لوگوں کے قبضے میں سے واپس لی جا سکتی ہیں یا نہیں۔

٢. ایسی متنازعہ فیہ جگہ میں نماز پنجگانہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے۔

٣. کیا ایسی مکار اور انتشار پسند کمیٹی سے مسلمانوں کو مالی و اخلاقی تعاون کرنا شرعاً درست ہے۔ حسب حکم شریعت محمدیہ حکم اور فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل

عبدالرزاق صاحب سیکرٹری جنرل جامع مسجد بلیک ہیتھ۔ یو کے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ سے ظاہر ہے کہ اس دینی مدرسہ کے لیے اہل سنت و جماعت نے یہ جگہ خرید کر وقف کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اگر خریدنے والوں نے کہا ہے کہ ہم نے اس کو مسجد کر دیا ہے یا جماعت کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو پھر یہ دینی مدرسہ کے ساتھ مسجد بھی ہو گئی۔ ہر دو صورتوں

...اور دینی مدرسہ کے لیے وقف کی ہے یا اس کو مسجد بھی بنا دیا ہے ہر دو کے ...اور منتظمین عندالشرع اہل سنت و جماعت ہی ہوں گے۔ جماعت اسلامی کے ...افراد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بالجبر اس پر قابض ہو جائیں۔ کیونکہ وقف ...متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مراعاة غرض الواقفین واجبة ...وقف کرنے والوں کے مقصد کی رعایت لازم ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ...۵۸۸) اگر وقف کرنے اور مسجد بنانے والے اہل سنت و جماعت ہیں تو وہی ...ان کے منتظم بھی ہوں گے، اگر بعض دوسرے لوگ عوام اہل سنت و جماعت کو بے دخل ...کرتے ہیں تو یہ ان کی تخریبی حرکت ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعٰی فی خرابها اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کا نام لینے کو روکے اور ان کے خراب کرنے کی کوشش کرے۔ مفسرین لکھتے ہیں۔ انها تدل علی ان هدم المساجد وتخریبها ممنوع وکذا المنع عن الصلٰوة والعبادة ۔ (جلالین ص۱۵، بیضاوی ص۱۰۱، خازن ص۹۴، تفسیرات احمدیہ ص۱۷، صاوی حاشیہ جلالین ص۵۰، ارشاد العقل ص۳۵۳) کہ مسجدوں کا گرانا اور خراب کرنا ممنوع ہے۔ اس طرح لوگوں کو نماز اور عبادت سے روکنا بھی منع ہے۔ علاوہ ازیں مسجد اور وقف کا حقیقی طور پر کوئی مالک نہیں بن سکتا۔ والمسجد خاص لله سبحانه لیس لاحد فیه حق قال الله تعالی وان المساجد لله بان کل شیء له فکان فائده هذه الاضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه۔

(فتح القدیر ص ۴۳۳، عنایہ ص ۴۴۴، بحرالرائق ص ۲۵۱، ۲، ردالمحتار ص ۵۱۲) کہ مس
اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ان میں کسی کا بھی حق ملکیت نہیں ہے۔ کیونکہ واقف جب و
کرتا ہے تو اس کا حق ملکیت ختم ہو جاتا ہے بلکہ وقف کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ کسی
کو اپنے ملک سے خارج کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی ملک کر دینا اس طرح کہ اس
کا نفع بندگان خدا میں جس کو چاہے ملتا رہے۔ نہ یہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ
اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب وقف کیا تو فرمایا، انہ
لا یباع ولا یوھب ولا یورث (مشکوٰۃ ص ۲۶۵ جلد ۲ باب العطایا، بخاری ص
ج ۲ کتاب الوصایا) اس کو نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ورثہ بنایا جائے
اور جب کوئی چیز وقف ہو جاتی ہے تو وہ وقف کرنے والے کی ملکیت سے
نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد نہ اس کو کوئی بیچ سکتا ہے
اور نہ ہی اس کا کوئی مالک بن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے
البتہ جن لوگوں نے اس کو وقف کیا ہے یا رقم لگائی ہے۔ وہی شرعاً اس
نظم و نسق کرنے کے مستحق ہیں یا یہ وقف کرنے والے جس کو متولی یا ناظم مقرر
کریں وہ مستحق ہوگا۔ اگر کوئی بالجبر متولی یا ٹرسٹی بن جاتا ہے تو وقف کرنے
والے اس کو شرعاً قانوناً علیحدہ کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ دیوبند ص ۵۸۸ جلد ۱) میں
صریح جزئیہ موجود ہے۔ اگر مسجد اہل سنت کی ہو اور دوسرے مذہب والا
متولی بن جائے تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر وہ غیر مذہب والا تولیت وغیرہ کا
دعویٰ کرتا ہے تو دعویٰ اس کا باطل و غیر مسموع ہے۔ کتب فقہ میں تصریح
ہے مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ کہ وقف کرنے والوں
کے مقصد کی رعایت لازم ہے درمختار میں ہے ولایۃ نصب القیم

الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی ردالمحتار میں ہے۔ الرأی
للواقف۔ (ردالمحتار ص ۴۱۰ جلد ۳) کہ متولی اور ناظم مقرر کرنے کا حق اور اختیار
وقف کرنے والے کو ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب وقف اہل سنت و جماعت
نے کیا ہے اور اس دینی مدرسے کو یا مسجد کو اہل سنت و جماعت نے بنایا ہے تو
ان کی مرضی کے بغیر اگر کوئی شخص متولی یا ناظم یا رکن بنتا ہے تو وہ نہیں بن سکتا، بلکہ
ان وقف والے کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ جو لوگ بالجبر متولی بن گئے ہیں ان
کو علیحدہ کر دیں۔ فتاویٰ دیوبند ص ۴۱۵ میں یہ بھی ہے کہ عامۃ المسلمین کو ان کے معزول کرنے
کا حق ہے اگر عام مسلمین بذات خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قادر نہ ہوں
تو ان پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور ان سے درخواست کر کے
متولی صالح مقرر کرا کر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں اس سے واضح ہوا کہ
اگر کوئی شخص عام مسلمین یا وقف کرنے والوں کی رائے کے خلاف متولی مقرر ہو جائے
یا وہ وقف میں خیانت کا مرتکب ہو تو وقف کرنے والوں کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے
کہ ایسے متولی اور ناظم کو علیحدہ کرائیں۔ چونکہ یہ دینی مدرسہ اور مسجد عوام اہل سنت و
جماعت نے بنائی ہے۔ لہٰذا وہ اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ لیکن اپنی علیحدہ جماعت
کرائیں۔ فتاویٰ رضویہ ص ۳۹۵ میں ہے۔ مگر ان کی جماعت (دیوبندی وغیرہ)
ہونے کی حالت میں اہل سنت اپنی جماعت کر سکتے ہیں، اہل سنت عقیدہ کے
لوگ۔ وہابی، دیوبندی، جماعت اسلامی کے عقیدہ کے حامل لوگوں کے پیچھے ہرگز
نماز نہ پڑھیں۔ امام طحطاوی لکھتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت مذاہب اربعہ میں
منحصر ہے۔ وہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں وان کان خارجا عن ھذہ
الاربعۃ فی ھذہ الزمان فھو اھل البدعۃ
والنار ـــــــ (حاشیہ در مختار) اس زمانہ میں ان مذاہب

اربعہ سے خارج ہونے والا بدعتی اور دوزخی ہے جماعت اسلامی کے لوگ بھی چونکہ ائمہ اربعہ (ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد) سے کسی کی تقلید نہیں کرتے لہٰذا ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام۔

جو کسی بدعتی کی عزت اور توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے میں مدد کی جب کسی کو امام بنایا جاتا ہے تو اسکی عزت بھی کی جاتی ہے اور جو مذاہب اربعہ سے خارج ہے وہ بدعتی ہے اور بدعتی کی عزت اور توقیر منع ہے۔ لہٰذا بدعتی کو امام بنانا بھی منع ہے۔ اس لیے اہل سنت ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اگر فساد کا خطرہ نہ ہو تو اپنی علیحدہ جماعت کرائیں اور عوام اہل سنت ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کرتے رہیں کہ جو لوگ بالجبر متولی بن گئے ہیں۔ ان کو علیحدہ کرا دیں اگر عوام اہل سنت بالکل ہی مایوس ہو چکے ہیں کہ اب جماعت اسلامی والے لوگ ہرگز قبضہ نہیں چھوڑیں گے اور قانون بھی انکی امداد نہیں کرتا تو پھر اہل سنت و جماعت شر و فساد سے بچنے کے لیے جماعت اسلامی سے ۲۲ ہزار پونڈ لیکر کسی دوسری جگہ دینی مدرسہ اور مسجد بنالیں۔ یہ رقم عوام اہل سنت خود استعمال نہیں کر سکتے۔ ورنہ وقف کا باطل ہونا لازم ہوگا جو کہ عند الشرع منع ہے۔ فتاویٰ رضویہ صـ ۶۱۵ میں ہے اگر کسی نے مسجد پر ظلماً قبضہ کر لیا اور حصول یابی کی کوئی صورت نہیں ہے اور وہ دوسری جگہ معاوضہ دینے کے لیے تیار ہو تو وہ جگہ لے کر مسجد بنائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ صورت اس وقت ہے کہ جب اہل سنت و جماعت کو یقین ہو کہ یہ مسجد اب ہم کو نہیں مل سکتی تو بامر مجبوری ان سے رقم لے کر نئی مسجد یا دینی مدرسہ بنالیں۔ یہ رقم (پونڈ) لے کر خود اپنی ذات پر یا کسی اور کام پر استعمال نہیں کر سکتے۔ فقہا اسلام فرماتے ہیں۔ ولو کان الوقف مرسلا لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ ان یبیعھا و یستبدل بھا، المسجد اذا شرط الاستبدال بہ او شرط ان یصلی فیہ قوم دون قوم فالشرط باطل ———

(فتاویٰ قاضی خان صـ ۲۱۔ مبسوط صـ ۴۲ جلد ۱۲، بحر الرائق صـ ۲۰۳ جلد ۵، عنایہ صـ ۴۲۹ جلد ۵، کلایہ صـ ۴۴۰ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیری صـ ۳۴۸ جلد ۲) اگر رقم لے کر عوام خود استعمال کریں یا کسی اور کام پر استعمال کریں تو پھر یہ استبدال ہے کہ وقف کا باطل ہونا ہوگا جو کہ منع ہے، خلاصہ کلام یہ ہے۔

۱۔ جب یقین ہے کہ یہ لوگ جماعت اسلامی والے قبضہ نہیں چھوڑیں گے تو مجبوری کے پیش نظر رقم لے کر اس کے بدلہ میں دینی مدرسہ اور مسجد بنائی جائے رقم لے کر نہ خود استعمال کر سکتے ہیں نہ کسی دیگر کام پر،

۲۔ یہ جگہ چونکہ اہل سنت و جماعت نے خود لے کر وقف کی ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر فساد وغیرہ کا خطرہ نہ ہو تو اپنی علیحدہ جماعت بھی کرا سکتے ہیں بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز ہرگز نہیں ہوتی۔

۳۔ قرآن پاک میں ہے کہ نیکی پر تعاون کرو اور گناہ و زیادتی پر تعاون نہ کرو جب سائل کے قول کے مطابق کمیٹی کے افراد مکار اور انتشار پسند ہیں تو ان سے ہرگز ہرگز تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

۹۷۔ مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ یو کے ۱۴ اپریل ۸۸ء

---

۹۸ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کمیٹی نے برائے

درسگاہ خریدا جو اسلامک سنٹر کے نام سے مشہور ہے جس میں اب پانچ وقت نماز اور بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے پہلی منزل میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے۔ دوسری منزل اردو کی کلاسز ہوتی ہیں اور تیسری منزل پر امام صاحب کی رہائش ہے۔ اس سے پہلے جو امام مسجد تھے اس جگہ بمعہ بیوی بچوں کے رہتے تھے۔ موجودہ امام بھی اپنے بیوی بچوں کو ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا وہ اپنے بچوں کو یہاں اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں یا نہیں جواب مرحمت فرمائیں۔

سائل

حاجی غلام رسول جماعتیہ ٹرسٹ برمنگھم، "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب تیسری منزل پر پہلے امام مسجد بمعہ بچوں کے رہائش پذیر تھے تو اب موجودہ امام مسجد بھی بمعہ اہل وعیال رہ سکتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مسجد کے اوپر اگر مکان بنایا گیا جس کے فوائد مسجد کی طرف عائد ہیں تو جائز ہے بحر الرائق میں ہے کہ مسجد کے مصالح اور فوائد کے لیے جو جائیداد موقوف ہے۔ اس میں امام اور مؤذن کے مصارف ومصالح وفوائد بھی شمار ہیں رد المحتار میں ہے کہ موقوفہ آمدنی موقوفہ اس چیز پر صرف ہوگی جو باعتبار مصالح مفید تر ہو کر یہ معنوی عمارت ہے جیسے کہ مسجد کے امام اور مؤذن اور مدرسہ کے لیے مدرس کران سے مسجد ومدرسہ کی آبادی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں امام مسجد بمعہ بیوی بچوں کے تیسری منزل پر رہائش پذیر ہو سکتا ہے۔ جو کہ عند الشرع جائز ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۱۶ جون ۸۶ء

الاستفتاء (٩٩)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ناروے میں ایک عالم دین نے آج سے چند برس پہلے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جسکی ایک مستقل کمیٹی بھی بنائی جسکو مدرسہ کے لیے صدقات واجبہ اور نافلہ وصول کرنے اور اس کے عمارت پر خرچ کرنے پر مامور فرمایا۔ اس کمیٹی نے صدقات واجبہ، نافلہ کی لاگت سے ایک عمارت برائے مدرسہ خریدی۔ اب اس صورت میں زید کہتا ہے کہ صدقات واجبہ کا اس مدرسہ کی خریداری پر صرف کرنا ناجائز ہے۔ لہٰذا مدرسہ کے لیے خریدی ہوئی عمارت پر صدقات واجبہ کی رقم کا صرف کرنا ممنوع تھا۔ اسی بناء پر اس مدرسہ کو اپنی موجودہ صورت میں قائم رہنا اور چلنا نہیں چاہیے۔ اب مفتیان شرع سے گزارش ہے وہ درج ذیل امور کے بارے میں شرعی فیصلہ فرمائیں۔

۱۔ وہ عالم دین جو ایک دار حرب میں رہتا ہے۔ اس کے لیے ایسی کمیٹی قائم کرنا جو صدقات واجبہ براہ راست وصول کر کے دینی مدرسہ پر خرچ کرے، کیا یہ جائز ہے

۲۔ کیا ایسی کمیٹی دار حرب میں ایک عالم دین کے قائم کرنے سے بیت المال کے حکم میں ہوگی یا نہ،

۳۔ کیا اگر دار حرب میں ایسے عالم دین کے اس اختیار کو تسلیم نہ کیا جائے تو کیا اس کے قائم کردہ جمعہ اور عیدین درست ہونگی یا نہ اگر اس عالم دین کے قائم کردہ جمعہ اور عیدین بلا چون وچرا جملہ مسلمان اور علماء دین شرکت کرتے ہوں تو ایسے عالم دین کے مذکورہ بالا کمیٹی قائم کرنے پر اعتراض کرنے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہ،

سائلین

از ناروے ڈیلورپ ۱

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

دراصل شریعت اسلامیہ نے دار حرب اور دار اسلام کے علیحدہ علیحدہ احکام مقرر کئے ہیں کئی امور جو دار اسلام میں ناجائز ہیں وہ دار حرب میں جائز ہیں۔ نماز جمعہ اور عیدین کی ادائیگی کے لیے دار اسلام میں مسلمان بادشاہ کا حکم اور اجازت ضروری ہے لیکن دار حرب میں یہ ضروری نہیں ہے اگر دار حرب میں مسلمان پرامن رہ رہے ہوں اور انکی عبادت گاہیں اور مساجد محفوظ ہوں اور ان کو شہری حقوق حاصل ہوں اور انکے حقوق کا تحفظ بھی ہو رہا ہو اور وہ اپنے شعائر اسلامیہ اور فرائض کو بلا روک ٹوک ادا کرسکتے ہوں تو اندریں صورت ان مسلمانوں کے مذہبی امور مثلاً جمعہ وعیدین کا قیام رویت ہلال، فسخ نکاح وغیرہ کے لیے امیر ہونا چاہیئے۔ جس کا انتخاب ان مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہو۔ یہ امیر یہاں قاضی یا حاکم شرعی کے قائم مقام ہوگا یہ امیر صرف نام کا قاضی نہیں ہوگا بلکہ اس کا فیصلہ شرعًا معتبر اور نافذ ہوگا۔ اسلام میں امام کا تعین واجب ترین امر ہے۔ چنانچہ اسلام انفرادیت کو ناپسند اور اجتماعیت کو پسند کرتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ یا معشر العریب الارض الارض انه لا اسلام الا بالجماعة ولا جماعة الا بالامارة ولا امارة الا بطاعة۔ (سنن دارمی) اے اہل عرب زمین پر فساد سے بچو بلاشبہ اسلام بلا جماعت کے نہیں ہے اور جماعت بلا امیر کے نہیں ہے اور امیر بلا اطاعت کے نہیں ہے۔ درمختار ص۴۰۴ جلد۱ میں ہے۔ و نصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات صلى الله عليه وسلم تقرر امام واجبات میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اسی وجہ سے

حضرات صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن مبارک، پر اس کو مقدم کیا۔ شرح عقائد میں ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے نفاذ اور جمعہ و عیدین کو قائم کرنے کے لیے امام کو ضرور مقرر کرلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاملات اور عبادات میں امام کا تقرر لازمی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں کافی احادیث ہیں جن میں مسئلہ امامت کو خاص اہمیت دی گئی ہے اس ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر دار حرب یا دار کفر اور غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے امام کا تقرر ضروری ہے۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ اما في بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين۔ (رد المحتار ص۱۴۲ و ص۱۴۴، ص۱۷۵ جلد۱، جلد۲، جلد۴، فتاوی عالمگیری ص۱۴۶ جلد۱، عمدۃ الرعایہ ص۲۰۹ جلد۱، احکام سلطانیہ ص۶۷، فتاوی عبد الحئی ص۱۶۷ و ص۱۶۹) لیکن ان شہروں میں جن میں غیر مسلم حاکم ہیں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین قائم کرنا جائز ہیں اور وہاں مسلمانوں کا آپس میں کسی کو قاضی مقرر کرلینا ہی کافی ہوگا اور وہ قاضی شرعی حاکم کے حکم میں شمار ہوگا عمدۃ الرعایہ میں ہے العالم الثقة في بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه وہ ثقہ اور معتبر عالم کہ جس شہر میں حاکم شرعی نہ ہو اس کے قائم مقام ہوگا۔ فتح القدیر میں ہے۔ ان يكون عدلا عفيفا عالما بالسنة۔ یہ عالم (قاضی) عادل پاکباز عالم بالسنۃ ہو اگر مسلمانوں نے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو حاکم شرعی یا قاضی بنا لیا تو ان کے اوپر سے وہ ذمہ داری ساقط ہوجائے گی جو شریعت نے ان کے اوپر ڈال دی ہے اس قاضی کا حکم اور فیصلہ شرعًا نافذ اور معتبر ہوگا۔ احکام سلطانیہ میں ہے، نفذت احکامه عليهم اس سے ظاہر ہے

کہ دار حرب میں مسلمانوں کا باہمی اپنے عبادات اور معاملات کے تصفیہ کے لیے کسی عالم دین کو اپنا امیر اور قاضی مقرر کرنا درست ہے جس کو وہ قاضی مقرر کریں گے وہ جو فیصلہ کرے گا وہ معتبر اور نافذ ہوگا۔ یہ مسلمانوں کا مقرر کردہ عالم دین (قاضی) جیسے جمعہ و عیدین رویت ہلال فسخ نکاح وغیرہ کے لیے ہوگا۔ اس طرح اگر یہ قاضی زکوٰۃ، صدقات واجبہ میں تصرف کرے اور ان مسلمانوں سے وصول کرکے یہ ان مصارف میں خرچ کرے جو کہ بیت المال کے مصارف ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ جیسے جمعہ و عیدین وغیرہ کا قیام اس مقرر کردہ قاضی کے اختیار کے تحت ہے۔ اس طرح زکوٰۃ،، صدقات واجبہ کا انتظام بھی اس کے اختیار کے تحت ہے، احکام سلطانیہ ص ۲۷ میں ہے۔ فاما اموال الصدقات تدخل فی عموم ولایته فیقبضها من اهلها و یصرفها فی مستحقیها

جب اس مقرر کردہ قاضی کو صدقات واجبہ میں تصرف کا حق ہوگا تو پھر یہ دار حرب کے مسلمانوں سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے کمیٹی بھی مقرر کر سکتا ہے جس کا حکم بیت المال والا ہوگا۔ اس لیے کہ بیت المال کا قیام بھی اسلام میں کسی نص کے تحت نہیں تھا۔ بلکہ ایک ضرورت کے تحت تھا تاکہ مال کا ضیاع نہ ہو اور لوگوں کو ان کے حقوق کے مطابق دیا جائے۔ یہ جہاں ضرورت پڑے وہاں ہی مقرر کردہ قاضی بیت المال کا قیام اور اس کے لیے دیانت دار مسلمانوں کی کمیٹی کا تقرر کر سکتا ہے اور یہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مال وہاں خرچ کر سکتا ہے جو کہ بیت المال کے مال کے مصارف ہیں اور مال بیت المال یا بیت المال کے حکم میں ہو جیسے رباط، مسجد، قاضی، مفتی، معلم، طالب علم، ہر وہ جگہ جہاں مسلمانوں کا فائدہ ہو صرف ہو سکتا ہے اس طرح مدارس دینیہ پر بھی خرچ ہو سکتا ہے۔ احکام سلطانیہ میں ہے، و کذلک جوامعهم یعنی بیت المال کے مصارف سے مدارس دینیہ بھی ہیں غرضیکہ دار حرب میں مسلمانوں کا باہمی اپنے عبادات اور معاملات کے لیے کسی معتبر اور ثقہ عالم کو قاضی مقرر کرنا اور اس کے احکام اور فیصلوں کو تسلیم کرنا شرعاً درست ہے یہ قاضی جیسے کہ ان کے لیے قیام جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام کرے گا۔ اس طرح انکے مال سے صدقات واجبہ کی وصولی اور پھر اس کے مصارف کے لیے انتظام بھی کر سکتا ہے، زید کا یہ کہنا کہ صدقات واجبہ کے ساتھ ابتداءً مدرسہ کی عمارت کی خریداری ناجائز ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ دار حرب میں جب کسی عالم دین کو باہمی مسلمان اپنا قاضی مقرر کر لیں اور وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی وصولی کے لیے کمیٹی مقرر کرے تو یہ اس کی مقرر کردہ کمیٹی بیت المال کے حکم میں ہوگی اس لحاظ سے اس زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کو اگر دینی مدرسہ پر ابتداءً ہی خرچ کیا جائے تو علی الشرع جائز ہے زید کا یہ کہنا بھی اس دینی مدرسہ کو موجودہ صورت میں قائم نہیں رہنا چاہیئے۔ غلط ہے کیونکہ جب ان صدقات واجبہ کے ساتھ اس مدرسہ کی عمارت خریدنا جائز ہوئی تو پھر اس مدرسہ کو موجودہ صورت میں قائم بھی رہنا چاہیئے، بلکہ ادارے کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے جو انہوں نے یہ دینی درس گاہ قائم کی ہے، اس کو قائم رکھیں جب اس عالم دین کے قائم کردہ جمعہ اور عیدین میں تمام مسلمان اور علمائے دین بھی شرکت کرتے ہیں اور یہ تسلیم بھی کرتے ہیں کہ جمعہ اور عیدین کے قیام کا حق اس عالم دین کو ہے تو اس عالم دین کے مذکورہ کمیٹی قائم کرنے پر اور زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے دینی درسگاہ پر خرچ کرنے پر کسی کو اعتراض کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جیسے جمعہ و عیدین کا قیام دار حرب میں مقرر کردہ قاضی کے اختیار کے تحت ہے۔ اس طرح زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی وصولی کے لیے کمیٹی کا قیام اور صدقات واجبہ کا دینی مدرسہ پر خرچ کرنے کا اختیار بھی مقرر کردہ قاضی کو ہے۔

زید کا جمعہ و عیدین کے قیام کے لیے مقرر کردہ قاضی کا اختیار تسلیم کرنا اور زکوٰۃ و

صدقات واجبہ کی وصولی اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا اختیار تسلیم نہ کر
فہمی پر مبنی ہے۔ جبکہ دونوں اختیار مقرر کردہ قاضی کو شریعت اسلامی تفویض کر
رہی ہے۔ زید کا ایک کو تسلیم کرنا اور دوسرے کو تسلیم نہ کرنا کچھ حقیقت نہیں رکھ
خلاصہ کلام یہ ہے۔

۱۔ کہ یہ عالم دین جو دار حرب میں رہتا ہے۔ بحیثیت قاضی صدقات وا جبہ
وصول کر کے ابتداءً دینی مدرسہ پر خرچ کر سکتا ہے۔

۲۔ یہ کہ اس عالم دین (قاضی) کی مقرر کردہ کمیٹی بیت المال کے حکم میں ہوگی۔

۳۔ جب اس عالم دین (قاضی) کے قائم کردہ جمعہ و عیدین میں تمام مسلمان او
علمائے دین بھی شرکت کرتے ہیں تو اس کی قائم کردہ کمیٹی پر بھی کسی کو اعتراض
کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور جو اس عالم دین نے مدرسہ قائم کیا ہے اور اس
پر صدقات واجبہ وغیرہ صرف کئے ہیں وہ شرعاً درست ہیں اس عالم دین
اور اس کی مقرر کردہ کمیٹی بلکہ نارو کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس
مدرسہ کو اس کی موجودہ صورت پر قائم رکھیں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن ۲ اپریل ۹۰ء

کتاب البیع

(۱۰۰) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر

تقریباً دس ہزار پونڈ لئے ہیں اور عمرو نے تقریباً ۱۵ ہزار پونڈ زید سے لئے ہیں اب
عمرو اور بکر میں یہ طے پاگیا کہ یہ دس ہزار پونڈ عمرو وصول کریگا اور عمرو زید کو کہتا
ہے کہ یہ رقم میرے ذمے آئی۔ اب عمرو کو بکر سے تقریباً چار ہزار پونڈ وصول ہوتے ہیں
الـ ۶ ہزار پونڈ کس کے ذمے ہوں گے۔ شرعی حکم تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

سائل

برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں حوالہ کی صورت ہے جو کہ حدیث پاک سے ثابت ہے امام
بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے اور امام ابو داؤد
ابن ابی شیبہ، طبرانی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو حوالہ کیا جائے مال دار پر تو چاہیئے کہ حوالہ قبول کرے
فقہاء کرام فرماتے ہیں هی نقل من ذمته الی ذمة وتصح فی
الدین برضا المحتال والمحتال علیه ویبرئ المحیل بالقبول
من الدین۔ (کنز الدقائق صہ ۹۴) وہ منتقل کرنا ہے۔ دین کو ایک
ذمہ سے دوسرے کی طرف اور صحیح ہے۔ دین میں محتال (جس کا قرض ہو) اور
محتال علیہ (جو حوالہ قبول کرے) کی رضا سے اور بری ہو جاتا ہے۔ محیل (جو شخص
حوالہ کرے یعنی مدیون) قبول کرنے کے بعد قرض سے، محتال کی رضا تو اس لیے
ضروری ہے کہ دین اور قرض اس کا حق ہے اور ادائیگی میں لوگوں کی عادتیں مختلف
ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کی رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کا نقصان نہ ہو اور محتال علیہ

کی رضامندی اس لئے ضروری ہے کہ اس پر دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور لزوم بلا التزام نہیں ہوتا. نیز تقاضے کے لحاظ سے لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے کوئی نرمی سے مانگتا ہے کوئی سختی سے اس لیے محتال علیہ کی رضا بھی ضروری صورت مسئولہ میں جب دس ہزار کا حوالہ بکر پر ہوگیا ہے اور بکر نے کہہ دیا ہے کہ میں عمرو کو دے دوں گا اور عمرو نے کہا ہے کہ میں بکر سے وصول کرلوں گا دونوں کی رضا مندی پائی گئی ہے تو اب عمرو بکر سے تمام پونڈ وصول کرے گا. یعنی باقی چھ ہزار پونڈ بکر سے لیگا. زید بری الزمہ ہو چکا ہے. رد المحتار میں ہے کہ جب حوالہ صحیح ہو جائے تو محیل یعنی مدیون قرض سے بری ہو جاتا ہے. غرض کہ بقیہ چھ ہزار پونڈ عمرو بکر سے وصول کرے گا. زید کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے. البتہ اگر محتال (جس کا قرض ہو) کا مال ہلاک ہوتا ہو تو اس صورت میں محیل (مدیون) کی طرف رجوع کر سکتا ہے. کیونکہ محیل کا بری الذمہ ہونا سلامتی حق محتال کے ساتھ مقید ہے. کیونکہ یہ برأت استیفاء ہے نہ کہ برأت اسقاط ہے جب استیفاء حق متعذر ہوگیا تو اصل مدیون پر رجوع ثابت ہو جائیگا. پھر ہلاکت مال دو چیزوں سے ہوتی ہے یا تو محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھالے کہ مجھ پر حوالہ نہیں ہوا اور محیل اور محتال کے پاس گواہی نہ ہو یا محتال علیہ افلاس کی حالت میں مرجائے. ان میں سے جو بھی صورت ہو ہر حالت میں مال ہلاک تصور کیا جائے گا اور محتال کو محیل پر رجوع کا حق حاصل ہوگا ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں جب تک بکر چھ ہزار پونڈ دینے سے انکار نہیں کرتا تو عمرو بکر سے ہی وصول کرے گا البتہ اگر بکر قسم اٹھا کر انکار کر جاتا ہے کہ میں نے ذمہ داری نہیں اٹھائی تو پھر عمرو زید کی طرف رجوع کر سکتا ہے. لیکن یہاں عمرو ہر صورت میں بکر سے بقیہ چھ ہزار پونڈ وصول کریگا. کیونکہ بکر کا پہلے چار ہزار پونڈ عمرو کو ادا کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حوالہ بکر پر ہو چکا ہے اور بکر رضامندی بھی ظاہر کر چکا ہے. ورنہ بکر پہلے عمرو کو چار ہزار

پونڈ نہ دیتا. لہٰذا بقیہ چھ ہزار پونڈ بکر کے ذمے ہے اور عمرو کو چاہیئے کہ وہ بکر سے وصول کرے. واللہ ورسولہ اعلم بالصواب.

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱ یو کے ۱۸ اکتوبر ۸۷ء

---

(۱۰۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ میں دس پونڈ میں فروخت کی اور عمرو نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن زید نے ابھی تک عمرو سے دس پونڈ وصول نہیں کئے تھے کہ پھر وہی چیز زید نے عمرو سے ۵ پونڈ میں خرید لی تو کیا زید کا یہ خریدنا اندریں صورت جائز ہے یا نہ جو حکم شرعی ہو وہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں.

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)، برمنگھم. "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

یہ صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے. البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی لونڈی زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کی. اس کے بعد ان سے چھ سو درہم نقد کے عوض خرید لی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے فرمایا کہ یہ تیری خرید و فروخت بدترین ہے. زید سے جا کر کہہ دے کہ تو

اپنا جہاد کھو بیٹھا مگر یہ کہ توبہ کرے۔ اس حدیث پر سوال ہوتا ہے کہ اس میں ایک راوی
مسمات عالیہ عورت ہے جس کو دار قطنی اور حافظ ابن جوزی نے مجہول کہا ہے
لہٰذا اس حدیث سے حنفیہ کا اس مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ حنفیہ جواباً کہتے
ہیں کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ عورت بڑی مشہور اور صاحب مرتبہ ہے۔ علامہ ابن
سعد نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے۔ العالیہ بنت ایفع بن
شراحیل امراۃ ابی اسحٰق السبیعی سمعت
عن عائشۃ ـــــــ صاحب جوہر نقی فرماتے ہیں کہ عالیہ
مشہور و معروف عورت ہے اس کے لڑکے یونس اور اس کے خاوند اسحاق نے
اس سے روایت کی ہے۔ یہ دونوں حدیث کے امام ہیں، ابن حبان نے انکو ثقات
میں شمار کیا ہے۔ امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک، احمد بن حنبل اور
حسن بن صالح وغیرہم نے ان کی احادیث قبول کی ہیں جب حدیث صحیح ہے تو
حنفیہ کا اس سے استدلال بھی صحیح ہے کہ یہ خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ غرضیکہ
حنفیہ کے نزدیک یہ بیع و شرا جائز نہیں ہے اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے۔
واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱ "لوکے" ۵ نومبر ۸۵ء

---

(۱۰۴) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے
عمرو سے مکان خریدا، جب زید عمرو کو قیمت دینے لگا تو زید اور عمرو کا باہمی

اختلاف ہو گیا، عمرو کہتا ہے کہ مکان کی قیمت دس ہزار پونڈ ہے اور زید کہتا ہے کہ
قیمت ۹ ہزار پونڈ ہے۔ اب اس صورت میں شرعاً زید کی بات معتبر ہے یا عمرو کی،
کوئی تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں،

العارض

چوہدری محمد اشرف (صاحب)، اولڈہم "لوکے"

الجواب ہو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید اور عمرو سے جس کے پاس گواہی ہو اس کے حق میں
فیصلہ ہو گا اس لیے کہ جس کے پاس گواہی ہے اس نے گویا کہ اپنے دعویٰ کو دلیل سے
ثابت کر دیا۔ اگر زید اور عمرو دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو جس کے گواہ زیادتی کو ثابت
کر دیں اس کا اعتبار ہو گا۔ کیونکہ گواہیاں اثبات کے لیے ہی ہوتی ہیں اگر زائد ثابت
کر رہے ہیں تو اس میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے اگر زید اور عمرو دونوں سے کوئی
گواہ بھی نہیں پیش کرتا اور دونوں ایک دوسرے کے دعویٰ سے بھی راضی نہیں ہیں تو
پھر دونوں قسم اٹھائیں گے۔ پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔ یعنی خریدنے والے سے
اور پھر بیچنے والے سے، اگر ان میں سے کوئی قسم کا انکار کرتا ہے تو اس پر دوسرے
کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ انکار سے اقرار کرنے والا ہو گیا اور اس کا دعویٰ
دوسرے سے معارض نہ رہا، اگر دونوں سے کوئی انکار نہیں کرتا بلکہ دونوں قسم اٹھا
لیتے ہیں تو پھر بیع فسخ کر دی جائے۔ کیونکہ جھگڑا ختم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت
ہی نہیں ہے۔ غرضیکہ صورت مسئولہ میں زید اور عمرو سے جس کے پاس گواہی ہو گی،
اس کے حق میں فیصلہ ہو گا۔ اگر دونوں گواہیاں پیش کر دیتے ہیں تو عمرو کے گواہوں کا
اعتبار کرتے ہوئے زید کو دس ہزار پونڈ دینے پڑیں گے۔ اگر گواہ پیش نہ ہو سکیں تو پھر

زید کو کہا جائے گا کہ عمرو نے جو قیمت بتائی ہے اس پر راضی ہو ورنہ بیع کو فسخ کر دیا جائے گا یا عمرو سے کہا جائے گا جو کچھ زید کہتا ہے اسے تسلیم کر لو ورنہ بیع فسخ کر دی جائے گی۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی بات تسلیم کر لے تو تنازعہ ختم ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں سے کوئی اس کے لیے تیار نہیں ہے تو دونوں پر حلف دیا جائے گا۔ پہلے زید سے قسم لی جائے گی پھر عمرو سے، اگر دونوں سے کسی ایک نے قسم انکار کیا تو جو قسم سے انکار کریگا تو اس پر دعوی لازم کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں نے قسم کھالی تو بیع فسخ کر دی جائے گی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۵ مئی ۸۶ء

الاستفتاء (۴۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کے پاس دو ہزار پونڈ رقم امانت رکھی پھر زید کسی وجہ سے کسی دوسرے ملک چلا گیا۔ عمرو نے وہ رقم تجارت پر لگا دی۔ اب اس سے جو نفع عمرو نے کمایا ہے کیا وہ عمرو کے لیے حلال ہے یا نہیں۔ شریعت کا جو حکم ہو وہ بیان فرمایا جائے۔

سائل

احسان الحق "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جو عمرو نے نفع حاصل کیا ہے۔ وہ حلال ہے۔ لیکن یہ اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہونی چاہیے، حدیث پاک میں

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امانت داری مال لاتی ہے اور خیانت محتاجی اور مفلسی لاتی ہے۔ اب عمرو کو چاہیے کہ وہ زید سے اجازت حاصل کرے اور اس کو کہے کہ میں نے تمہارے مال سے نفع حاصل کیا ہے اگر وہ بخوشی اجازت دے دیتا ہے تو پھر یہ نفع اس کے لیے ہر طرح سے درست ہے اگر اجازت نہیں لیتا نفع حلال تو ہے لیکن اچھی صورت نہیں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے"

۵ جولائی ۱۹۸۷ء

باب الربوا

الاستفتاء (۴۴)

جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

سلام مسنون! گزارش ہے کہ آپ نے فتاوی جماعتیہ حصہ دوم ص ۲۷۴ میں یہ لکھا ہے کہ دار الحرب (روس وغیرہ) میں ایک مسلمان کافر حربی (غیر مسلم) کے ساتھ سودی کاروبار کر سکتا ہے اور پہلے پیر کرم شاہ صاحب (بھیرہ پاکستان) نے بھی فتوی دیا تھا کہ مسلمان کافر حربی (غیر مسلم) کے ساتھ سودی کاروبار کر سکتا ہے۔ اب میں نے ضیاء حرم میں ان کا اس مسئلہ سے رجوع کرنا پڑھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہر ملک اور ہر جگہ میں سودی کاروبار ناجائز ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق ہر ملک میں سود کی حرمت کا میں اعتراف کرتا ہوں آپ کو ضیائے حرم روانہ کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اولین فرصت میں اس کا تفصیلی جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہونگے۔

صوفی محمد نجیب اللہ صاحب، "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

ضیاء حرم کو بغور ملاحظہ کیا۔ جناب پیر صاحب نے بقول خود، دو مسئلوں پر بحث کی ہے۔ اول نمبر۱ دار حرب اور دار اسلام کی تعریف کیا ہے۔ اس کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ رہا انگلینڈ تو یہ ملک ابھی تک اپنے قدیم عقائد و نظریات پر قائم ہے لہٰذا دار اسلام ہونے کا شرف کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اس میں تمام کافرانہ احکام نافذ ہیں۔ اس کے دار الحرب ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوم نمبر۲۔ کیا دار حرب میں کافر حربی غیر مسلم سے سود لینا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علماء اسلام کی دو رائے ہیں، ایک رائے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ کی ہے اور دوسری رائے امام ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ حضرات امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی ہے، پہلی رائے کے مطابق دار الحرب میں مسلمان کے لیے حربی سے سود لینا جائز ہے کیونکہ درحقیقت وہ سود ہے ہی نہیں، دوسری رائے کے مطابق سود لینا مطلقاً حرام ہے دار الحرب اور دار الاسلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان فریقین کے دلائل میں بار بار غور کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت امام ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ (مالک، شافعی، احمد) کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور میں بھی اس قول کو ترجیح دیتا ہوں اور ان دلائل کی روشنی میں یہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے اور حضرت امام ابو یوسف کے فتویٰ کے مطابق ہر جگہ اور ہر ملک میں سود کی حرمت کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ تھا پیر صاحب کی کلام کا خلاصہ جو انہوں نے ضیائے حرم میں بطور رجوع شائع کیا۔ جہاں تک پہلے نمبر۱ مسئلہ کا تعلق ہے ہم اس پر کسی قسم کا تبصرہ و تنقید نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ پیر صاحب نے برطانیہ[1] کو دار الحرب تسلیم کر کے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ رہا دوسرا نمبر۲ مسئلہ کہ کیا دار الحرب میں مسلمانوں کو کافر حربی سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق پیر صاحب نے پہلے یہ فتویٰ دیا تھا کہ برطانیہ دار الحرب ہے۔ اس کے بارے میں فقہاء اسلام کا یہ فتویٰ ہے کہ دار حرب میں اگر کوئی مسلمان دار حرب کے غیر مسلم باشندے کو مثلاً ایک ہزار پونڈ قرض دیتا ہے یا وہاں بنک میں جمع کراتا ہے اور وہ اسے سال کے بعد گیارہ سو پونڈ دیتا ہے تو وہ ایک سو پونڈ جو زائد ہے وہ اس مسلمان کے لیے حلال ہے۔ کیونکہ

---

[1]۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب برطانیہ دار الحرب ہے تو پھر مسلمان اور علماء یہاں کیوں رہتے ہیں۔ انکو یہاں سے ہجرت کر جانی چاہیے جواب دار حرب دو قسم پر ہے ایک وہ دار حرب جہاں مسلمانوں کو وہاں کے کافر اپنے امور سرانجام نہ دینے دیں اور شعائر اسلامی پر عمل کرنے سے منع کریں ایسے دار حرب میں مسلمانوں کو نہیں رہنا چاہیے دوسرا وہ دار حرب ہے جس میں مسلمانوں کو اسلامی اور مذہبی امور کی ادائیگی سے ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ انکو کھلی اجازت ہے کہ وہ اپنے مذہب اسلام کے مطابق عملی زندگی بسر کریں ایسے دار حرب میں رہنے کی اجازت ہے۔ رئیس المصنفین پیر سید مہر علی شاہ المتوفی ۱۳۵۶ھ لکھتے ہیں جس دار حرب میں ہجرت فرض ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں کفار مسلمانوں کو نماز روزہ جمعہ اور جماعت اذان وغیرہ شعائر اسلام سے ممانعت کریں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہاں مسلمان بلا روک ٹوک دین کا اظہار کرتے ہیں جمعہ اور جماعت کو قائم رکھتے ہیں تو ایسے دار حرب سے ہجرت فرض نہیں ہے (اعلاء کلمۃ اللہ صفحہ ۹۶) اس سے ظاہر ہے کہ جس دار الحرب میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی اجازت ہو اور انکو شہری حقوق حاصل ہوں اور با امن گزر اوقات کر رہے ہوں تو وہاں رہنے کی اجازت ہے اور برطانیہ میں چونکہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور فرائض اسلامیہ کو بلا روک ٹوک ادا کر سکتے ہیں تو یہاں رہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ یہاں علماء کا رہنا باعث نعمت ہے کہ ان کی وجہ سے صرف اسلامی اقدار کا تحفظ ہی نہیں ہے بلکہ مزید اسلام کی نشر و اشاعت بھی ہے۔ ۱۲ ۱۲

مفتی غلام رسول

وہ سود نہیں ہے (بحوالہ روزنامہ جنگ لندن) پیر صاحب نے اس دوسرے مسئلے سے رجوع
کیا ہے اور کہا ہے کہ فقیر اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتا ہے اور ہر ملک اور ہر جگہ میں سود
کی حرمت کا اعتراف کرتا ہے پیر صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے رجوع کیا ہے یہ رجوع نہیں ہے
بلکہ مذہب حنفی سے انحراف ہے کسی مقلد بحیثیت مقلد کو درست نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے
دلائل کی تضعیف ثابت کرے یا کسی دیگر امام کی دلیل کو اپنے امام کی دلیل سے قوی اور مضبوط
کہے، مولوی عبدالحئی انصاری المتوفی ۱۳۰۴ھ نے کہا،

۱. نماز قضاء کی ترتیب۔
۲. مرد کا عورت کے محاذی ہونا نماز میں۔
۳. نماز سری میں قرأت خلف امام۔
۴. رفع یدین کے مسائل۔

میں امام ابوحنیفہ کے دلائل کمزور ہیں تو سید انور شاہ دیوبندی المتوفی ۱۳۵۲ھ نے
عبدالحئی کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ ولا یسوغ لك الاعتراض علیه
کہ عبدالحئی تمہارا یہ منصب نہیں ہے کہ تم حنفی ہو کر یہ کہو کہ ابوحنیفہ کے پاس ان مسائل مذکورہ
میں دلائل نہیں ہیں یا دلائل کمزور ہیں (فیض الباری ص۱۵۹ جلد ۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
نور اللہ مرقدہٗ المتوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں، اما المقلد فلا یسلك المخالفة۔
(فتاویٰ رضویہ ص۱۱۹) مقلد کو اپنے امام کی مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، پیر
صاحب جب برطانیہ کو دار الحرب سمجھتے ہیں تو پھر دار حرب میں امام صاحب کے قول
کے مطابق ایک مسلمان کا کافر حربی سے سود لینا جائز ہوگا۔ اب اس مسئلہ کے تفصیلی
مباحث ملاحظہ کیجئے۔ امام شافعی نے "کتاب الام" میں اور امام بیہقی نے حضرت مکحول المتوفی
۱۱۸ھ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا ربوا بین الحربی والمسلم
کہ حربی (غیر مسلم) اور مسلمان کے درمیان ربوا (سود) نہیں ہے۔ شیخ ابن ہمام المتوفی

۸۶۱ھ لکھتے ہیں قال فی المبسوط هذا مرسل ومکحول ثقة
والمرسل من مثله مقبول۔ (شرح فتح القدیر ص۳۹ جلد ۷) مبسوط میں
ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور معتمد علیہ راوی ہیں اور ثقہ راوی کی
مرسل مقبول ہوتی ہے یہ مکحول امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ کے استاد تھے۔ امام زہری المتوفی ۱۲۴ھ
فرماتے ہیں کہ علماء چار ہیں مدینہ منورہ میں سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ کوفہ میں امام شعبی
المتوفی ۱۰۴ھ بصرہ میں حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ اور شام میں مکحول، اس سے ظاہر ہے
کہ مکحول ثقہ ہیں اور ثقہ کی مرسل روایت مقبول ہوتی ہے، عبداللہ بن احمد نسفی المتوفی ۷۱۰ھ
مرسل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ فالمرسل من الاخبار وهو ان كان
من الصحابی فمقبول بالاجماع ومن القرن الثانی والثالث کذلك
عندنا ملاجیون المتوفی ۱۱۳۰ لکھتے ہیں ای مقبول عند الحنفیة بان یقول
التابعی او تبع التابعی قال رسول الله کذا۔
(نور الانوار ص۱۷۵) یعنی حنفیہ کے نزدیک تابعی کی مرسل حدیث مقبول ہے۔ فاضل
بریلوی فرماتے ہیں والمرسل حجة عندنا وعند الجمهور (فتاویٰ رضویہ
ص۲۸۹) کہ مرسل حدیث ہمارے اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔ جب مکحول ثقہ
ہیں اور حدیث مرسل قابل حجت ہے تو حدیث لا ربوا بین الحربی والمسلم
صحیح ہوئی اور اس سے ثابت ہوا کہ اگر مسلمان دار حرب میں کافر حربی کے ساتھ سودی
کاروبار کرے تو جائز ہے علامہ ابوالحسن قدوری بغدادی المتوفی ۴۲۸ھ جو کہ فقہاء کے
پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اصحاب ترجیح سے ہیں فرماتے ہیں۔ ولا ربا
بین المسلم والحربی فی دار الحرب (قدوری ص۹۹) کہ مسلمان اور کافر حربی
کے درمیان دار حرب میں سود نہیں ہے۔ علی بن ابی بکر فرغانی المتوفی ۵۹۳ھ جو کہ
اصحاب ترجیح سے ہیں لکھتے ہیں ولا ربا بین المسلم والحربی فی

دار الحرب: خلافاً لابی یوسف والشافعی لهما الاعتبار بالمستامن
منهم فی دارنا ولنا قوله علیه السلام لا ربوا بین المسلم
والحربی فی دار الحرب ولان مالهم مباح فی دارهم فبای
طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر
بخلاف المستامن منهم لان ماله صار محظورا بعقد الامان

(ہدایہ ص۸۷) ترجمہ: اور دار حرب میں جو مسلمان داخل ہوا وہاں اس کے اور حربی کے درمیان ربوا (سود) نہیں ہے اس میں ابو یوسف اور امام شافعی کا اختلاف ہے یہ کہتے ہیں کہ سود ہوگا اور انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ وہ حربی جو ہمارے ہاں امان لے کر آیا ہے چنانچہ اس کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرنا بالاتفاق حرام ہے اس طرح دار حرب میں جو مسلمان داخل ہوا ہے اس کو بھی حربی سے سود لینا حرام ہے اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دار حرب میں مسلمان و حربی کے درمیان سود نہیں ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حربیوں کا مال حربیوں کے ملک میں مباح ہے تو مسلمان نے اس سے جس طریقہ سے لیا مباح ہوا، بشرطیکہ غدر (خیانت) نہ ہو بخلاف ایسے حربی کے جو کہ امان لے کر یہاں آیا، کیونکہ عہد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہو گیا تو یہ جائز نہ ہوا کہ اس سے معاملہ میں زیادہ لیا جائے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ دار حرب میں مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بالخصوص قابل فہم ہے کہ صاحب ہدایہ نے ابو یوسف کی طرف سے جو دلیل پیش کی ہے وہ عقلی دلیل ہے اور اس کے جواب میں خبر واحد (حدیث، لا ربوا بین المسلم والحربی) پیش کی ہے اور امام ابو حنیفہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس اور عقلی دلیل کو ترک کر دیتے ہیں، جیسے کہ اصول میں ذکر ہے۔ صاحب ہدایہ نے ابو یوسف کی طرف سے بطور دلیل نصوص قطعیہ کو پیش نہیں کیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نصوص کا مفہوم یہ

سمجھتے ہیں کہ وہ دار اسلام سے متعلق ہیں یعنی دار اسلام میں سود منع ہے اور دار حرب کا حکم اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ دار حرب میں ایک مسلمان کافر حربی کے ساتھ سودی کاروبار کر سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے نصوص قطعیہ کا جواب نہیں دیا کیونکہ نصوص کو وہ دار اسلام کے ساتھ مختص سمجھتے تھے قرآن پاک میں ہے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کہ تم اپنے مالوں کو باہمی ناجائز ذریعے سے نہ کھایا کرو لا تاکلوا الربٰو کہ سود نہ کھاؤ یہ حکم بھی مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اس طرح دیگر نصوص "ربوا" بھی دار اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں اور ان کا معنی یہی ہے کہ مسلمانو دار اسلام کے اندر باہمی سود نہ کھایا کرو، قیل المراد من النصوص الربا فی مال محظور ومال اهل الحرب غیر محظور الا لعارض من الغدر ... (شرح فتح القدیر ص۲۹ جلد۶) بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نصوص میں ربوا (سود) مال معصوم کے ساتھ مختص ہے اور حربی کافروں کا مال غیر معصوم ہے لہذا لا تاکلوا الربٰو کا معنی ہوگا کہ مسلمانو! مسلمانوں کا مال دار اسلام میں بذریعہ سود نہ کھاؤ۔ اب دوسرے لفظوں میں حدیث مکحول لا ربوا بین الحربی والمسلم، گویا کہ نصوص قطعیہ کی تشریح کر رہی ہے کہ سود کی حرمت کا تعلق دار حرب کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ تو دار اسلام کے ساتھ ہے جہاں مسلمانوں کا مال معصوم ہے۔ اسی لیے شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ وفی التحقیق یقتضی انه لو لم یرد مکحول اجازه النظر المذکور (کی روایت نہ بھی ہوتی تو مذکورہ بالا نظر اسکی اجازت دیتی ہے یعنی سود کی حرمت کا تعلق دار اسلام کے ساتھ ہے دار حرب کے ساتھ نہیں (فتح القدیر ص۲۹) اور تحقیق یہ ہے اگر مکحول کی حرمت کا تعلق دار اسلام کے ساتھ ہے دار الحرب کے ساتھ نہیں ہے۔ علامہ کمال المتوفی ۵۸۰ھ لکھتے ہیں۔ وعلی هذا اذا دخل مسلم او ذمی دار الحرب بامان فعاقد حربیا عقد الربوا وغیره،

من العقود الفاسدة في الاسلام جاز۔ (بدائع وصنائع صـ١٣٢ جلد ٧)، اسی بنا پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان یا ذمی دار الحرب میں امن کا معاہدہ کر کے داخل ہوا اور کسی کافر حربی کے ساتھ سود کا معاملہ کیا جو اسلامی قاعدے کے لحاظ سے، عقود فاسدہ سے ہو تو جائز ہے۔ نیز لکھتے ہیں۔ مال الحربي مباح لانه لا عصمة لمال الحربي (صـ١٣٣)، کہ حربی کافر کا مال مباح ہے کیونکہ حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی المتوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا بأس بان اخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم باي وجه كان لانه انما اخذ المباح على وجه عري عن الغدر فيكون ذلك طيبا۔ (رد المحتار صـ٢٠١ جلد ٤)، جب مسلمان دار حرب میں ان کا معاہدہ اور امان لیکر داخل ہوا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہاں کے کافروں کی مرضی سے ان کا مال لے خواہ کسی ذریعے سے ہی ہو کیونکہ اس نے ایک مال مباح کو لیا ہے اور ایسے ذریعے سے لیا ہے جو کہ عذر (خیانت قانون شکنی) سے پاک ہے تو یہ مال اس کے لیے طیب اور پاک ہے نیز لکھتے ہیں۔ لان العصمة من جملة الاحكام المشروعة وهم لم يخاطبوا بها فبقي في حقهم مالا غير معصوم اي هو مباح يملكونه۔ علامہ کاسانی اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ دار حرب میں مسلم اور کافر کے درمیان سود نہیں ہے کیونکہ مسلمان کا مال مسلمان کے لیے تو بلا شبہ معصوم اور محفوظ ہے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ دوسرے مسلمان کا مال بلا وجہ ہرگز نہ لے لیکن کافر حربی کا لے سکتا ہے کیونکہ دار حرب میں کافروں کا مال معصوم نہیں ہے مباح ہے لہٰذا مسلمان دار حرب میں کافروں کا مال جس ذریعہ سے بھی بلا خیانت لے لے تو جائز ہے بہار شریعت صـ١٥٢ میں ہے کہ مسلم اور کافر حربی کے مابین دار حرب میں جو عقد ہو اس میں سود نہیں ہے۔

مسلمان اگر دار حرب میں امان لے کر گیا تو وہاں کے کافروں کی خوشی سے جس قدر ان کے اموال حاصل کرے تو جائز ہے۔ صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی المتوفی ١٣٦٧ھ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حربی کفار کے ساتھ عقود فاسدہ ربوا وغیرہ جائز ہیں اور یہی واقعہ ان کی دلیل ہے (خزائن العرفان صـ٥٨٦)، مفتی احمد یار خان نعیمی المتوفی ١٣٩١ھ لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ کافر حربی کا مال مسلمان کو مل جائے تو وہ مسلمان کو حلال ہے، جیسے ربوا وغیرہ یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا ہے (نور العرفان صـ٦٤٥)، علامہ ابو البرکات نسفی المتوفی ٧١٠ھ جو کہ فقہاء کے چھٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنز الدقائق صـ٥٦ میں فرماتے ہیں ولا ربوا بين المسلم والحربي کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار حرب میں سود نہیں ہے۔ علامہ نسفی نے کنز الدقائق میں دو باتوں کا خصوصی اہتمام کیا ہے اول یہ کہ اس میں بالتزام وہ مسائل ذکر کیے گئے ہیں جو ظاہر روایت ہیں علامہ زین بن ابراہیم المتوفی ٩٧٠ھ بحر الرائق صـ٢٣٢ جلد ٦ میں اس بات کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں لانه موضوع بظاهر الرواية کہ کنز الدقائق میں ظاہر روایت مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ چونکہ مسائل حنفیہ کے تین طبقے ہیں اول نمبر١ طبقہ میں وہ مسائل ہیں جو ظاہر روایت سے ثابت ہیں۔ ظاہر الروایات امام محمد کی وہ چھ کتابیں ہیں جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور اپنے متفق علیہ و مختلف فیہ سب مسائل لکھ دیئے ہیں یعنی ١. مبسوط، ٢. زیادات ٣. جامع صغیر، ٤. جامع کبیر، نمبر٥. سیر صغیر، ٦. سیر کبیر۔ ان کتابوں کو ظاہر روایت اس لیے کہتے ہیں یہ مصنف سے بروایۃ متواتر و مشہور ثابت ہوئی ہیں اور علمائے حنفیہ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ دوسرا طبقہ۔ نوادرات ہیں جو کہ آئمہ مجتہدین سے ظاہر روایت کے سوا اور کتابوں سے ثابت ہیں جیسے رقیات یعنی وہ

مسائل جو امام محمد نے ابن عمرو بن سلیمان بن شعیب کیسانی کو لکھوائے تھے اور ہارونیات جو امام محمد نے ہارون رشید المتوفی ۱۹۳ھ کے عہد میں جمع کئے تھے اور کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں، وہ بھی نوادرات میں ہی شامل ہیں، تیسرا طبقہ نوازل اور واقعات ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جو متاخرین نے حسب ضرورت اجتہاد کر کے ثابت کئے ہیں جیسے نوازل سمرقندی یہ اس طبقہ میں ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی ہے جب یہ ثابت ہوا کہ مسائل حنفیہ کے تین طبقات ہیں اور ظاہر روایت کا تعلق پہلے طبقہ سے ہے تو علامہ نسفی اپنے التزام کے مطابق کنز الدقائق میں وہی مسائل ذکر کریں گے جو کہ ظاہر روایت سے ہونگے۔

دوم یہ کہ کنز الدقائق میں علامہ نسفی نے زیادہ تر وہی اقوال لیے ہیں جو کہ مفتیٰ بہ ہیں۔ اب کنز الدقائق کے "باب الربوٰ" میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کہ ظاہر روایت کے خلاف ہو۔ البتہ اس میں صرف ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ اس صورت میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے یا امام محمد کے قول پر ہے وہ صرف روٹی قرض لینے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ علامہ نسفی نے ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے کہ روٹی قرض وزن کے لحاظ سے لی جائے، علامہ زیلعی المتوفی ۷۴۳ھ نے اسی پر فتویٰ ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان المتوفی ۱۰۷۸ھ نے شرح مجمع الانہر میں ذکر کیا ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے اس کو کمال الدین نے مستحسن سمجھا ہے۔ اسی پر صاحب تنویر نے اعتماد کیا ہے (فتح القدیر ص۲۹۹، بحر الرائق ص۱۴۷ جلد ۶، غایۃ الاوطار ص۱۳۲ جلد ۲، مجمع الانہر ص۸۹ جلد ۲) اس سے ظاہر ہے کہ باب الربوٰ میں سوائے اس ایک مسئلہ کے تمام مسائل ظاہر روایت کے مطابق اور مفتیٰ بہ بقول امام ابو حنیفہ ہیں لہٰذا دار حرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود کے جواز کا مسئلہ بھی ظاہر روایت سے ہے اور یہ اصول

موضوع ہے کہ جب ظاہر روایت موجود ہو تو ترجیح اسی کو ہوا کرتی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ، عقد الجید میں لکھتے ہیں کہ مفتیٰ بہا مسائل یعنی جن مسائل پر فتویٰ ہوتا ہے۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ اول قسم وہ ہے جو ظاہر روایت سے ثابت ہوں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ بلا تامل قبول کئے جائیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰، امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ سے بروایت شاذہ مروی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں۔ تیسری قسم متاخرین کی تخریج ہے۔ اس پر جمہور متفق نہیں ہیں۔ پھر یہ تخریجی مسائل اگر اصول اور کلام سلف کے مطابق ہوئے تو قبول کئے جائیں گے ورنہ نہیں، جب یہ مسئلہ سود کا ظاہر روایت سے ہے تو یہی مفتیٰ بہا اور معتمد علیہ ہوگا جیسے کہ روایات کے لحاظ سے فتویٰ میں ظاہر روایت مقدم ہے اس طرح کتب کے لحاظ سے فتویٰ میں متن پھر شرح پھر فتاویٰ ہیں، بحر الرائق میں ہے، اذا تعارض ما فی المتون والفتاوی فالمعتمد ما فی المتون درمختار میں ہے حیث تعارض متنہ وشرحہ فالعمل علی المتون۔ یعنی جب متن اور فتاویٰ کا تعارض ہو جائے یا متن اور شرح کا تعارض ہو جائے تو فتویٰ اور عمل متن پر ہی ہوگا، فاضل بریلوی لکھتے ہیں عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ، عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاویٰ سب سے موخر، اس سے ظاہر ہوا کہ کتب مذہب میں اگر اصحاب متون نے کسی مسئلہ پر نص کر دی ہو تو وہی معتمد علیہ اور قابل عمل و فتویٰ ہے تمام کتب مذہب کے اصحاب متون نے بلکہ شروح اور فتاویٰ میں بھی یہی موجود ہے کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار حرب میں ربوٰ نہیں ہے تو حنفی مذہب کے لیے ابو حنیفہ کے دلائل کی تقویت میں کیا شک باقی رہا، فاضل بریلوی مزید لکھتے ہیں کہ بحر الرائق میں ہے، یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی

المشائخ بخلافه صاحب ہدایہ التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں۔ الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال فتاوی خیریہ کی کتاب الشہادات میں ہے۔ المقرر ایضا عندنا انه لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قولهما او قول احدهما الا لضرورة (من ضعف دلیل او تعامل بخلافه) کمسئلة المزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما لانه صاحب المذهب تنویر الابصار میں ہے یاخذ بقول ابی حنیفة علی الاطلاق فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اذا اختلفوا فیما بینهم قال عبد الله بن المبارك یوخذ بقول ابی حنیفة رحمة الله علیه لانه کان من التابعین۔

(فتاوی رضویہ ص۳۱۱، اور بحر الرائق ص۲۲۹ جلد۶، فتاوی سراجیہ ص۱۵۷، فتاوی عالمگیری ص۱۴۲ جلد۳، درمختار مع ردالمحتار ص۶۵ جلد۱ و جلد۴ میں ہے۔ یفتی بقول الامام علی الاطلاق نیز بحر الرائق ص۲۶۹ جلد۶، اور ردالمحتار ص۶۷ جلد۱ میں ہے۔ بل یجب وان لم نعلم من حیث قال ان کان المفتی یقلد الامام فنص امامه وان کان اجتهادیا کالدلیل القطعی۔ (بحر الرائق ص۲۶۸ جلد۶) تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ واجب ہے اگرچہ بعض مشائخ صاحبین (ابو یوسف، امام محمد) کے قول پر فتویٰ دے بھی دیں لیکن پھر بھی ابو حنیفہ کا قول ہی معتبر ہوگا، عبد اللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ چونکہ تابعی ہیں لہٰذا آپ کے قول پر ہی عمل کیا جائے گا، مفتی اگر مقلد ہے تو اس کے امام کا اجتہادی قول بھی دلیل قطعی کی طرح ہے اور تمام حنفیہ کے نزدیک یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ

امام کے قول سے عدول کر کے صاحبین کے قول یا ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہرگز نہ دیا جائے۔ البتہ اگر تعامل کے خلاف ہو یا دلیل کمزور ہو تو پھر ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ضعف دلیل کے معنی کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے امام اور مجتہدین اور مفتی اس کے ضعف پر نص اور تصریح کریں نہ وہ جیسے من و تو اپنے اذہان قاصرہ سے ضعیف سمجھ لیں کہ اول تو یہ دلائل جو مصنفین لکھتے ہیں کیا معلوم کہ امام کی نظر انہیں پر تھی اور ہو بھی تو ہم کو کیا اور ہمارا ضعیف سمجھنا کیا علامہ طحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ فرماتے ہیں۔۔ انه قد یظهر قوة له بحسب ادراکه ویکون الواقع بخلافه او بحسب دلیل ویکون لصاحب المذهب دلیل آخر لم یطلع علیه۔ (فتاوی رضویہ ص۳۱۱) اس سے ظاہر ہے کہ جس مقام پر بوجہ ضعف دلیل کے امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ وہ ضروری ہے کہ بڑے بڑے مجتہدین اور صاحب فتویٰ علماء، دلیل کے ضعیف یا تعامل کے خلاف ہونے کی تصریح اور وضاحت کریں، عام علماء کا یہاں اعتبار ہرگز نہیں کہ وہ بلاوجہ امام ابو حنیفہ کے اقوال اور دلائل کو ضعیف کہہ دیں اور فتویٰ ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ کے قول اور رائے کے مطابق دینا شروع کر دیں۔ مسئلہ زیر بحث "سود اور عقود فاسدہ" پر کسی سے بھی آئمہ حنفیہ سے دلیل کے ضعیف یا تعامل کے خلاف ہونے پر نص وارد نہیں ہوئی ہے لہٰذا ابو حنیفہ کے قول پر ہی فتویٰ ہوگا ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ کے قول پر فتویٰ نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جو یہ مشہور ہو چکا ہے کہ معاملات میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ کتب احناف میں کہیں بھی یہ معتبر روایت موجود نہیں ہے کہ معاملات میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔ علماء نے صرف اور صرف مسائل "وقف اور قضا" کے متعلق لکھا ہے کہ قول ابو یوسف پر فتویٰ دیا جا سکتا

ہے اور قضا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ تمام مسائل فقہ کو شامل ہے تاکہ اس کے اندر نکاح، بیع، ربوا، اجارہ، رہن وغیرہ داخل ہو جائیں۔ بلکہ یہ صرف ان مسائل میں ہوگا جن کو فقہاء حنفیہ، کتاب القضاء اور کتاب الوقف میں لکھتے ہیں فاضل بریلوی فرماتے ہیں: ثانیاً، کلمات علماء میں نہ عموماً نہ بعد تخصیص معاملات دنیوی کہیں اس کا نشان نہیں کہ جب امام ابو یوسف کے ساتھ حضرات طرفین (امام ابو حنیفہ، امام محمد) سے ایک رائے اور ہو تو ان کی تجربہ کاری سے اس کا قبول قاعدہ مسلّمہ ہے، ہاں علماء نے مسائل وقف و قضا کی نسبت بے شک فرمایا وہاں غالباً قول ثانی (امام ابو یوسف) پر فتویٰ ہے۔ اس سے ہر وہ امر زیر قضا آسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم و صلوٰۃ کے سوا نکاح و بیع و ہبہ و اجارہ و رہن وغیرہ تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا تو پھر خاص اسے الگ شمار کرنے کا کیا مطلب ہرگز عالم میں نہ کوئی اس کا قائل اور خود ہزاروں ہزار کتب فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قول امام پر ہی فتویٰ ہے اگرچہ رائے ابو یوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ ص۳۰۵ جلد ۳) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اس تحقیق سے بھی ظاہر ہوا کہ بیع اور ربوا میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ نہیں ہے، بلکہ ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دار حرب میں کافر حربی کے ساتھ سودی معاملہ یا کاروبار کرتا ہے تو جائز ہے۔ پیر صاحب کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ (مالک، شافعی، احمد) کے اس مسئلہ میں دلائل مضبوط ہیں۔ پہلی دلیل میں لکھتے ہیں کہ حدیث لا ربوا بین المسلم والحربی زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہے، خبر واحد آیات کی مخصص نہیں ہو سکتی اس کا جواب یہ ہے کہ خبر واحد لا ربوا بین المسلم والحربی آیات اور نصوص مطلقہ[1] کے لیے مخصص نہیں ہے، بلکہ مؤید ہے کیونکہ آیات اور

[1] اہل اصول کے نزدیک ماہیت کا اطلاق اس ذات پر ہے جس میں نہ وحدت کا اعتبار ہو اور

نصوص کا مفہوم یہ ہے کہ دار اسلام میں سود نہ کھاؤ اس لیے کہ دار اسلام میں سود منع ہے اور دار حرب میں حربی کا مال مباح ہوتا ہے لہذا دار حرب میں سود نہیں ہے۔ اسکی تائید حدیث سے ہوئی جس کو مکحول نے روایت کیا ہے نہ کہ خبر واحد کے ساتھ نصوص پر زیادتی ہوئی جب زیادتی نہیں تو امام ابو حنیفہ کی دلیل ضعیف نہیں۔ علاوہ ازیں ضعف تب ثابت ہوتا جبکہ ائمہ حنفیہ اس کے ضعیف ہونے پر نص کرتے۔ علماء حنفیہ جو دار حرب میں سود کو جائز کہتے ہیں اور دلیل میں یہ حدیث مکحول ذکر کرتے ہیں۔ ان کے سامنے بھی یہ اصول تھا کہ خبر واحد کے ساتھ زیادتی جائز نہیں ہے اگر مسئلہ ربوا میں خبر واحد کے ساتھ زیادتی لازم آتی تو فقہاء حنفیہ کبھی بھی اس خبر کو بطور دلیل نہ پیش کرتے کیونکہ تو ایک صریح تناقض تھا۔ ایک طرف فقہاء یہ کہتے کہ خبر واحد کے ساتھ نصوص پر زیادتی جائز نہیں ہے اور دوسری طرف اس مسئلہ ربوا میں حدیث مکحول سے نصوص قطعیہ پر زیادتی کرتے اتنا صریح تناقض فقہاء کرام سے ناممکن ہے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نصوص قطعیہ میں جو سود منع کیا گیا ہے وہ دار اسلام میں منع ہے جیسے کہ پہلے ذکر بھی ہو چکا ہے اور یہ حدیث لا ربوا بین المسلم والحربی گویا کہ نصوص کی تشریح و تائید ہے۔ نص پر زیادتی نہیں ہے۔ دوسری دلیل میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تعامل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بھی خبر واحد ہی ہے اور خبر واحد آیات قطعیہ یقینیہ کی مخصص نہیں بن سکتی۔ جواب، ہم کہتے ہیں کہ اس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں ہوئی، بلکہ یہ بھی نصوص قطعیہ یقینیہ کی مؤید ہے اگر تخصیص ہی مراد ہے تو کیا علماء حنفیہ کو علم نہیں تھا کہ خبر واحد سے تخصیص ہو رہی ہے، تمام فقہاء و اصحاب

کثرت کا۔ ماہیت میں اگر کسی قید کا اعتبار نہیں ہے تو وہ مطلق ہے اگر اس کے ساتھ کثرت غیر معینہ ہو تو وہ عام ہے اگر وحدت معینہ کی قید ہو تو معرفہ ہے اگر وحدت غیر معینہ ہے تو نکرہ ہے۔ اگر کثرت معینہ ہے تو عدد ہے۔ (ازہر الازھار ص۱۱۲) مفتی غلام رسول

متون وشروح و صاحب فتاوی تصریح کر رہے ہیں کہ دار حرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود نہیں ہے، پیر صاحب، مزید اسی دوسری دلیل کی تکمیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں نیز اگر دار حرب میں سود لینا جائز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سارے سود کو ساقط نہ قرار دیتے، بلکہ فرماتے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ دار حرب تھا اس زمانہ کا سود تو اے عم! آپ وصول کر سکتے ہیں. لیکن فتح مکہ کے بعد یہ شہر دار اسلام بن گیا ہے جو سود آپ کا لوگوں کے ذمہ ہے اسے کالعدم کیا جا رہا ہے. سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارے سود کو ساقط اور کالعدم قرار دے دیا حضور کا یہ فرمان اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ہر طرح کا سود حرام ہے دار حرب اور دار اسلام میں کوئی تفریق نہیں ہے (ضیائے حرم ص۲۰)، پیر صاحب کی یہ کلام بھی محل نظر ہے. کیونکہ مسئلہ زیر بحث دار حرب کا ہے نہ کہ مکہ مکرمہ کا، کیونکہ وہ پہلے دار حرب تھا پھر دار اسلام بن گیا. لہٰذا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کا سود کالعدم قرار دیا ہم اس دار حرب میں بحث کر رہے ہیں جس کو دار اسلام بننے کا شرف نصیب نہیں ہوا یا وہ پہلے دار اسلام تھا پھر دار حرب بن گیا. اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. لاربوا بین المسلم والحربي في دار الحرب کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار حرب میں سود نہیں ہے. حضرت عباس کا سود تو فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کالعدم قرار دیا تھا اس وقت مکہ مکرمہ دار حرب نہیں رہا تھا بلکہ دار اسلام بن چکا تھا. شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ مکرمہ واپس چلے آئے وہاں وہ سود کی حرمت کے حکم کے نزول سے پہلے اور بعد بھی وہ سودی کاروبار کیا کرتے تھے. کیونکہ دار حرب میں سود نہیں ہوتا اور مکہ اس وقت دار حرب تھا. پھر رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت عباس کے سود کو کالعدم قرار دے دیا نیز یہ بھی لکھتے ہیں وقیل مراده انه لا مطالبة له بما بقي منه بعد الفتح قال الله تعالى و ذروا ما بقي من الربوا ان كنتم مؤمنين (مبسوط ص۲۸ جلد ا) کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور کے اس ارشاد کا مدعی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ان کا جو سود لوگوں کے ذمہ تھا اس کا وہ مطالبہ نہیں کر سکتے. کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو اس سے ظاہر ہے کہ فتح مکہ کے بعد کا جو سود ہے اس سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ دار اسلام بن گیا تھا دار حرب نہیں رہا تھا اور جب تک مکہ دار حرب تھا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا تھا جیسے کہ یہ الفاظ وكان يربي بمكة قبل نزول التحريم وبعد نزوله صراحۃً دلالت کر رہے ہیں کہ دار حرب میں سود نہیں ہے اسی لیے شمس الائمہ نے بعض علماء کے قول کا بھی ذکر کر دیا کہ فتح مکہ کے بعد ان کا جو سود لوگوں کے ذمہ تھا اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ فتح کے بعد وہ دار اسلام بن گیا تھا. لہٰذا مطالبہ کرنے سے ممانعت کی گئی اور یہ بات کہ مکہ دار اسلام تو فتح کے بعد ہی بن گیا تھا. حضورؐ نے حضرت عباس کا سود اس وقت کیوں کالعدم نہیں فرمایا. اس کی وجہ یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر تمام صحابہ کرام موجود تھے اور دین کی تکمیل کا بھی اعلان ہو رہا تھا. حضورؐ احکام بیان فرما رہے تھے. لہٰذا مسئلہ ربوا کے سلسلہ میں پہلے حضرت عباس جو حضورؐ کے قریبی رشتہ دار تھے. ان کے سود کو کالعدم قرار دے کر دار اسلام میں کلی طور پر سود کی ممانعت فرمادی اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے حجۃ الوداع تک حضرت عباس نے مکہ میں جا کر وصولیابی نہ کی ہو. کیونکہ حضرت عباس سے بھی یہ بات پوشیدہ نہ رہی تھی کہ مکہ فتح کے بعد تو دار اسلام بن چکا ہے اور دار اسلام میں سود منع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان صرف تعلیم امت کے لیے تھا اگر کوئی مسلمان دار حرب میں

سودی کاروبار کرتا ہو پھر وہ دار اسلام بن جائے تو وہاں اسلام کے قوانین کی برتری کے لیے سود لینے کی ممانعت ہو جائے گی اگرچہ دار حرب کے زمانے کا ہی سود باقی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اسلام کے لیے اغلبیت ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے سارے سود کو ساقط اور کالعدم قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ دار اسلام میں تبدیل ہو گیا تھا اور اسلام کو چونکہ فوقیت اور غلبہ ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ نے دار اسلام کی وجہ سے سارے سود کو کالعدم قرار دیا نہ کہ اس وجہ سے سارے سود کو ساقط کیا کہ دار حرب اور دار اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے کہ پیر صاحب نے سمجھا ہے اب اس تحقیق سے یہ دوسری دلیل بالکلیہ مضمحل ہو گئی۔ تیسری دلیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شرط لگانے کا جو واقعہ ہے۔ اس کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ قمار (جوا بازی) کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہے اس لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو حکم دیا کہ ان سو اونٹوں کو صدقہ کر دو (ضیاء الحرم ص ۲۳) اصل واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ فارس اور روم کے درمیان جنگ رہتی تھی اور چونکہ اہل فارس مجوسی تھے اس لیے مشرکین عرب ان کا غلبہ پسند کرتے تھے اور رومی اہل کتاب تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کا غلبہ اچھا لگتا تھا ایک مرتبہ اہل فارس کو فتح ہوئی اور رومی شکست کھا گئے تو کفار مکہ کہنے لگے اگر ہماری اور مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو جیسے اہل فارس کو فتح ہوئی ہے۔ اسی طرح ہم کو بھی فتح ہوگی۔ سورۃ روم کی یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں یہ خبر دی گئی کہ چند سال میں پھر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے کفار مکہ کو کہا کہ تمہیں زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ سالوں کے بعد رومیوں کو فتح ہوگی اور ایرانی شکست کھائیں گے۔ یہ سن کر ابی بن خلف سے رہا نہ گیا اور ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر کو کہا کہ تم غلط کہتے ہو اور حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو۔ آپ کے اور ابی بن خلف کے درمیان سو

سو اونٹ کی شرط ہو گئی کہ اگر نو سال تک اہل فارس غالب آجائیں تو حضرت صدیق اکبر ابی بن خلف کو سو اونٹ دیں گے اور اگر رومی غالب آجائیں تو ابی بن خلف حضرت صدیق کو سو اونٹ دے گا۔ جس روز مسلمانوں کو میدان بدر میں فتح ہوئی اسی روز یہ خوشخبری ملی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق نے شرط کے سو اونٹ ابی بن خلف کے وارثوں سے وصول کئے۔ کیونکہ ابی بن خلف شرط وصول کی مدت سے پہلے مر چکا تھا۔ حضرت صدیق اکبر شرط وصول کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ابو بکر کو فرمایا "تصدق" اے ابو بکر انہیں صدقہ کر دو۔ حضرت ابو بکر نے صدقہ کر دیئے۔ (تفسیر کبیر ص ۹۶) اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ شرط ایک قسم کا جوا اور قمار ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔ چونکہ یہ واقعہ دار حرب میں ہوا تھا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا، جس طرح دار حرب میں جوا اور قمار جائز ہے اسی طرح سود بھی جائز ہے۔ لیکن پیر صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ واقعہ قمار (جوا) کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا اس سے دار حرب میں سود کے جواز پر استدلال نہیں ہو سکتا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ پیر صاحب کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ پہلے کا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ شرط لگانے کا واقعہ پہلے کا ہے تو یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت ابو بکر نے یہ شرط ابی بن خلف کے ساتھ ہجرت سے پہلے سات سال لگائی تھی اور جوا (قمار) کی حرمت ۳ ہجری کو غزوہ احد کے قریب ہوئی ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ شرط کا وصول کرنا پہلے کا واقعہ ہے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ غزوہ کے قریب ہی جوئے کی حرمت ہوئی ہے اور علامہ ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ ھ کے قول کے مطابق غزوہ احد میں مقام سرف میں ابی بن خلف مرا تھا (سیرت ابن ہشام ص ۶۵ جلد ۲) جب مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان جنگیں جاری تھیں۔ اس وقت تو ابی بن خلف کے وارث حضرت ابو بکر کو شرط نہیں دیتے تھے باوجودیکہ

کفارِ مکہ کو وقتی طور پر مقام احد میں غلبہ بھی حاصل ہو گیا تھا، بلکہ قرینِ قیاس تو یہ ہے کہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر یا اس کے بعد یہ شرط وصول کی گئی تھی۔ چونکہ اس مالِ مشروط کا تعلق دارِ حرب سے تھا اور یہ وصولی صلح حدیبیہ یا اس کے بعد ہوئی تھی بلکہ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کو مکمل غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ شرطِ مذکور کی وصولی کی گئی ہو اور مکہ دار اسلام بن چکا ہو۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو کہا ہو کہ صدقہ کر دو۔ نیز پیر صاحب کا یہ کہنا کہ واقعہ قمار (جوئے) کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے پیر صاحب کے مدعا کو کسی طرح مفید نہیں ہے۔ فائدہ اس وقت تھا جب کہ یہ شرط دار اسلام میں لگتی اور دار اسلام میں اس کی حرمت بھی نہ ہوتی۔ یہ شرط تو لگی تھی دارِ حرب میں، اس کا قمار کی حرمت کے نزول سے کیا تعلق ہے۔ اگر اس کا تعلق حرمت قمار (جوئے) سے تھا تو پھر حضورؐ نے وصول کرنے کی اجازت کیوں فرمائی تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شرط کی وصولی ابی بن خلف سے نہیں کی گئی، کیونکہ وہ تو غزوۂ احد میں مر چکا تھا۔ وصول یابی وارثوں سے ہوئی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ وصول یابی حرمت قمار کے بعد ہوئی ہے تب ہی تو صدقہ کا حکم فرمایا۔ اگر وصول یابی حرمت قمار سے پہلے ہوتی تو صدقہ کا حکم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ شرط چونکہ دارِ حرب میں لگی تھی اور دارِ حرب میں قمار (جوا) جائز ہے اسی بناء پر ہی حضرت ابوبکر کو وصول کرنے کی اجازت ملی تھی۔ چونکہ اس مالِ مشروط کا تعلق دارِ حرب سے تھا لیکن وصول بعد میں ہوا۔ جبکہ مکہ دار اسلام بن چکا تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کی بنا پر صدقہ کا حکم فرما دیا۔ جیسے کہ حضرت عباس کے تمام سود کو حجۃ الوداع کے موقع پر دار اسلام کے غلبہ کی وجہ سے کالعدم قرار دے دیا تھا۔ اور ابن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون بھی معاف کر دیا۔ باوجودیکہ خون کی

معافی کا حرمت قمار سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بہر کیف حضرت صدیق اکبر کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ دارِ حرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربوا نہیں ہے۔ پیر صاحب اپنی چوتھی دلیل میں کہتے ہیں کہ انسان اپنے حقوق سے تو دست کش ہو سکتا ہے اور انہیں یک قلم معاف کر سکتا ہے لیکن اللہ کے حقوق باہمی رضامندی سے ساقط نہیں کیے جا سکتے۔ سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے اس حکم الٰہی کو کالعدم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ (رضیائے حرم ص ۴۲) ہم کہتے ہیں کہ یہ تو اس وقت ممکن ہے جبکہ دارِ حرب میں سود کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حق تصور کرتے ہوئے حرام قرار دیا ہو لیکن جب دار اسلام اور دارِ حرب کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں اور دارِ حرب میں اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت کو اپنا حق ہی قرار نہیں دیا تو پھر کہنا کہ حکم الٰہی کو کالعدم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں غلط ٹھہرا۔ تو اس وقت ہوتا جب دارِ حرب میں یہ حرمت اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا جب دارِ حرب میں یہ اللہ کا حق ہی نہیں ہے تو پھر دارِ حرب میں یہ جائز ہوگا اور امام ابو حنیفہ کی بات صحیح ہوئی کہ حربی کا مال معصوم نہیں ہے۔ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی لہٰذا اگر اس کے غیر معصوم مال سے اس کی رضامندی سے زیادہ لے لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پیر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ مجھے ایک بزرگ نے جب وہ آیت سنائی جس میں یہود کے طرزِ عمل کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے۔ انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے لیس علینا فی الامیین سبیل۔ تو میں کانپ گیا (رضیائے حرم ص ۴۲) غالباً یہ مذکور بزرگ حنفی نہیں ہوگا پھر اس آیت کا سود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس آیت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہود امانتوں میں خیانت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔ جہاں فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ دار حرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود نہیں ہے وہاں یہ بھی بیان کیا ہے

کہ کفار حربیہ کے ساتھ خیانت اور غدر ہرگز ہرگز نہ کیا جائے۔ نصوص قطعیہ نے اگر سود کو حرام قرار دیا ہے تو وہ دار اسلام میں نہ کہ دار حرب میں ورنہ تمام فقہا حنفیہ جو کہ خیرالامت میں داخل ہیں وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ دار حرب میں سود اور ربوا جائز ہے۔ بعض لوگوں نے فقہا کرام کے اس جزئیہ سے اگر مسلمان (مستامن) امان لے کر دار حرب میں گیا تو وہاں کافر حربی سے سود لے سکتا ہے یہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمان دار حرب میں کافر سے سود لے سکتا ہے دے نہیں سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے مسلمان دار حرب میں جیسے کافر حربی سے سود لے سکتا ہے اسکو دے بھی سکتا ہے، حدیث مکحول لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب مطلق ہے کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان دار الحرب میں سود نہیں ہے خواہ مسلمان کی طرف سے ہو یا کافر کی طرف سے ہو تخصیص نہیں ہے اور حضرت عباس کے واقعہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وکان یربی بمکة قبل نزول التحریم وبعد نزوله کہ وہ مکہ میں سود کی حرمت کے حکم کے نزول سے پہلے بھی اور بعد بھی وہ سودی کاروبار کرتے تھے اور کاروبار جانبین سے ہوتا ہے نہ کہ ایک جانب سے، پھر برطانیہ اور دار حرب میں مسلمان اتنے لینے پر مجبور نہیں ہیں جتنے کہ یہ دینے پر مجبور ہیں۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام المتوفی ۶۶۰ھ قواعد الاحکام ص۵ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ فالضرورات مناسبة لاباحة المحضورات جلبا لمصالحها کہ ضرورت (مجبوری)، ممنوع کو بھی مباح کر دیتی ہے۔ خود پیر صاحب بھی لکھتے ہیں کہ جو مسلمان غیر اسلامی ملکوں میں رہائش پذیر ہیں۔ حالت اضطرار میں ان کے لیے محدود حد تک لے مباح کہا جا سکتا ہے (ضیائے حرم ص۱۷)۔ ثابت ہوا کہ دار حرب میں جیسے مسلمان کافر حربی سے سود لے سکتا ہے اس طرح دے بھی سکتا ہے۔ سود دینا زیادہ تر بامر مجبوری ہوتا ہے۔ لہٰذا کافر حربی کو سود دینا دار الحرب اور مجبوری دونوں لحاظ سے جائز ہوا۔ اگر مسلمان دار حرب میں

کافر حربی کے ساتھ سودی کاروبار کرتا ہے تو جائز ہے لیکن اگر مسلمان دار حرب میں مسلمان کے ساتھ سودی کاروبار کرتا ہے تو ناجائز ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں۔ ولو کانت هذه المعاملة بین المسلمین مستامنین اواسیرین فی دار الحرب کان باطلا مردودا لانهما یلتزمان احکام الاسلام فی کل مکان ۔ اسیر کبیر ص۲۲۶ جلد ۱

اور اگر یہ معاملہ (سودی کاروبار) دو مسلمانوں کے درمیان دار حرب میں ہو جو کہ معاہدہ امن کر کے وہاں مقیم ہوں یا قیدی ہوں تو یہ (سودی کاروبار) باطل اور مردود ہوگا کیونکہ یہ دونوں اسلامی احکام کے ہر جگہ ذمہ دار ہیں ثابت ہوا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ دار حرب میں سودی کاروبار نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ دار اسلام میں نہیں کر سکتا خلاصہ کلام یہ ہے کہ دار حرب میں سود نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے دلائل نہایت مضبوط ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کافر حربی کے ساتھ دار حرب میں سودی کاروبار کرتا ہے تو جائز ہے کیونکہ یہ سود ہی نہیں ہے۔ اسی لیے تمام فقہاء حنفیہ نے یہی لکھا ہے کہ دار حرب میں سود نہیں ہے یہی ظاہر روایت اور مفتی بہ اور معتمد علیہ مذہب ہے۔ کسی مقلد کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے قول یا فتویٰ کو ضعیف کہہ کر دیگر ائمہ کی اتباع کرے۔ مقلد کے لیے اس کے امام کا قول اگرچہ اجتہادی ہو، دلیل قطعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ دار حرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود نہیں ہے تو تمام احناف کو اسی پر ہی اعتماد کرنا چاہیے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱ "یوکے"

الاستفتاء (۱۰۵)

جناب مفتی صاحب، سلام مسنون! گزارش ہے کہ فتویٰ موصول ہوا، آپ کا بہت بہت شکریہ! ایک بات اور عرض خدمت ہے کہ آپ نے فتویٰ میں جو حدیث لاربوا بین المسلمہ والحربی پیش کی ہے۔ اس حدیث کے راوی مکحول ہیں۔ بعض علماء نے ان کا فرقہ قدریہ میں شمار کیا ہے۔ اگر بقول ان علماء کے مکحول فرقہ قدریہ سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کی یہ مروی حدیث مسئلہ مذکورہ کے لیے سند بن سکتی ہے یا نہیں! امید ہے کہ آپ جواب عنایت فرمائیں گے۔

سائل

صوفی محمد نجیب اللہ صاحب ”یوکے“

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

سائل نے جو یہ کہا ہے کہ ابو عبد اللہ مکحول قدریہ عقائد رکھتے تھے۔ یہ غلط اور حضرت مکحول پر محض اتہام اور بہتان ہے حضرت مکحول قدریہ عقائد نہیں رکھتے تھے کیونکہ فرقہ قدریہ خدا کی تقدیر کے منکر ہونے کے علاوہ یہ عقائد بھی رکھتے ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں کہ ہم فرض کا اقرار کرتے ہیں سنت کا نہیں۔
۲۔ بندوں کے فعل بندوں کی مخلوق ہیں۔
۳۔ شیطان کا وجود نہیں ہے۔
۴۔ انسان کے افعال کا بدلہ نہیں ہے۔
۵۔ ایمان غیر مخلوق ہے، کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں۔ جیسے کہ منافق کا ایمان یہ کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں۔

۶۔ دنیا فانی نہیں۔
۷۔ گناہ گار کی توبہ قبول نہیں ہے۔
۸۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ شر مقدر ہے یا نہیں۔

ان مذکورہ عقائد کے علاوہ اور بھی ان کے عقائد ہیں جو اسلام سے متصادم ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مکحول قدریہ عقائد نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مکحول کو صحابہ کرام سے شرف ملاقات تھا۔ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے دمشق کی مسجد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ میں نے ان کو سلام کیا اور ان سے پوچھا کہ جنازہ اٹھانے اور اس میں شریک ہونے کے بعد وضو کرنا چاہیے یا نہیں۔ فرمایا ہم نماز میں تھے اور نماز کی طرف آئے ہیں پھر اس کے درمیان وضو کی کیا ضرورت ہے۔ (طبقات ابن سعد صـ۱۶۱ جلد ۷) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ تابعین میں صرف حسن اور مکحول دو بزرگ تھے جن کے متعلق شہرت تھی کہ قدریہ عقائد رکھتے ہیں۔ ہم نے اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ الزام سراسر غلط ہے۔

سعید بن عبد العزیز فرماتے ہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت مکحول کا قدریہ والا عقیدہ نہیں تھا۔ جوزجانی فرماتے ہیں۔ یتوهم عليه القدر وهو سعى عليه ان پر قدر کا شبہ کیا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ ان پر اتہام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین کہتے تھے کہ مکحول قدری ہیں مگر یحییٰ بن معین نے اس سے رجوع کر لیا تھا، امام زہری فرماتے ہیں کہ علماء تین ہیں۔ ان میں ایک مکحول ہیں۔ ابن یونس کہتے ہیں کہ مکحول فقیہ و عالم تھے۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ مکحول اہل شام کے امام تھے۔ عجلی کہتے ہیں مکحول تابعی ثقہ تھے، سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ مکحول کا علم شام سے ہم تک پہنچا۔ ہم نے اس کو قبول کر لیا۔ مروان بن محمد کا بیان ہے کہ کوئی شخص مکحول سے زیادہ فتویٰ میں بصیرت رکھنے والا نہیں تھا (تہذیب التہذیب صـ۲۹۱ جلد ۱۰؛ علامہ ابن

سعد انہیں تابعین شام کے تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ ابن یونس نے کہا کہ حضرت مکحول کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ص ۱۱۴ جلد ۲)، حافظ ذہبی ان کو تابعی اور حافظ مانتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے شام میں مکحول سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۲ جلد ۱)، سعید بن عبد العزیز کہتے ہیں کہ مکحول زہری سے بھی بڑے فقیہ تھے (شذرات الذہب ص ۱۴۶ جلد ۱)، حضرت مکحول کی شخصیت کا اندازہ اس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے امام ان کے شاگرد ہوئے ہیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں۔ امام اوزاعی، عبد الرحمٰن بن یزید، عکرمہ بن عمار، محمد بن ولید زہری، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ، برد بن اسنان، زید بن واقد، ثور بن یزید، ایوب بن موسیٰ، محمد بن راشد، ثابت بن ثوبان وغیرہم۔

جب مکحول کی تمام محدثین توثیق کرتے ہیں اور ان کے تلامذہ بڑے بڑے امام ہوئے ہیں تو ان کا عقیدہ کیسے مخفی اور پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ قدریہ ہونے کا صرف اور صرف ان پر اتہام اور الزام تھا۔ مکحول ہرگز ہرگز قدریہ کے عقیدے والے نہیں تھے۔ اور ان سے مروی حدیث لا ربوا بین المسلم و الحربی صحیح اور قابل استدلال ہے کہ دار حرب میں مسلمان اور کافر حربی آپس میں سودی کاروبار کر سکتے ہیں البتہ ایک مسلمان دوسرے سے ہرگز سودی کاروبار نہیں کر سکتا۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۵ جولائی ۸۸ء

کتاب الحدود والتعزیرات

(۱۰۵) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نامی ایک بچے کے ذریعے جس کی عمر گیارہ سال ہے یہ کہلوایا گیا کہ عمر نامی امام صاحب نے میری دُبر پر ہاتھ پھیرا ہے۔ اس کے بعد چند افراد نے تحقیق کرائی اور ایک محفل میں چند علماء کرام نے شرکت کی اور شرعی تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ بعد میں اکیس افراد نے پبلک کے سامنے ایک جنرل میٹنگ میں یہ قرارداد پاس کی کہ مولانا مذکور بالکل صاف ہیں اور یہ الزام غلط ہے اور کمیٹی کی ایک بک پر بھی یہ بات تحریر کی گئی کیونکہ یہ ایک سازش تھی اور اس سازش میں ممتاز نامی ایک شخص پیش پیش تھا۔ دس ہفتے گزرنے کے بعد صرف مولانا مذکور کو امامت سے نکلوانے کے لیے اسی قسم کا ایک اور کیس تیار کیا جو کہ وہ بھی بے بنیاد تھا اور فوری طور پر مولانا مذکور کو امامت سے فارغ کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد امام کے حق میں عوام نے متفقہ طور پر کمیٹی کو ختم کروا دیا جس کے اندر شامل افراد نے یہ کیس تیار کیا تھا۔ مذکورہ بالا الزام میں کوئی گواہ بھی موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا الزام پر فیصلہ ہو جانے کے باوجود ممتاز نامی شخص اور اس کے چند ساتھی پھر الزام کو دہرا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ فیصلہ قرآن پر ہوا تھا۔ دوسرے الزام پر جب امام نے کہا کہ اب فیصلہ عوام میں قرآن پر کیا جائے گا تو ممتاز نے کہا کہ ہم تمہارا قرآن مانیں یا یہ الزام مانیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع میں مذکورہ بالا امام امامت و خطابت کرا سکتا ہے یا

نہیں، برائے مہربانی پورے حالات کے پیش نظر شریعت کے مطابق فیصلہ فرما کر مشکور فرمائیں. نیز اگر شرعی طور پر بہتان ثابت نہ ہو سکے تو بہتان لگانے والے پر کیا سزا ہے. بینوا وتوجروا.

سائل

محمد انور خان مکان ۲۳۸، چارلس روڈ برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اسلام میں لواطت، غلام بازی ایک غیر اخلاقی اور شرمناک فعل ہے. قرآن پاک نے اس قوم کی نہایت سختی سے مذمت فرمائی ہے جو اس فعل قبیح کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کے سخت انجام کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ نہایت قابل عبرت ہے. اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط. کہ جن کاموں سے میں ڈرتا ہوں ان میں بہت ہی خوفناک کام قوم لوط کا عمل ہے. ابن عباس اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من عمل عمل قوم لوط کہ جو شخص قوم لوط والا عمل کرے وہ ملعون ہے (مشکوٰۃ ص ۳۱۲) جیسے لواطت غیر فطری فعل ہے اور اس کے مرتکب کے لیے شریعت نے سنگین سزا رکھی ہے اسی طرح اس کا بلاوجہ کسی پر الزام لگانا بھی سخت جرم ہے اگر الزام لگانے والا گواہوں سے اس کا ثبوت پیش نہ کرے تو شرعاً وہ خود مجرم ہے صورت مسئولہ میں جب لڑکے زید نامی نے یہ کہا کہ میری دُبر پر عمرو نے ہاتھ پھیرا ہے اس سے لواطت ثابت نہیں ہوتی بلکہ لواطت کے ثبوت کے لیے دو مسلمان متقی پرہیزگار قابل شہادت گواہ ہونے ضروری ہیں. قرآن پاک میں ہے کہ اپنے مردوں سے دو گواہ بناؤ. فقہاء کرام فرماتے ہیں.

ومنہا الشہادۃ ببقیۃ الحدود والقصاص تقبل فیہا شہادۃ رجلین وہدایہ، فتح القدیر، قدوری، جوہرہ نیرہ، کہ باقی حدود اور قصاص میں دو آدمیوں کی شہادت قبول کی جائے گی، در مختار اور شرح وقایہ میں ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد گواہ ہیں اور باقی جرم وحدود کے لیے دو گواہ کافی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ لواطت کے فعل کے ثبوت کے لیے دو گواہ ہونے لازم ہیں یا لواطت کرنے والے کا اقرار کرنا ہے اگر گواہ بھی نہیں اور عمرو کا اقرار بھی نہیں ہے تو پھر صرف زید کے کہنے سے لواطت ثابت نہ ہوگی. علاوہ ازیں لڑکا زید نامی صرف یہ کہہ رہا ہے کہ میری دُبر پر عمرو نے صرف ہاتھ رکھا ہے. اس سے بھی ظاہر ہے کہ عمرو نے فعل لواطت نہیں کیا. فعل لواطت تو تب ثابت ہوگا جبکہ دو گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فاعل اور مفعول دونوں کو یہ عمل اور فعل کرتے ہوئے دیکھا ہے. صرف لڑکے کا قول واقرار کہ اس نے میرے جسم کے دُبر پر ہاتھ پھیرا ہے. لواطت کے عمل کا شرعاً ثبوت نہیں ہو سکتا. جب لواطت کا ثبوت نہ ہوا اور نہ ہی تہمت لگانے والا امام مسجد پر یہ الزام ثابت کر سکا ہے تو ظاہر ہے کہ امام مسجد مذکور اس الزام سے بری ہے اور امام مذکور کے پیچھے نماز شرعاً صحیح ہے جو شخص صحیح العقیدہ، متدین، متقی، متشرع نماز کے مسائل سے واقف اور قرأۃ مایجوز بہ الصلوٰۃ کر سکتا ہو اور کسی غلط کام کے ساتھ پہلے مشہور بھی نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے. رہی یہ بات کہ غلط تہمت لگانے والے کی سزا کیا ہے چونکہ یہ ملک برطانیہ غیر اسلامی ہے. یہاں تہمت لگانے پر شرعی تعزیر وغیرہ تو لگ نہیں سکتی. اس کو چاہیئے کہ آئندہ امام مسجد کے متعلق یہ غلط الزام تراشی بند کر دے اور توبہ بھی کرے اور اگر وہ الزام تراشی بند نہیں کرتا تو پھر دیگر مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس سے تعلقات منقطع کر لیں اور یہ قطع تعلقات اس وقت تک برقرار رہنا چاہیئے. جب تک وہ بے بنیاد الزامات کو بند نہیں کرتا. واللہ

ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۱۱ر فروری ۸۸ء

۱۰۶- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی اعلانیہ گناہ زنا، کا ارتکاب کرتی ہے۔ لیکن زید اس کو منع نہیں کرتا۔ منع کرنے کی بجائے اس کی حمایت کرتا ہے۔ کیا ایسے آدمی کے ساتھ ایک مسلمان کو تعلقات رکھنے اس کے گھر آنا جانا، اور اس کو اپنے گھر آنے دینا شرعاً کہاں تک جائز ہے۔

سائل

محمد بشیر برمنگھم نمبر ۶ "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اسلام کے اندر زنا ایک نہایت قبیح فعل اور جرم عظیم ہے قرآن پاک میں ہے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا زنا کے قریب نہ جاؤ۔ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے احادیث میں بھی زنا سے سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ زانی مرد اور زانیہ عورت پر لعنت کی گئی ہے امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرد یا عورت زنا کرے اور زنا سے اولاد پیدا کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ زید کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی بیوی کو غلط کام سے روکتا، بجائے روکنے کے اگر وہ حمایت کرتا ہے تو یہ دیوث پن کے علاوہ نہایت غلط اقدام ہے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کو اس فعل قبیح سے منع کرے اور دونوں میاں بیوی توبہ کریں۔ اگر وہ دونوں حرکات مذکورہ

سے باز نہیں آتے تو پھر مسلمان برادری کو ان سے قطع تعلقات کرنے چاہئیں۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں ایسے لوگوں سے میل جول نشست و برخاست علیک وسلیک نہ چاہیئے اور ان کے گھر آنا چاہیئے اور نہ ان کو اپنے گھر آنے کی اجازت دینا چاہیئے۔ دیگر مسلمان برادری کو بھی چاہیئے کہ وہ زید اور اس کی بیوی سے تعلقات ختم کر دیں، جب تک یہ اعلانیہ توبہ نہیں کرتے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۱۰ر جون ۸۶ء

۱۰۷- الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گزارش ہے کہ دو پرائیویٹ مسلم گرلز سکولوں میں جہاں ۱۲ سے ۱۶ سال تک مسلمان بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ ابتدائی طور پر طے ہوا تھا کہ سکول کے اندر سکول کے اوقات میں مرد نہیں جا سکتے۔ چاہے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ سکول کے اوقات میں کمیٹی کے ذمہ داران عہدیدار سکول میں جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جلسے میں سکول کے چیئرمین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ سکول میں چار مرتبہ گئے ہیں اور ایک مرتبہ استانیوں کے اصرار پر علماء کرام سے اجازت لے کر انہوں نے لڑکیوں کے سامنے تقریر بھی کی ہے۔ پھر جب یہ بات مشہور ہوئی تو باٹلے کے ایک مسلم گرلز سکول والوں کی انتظامیہ نے بھی اقرار کیا کہ وہ سکول کے اوقات میں سکول کے اندر جاتے ہیں اور غیر محرم استانیوں سے مذاکرات بغیر حجاب کے ہوتے ہیں پھر شفیلڈ کے ایک سکول جس کے اغراض ومقاصد بھی یہی ہیں۔ انہوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ بھی ایسے ہی بغیر حجاب کے استانیوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ جب ان ہی کے مسلک کے دارالعلوم ڈیوزبری کے ایک مفتی صاحب سے

اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے واپس جواب نہیں لکھا۔ اب ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ مسلک اہل سنت وجماعت کے پیش نظر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں شریعت مطہرہ کا حکم بتلائیں کہ کیا چیئرمین اور دیگر کمیٹیوں کے افراد کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز اور جو غلطیاں ان سے سرزد ہو چکی ہیں۔ اس کی کیا تعزیر اور تلافی کی صورت ہے اور اس کے علاوہ جو عالم غیر محرم عورت کے سامنے جانے کی اجازت دے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ واپسی لفافہ ارسال خدمت ہے۔

سائلان

عبدالرزاق، عبدالواحد صاحبان ڈیوز بری "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اجنبیہ اور غیر محرم عورت کو بالقصد دیکھنا اور اس کے ساتھ بلاضرورت گفتگو کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ قرآن پاک میں ہے قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم مسلمان مردوں سے فرمائیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت عورت ہے یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے۔ اسے دیکھنا شیطانی کام ہے، امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی طرف ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ کی جائے یعنی اگر اچانک بلاقصد کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً نظر پھیر لے دوبارہ نظر نہ کرے۔ علماء اسلام لکھتے ہیں کہ مقصد حرام تک پہنچانے والا ذریعہ بھی حرام ہے اگر حرام سے روکا جائے اور حرام تک جانے والا راستہ کھلا رکھا جائے تو گویا کہ حرام کے حکم کو توڑ دینا ہے۔ اجنبیہ عورت کے ساتھ بلاضرورت مذاکرات گویا کہ حرام کے راستے کو

کھولنے کے مترادف ہے اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں لا يحل النظر الى الحرة الاجنبية مطلقا بغير ضرورة کہ اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے مگر ضرورت کے ساتھ وہ یہ کہ قاضی، گواہ حکیم اور ڈاکٹر وغیرہ عورت کو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کا دیکھنا بھی بقدر ضرورت جائز ہے۔ جب اجنبیہ عورت کے ساتھ بلاضرورت گفتگو اور مذاکرات ناجائز ہیں تو جو لوگ بلاضرورت مذاکرات کرتے رہے ہیں۔ ان کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی میں توبہ کریں۔ آئندہ ان سے یہ حرکات سرزد نہیں ہونی چاہییں جس عالم نے عورتوں کے ساتھ بلاضرورت مذاکرات کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس نے اسلامی اصول سے ناواقف ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ اسلام تو ہر جرم اور گناہ کی طرف جانے والے ذریعہ پر پابندی لگاتا ہے۔ تاکہ جرائم کا انسداد ہو سکے۔ کسی شخص کا بھی کسی ناجائز کام کی اجازت دینا یا اس پر عمل کرنا اس کو جائز نہیں بنا دیتا۔ بلکہ جو شریعت میں ناجائز ہے وہ ناجائز ہی ہے ایسے عالم کو بھی توبہ کرنا لازم ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱۔ "یوکے" ۴ دسمبر ۸۵ء

الاستفتاء (۱۰۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں۔

۱۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی پھر اس کے ساتھ مباشرت کرتا رہا باوجود کہ طلاق بائنہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ کیا یہ زید کا اس مطلقہ بیوی سے مباشرت کرنا زنا میں شمار نہیں ہے اگر زنا میں شمار ہے تو پھر اس پر حد شرعی جاری ہو سکتی ہے یا نہ۔

۲۔ خالد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ خالد کی بیوی نے لوگوں کو بتایا کہ خالد نے اس کے ساتھ عدت میں مباشرت کی ہے بیوی کے منع کرنے پر خالد نے کہا کہ عدت میں کوئی ممانعت نہیں ہے بعد از عدت ممانعت ہے۔ خالد کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ کیا خالد پر حد شرعی لاگو ہو سکتی ہے یا نہیں۔

۳۔ اجنبیہ عورت نکاح کے بغیر حرام ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اجنبیہ کے ساتھ زنا کرے تو اس پر حد شرعی لگتی ہے اگر کوئی شخص ایسی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے جو کہ ہمیشہ حرام ہے۔ مثلاً خالہ تو پھر اس پر بھی حد شرعی لگے گی یا نہیں۔

سائل

مرزا تنویر حسین مل فوڈ روڈ لندن "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

۱۔ صورت مسئولہ میں عند الشرع حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ حدود شرعیہ میں جب شک وشبہ واقع ہو جائے تو وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اور علامہ ابن نجیم الاشباہ والنظائر صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود شبہ کی وجہ سے ساقط (معاف) ہو جاتے ہیں اور اس بارے میں متفق علیہ حدیث وارد ہے اور شبہ وہ ہوتا ہے جو ایک ثابت شدہ چیز میں شبہ پیدا کر دے اور وہ خود ثابت نہ ہو بلکہ شبہ تو ثابت کا مقابل ہوتا ہے اور شبہ کی چند قسمیں ہیں ایک شبہ فعل اور موقعہ میں ہوتا ہے۔ جہاں یہ شبہ واقع ہو جائے حد ساقط ہو جاتی ہے صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی (جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے)، پھر اس کے ساتھ مباشرت کی تو حد جاری نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ شبہ محل میں واقعہ ہوا ہے کہ مرد نے اگرچہ الفاظ کنایہ سے عورت کو طلاق بائنہ دی ہے اور عدت میں مباشرت کر لی ہے اس میں اس کو ملک کا شبہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے حد ساقط ہو گئی ہے۔

۲۔ اس صورت میں حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ بوقت شبہ حد ساقط ہو جاتی ہے یہاں فعل میں شبہ واقع ہوا ہے یہ وہ ارتکاب کرتا ہے جو کہ غیر دلیل کو دلیل سمجھنے لگتا ہے اور حرام و حلال میں شبہ کرنے لگتا ہے چنانچہ خالد نے طلاق ثلاثہ (مغلظہ) دے کر یہ سمجھا کہ عدت کے اندر اس کے ساتھ مباشرت جائز ہے جیسے کہ طلاق رجعی میں مباشرت جائز ہوتی ہے تو یہ شبہ فعل میں واقع ہوا۔ جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر خالد یہ کہے کہ مجھے علم تھا کہ یہ فعل (مباشرت) بعد از طلاق ثلاثہ حرام ہے تو اس پر حد لاگو ہوگی۔

۳۔ بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں اجنبیہ عورت کے ساتھ زنا کرنے سے زانی کو شرعاً حد لگائی جاتی ہے۔ لیکن جو عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے کہ خالہ اس کے ساتھ اگر کوئی مباشرت کرتا ہے تو اس کو حد نہ لگے گی جس کی وجہ فتاویٰ رضویہ ۸۴/۷ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گناہ تین قسم پر ہیں۔

ا۔ ایک ہلکے جو اس مقام کے نہیں کہ ان پر حد جاری ہو سکے، جیسے اجنبیہ عورت سے بوس وکنار کرنا۔ اس پر حد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حد والے گناہ سے کم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کے حد جرم سے زیادہ سزا دے۔ لہٰذا جو کم درجے کے گناہ ہیں۔ ان پر حد نہ ہوگی، بلکہ تعزیر ہوگی۔

اا۔ وہ گناہ جو بڑے درجے کے ہیں۔ جیسے کہ محرمات ابدیہ عورتوں کے ساتھ مباشرت کرنا، ان گناہوں پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ شریعت میں حد گناہوں سے پاک کر دیتی ہے اور یہ اتنے خبیث اور بڑے گناہ ہیں کہ حد لگنے سے بھی گناہ

کرنے والا پاک نہیں ہوتا. لہٰذا ان بڑے گناہوں پر حد نہیں ہے۔

iii۔ متوسط درجے کے گناہ جیسے کہ شراب یہ بھی خبیث ہے اور اس پر حد ہے لیکن پیشاب اس سے خبیث تر ہے، اس پر حد نہیں ہے. اس طرح اجنبیہ عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے لیکن محرمات کے ساتھ مباشرت کرنے پر حد نہیں ہے. کیونکہ حد ان گناہوں کو سنبھال نہیں سکتی. غرض کہ شریعت اسلامیہ نے حد اس گناہ پر رکھی ہے جو کہ اس گناہ کرنے والے کو گناہ سے پاک کر سکے. اگر گناہ اتنا بڑا ہے کہ حد اس کو پاک نہیں کر سکتی تو پھر حد لاگو نہ ہوگی اب جو عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو اس کے ساتھ یہ مذکورہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ حد اس کو پاک نہیں کر سکتی. لہٰذا یہاں حد ہی نہیں رکھی گئی. شریعت میں حد وہاں رکھی گئی ہے جو کہ گناہ سے بھی پاک کر سکے. واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے" ۹ ستمبر ۸۷ء

الاستفتاء ⑩⑨

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب ادام اللہ ظلکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! معروض آنکہ، آپ نے فتاوی جماعتیہ جلد اول میں لکھا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں حکم ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت کو جبکہ وہ زنا کریں رجم کرنا چاہیئے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو رجم ہوا ہے وہ اس آیت الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے. جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ حکم منسوخ ہوا اور اس آیت الزانیۃ والزانی میں زانیہ عورت اور زانی مرد کے لیے شرعی

سزا سو دُرّے مقرر کیے گئے ہیں. اس میں شادی شدہ اور غیر شادی دونوں کی سزا ایک ہے کوئی امتیاز نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ سزا سو دُرّے ہیں رجم نہیں ہے اور سورۃ نساء میں ہے وعلیھن نصف ما علی المحصنٰت یعنی لونڈیوں کی سزا اگر وہ زنا کریں، محصنات کی سزا کا نصف ہے اور محصنات کا معنی شادی شدہ ہے. اگر شادی شدہ عورتوں کی سزا رجم ہوئی تو لونڈیوں کی سزا نصف رجم ہوگی، حالانکہ رجم کا آدھا کرنا ممکن نہیں ہے اور دُرّے تو آدھے ہو سکتے ہیں. اس سے بھی ثابت ہوا کہ شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا سو دُرّے ہیں اور لونڈیوں کی سزا اس کا نصف پچاس دُرّے ہیں. زنا کی سزا رجم نہیں ہے۔

سائل

محمد رفیق صاحب، حارٹن روڈ مکان نمبر ۱۵، مانچسٹر "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

شریعت اسلامیہ نے مرد اور عورت جو کہ شادی شدہ ہوں، جب یہ زنا کریں تو ان کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا مقرر کی ہوئی ہے. یہ سزا رجم احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور تمام فقہاء اسلام اس کے قائل ہیں. البتہ اس کا انکار فرقہ خارجیہ[1] نے کیا ہے جو کہ امت مسلمہ میں ایک باغی اور سرکش گروہ ہے. ان کے عقائد

[1] خوارج اسلام کا ایک گمراہ اور باغی گروہ ہے. یہ لوگ ظاہری لفظ کو پکڑ لیتے تھے پھر جان کی بازی لگا دیتے تھے. ان کا یہ نعرہ ان الحکم الا للہ یعنی حکم اور فرمان روی صرف اللہ کے لیے ہے ان کا دین اور اصول تھا. یہ لوگ حضرت علیؓ کو جب دیکھتے. یہی نعرہ لگاتے. یہ لوگ نصوص کے اسرار اور رموز سے محروم تھے. چونکہ سطحی نظر رکھتے تھے اس لیے ظاہری نصوص پر عمل کرتے تھے. کم عقلی کی وجہ سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے. یہ گناہ گار مسلمان کو کافر سمجھتے تھے. بلکہ مسلمان کے قتل کو ثواب سمجھتے. ابو العباس

مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان گناہ کبیرہ کرنے والا اور کافر دونوں برابر ہیں اور مسلمان کا قتل کرنا ان کے نزدیک جائز ہے اور حائض والی عورت پر بھی نماز فرض کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں جو مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ چور کا ہاتھ جب کاٹا جائے تو بغل سے کاٹا جائے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب زانی مرد اور زانی عورت شادی شدہ ہوں تو ان کو رجم نہ کیا جائے۔ مبسوط صـ۳۶ جلد ۹ میں ہے واما الرجم فهو حد مشروع فی حق المحصن ثابت بالسنة الاعلی قول الخوارج فانهم ينكرون الرجم کہ رجم حد شرعی شادی شدہ کے حق میں سنت کے ساتھ ثابت ہے اس کا انکار خوارج

مبرد لکھتے ہیں۔ خوارج کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی گرفت میں اگر کوئی مسلمان آجاتا تو وہ اس کو قتل کر دیتے۔ اگر کوئی نصرانی آجاتا تو اس کو ذمی سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ حضرت عبداللہ بن خباب کی جب ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان کی گردن میں قرآن لٹک رہا تھا۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھی جو کہ حاملہ تھیں خارجیوں نے ان سے کہا جو چیز تمہاری گردن میں لٹک رہی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ ہم تمہیں قتل کریں پھر ان خوارج نے عبداللہ بن خباب سے پوچھا ابوبکر و عمر کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ ان کے بارے میں کلمہ خیر کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں۔ خوارج نے پھر سوال کیا تحکیم سے پہلے علی اور خلافت کے ابتدائی دور میں کیسے تھے۔ عبداللہ نے جواب دیا بہت اچھے، خوارج نے پوچھا۔ تحکیم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ علی تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتے تھے۔ تم سے زیادہ نیکوکار دین کے حامی، نگہبان اور صاحب بصیرت و فراست تھے۔ خوارج نے کہا تم سچائی کی پیروی نہیں کرتے لوگوں کی پیروی کرتے ہو یہ کہہ کر عبداللہ بن خباب کو پکڑ کر نہر کے کنارے لے گئے، وہیں انہیں ذبح کر دیا۔ یہاں اپنے کھجور کے درخت کے پاس ایک عیسائی کھڑا تھا۔ اس نے کچھ کھجوریں پیش کیں اور کہا یہ قبول کر لیجئے۔ خوارج نے کہا خدا کی قسم ہم یہ کھجوریں اس صورت میں قبول کر سکتے ہیں کہ ہم سے ان کی قیمت لے لو۔ عیسائی نے جواب دیا کتنی عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن خباب جیسے آدمی کو تم نے قتل کر دیا اور مجھ سے کھجوریں نہیں لے سکتے۔ دراصل خوارج کے اس غلط ذہنیت کا باعث یہ تھا کہ یہ لوگ بادیہ نشین تھے فقر

نے کیا ہے، فتح الملہم شرح مسلم میں ہے۔ ابطلوا الرجم المحصن۔ ان خارجیوں نے ہی شادی شدہ زانی کے رجم کو باطل گردانا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رجم کا انکار کرنے والے خوارج ہیں۔ سائل کا یہ کہنا کہ حضور کے زمانہ میں جو رجم ہوا ہے وہ اس آیت الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة سے منسوخ ہو گیا ہے۔ گویا کہ سائل نے بھی رجم کا اقرار کر لیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا تھا۔ رہی منسوخ ہونے کی بحث تو اس کا جواب یہ ہے کہ رجم کے متعلق ایک حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جس وقت ماعز بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت ماعز نے زنا کرنے کا اقرار کیا تو حضور نے فرمایا۔

اور افلاس کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسلام کے ظہور سے قبل بھی ان کی قوم سخت تکالیف میں مبتلا رہی۔ ظہور اسلام کے بعد بھی ان کی مادی حالت کچھ بہتر نہ ہوئی۔ بدستور سابق ان کی اکثریت بادیہ نشین رہی اور انہوں نے ترقی کرنے کی نہ کوشش کی نہ انہیں کسی فن اور علم سے دلچسپی تھی یہ لوگ نہایت کم عقل اور بے وقوف تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے متعدد فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ ان کا ازارقہ ہے۔ یہ لوگ قبائل ربیعہ کے خاندان بنو حنیفہ کے ایک فرد نافع بن ازرق کی اتباع کرتے تھے۔ یہ لوگ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ زندگی بھر لڑتے رہے۔ ان کا عقیدہ تھا چونکہ قرآن میں زانی کو سنگسار کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے لہٰذا یہ سزا کوئی نہیں ہے دوسرا فرقہ النجدات (یا نجدیہ) ہے یہ لوگ نجدہ بن عویمر الحنفی کے متبع تھے ان لوگوں کی یمن میں اکثریت تھی۔ تیسرا فرقہ الصفریہ ہے۔ اس فرقے کے لوگ زیاد بن الاصفر کے تابعدار تھے۔ چوتھا فرقہ العجاردہ ہے۔ اس فرقہ کے لوگ عبدالکریم بن عجرد کی اتباع کرتے تھے۔ پانچواں فرقہ الاباضیہ ہے اس فرقہ کے لوگ عبداللہ بن اباض کے پیروکار تھے۔ چھٹا فرقہ الیزیدیہ ہے یہ لوگ یزید بن ابی انیسہ کے پیرو تھے ان کا عقیدہ تھا وہ وقت جلدی آنے والا ہے۔ جب خدا ایک عجمی رسول بھیجے گا۔ اس کے علاوہ بھی چند فرقے ہیں۔ (امام ابوحنیفہ صـ۲۱۵)

مفتی غلام رسول

شاید تم نے صرف بوسہ لیا ہو یا لگکھیوں سے اشارہ کیا ہو یا دیکھا ہو اور تم اس کو زنا سمجھ بیٹھے ہو۔ حضرت ماعزؓ نے عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ ایسا نہیں ہوا۔ پھر حضورؐ نے پوچھا کیا تو نے واقعی یہ فعل کیا ہے تو حضرت ماعزؓ نے پھر اقرار کیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے اس کے رجم کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور ابن عباس ۹ ہجری میں مدینہ منورہ آئے تھے اور حضرت ماعزؓ کو رجم ابن عباس کے سامنے ہوا تھا۔ یہ رجم ۹ ہجری یا اس کے بعد ہوا ہے اور آیت کریمہ الزانیۃ والزانی واقعہ افک کے وقت ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ رجم اس آیت کے ساتھ منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ماعزؓ کو رجم ہوا ہے جس سے واضح ہوا کہ رجم حد شرعی تھا جس کو ماعزؓ پر جاری کیا گیا۔ دوسری حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جس کو بھی امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہ نبوت میں موجود تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ خدا کے لیے کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ فرمایئے۔ اس کا مقابل (مدعی علیہ) اٹھا اور اس سے زیادہ سمجھدار تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے حضورؐ نے اجازت دی۔ وہ کہنے لگا میرا لڑکا اس کے پاس اجرت پر کام کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔ میں نے اس کے فدیہ میں ایک سو بکری دی اور ایک غلام آزاد کیا ثم سالت رجالا من اھل العلم۔ پھر میں نے اس کے متعلق اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے کو سو درے لگیں گے اور ایک سال اس کو جلاوطن بھی کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ جل ذکرہ۔ حضورؐ

نے یہ سن کر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ سو بکری اور وہ غلام تجھے واپس کر دیا جائے گا اور تیرے لڑکے کو سو دُرّے مارے جائیں گے اور اس کو ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا۔ واغد یا انیس علی امرأۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا علیھا فاعترفت فرجمھا۔ اے انیس (یہ صحابی تھے)، تو اس آدمی کی عورت کے پاس جاکر دریافت کر۔ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے رجم کر دو۔ چنانچہ حضرت انیس اس کے پاس گئے اس نے اقرار جرم کیا اور اسے سنگسار کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے جب اس عورت کو رجم کیا گیا۔ تو حضرت ابو ہریرہ وہاں موجود تھے اور حضرت ابو ہریرہ ۷ ہجری میں مشرف با اسلام ہوئے ہیں۔ جس سے صاف واضح ہے کہ یہ رجم ۷ ہجری یا اس کے بعد ہوا ہے اور آیت کریمہ الزانیہ والزانی ۵ ہجری میں نازل ہوئی تھی جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے بعد ہی اس عورت کو رجم کیا گیا ہے۔ اس آیت نے رجم کو منسوخ نہیں کیا۔ سائل کا یہ کہنا کہ اس آیت نے رجم کو منسوخ کیا ہے بالکلیہ غلط ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ کیونکہ مدعی نے اور مدعی علیہ نے حضور کو عرض کیا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور حضورؐ نے بھی ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے لیے جو شادی شدہ تھی رجم کا فیصلہ صادر فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ حضور کا فیصلہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے گویا کہ حضورؐ نے اس عورت اور حضرت ماعز بن مالک کے لیے رجم کا حکم فرما کر "الزانیۃ والزانی" آیت کی توضیح فرما دی کہ اس کا مفہوم ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو ان کو سو سو دُرّے مارنے جائیں کیونکہ

حدیث رجم مرتبہ تواتر تک پہنچ چکی ہے۔ ابو بکر رازی المتوفی ۶۰۶ھ احکام القرآن صد ۲۲۴ میں لکھتے ہیں کہ حدیث رجم کو درج ذیل صحابہ نے روایت کیا ہے۔ ابو بکر المتوفی ۱۳ھ عمر فاروق المتوفی ۲۳ھ، علی المرتضیٰ المتوفی ۴۰ھ، جابر المتوفی ۷۴ھ ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ ابو ہریرہ المتوفی ۵۷ھ بریدہ اسلمی المتوفی ۶۲ھ، زید بن خالد المتوفی ۷۸ھ، ان تمام صحابہ نے اس حدیث رجم کو صرف روایت ہی نہیں کیا بلکہ خلفاء راشدین نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس پر عمل فرما کر اس حدیث رجم کے قطعی ہونے کا ثبوت مہیا فرما دیا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ اجمع الصحابۃ وائمۃ الامصار علی ان المحصن اذا زنی عامداً عالما مختارا فعلیہ الرجم۔

تمام صحابہؓ اور بلاد اسلامیہ کے تمام اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر شادی شدہ مرد قصداً جان بوجھ کر بلا جبر و اکراہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے رجم کیا جائے گا۔ امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے کتاب الحدود میں ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رجم حق ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد بعض لوگ یہ کہہ دیں گے کہ رجم نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کا اہم فریضہ چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے حافظ بدر الدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ سے روایۃ کی ہے کہ کسی مسلمان کا خون گرانا جائز نہیں ہے مگر تین چیزوں کے ساتھ ان میں ایک زنا بعد الاحصان ہے۔ یعنی شادی شدہ کا زنا کرنا باعث رجم ہے جب احادیث رجم درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہے تو ان کے ساتھ آیت عام الزانیہ والزانی کو خاص کر دیا جائے گا کہ اس آیت میں زانیہ اور زانی سے مراد غیر شادی شدہ کنوارے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام کے بیان کرنے والے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانیہ اور زانی کو رجم کا حکم فرما کر یہ ثابت فرما دیا کہ

آیت "الزانیہ والزانی" مخصوص بالبعض ہے کہ جو زانیہ اور زانی غیر شادی شدہ (کنوارے) ہیں۔ ان کو سو سو دُرّے مارے جائیں اور جو شادی شدہ ہیں ان کو رجم اور سنگسار کیا جائے اور سائل نے جو سورہ نساء کی آیت فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت۔ کا ذکر کیا ہے کہ لونڈیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف ہے اور محصنت کا معنے شادی شدہ عورتیں ہیں اگر ان کی سزا رجم ہو تو لونڈیوں کی سزا نصف رجم ہوگی حالانکہ رجم کا آدھا کرنا ممکن نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محصنت کا معنے اس آیت میں کنواری آزاد عورتیں ہیں یعنی اگر کنواری آزاد عورتیں زنا کریں تو ان کی سزا سو دُرّے ہیں اور لونڈیوں کی سزا اس فعل میں اس کا نصف یعنی پچاس دُرّے ہوں گے یہ اس لیے کہ احصان کا لغوی اور اصلی معنے منع کرنا اور روکنا ہے۔ عورت جب مسلمان ہو تو اسے محصنہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام اسے بدکاری سے روکتا ہے اگر عورت پاک باز ہو تب بھی اسے محصنہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی پاکیزگی اسے اس فعل سے روکتی ہے۔ اگر عورت آزاد ہو تب بھی اسے محصنہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آزاد عورت زنا نہیں کرتی اگر عورت شادی شدہ ہو تب بھی اسے محصنہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نکاح بھی اسے اس فعل قبیح سے باز رکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ محصنہ کا لفظ صرف شادی شدہ کے لیے ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ جو عورت مسلمان، پاکباز اور آزاد کے اوصاف سے متصف ہو اس کو بھی محصنہ کہتے ہیں۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ احصان کبھی آزادگی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ قرآن پاک میں ہے والمحصنٰت من الذین یعنی آزاد عورتیں اور کبھی اسلام سے جیسے فاذا احصن یعنی جب وہ اسلام لائیں اور کبھی پاکبازی کے ساتھ جیسے والذین یرمون المحصنٰت یعنی جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور کبھی احصان شادی سے حاصل ہوتا ہے جیسے والمحصنٰت من النساء یعنی شادی شدہ عورتیں اس سے ظاہر ہے کہ احصان متعدد وجوہ سے متحقق

ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے جب بھی کوئی وجہ مرد یا عورت میں پائی جائے گی تو مرد کو محصن اور عورت کو محصنہ کہیں گے۔ احصان کا تعلق صرف شادی شدہ سے نہیں ہے اسی لیے امام قرطبی لکھتے ہیں کہ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت میں المحصنٰت کا معنے الابکار الحرائر ہے یعنی وہ عورتیں جو کنواریاں اور آزاد ہیں۔ ان کی سزا کا نصف پچاس دُرّے لونڈیوں کی سزا ہے نہ کہ یہاں شادی شدہ عورتیں مراد ہیں۔ اگر یہاں شادی شدہ مراد ہوتیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شادی شدہ مرد ماعز بن مالک اور عورت غامدیہ کو رجم کرنے کا حکم کیوں فرماتے جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں محصنت سے مراد کنواریاں آزاد عورتیں ہیں غرضیکہ رجم اسلام ہیں بحیثیت حد شرعی احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اس کا انکار فرقہ خارجیہ نے کیا ہے۔ جو کہ اسلام سے منحرف اور باغی فرقہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ "یوکے" ۷ رمئی ۸۷ء

الاستفتاء (۱۱۰)

بخدمت جناب معزز علماء کرام واراکین سنی حنفی کونسل "یوکے"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گزارش ہے کہ مسمی زید نے ایک مسئلہ طلاق کے سلسلہ میں جناب مفتی غلام رسول صاحب ۲۱، شیکسپیئر سٹریٹ برمنگھم نمبر ۱۱، برطانیہ سے فتویٰ حاصل کیا جس میں مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ زید کی بیوی کو طلاقیں صورت مسئولہ میں نہیں ہوئیں۔ زید کی بیوی کو چاہیئے کہ وہ زید کے پاس چلی جائے جب فتویٰ کے حصول کے لیے مفتی صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو فریقین نے مفتی صاحب کو اختیار دیا اور وعدہ کیا کہ جو فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا وہ ہمیں

منظور ہوگا۔ فریقین نے دستخط کیے۔ فتویٰ حاصل کرنے کے بعد زید کی بیوی کا فریق کہنے لگا کہ چونکہ یہ فتویٰ ہمارے خلاف ہے۔ ہمیں تسلیم نہیں ہے ان لوگوں نے علماء دیوبند کی طرف رجوع کیا۔ علماء دیوبند نے بھی مفتی غلام رسول صاحب کے فتویٰ کی تائید اور تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ مفتی غلام رسول صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے کہ زید کی بیوی کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ زید کے پاس چلی جائے لیکن ان لوگوں نے علماء دیوبند کے فتویٰ سے بھی انحراف کیا اور کہا کہ ہمیں ان کا فتویٰ بھی منظور نہیں ہے۔ اب علماء کرام سنی حنفی شرعی کونسل "یوکے" سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے بھی فریق مخالف نے قرآن وسنت کے مطابق شرعی فیصلہ ماننے کا وعدہ کیا تھا۔ اب دوبارہ پھر وعدہ کیا۔ جب شرعی فیصلہ ان کے غلط ضمیر کے مطابق نہ ہوا تو انہوں نے اس سے بار بار منحرف ہونے کی کوشش کی اور اب واضح طور پر منحرف ہوگئے ہیں تو ان کے متعلق شرعی فیصلہ دیا جائے کہ جو شخص شرعی فتویٰ نہ مانے تو وہ قرآن وسنت کے مطابق مسلمان بھی رہ سکتا ہے یا نہیں۔ اس پر کیا شرعی تعزیر لاگو ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے دیا جائے۔

سائل

"یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

رب انی اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون صورت مسئولہ میں اگر زید کا فریق مخالف فتویٰ کا انکار کرتا ہے اور قرآن وسنت کے فیصلے سے بطور انکار منحرف ہیں تو پھر وہ دائرہ اسلام

سے خارج متصور ہوں گے. قرآن پاک میں ہے قل اباللہ و ایاتہ و رسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم آپ فرما دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم مسخرہ پن کرتے تھے. بہانے نہ بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت صہیب المتوفی ۸۰ ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما اٰمن من القراٰن من استحل محارمہ کہ جو شخص اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرے وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا. امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ بعض دفعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ناراض کرنے کی بات کر دیتا ہے اور خیال تک نہیں کرتا اور پھر اس کی وجہ سے ہی وہ جہنم میں گر جاتا ہے یعنی بندہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے حالانکہ وہ درحقیقت بہت بڑا جرم ہوتا ہے جو کہ اس کے لیے باعث جہنم ہو جاتا ہے. اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ چیزوں کو حلال نہیں سمجھتا یا حرام کو حرام نہیں سمجھتا یا قرآن و سنت کے فیصلے کا انکار کرتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا. فقہاء کرام فرماتے ہیں یوں ہی شرع کی توہین کرنا. مثلاً کہے کہ میں شرع ورع نہیں جانتا یا عالم دین محتاط کا فتویٰ پیش کیا گیا. اس نے کہا میں فتویٰ نہیں مانتا یا فتویٰ کو زمین پر پھینک دیا تو کفر ہے کسی شخص کو شریعت کا حکم بتایا گیا کہ اس معاملہ میں یہ حکم ہے اس نے کہا ہم شریعت پر عمل نہیں کریں گے. ہم تو رسم و رواج کی پابندی کریں گے. ایسا کہنا بھی بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے (بہار شریعت صـ۱۵۰) فتاویٰ رضویہ صـ۳۷۶ میں ہے کہ جس نے شریعت مطہرہ کی توہین کی اس کا ایمان جاتا رہا. اگر فریق مخالف فتویٰ کا انکار نہیں کرتے لیکن عملی طور پر منحرف ہیں اور اس شرعی فتویٰ پر عمل کرنے کو وہ اپنے لیے ننگ

و عار سمجھتے ہیں تو پھر بھی یہ غلط روش ہے. فتاویٰ رشیدیہ میں ہے اور باوجود اعتراف اس امر کے کہ یہ خدا اور رسول کا حکم ہے اور پھر بھی اس کو اپنے رواج کے سبب ننگ و عار کا باعث جانتا ہے یہ زیادہ تر موجب اس کے کفر اور مخالفت حق تعالیٰ کا ہے کہ وہ شقی ملعون اپنے رواج کفر کو حق تعالیٰ کے حکم سے اچھا جانتا ہے. پھر اس شرعی فتویٰ پر عمل نہ کرکے یہ لوگ ایک سنگین جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ زید اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق اور جدائی کرا رہے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک نہایت ناپسندیدہ فعل ہے. قرآن پاک میں ہے و یتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ اور جو لوگ ان دونوں (ہاروت، ماروت) سے وہ عمل سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں. تفریق بین الزوجین کرانا ایک شیطانی عمل ہے. امام ابوداؤد، امام نسائی، امام حاکم، امام ابن حبان حضرت ابوہریرہ سے اور حافظ بزار حضرت بریدہ سے، طبرانی ابن عمر سے اور ابو یعلیٰ ابن عباس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہماری جماعت سے نہیں ہے جو کسی کی عورت کو اس سے بگاڑ دے. فتاویٰ رضویہ صـ۴۷۵ میں ہے کہ اگر کسی نے فی الواقع طلاق نہ دی ہو اور دیگر کوئی شخص دانستہ جھوٹ باندھ کر طلاق مشہور کر دے تاکہ عورت کو اس کے خاوند سے جدا کر دے تو سخت عذاب و لعنت الٰہی کا مستحق ہے اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی اور اس عورت کا باپ جھوٹا دعویٰ کرکے جدا کرنا چاہتا ہے تو وہ سخت عذاب خداوندی کا مستحق ہے اور ایسے لوگ شرعاً سخت سے سخت تعزیر کے مستحق ہیں. اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص کسی مرد اور عورت کے درمیان تفریق کراتا ہے یا مرد نے طلاق نہیں دی یہ لوگوں کے درمیان ویسے ہی مشہور کر دیتا ہے کہ فلاں نے طلاق دے دی ہے تاکہ اس کی بیوی کو اس سے

علیحدہ کرادے تو ایسا شخص قابل تعزیر ہے۔ چونکہ یہاں برطانیہ میں غیر اسلامی حکومت ہونے کی وجہ سے تعزیر تو نہیں لگ سکتی۔ ان کو چاہیئے کہ وہ توبہ کریں اور شرعی فتویٰ پر عمل کریں اگر یہ لوگ توبہ نہیں کرتے اور نہ ہی فتویٰ پر عمل کرتے ہیں تو پھر دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے تعلقات قطع کریں اور ان کے پاس بیٹھنا، اٹھنا ان کی شادی بیاہت میں شریک ہونا اور ان کو اپنی شادی بیاہت میں شریک کرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ یہ ظالم ہیں۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ اور ظالموں کے پاس مت بیٹھو (عطایا نمبر ۹ صد ۷۷) اور فتاویٰ رشیدیہ صد ۱۸۵ میں ہے۔ پس ایسے شخص سے ترک ملاقات و معاملات کرنا عین دین ہے اور اس سے رشتہ قرابت رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور اس کو مبغوض خلق اللہ تعالیٰ کا جان کر اس کا دشمن ہو جائے اور اس کے جنازہ کی نماز ہرگز نہ پڑھے، تفسیر فتح العزیز میں ہے۔ اذ القیت الفاجر فالقہ بوجہ خشن ، کہ جب تو فاجر (گنہ گار) کے ساتھ ملاقات کرے تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیئے اور حقائق التنزیل میں ہے۔ من صح ایمانہ واخلص توحیدہ فانہ لا یأنس الی مبتدع ولا یجالسہ ولا یواکلہ ولا یشاربہ ویظہر من نفسہ العداوۃ جس کا ایمان صحیح اور توحید خالص ہو وہ بدمذہب کے ساتھ محبت نہیں رکھتا اور نہ اس کے ساتھ بیٹھتا ہے اور نہ اس کے ساتھ کھاتا ہے اور نہ اس کے ساتھ پیتا ہے بلکہ اس کے ساتھ دلی طور پر عناد رکھتا ہے اور جو بدمذہب کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نور ایمان ختم کر دیتے ہیں۔ قرآن و سنت اور شرعی حکم و فتویٰ سے عملی طور پر منحرف ہونا بھی بدمذہب ہونے کی صریح علامت ہے۔ غرض کہ زید کے فریق مخالف کو توبہ کرنے کے بعد شرعی فتویٰ پر عمل کرنا چاہیئے اگر وہ توبہ اور عمل

نہیں کرتے تو مسلمانوں کو ان سے تعلقات ختم کر لینے چاہئیں۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، برمنگھم نمبر ۱۱ "یو کے"

دستخط مفتیان واراکین سنی حنفی کونسل "یو کے"

جناب علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی نوٹنگھم یو کے۔

علامہ احمد نثار بیگ صاحب قادری مانچسٹر "یو کے"

حافظ فضل احمد صاحب قادری ڈربی "یو کے"

جناب مفتی محمد سلیمان صاحب رضوی برمنگھم "یو کے" ۴ فروری ۸۷ء

الاستفتاء (۱۱۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ باوجود یکہ زید کو علم تھا کہ ابھی ہندہ عدت میں ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید پر شرعاً حد لاگو ہو گی یا نہیں۔

سائل

مرزا تنویر حسین مل فورڈ روڈ لندن نمبر ۱۱

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں عدت کے اندر نکاح کرنا باطل ہے۔ قرآن پاک میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ کہ جن عورتوں کو طلاقیں ہو چکی ہیں وہ تین حیض عدت گزاریں۔ عدت کے اندر جان بوجھ کر نکاح کرنا حرام ہے، ردالمحتار میں ہے۔ اما نکاح منکوحۃ

الغیر و معتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا ــــــ زید کو اگر علم تھا کہ یہ عورت ابھی عدت میں ہے تو اس کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے وہ منعقد نہیں ہوا۔ اگر زید نے ہندہ کے ساتھ بعد از نکاح مباشرت بھی کی ہے تو زنا ہوا جس کی وجہ سے اس پر شرعاً حد واجب ہے اگر زید کو علم نہیں تھا تو پھر شبہ عقد کی وجہ سے حد ساقط ہے فقہ کا اصول ہے کہ حدود شرعیہ شک و شبہ واقع ہونے سے معاف ہو جاتی ہیں اور شبہ عقد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محرم عورت سے نکاح کرے یا معتدہ سے نکاح کرے اور اس سے وطی بھی کر لے۔ اس صورت میں امام ابو حنیفہ تو فرماتے ہیں اگرچہ اس کو حرمت کا علم تھا اس پر حد نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں اگر اس کو حرمت کا علم تھا تو پھر حد جاری ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ غرض کہ اگر زید کو علم تھا کہ ہندہ عدت میں ہے اور ابھی تک اس کی عدت نہیں گزری اور زید نے عدت کے اندر ہی نکاح کر لیا اور بعد از نکاح مباشرت بھی کی تو زید پر حد لاگو ہوگی۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم نمبر ۱۱، برطانیہ، ۴ جنوری ۱۹۸۷ء

الاستفتاء (۱۱۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ٹیچر جو کہ بچوں کو درس قرآن دیتا ہے اور بعض وقتوں میں مسجد میں امامت بھی کراتا ہے۔ لوگ اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔ جو بچے اس کے پاس قرآن پاک کا درس لیتے تھے وہ کہنے لگے کہ یہ ٹیچر ہمارے ساتھ بد فعلی کرتا ہے اور ہم لڑکوں سے ایک یا دو کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے جسم کو دباؤ ہم پہلے دباتے ہیں پھر ہمارے ساتھ غلام بازی کرتا ہے۔ انتظامیہ کمیٹی کے چند افراد پر بذریعہ ان لڑکوں کے جب انکشاف ہوا تو انہوں نے ٹیچر سے پوچھا کہ تمہارے متعلق یہ لڑکے اس طرح کہتے ہیں وہ کہنے لگا کہ میں نے ان سے بد فعلی نہیں کی۔ البتہ یہ میرے جسم کو دباتے تھے۔ لیکن لڑکوں نے کہا کہ فلاں فلاں ٹائم فلاں فلاں لڑکے سے یہ فعل کیا گیا۔ یہ بات کمیونٹی میں پھیل گئی۔ کمیونٹی کے اکثر افراد مرد اور عورتیں اس ٹیچر کے خلاف ہو گئے ہیں اور چند افراد ٹیچر کی حمایت میں بھی ہیں اور مسجد کے نمازی تو زیادہ تر مخالف ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب اس ٹیچر کی بری شہرت کمیونٹی میں پھیل گئی ہے تو اس ٹیچر کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس سے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دلوانا شرعی طور پر کہاں تک صحیح ہے۔ اس کے متعلق فتویٰ درکار ہے۔

سائلین

لنکا شائر "بلوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب ــــ

اسلام میں لواطت یعنی لڑکوں کے ساتھ بد فعلی ایک غیر اخلاقی اور شرمناک فعل ہے۔ قرآن پاک نے اس قوم کی نہایت سختی سے مذمت کی ہے۔ جو قوم اس فعل کی مرتکب ہوئی تھی۔ ان کے برے انجام کا بھی قرآن نے ذکر کیا ہے جو کہ قابل عبرت ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ملعون من عمل عمل قوم لوط۔ کہ جو شخص قوم لوط والا عمل کرے وہ لعنتی ہے (مشکوٰۃ صہ ۱۷۵)۔ لیکن لواطت کے ثبوت کے لیے دو گواہ لازم ہیں۔ قرآن پاک میں

ہے۔ واستشہدوا شہیدین من رجالکم۔ کہ اپنے مردوں میں
سے دو گواہ بناؤ۔ فقہائے اسلام فرماتے ہیں ولبقیۃ الحدود والقصاص
رجلان۔ (قدوری ص۲۱۲، کنز ص۱۱۷، قواعد الاحکام ص۴۹ جلد ۲) یعنی زنا
کے علاوہ باقی حدود اور قصاص کے لیے دو گواہ لازم ہیں اور لواطت کے ثبوت کے
لئے بھی دو گواہ ہونے ضروری ہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر دو عینی گواہ موجود نہیں
ہیں تو پھر فعل لواطت ثابت نہ ہوا۔ البتہ ٹیچر کا خود تسلیم کرنا کہ وہ ان لڑکوں سے
اپنا جسم دبواتا تھا اس کو متہم اور فاسق بناتا ہے۔ لان الخلوۃ بالامرد
اخبث من الخلوۃ بالاجنبیۃ ــــ
(فتاویٰ رضویہ ص۲۱۸) کہ لڑکے کے ساتھ خلوت، یہ اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت
سے بھی زیادہ خبیث ہے اور اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت (تنہائی) حرام ہے اور حرام
کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور لڑکے کے ساتھ خلوت اس سے بھی زیادہ خبیث ہے
لہٰذا لڑکے کے ساتھ خلوت کرنے والا بڑا فاسق ہوگا۔ در مختار میں ہے لانہ محل
الفتنۃ کہ لڑکے محل فتنہ ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ لڑکوں کے ساتھ تنہائی
میں بیٹھنا یا ان سے جسم کو دبوانا یا ان سے محبت کرنا انسان کو متہم اور فاسق بنا دیتا ہے
پھر لڑکوں کا ٹیچر کے سامنے کھل کر بیان دینا کہ یہ لواطت کرتا تھا۔ اگرچہ ان لڑکوں کی
شہادت معتبر نہیں ہے لیکن ان کا بیان تو قابل اعتبار ہو کر ٹیچر کو مزید فاسق بنانے
میں مدد دے گا اور عوام میں بری شہرت کا پھیل جانا بھی باعث فسق ہے۔ فتاویٰ
رضویہ ص۲۷۴ میں ہے کہ اگر فاعل کی یہ حالت معروف و مشہور ہو تو یہ فاسق معلن
ہے اور فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی (حرام کے قریب) ہے۔ جس کا
لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے جس کو ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس
سے اور ابوداؤد نے ابن عمر سے اور طبرانی نے طلحہ بن عبید اللہ سے اور ابن خزیمہ نے

عطا بن دینار سے اور امام ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے ثلاثۃ لا
یقبل اللہ منہم صلوٰۃ کہ تین شخص ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔
ان میں سے ایک وہ ہے جو لوگوں کا امام بنتا ہے اور لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔
رد المحتار ص۳۷۶ میں ہے لو قدموا فاسقا یاثمون
واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا
یہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد
وجب علیہم اہانتہ شرعا۔ یعنی اگر لوگ فاسق کو
امام بنائیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ کیونکہ فاسق کے امام بنانے میں اس کی عزت
ہے حالانکہ فاسق اس لائق نہیں ہے کہ اس کی عزت کی جائے بلکہ قابل توہین ہے۔
جو نماز فاسق کے پیچھے پڑھی جائے۔ اس کا اعادہ واجب ہے کما حکم کل صلوٰۃ
ادیت مع الکراھۃ التحریمۃ وجبت اعادتہا
کہ جو نماز مکروہ تحریمہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کو لوٹانا واجب ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے
کہ لواطت کے فعل کا ثبوت اگرچہ دو گواہوں کی گواہی پر موقوف ہے جو صورت مسئولہ
میں نہیں ہے۔ البتہ خود ٹیچر (مدعا علیہ) کا بیان اور حلقہ عوام میں غیر فطری فعل میں مشہور
ہونا اس کو گناہ گار فاسق ثابت کرتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں اور نمازیوں کے درمیان
تفریق و انتشار کا باعث بھی ہے۔ لہٰذا اس کو امامت کے مقدس فریضہ سے علیحدہ
کر دیا جائے اور یہ علیحدگی اس وقت تک برقرار رہے جب تک اس کی بری شہرت
اچھی شہرت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم نمبر ۱۱۔ برطانیہ ۷ جنوری ۸۸ء

الاستفتاء (۱۱۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ یہاں برطانیہ میں بعض مسلمان شرعی امور کی پرواہ نہیں کرتے۔ اگر ان کو شرعی حکم بتایا جائے تو اس حکم کے خلاف باتیں بنانی شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ایسے آدمیوں کے لیے اسلام نے کوئی سزا تجویز کر رکھی ہے۔ بینوا و توجروا۔

سائل

عنایت علی "یوکے"

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

شریعت کے خلاف قولاً و عملاً مرتکب ہونے والوں کو سزا اور تعزیر تو اسلامی حکومت میں ہی دی جا سکتی ہے جب یہاں غیر اسلامی حکومت ہے۔ یہاں کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان جو شرعی امور کے خلاف باتیں کرتے ہیں دیگر مسلمان باہمی مل کر ان سے قطع تعلقات کر لیں۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ علیک وسلیک اور ان کے گھر آنا جانا اور ان کو اپنے گھر میں آنے جانے سے روک دیں اور ان کی شادی و غمی میں نہ شریک ہوں اور نہ ان کو اپنی شادی و غمی میں شریک کریں تو نہایت مناسب بلکہ ضروری ہے۔ تاکہ ان کو اور دیگر لوگوں کو بھی عبرت ہو۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول

برمنگھم "یوکے" ۱۲ فروری ۸۸ء

الاستفتاء (۱۱۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جھوٹی قسمیں اٹھا رہا تھا۔ ایک دوسرے نے کہا کہ تم جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہو جان بوجھ کر اپنے ذمہ گناہ لے رہے ہو۔ وہ کہنے لگا گناہ کا کفارہ دے دوں گا۔ ایسے آدمی کے متعلق کیا حکم ہے۔

نعیم آصف، ساؤتھ ہال لندن

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

قسم تین قسم پر ہوتی ہے۔ لغو، غموس، منعقدہ، لغو یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے امر پر اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھائے اور حقیقت میں وہ اس کے خلاف ہو۔ یہ معاف ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ غموس یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے امر پر دانستہ جھوٹی قسم کھائے اس میں گناہ گار ہے، منعقدہ یہ ہے کہ کسی آئندہ امر پر قصد کر کے قسم کھائے اس قسم کو توڑے تو گناہ گار بھی ہے اور کفارہ بھی لازم، چونکہ صورت مسئولہ میں قسم غموس ہے لہٰذا قسم اٹھانے والا گناہ گار ہے۔ توبہ کرے کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ والتھم سٹو لندن ۳ فروری ۹۰ء

۱۱۵ الاستفتاء (۱۱۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید جو اپنے آپ کو نسبی طور پر سید کہلاتا ہے اور اس کی عمر بھی چالیس سال کے

قریب ہے، بچوں اور بچیوں کو اسلامی درس دیتا ہے۔ بعض لوگوں نے زید پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ لیکن زید حلفیہ بیان سے کہتا ہے کہ میں اس گناہ کا مرتکب ... مجھ پر یہ سراسر بہتان ہے۔ مجھے صرف بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور تہمت لگانے والوں کے پاس کوئی معتبر گواہ بھی نہیں ہے ایک دوسرے سے سن کر باتیں آگے کرتے جاتے ہیں اب مفتیان اسلام سے عرض ہے کہ زید کے لیے جو حکم شرع محمدی کے مطابق ہو اس کا فتویٰ دیا جائے۔

سائل

زین العابدین صاحب المعروف قاری بغدادی (ناروے)

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید پر تہمت لگانی غلط ہے۔ کیونکہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ ضروری ہیں اور جب یہاں کوئی معتبر گواہ ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ تہمت لگانا صراحۃً غلط ہے۔ قرآن پاک میں ہے فاستشهدوا عليهن اربعة منكم تو گواہ طلب کرو۔ تہمت لگانے والوں سے ان پر چار مرد اپنوں میں سے امام فخرالدین رازی المتوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں کہ ثبوت زنا کے لیے چار مرد گواہ ہونے ضروری ہیں۔ لان الفعل بغمض الاطلاع عليه فاحتيط فيه باشراط الاربع لو شهد على الزنا اقل من اربعة لا يثبت الزنا۔

سعد بن عبادہ المتوفی ۱۵ ھ نے اسی مسئلہ کے متعلق سوال کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زنا کے ثبوت کے لیے کیا چار گواہ ہونے لازم ہیں تو حضور نے فرمایا ہاں (تفسیر کبیر ص ۱۵۹) قرآن پاک میں ہے۔

لولا جاءو عليه باربعة شهداء فاذلم ياتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكاذبون.

اگر وہ سچے ہوتے تو کیوں نہ پیش کر سکے۔ اس پر چار گواہ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو معلوم ہوا کہ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے بھی ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان مرد یا عورت پر زنا کا الزام عائد کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ پیش کرے اگر پیش نہیں کرتا تو وہ جھوٹا ہے۔ ابوبکر جصاص المتوفی ۳۷۰ ھ لکھتے ہیں ومعلوم ان العدد من الشهود انما هو مشروط في الزنا۔

کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ ضروری

ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن امیہ کو بھی فرمایا تھا ائت باربعة شهداء والا فحد في ظهرك کہ چار گواہ پیش کرو ورنہ تجھے حد قذف لگے گی (احکام القرآن ص ۲۶۷ اور علامہ ابو البرکات نسفی المتوفی ۷۰۱ ھ تفسیر نسفی ص ۱۳۲ جلد ۳، علامہ آلوسی بغدادی المتوفی ۱۳۱۰ ھ تفسیر روح المعانی ص ۸۸ جلد ۱۸، قاضی بیضاوی المتوفی ۷۹۱ ھ، تفسیر انوار التنزیل ص ۱۸۱ میں، علامہ جلال الدین محلی المتوفی ۸۶۴ ھ تفسیر جلالین جلد ۲ علامہ قرطبی المتوفی ۶۷۱ ھ تفسیر قرطبی ص ۶۸ جلد ۵ علامہ مصطفیٰ مراغی تفسیر مراغی ص ۲ جلد ۱۸ میں یہ تمام لکھتے ہیں کہ ثبوت زنا کے لیے چار گواہ ضروری ہیں اگر تہمت لگانے والے نے چار گواہ پیش نہیں کئے تو پھر اس کو حد قذف یعنی اسی کوڑے لگائے جائیں گے قرآن پاک میں ہے۔ والذين يرمون المحصنت ثم لم ياتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون۔

اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ پیش کرسکیں چار گواہ تو لگاؤ ان تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑے اور نہ قبول کرنا ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے، وہی لوگ فاسق ہیں۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ ضروری ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں زنا ایک ناقابل برداشت جرم ہے جو اس کا ارتکاب کرتا ہے اس کا شرعی ثبوت ہو جائے تو زانی کے لیے شریعت اسلامیہ نے عبرتناک سزا مقرر کی ہوئی ہے جو کسی دوسرے گناہ پر نہیں دی جاتی۔ اسی طرح کسی پر زنا کا بہتان لگانا بھی انتہائی سنگین جرم ہے۔ جو شخص کسی پاک دامن عورت پر یا پاکباز مرد پر یہ الزام لگا تو اس کو معمولی بات خیال کر کے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ شریعت اسلامیہ اس کو حکم دیتی ہے کہ وہ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرے۔ اگر وہ چار گواہ پیش نہیں کرے گا تو اسے خود اسی درّے لگائیں گے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چل جائے کہ کسی مسلمان کی عزت و ناموس پر غلط الزام لگانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسی کوڑے لگنے کے علاوہ وہ مردود الشہادت اور فاسق بھی تصور کیا جائے گا بلکہ جو شخص بھی ایسی الزامی سازش میں شریک ہوتا جائے گا۔ ان تمام کو ہی بطور حد قذف اسّی اسّی کوڑے لگائے جائیں گے تاکہ ایسے سنگین جرم کا انسداد ہو سکے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا زانی پر حد اس وقت لگے گی اذا قامت البینة جب گواہی قائم ہو جائے (سنن ابوداؤد ص۲۴۲ جلد ۴ مسلم شریف ص۶۵ ، موطا امام مالک ص۵۱۶) امام نووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں کہ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ ہونے ضروری ہیں اگر چار سے کم ہوں گے تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی اور اگر گواہ نہ ہوں تو پھر ہرگز حد قائم نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو کنت راجماً احداً

بغیر بینة لرجمت فلانة ۔ اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو فلاں عورت کو کرتا۔ کیونکہ طرز گفتگو، ہیئت اور آنے جانے والوں سے اس کا فاسقہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب تک گواہ نہ ہوں تو حد نہ لگائی جائے گی یا پھر زانی خود اقرار کرے۔ حضرت ابو ہریرہ المتوفی ۵۸ھ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اس کے اقرار زنا کے بعد رجم کیا (سنن ترمذی ص۲۴۳ جلد ۲) گویا کہ حد گواہوں کی گواہی کے بعد یا زانی کے اقرار کے بعد لاگو ہوگی۔ اسی لیے فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ ثبوت زنا کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ یا خود زانی چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔

۲۔ یا چار مرد گواہی دیں گے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔

اگر چار سے ایک گواہ بھی کم ہوا تو حد نہ لگے گی الشہادة علی الزنا لا تقبل اذا کان الشہادة اقل من اربعة ——— (ہدایہ ص۲۱۴ فتح القدیر ص۲۱۴، جوہرہ نیرہ ص۲۰۴، قدوری ص۲۹۱، عنایہ ص۲۱۴) اور ثبوت زنا میں چار گواہوں کی شرط یہ زنا کے ساتھ مختص ہے۔ امام رازی اس کی توجیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام طور پر فعل زنا مخفی ہوتا ہے اور اس پر اطلاع مشکل ہوتی ہے۔ لہٰذا بطور احتیاط چار گواہ رکھے گئے ہیں۔ بعض فقہاء نے وجہ عقلی یہ بیان کی ہے کہ زنا میں چار گواہوں کا تقرر اس لئے ہوا ہے۔ جبکہ دیگر معاملات میں دو گواہ کافی ہیں کہ زنا کا فعل ایک فرد سے نہیں ہوتا، بلکہ زنا کا فعل مرد اور عورت دونوں کے ساتھ قائم ہے۔ اس لیے دو گواہ مرد کے لیے اور دو گواہ عورت کے لیے ہوئے۔ باں وجہ شریعت نے ثبوت زنا کے لیے چار گواہ متعین کئے ہیں۔ (سیف المقلدین ص۶۲۵) اور یہ چار گواہ مسلمان، متدین، متشرع، متقی پرہیزگار

نمازی ہوں اور ان گواہوں سے پوچھا جائے گا کہ زنا کی تفصیل کیا ہے، زنا کے کیا
ہیں، زنا کی کیفیت کیا ہے، زنا کس مکان میں ہوا ہے، زنا کس وقت ہوا ہے، کس
عورت کے ساتھ ہوا ہے، اس عورت کی شکل و صورت کیا ہے۔ جب گواہ یہ تمام
چیزیں بیان کر دیں اور بالاتفاق کہیں کہ ایک وقت ایک مکان میں اپنی آنکھ سے
دیکھا ہے کہ اس کا بدن اس کے اندر اس طرح تھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے
تو زنا ثابت ہوگا اور زانی پر اسلامی ملک میں حد لاگو ہوگی۔ اگر گواہ اس طرح نہ بیان
کریں تو زنا ثابت نہیں ہوگا۔ یہ گواہی دینے والے جھوٹے فاسق اور مردود الشہادۃ
ہوں گے ان پر حد قذف لگے گی صورت مسؤلہ میں جب تہمت لگانے والے کے
پاس گواہ نہیں ہیں تو وہ خود کاذب اور مردود الشہادت ٹھہرا اور اس پر حد قذف جاری
ہوگی۔ بلا ثبوت شرعی کسی پاک باز مرد اور عورت پر تہمت لگانا کبیرہ گناہ ہے اور
جو کہ سید اور آل رسول ہے اس پر تہمت لگانا تو نہایت سنگین جرم ہے ان کی عزت اور
محبت فرائض سے ہے قرآن پاک میں ہے وتعزروہ وتوقروہ۔
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو اور الامر بالشئ نہی عن ضدہ کسی
شئے کا امر اس کے ضد و خلاف سے نہی ہے۔ جب تعظیم فرض ہے تو توہین منع
ہے قرآن پاک میں ہے، قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا
المودۃ فی القربیٰ آپ فرما دیجئے میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر
یہ کہ قریبیوں سے محبت کریں۔ حضرت سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ ھ سے مروی ہے کہ
قرابت والوں سے مراد حضور کی آل پاک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضور
کے قریبیوں کی محبت دین کے فرائض سے ہے (تفسیر خزائن العرفان صـ۱،) حضرت
سلمان فارسی المتوفی ۳۲ ھ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کسی شخص کا ایمان
مکمل نہیں ہو سکتا، یہاں تک میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرے

امام ذہبی المتوفی ۱۷۲۲ ھ لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی محبت فرض ہے جس میں کسی کے لیے
عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام المتوفی ۱۸۳ ھ فرماتے ہیں کہ ایمان
کی تکمیل کے لیے محبت اہل بیت لازم ہے۔ امام شعرانی المتوفی ۹۷۳ ھ اپنی کتاب
الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک کے ساتھ محبت
رکھنا اور ان کی عزت کرنا فرض ہے وہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا المتوفاۃ ۱۱ ھ
کے دونوں صاحبزادے حضرت امام حسن المتوفی ۵۹ ھ، امام حسین الشہید ۶۰ ھ اور آگے
ان کی اولاد جو قیامت تک ہے (رشفۃ الصادی صـ۱۵) امام حاکم المتوفی ۴۰۵ ھ اپنی
سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جزء بدن
ہے جو چیز اس کو ناخوش کرتی ہے وہ مجھے ناخوش کرتی ہے اور جو امر اس کی خوشی کا
باعث ہے وہ میری خوشی کا باعث ہے اور بے شک تمام نسب کٹ جائیں گے۔
روز قیامت سوائے میرے نسب کے (صواعق محرقہ صـ۲۸۵۔ مدارج النبوت صـ۵۴۶
مشکوٰۃ صـ۲۵۷) قد ثبت ھذا الحکم لفاطمۃ ثم
ھو لذریتھا من بعدھا الی یوم القیامۃ
بے شک جزء رسول ہونے کا حکم اور جزء کی ایذا، رنج و خوشی خود حضور کی ایذا رنج و
راحت ہونے کا حکم فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہوا اور پھر
ان کے بعد وہی حکم ساری اولاد فاطمہ کے لیے بھی ثابت ہے تا روز قیامت بالکلیہ کوئی
فرق نہیں ہے (غایۃ تلخیص المراد صـ۲۹۶) علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ ھ لکھتے
ہیں کہ اس سے یہ اصول ثابت ہوا کہ ہر اس فرد کی ایذا حرام ہے جس کی ایذا سے حضور ﷺ کی
ایذا ہو اور حضور کی ایذا بالاتفاق حرام ہے جس سے ثابت ہوا اولاد رسول کی ایذا حرام ہے
اگرچہ ایذا کا باعث امر مشروع ہی کیوں نہ ہو (فتح الباری صـ۲۸۷ جلد ۵) علامہ نووی فرماتے
ہیں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایذاء رسول حرام ہے بکل حال و بکل وجہ

اگرچہ امر مباح سے ہو (نووی شرح، مسلم صفحہ ۲۹۰ جلد ۲) شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۴۹۰ھ فرماتے ہیں لا یجوز ان یثبت فی التابع حکم آخر سوی الثابت فیمن ھو اصل۔ یعنی جو حکم اصل کا ہے وہی حکم فرع کا ہے۔ علی بن ابی بکر فرغانی المتوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔ وجزء المرء فی معنی نفسہ کہ آدمی کا جز اس کی ذات کے حکم میں ہے۔ جب فرع کا حکم اصل کا ہے اور آدمی کا جز اس کی ذات کے حکم میں ہے تو حضورؐ کی اولاد حضورؐ کے حکم میں ہے لہٰذا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت فرض ہے اسی طرح حضورؐ کی اولاد کی عزت فرض ہے جس طرح حضورؐ کی توہین منع ہے اسی طرح حضورؐ کی اولاد کی توہین منع ہے پھر اسی حکم میں حضور علیہ السلام کی تمام اولاد قیامت تک داخل ہے کیونکہ جزء ذات ذات کے حکم میں ہے قرآن پاک میں ہے وجعلوا من عبادہ جزءً اور اس کے لیے اس کے بندوں میں سے اس کا جز "ٹکڑا" ٹھہرایا۔ یعنی ملائکہ جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ان کو مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور اولاد صاحب اولاد کی جزء ہوتی ہے۔ کفار مکہ نے ان کو بھی الٰہ سمجھا کہ اللہ کا بیٹا اور بیٹی بھی الٰہ و معبود ہے اور جب اولاد صاحب اولاد کی جزء ہوتی ہے اور اس کے حکم میں ہوتی ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی حضور کے حکم میں ہوگی۔ حضورؐ کی اولاد کی عزت حضورؐ کی عزت ہوگی اور حضورؐ کی اولاد کی بے ادبی حضورؐ کی بے ادبی ہوگی۔ علامہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ، ابو الشیخ المتوفی ۳۶۹ھ اور علامہ دیلمی المتوفی ۵۰۹ھ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص میری اولاد کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ منافق ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۲۶۳) سادات کرام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ لہٰذا ان کا احترام فرض ہے اور ان کی بے ادبی منع ہے۔ بلا ثبوت شرعی زید پر جو کہ نسبی طور پر سیّد ہے۔ زنا کی تہمت لگانا بہت بڑا جرم ہے۔ اعلیٰ حضرت

فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں کسی مسلمان پر زنا کا الزام لگانا سخت حرام قطعی گناہ کبیرہ ہے۔ ایسی تہمت لگانے والا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو اسی کوڑے مارو اور اس کی گواہی ہرگز نہ قبول کرو اور یہ فاسقوں سے ہے (فتاویٰ رضویہ صفحہ ۷۶ جلد ۵) خلاصہ کلام یہ ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہ مرد لازم ہیں۔ جب تہمت لگانے والے کے پاس گواہ نہیں ہیں تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو حد قذف لگائی جائے لیکن حد کا لگانا اسلامی حکومت کا کام ہے اور یہاں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ جتنے تہمت لگانے والے ہیں ان سے قطع تعلقات کریں یہ قطع تعلقات اس وقت تک قائم رہنے چاہئیں جب تک یہ لوگ توبہ نہیں کرتے اور اس غلط بات کرنے سے باز نہیں آتے اور ان کو چاہیئے کہ زید سے بھی معافی مانگیں چونکہ زید سیّد ہے۔ لہٰذا اس کا احترام بحال سابق برقرار رکھیں۔ واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول۔ برمنگھم نمبر ۱۱ "یوکے"، ۲۶ نومبر ۸۶ء

کتاب الحظر والاباحۃ

(۱۱۶) ۔الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مسلم ہندو، سکھ انگلش وغیرہ کی دکان سے کھانے کی چیزیں مثلاً دودھ، دہی، گھی، مٹھائی وغیرہ لے کر مسلمانوں کے لیے ان چیزوں کا کھانا جائز ہے یا نہ کیونکہ غیر مسلم کی چیزوں میں اکثر شک تو ہوتا ہے۔ اس کا جواب فتویٰ کی صورت میں مطلوب ہے۔ بینوا وتوجروا۔

سائل

صوفی اکبر خان، اپارک بروک برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

شریعت اسلامیہ میں دراصل ہر چیز طاہر اور پاک ہے اور نجاست ایک عارضی امر ہے جس کے لیے ثبوت ضروری ہے محض شک وشبہ سے نجاست ثابت نہیں ہوتی اور جو چیزیں سوال میں ذکر ہیں یہ اپنے اصل کے لحاظ سے پاک ہیں اگر ان پر کوئی ظاہری نجاست یا ان میں کوئی نجس چیز نہیں ملائی گئی تو ان کا استعمال کرنا مباح اور جائز ہے محض شک کی بنا پر ان کو نجس نہیں کہہ سکتے کیونکہ اصل میں یہ پاک ہیں۔ ان الطھارۃ اصل لان اللہ تعالیٰ لم یخلق شیئا نجسا من اصل خلقتہ وانما النجاسۃ عارضۃ کہ طہارت اصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اصل کے لحاظ سے نجس

پیدا نہیں کیا اور نجاست تو صرف عارضی ہوتی ہے۔ علامہ سید حموی (غمز العیون میں) لکھتے ہیں۔ الیقین لایزول بالشک۔ کہ یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا یقین کے ازالہ کے لیے یقین ہی چاہیئے اس سے ظاہر ہے کہ جو چیز یقینی پاک ہے وہ شک وشبہ سے پلید نہیں ہوتی جب یہ مذکورہ چیزیں (دودھ، دہی، مٹھائی وغیرہ) اصل میں پاک ہیں تو غیر مسلم کی دوکان پر جانے یا بننے سے پلید نہیں ہوں گے ہاں اگر ان پر نجاست کے آثار نمودار ہوں یا یقیناً علم ہو کہ ان میں کوئی نجس چیز ملائی گئی ہے تو پھر پلید ہوں گی محض شک سے پلید نہ ہوں گی۔ زمانے کے تقاضے کا بھی اعتبار ہوتا ہے، یہ زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ اس زمانہ میں یہی کافی ہے کہ مسلمان حرام سے بچے جائے اس زمانہ کو چھوڑیئے چھٹی صدی بلکہ اس سے پہلے زمانہ کے علماء لکھتے ہیں کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ حرام سے بچنے کا ہے۔ قاضی خان لکھتے ہیں لیس زماننا اجتناب الشبہات وانما علی المسلم ان یتقی الحرام المعاین۔ صاحب ہدایہ تجنیس میں لکھتے ہیں لیس ھذا زمان الشبہات ان الحرام اغتانا یعنی اجتنبت الحرام کفاك

یہ زمانہ شکوک وشبہات سے بچنے کا نہیں ہے بلکہ صریح حرام سے بچنا ہی کافی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ علیك بترك الحرام المحض فی ھذا الزمان فانك لا تجد شیئا لا شبهة فیه۔ کہ اس زمانہ میں خالص حرام کو چھوڑ دینا ہی کافی ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس میں شبہ نہ ہو یہ تو سوائے فتاویٰ عالمگیری کے ان علماء کے اقوال

ہیں جو چھٹی صدی کے قریب قریب ہوئے ہیں اب تو پندرہویں صدی ہجری ہے اس صدی میں شکوک و شبہات کے جال بچھے ہوئے ہیں محض شک کی بنا پر کسی کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جن اشیاء میں حرمت و نجاست متحقق ہو وہ نجس و حرام ہیں ورنہ طاہر و حلال کہ اصل اشیاء میں طہارت و حلت ہے
قال اللہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔
جب تک کسی عارض سے اس اصل کا زوال ثابت نہ ہو حکم اصل ہی کے لیے رہے گا۔ محرر المذہب امام محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما لعینه ۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشرکوں اور نصاریٰ کے برتنوں میں جو پانی تھا اس سے وضو کیا

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم التوضوء عن مزادة مشرکته وعن عمر رضی اللہ عنه من جرة نصرانیة۔

اور ذخیرہ میں ہے

ولاباس بطعام الیهود والنصاری کله من غیر استثناء طعام دون طعام اذا کان مباحا من الذبائح و غیرها لقوله تعالی وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم من غیر تفصیل فی الآیة بین الذبیحة وغیرها وبین اهل الحرب

وغیر اهل الحرب و بین بنی اسرائیل کنصاری العرب ولا باس بطعام المجوس كله الا الذبیحة و قال فی موضع آخر روی عن ابن سیرین رحمه الله تعالی ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم كانوا يظهرون و يغلبون على المشركين و ياكلون و يشربون فی اوانیهم ولم ینقل انهم كانوا یغسلونها و روی عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لما هجموا علی باب کسری وجدوا فی مطبخه قدورا فیها الوان الاطعمة فسالوا عنها فقیل لهم انها مرقته فاكلوا و بعثوا بشیء من ذالك الی عمر رضی الله تعالی عنه فتناول عمر رضی الله تعالی عنه من ذلك الطعام وتناول اصحابه ای بقیة الصحابة رضی الله عنهم منه ایضا فالصحابة رضی الله عنهم اكلوا من الطعام الذی طبخوا ای المجوس لان الاصل حل الاكل ولا تثبت الحرمة بالظن وطبخوا ای الصحابة رضی الله

عنهم فی قدورهم قبل الغسل والدلیل له ان الطهارة اصل والنجاسة عارضة وقد وقع الشک فی العارض ولا ترفع الطهارة الثابتة۔

فتاویٰ رضویہ میں یہ بھی ہے کہ یورپ کا دودھ، مکھن، گھی، صابون، بسکٹ، ان مٹھائی وغیرہ کا کھانا اور استعمال مسلمانوں کے لیے جائز ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ غیر مسلم کی دکان سے یہ چیزیں خرید کر جب ظاہری نجاست سے ملوث نہ ہوں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۶ جولائی ۱۹۸۷ء

(۱۱۷) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں ۱۔ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو ملتا ہے تو بعض دفعہ بجائے السلام علیکم کہنے کے اپنا ہاتھ ماتھے تک اٹھا دیتا ہے یہاں برطانیہ میں بہت رواج ہے کیا اس سے شرعی طور پر جو السلام علیکم کہنے کا حکم ہے وہ پورا ہو جاتا ہے یا نہ ۲۔ ایک پیر صاحب تعویذ کر کے دیتے ہیں اور اس میں فرعون، نمرود، بخار اتر جائے گا یا کام ہو جائے گا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان مذکور ناموں پر جوتے مارنے جائز ہیں یا نہ ۳۔ کیا کسی پیر صاحب کو سجدہ تعظیمی کرنا یا پیر صاحب کی آمد پر زمین کو بوسہ دینا جائز ہے، یا نہ یا دور کھڑے ہو کر سلام کے لیے جھک جانا ان تمام مسائل کا شرعی جواب مطلوب

ہے۔ بینوا و توجروا۔

سائل

مشرف حسین (صاحب) "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

شریعت اسلامیہ نے مسلمان کا مسلمان کے ساتھ باہمی ملاقات کرنے کے لیے جو آداب اور طریقے مقرر کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں مسلمان ایک دوسرے کی سلامتی کے لیے دعا کریں قرآن پاک میں ہے واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم جب تم گھر جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حکم دیا کہ جاؤ فرشتوں کو سلام کرو اور سنو! وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں جو کچھ وہ جواب دیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر السلام علیکم کہا انہوں نے جواب میں کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جواب میں ملائکہ نے رحمۃ اللہ زیادہ کیا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حق ہیں ۱۔ جب بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کی جائے ۲۔ جب مر جائے تو اس کے جنازے میں حاضر ہو ۳۔ جب وہ بلائے تو حاضر ہو ۴۔ جب اس سے ملے تو سلام کرے ۵۔ جب وہ چھینکے تو جواب دے (یرحمک اللہ کہے) ۶۔ اور حاضر و غائب مسلمان کی خیر خواہی کرے۔ اگر کسی کے گھر آنا

ہو تو حکم ہے کہ پہلے السلام علیکم کہو پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرو حدیث
پاک میں ہے کہ کسی آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (حاضری کے
لیے اجازت طلب کی مگر جو لفظ اجازت لینے کے لیے اسلام نے مقرر
فرمائے تھے وہ استعمال نہ کیے) کہا کیا میں اندر آجاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک لونڈی سے کہا کہ اس شخص کو اجازت حاصل کرنے کا سلیقہ نہیں
ہے اور اسے بتا فلیقل السلام علیکم ا ادخل - کہ
پہلے اسے السلام علیکم کہنا چاہیے اس کے بعد یوں کہنا چاہیے کہ کیا میں حاضر
ہو سکتا ہوں وہ شخص کہتا ہے کہ حضور کی یہ بات میں نے سن لی تو اسی کے
مطابق میں نے عرض کیا السلام علیکم۔ کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ
ان کو اجازت مل گئی (ترجمان السنۃ صفحہ ۵۶۰) اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان
جب باہمی ملاقات کریں یا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے گھر جائے تو اسلام
کے مقرر کردہ مناسب کلمات السلام علیکم کہنے ضروری ہیں اس کی جگہ دیگر غیر مناسب
کلمات یا ہاتھ سے اشارہ کرنا درست نہیں ہے بلکہ اسلامی ادب کے خلاف
ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے جو کہ سخت گناہ ہے۔ علی
القاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قد صح بالاحادیث المتواترۃ
معنیً ان السلام باللفظ سنۃ وجوابہ۔ اور حدیث میں ہے
لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبہوا بالیہود ولا
بالنصارٰی فان تسلیم الیہود الاشارۃ بالاصابع
وتسلیم النصارٰی الاشارۃ بالاکف (ترمذی) کہ ہمارے گروہ
سے نہیں ہے جو ہمارے غیروں سے مشابہت کرے نہ یہود سے مشابہت
کرو اور نہ نصاریٰ سے کہ یہود کا سلام انگلی سے اشارہ ہے اور نصاریٰ

کا سلام ہتھیلی سے اشارہ ہے مسلمانوں کو بار بار تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اسلامی
حدود کے ماتحت زندگی گزاریں یہود و نصاریٰ کی نقالی سے باز رہیں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ضرور گذشتہ لوگوں کے قدم بقدم چل کر رہو
گے یہاں تک اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو
تم بھی ضرور داخل ہوگے۔ قلنا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ
وسلم) الیہود والنصارٰی قال فمن ہم۔
ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ
ہیں آپ نے فرمایا پھر اور کون، غالباً اسی لیے قرآن کریم نے صراط مستقیم
کو تفسیر کرتے ہوئے اثباتی پہلو میں منعم علیہم اور سلبی پہلو میں مغضوب علیہم اور
ضالین کا ذکر کیا ہے اور اس اہتمام سے کیا ہے گویا جب تک یہ سلبی
پہلو ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک صرف صراط الذین انعمت علیہم اس کے
پورے مفہوم کو ادا کرتا ہی نہیں پھر اس دعا کے پانچ وقت تعلیم کرنے میں اس
طرف بھی اشارہ ہے کہ ملت اسلامیہ پر سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ تو
شاید ان مغضوب علیہم اور ضالین کی اتباع کا ہے جس کا دوسرا نام یہودیت
و نصرانیت ہے۔ (ترجمان السنۃ صفحہ ۲۹) جب ملت اسلامیہ کو زیادہ
خطرہ یہودیت اور نصرانیت سے ہے تو اس وجہ سے ان کی نقل اور
مشابہت سے روکا گیا اگر یہ ہاتھ اور انگلیوں کے اشاروں سے سلام کرتے
ہیں تو اسلام میں یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو السلام علیکم
کہیں اور ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرتے ہوئے سلام نہ کریں غرض کہ سلام کرنا سنت
ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ اور جواب میں افضل ہے کہ سلام
کرنے والے کے سلام پر کچھ بڑھائے مثلاً پہلا شخص السلام علیکم ہے تو دوسرا

شخص وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اگر پہلے نے ورحمۃ اللہ بھی کہا تھا تو یہ
وبرکاتہ بھی بڑھائے پس اس سے زیادہ سلام وجواب میں کوئی زیادتی نہیں
ہے۔ کافر اور گمراہ کو سلام نہ کیا جائے۔ اگر کوئی مسلمان استنجا کر رہا ہے
تو اس کو سلام نہ کیا جائے، جو شخص خطبہ یا تلاوت قرآن یا حدیث یا مذاکرہ علم
یا اذان یا تکبیر میں مشغول ہو اس حالت میں ان کو سلام نہ کیا جائے اگر کوئی ان
کو سلام کرے تو ان پر جواب دینا لازم نہیں ہے اور جو شخص شطرنج تاش وغیرہ
یا نا جائز کھیل کھیل رہا ہو یا گانے بجانے میں مشغول ہو یا پاخانہ یا غسل خانہ
میں یا بے عذر برہنہ ہو اس کو سلام نہ کیا جائے آدمی جب اپنے گھر میں داخل
ہو تو بی بی کو سلام کرے اور بہتر سواری والا کمتر سواری والے کو اور کمتر سواری
والا پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹے بڑے
کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں اور ہاتھ کے اشارہ یا انگلی کے اشارہ سے
شرعی سلام اور جواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے ع۲ صورت مسئولہ میں ان
مذکورہ ناموں (فرعون، نمرود، ابلیس وغیرہ) پر جوت مارنے جائز نہیں ہیں کیونکہ
حروف کی توہین ہے فتاوی عالمگیری میں ہے۔ اذا کتب اسم فرعون
او کتب ابوجهل علی عرض یکره ان یرموا الیه لان
لتلك الحروف حرمة کذا فی السراجیة فتاوی قاضی خان
میں ہے۔ حکی ان بعض الائمة رای شبانا
یرمون الی الهدف وقد کتب علی الهدف ابوجهل
فنهاهم عن ذلك ثم مر بهم وقد فصلوا
الحروف فنهاهم ایضا وقال ما نهیتکم فی الابتداء
لاجل الکلمة وانما نهیتکم لاجل الحروف۔

(عرفان شریف ص۷۵ ج ۳) حکایت بیان کی گئی ہے کہ اماموں سے بعض
نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ ابوجہل کا نام لکھ کر اس پر نشانہ بازی کر رہے تھے
تو انہوں نے ان جوانوں کو اس سے منع کیا (وہ رک گئے) پھر ان سے گذرے
تو وہ ابوجہل کے لفظ کی تقطیع (اب وج ہ ل) کر کے ان پر نشانہ بازی کر رہے
تو فرمایا پہلے میں نے تم کو ابوجہل کے لفظ کی وجہ سے منع کیا اور اب تم کو
حروف کی وجہ سے منع کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ الفاظ اور حروف کی
عزت ضروری ہے، فرعون، نمرود، ابلیس وغیرہ میں چونکہ الفاظ اور حروف ہیں
لہٰذا ان پر جوتے نہیں مارنے چاہئیں۔ ع۳ سجدہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک
سجدہ عبادت جو بقصد پرستش کیا جاتا ہے۔ دوسرا سجدہ تحیہ جس سے مسجود
کی تعظیم مقصود ہوتی ہے نہ کہ عبادت، اور سجدہ عبادت صرف اللہ تعالے
کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی شریعت
میں کبھی جائز ہوا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو جو ملائکہ نے سجدہ کیا ہے۔
وہ سجدہ تعظیمی تھا اور پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں
منسوخ کیا گیا اب کسی کے لیے جائز نہیں کیونکہ جب حضرت سلمان فارسی رضی
اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور نے فرمایا
کہ مخلوق کو یہ چاہیئے کہ اللہ تعالے کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔ ابونعیم نے ابن
سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابن سلمہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک
سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے ایک عجیب واقعہ
دیکھا کہ ایک منزل میں اترے وہاں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یا نبی اللہ
میرا ایک باغ ہے کہ میری اور میرے عیال کی وہی وجہ معاش ہے اس میں
میرے دو شتر آب کش تھے دونوں مست ہو گئے ہیں نہ آپنے پاس آنے

دیں نہ باغ میں قدم رکھنے دیں کسی کی طاقت نہیں کہ قریب جائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام اس باغ کو گئے فرمایا کھول دے عرض کی یا نبی اللہ ان کا معاملہ اس سے سخت تر ہے فرمایا کھول دروازے کو جنبش ہوئی تھی کہ دونوں شور کرتے ہوا کی طرح جھپٹے دروازہ کھلا اور انہوں نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فوراً سجدہ میں گر پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر پکڑ کر مالک کے سپرد کیا اور فرمایا ان سے کام لے اور ان کو چارہ بخوبی دے حاضرین نے عرض کی یا نبی اللہ چوپائے حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور کے سبب ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت تو بہتر ہے اللہ نے گمراہی سے ہم کو راہ دکھائی اور حضور کے ہاتھوں پر ہمیں دنیا و آخرت کے جھلکوں سے نجات دی کیا حضور ہم کو اجازت نہ دیں گے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سجدہ میرے لیے نہیں وہ تو اسی زندہ کے لیے ہے جو کبھی نہ مرے گا میں امت میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا اس سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی امتی کو اپنے لیے سجدہ تعظیمی کی اجازت نہیں دی تو پھر کسی دوسرے کے لیے کیسے جائز ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرما دیا اگر کسی کے لیے میں سجدہ کی اجازت دیتا تو وہ صرف یہ ہوتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے جب اس کی اجازت بھی نہیں دی گئی تو پھر کسی پیر کی تعظیم کے لیے سجدہ جائز نہیں ہے اگر کسی پیر کو اس کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتا تو یہ اس کی غلطی ہے ان کو ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ ہی پیر صاحب کی آمد پر زمین کو بوسہ دینا چاہیے، حافظ زیلعی لکھتے ہیں کہ عالم یا کسی بڑے کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے جس نے ایسا کیا

اور جو اس پر راضی ہوا دونوں گنہگار ہیں دور کھڑے ہو کر سلام کے لیے جھک جانا اور مصافحہ نہ کرنا یہ بھی ناجائز ہے اگر حد رکوع تک جھکتا ہے تو حرام ہے اگر اس سے کم ہے تو مکروہ ہے البتہ اگر کسی عالم یا شیخ یا والدین یا استاد کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ (ابو داؤد ص ۲۱۸ ج ۲، کتاب الاذکار ص ۲۳۴) حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا اس درخت کو جا کر کہو کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں حضرت بریدہ فرماتے ہیں وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں پھر وہ زمین کو کھودتا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ اعرابی نے عرض کیا اس کو اپنی جگہ پر لوٹنے کا حکم فرمائیے تو حضور نے درخت کو حکم کیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر عرض کرنے لگا حضور مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کو سجدہ کروں تو آپ نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلاشک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے پھر اس نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے۔ ان اقبل یدیک ورجلیک فاذن لہ کہ میں آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دوں تو حضور نے اس کے لیے یہ اجازت دے دی (شفا شریف ص ۱۹۶ ج ۱، در مختار ص ۲۴۳ ج ۲ اور شرح الاشباہ والنظائر ص ۲۵۲ ج ۲ میں ہے لا باس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک عالم اور پرہیزگار کے ہاتھ تبرک کے طور پر چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۵۹ میں ہے کہ کسی دیندار شخص کی تعظیم کے لیے اس کے ہاتھ پاؤں چومنے درست ہیں اس

سے ظاہر ہے کہ کسی عالم یا شیخ طریقت یا والدین اور استاد کے ہاتھ پاؤں چومنے جائز ہیں البتہ دور کھڑے ہو کر صرف جھکنا یا صرف زمین پر بوسہ دینا یا سجدہ تعظیمی کرنا جائز نہیں ہے۔

والله ورسوله اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۱۵ ر اگست ۱۹۸۷ء

○ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ یہاں یورپ میں جانور کو پہلے بے ہوش کیا جاتا ہے پھر اس کو مشین میں لگی ہوئی چھری کے قریب کیا جاتا ہے اور چھری کے ساتھ جانور ذبح ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کیا یہ ذبح عند الشرع صحیح ہے یا نہ اس کا مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہوا یا نہ۔ آپ شرعی فتویٰ جاری فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

سائل

حاجی محمد صدیق (صاحب) ناروے یورپ
TORDENSKOLDS, GT ۹۲ . ۳۰۴۴
DRAMMEN

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

اسلام میں حلال جانور کو ذبح کرنے کے لیے مسلمان یا صحیح اہل کتاب کا ہونا

لازم اور ضروری ہے۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں وحل ذبيحة مسلم وكتابي اور حلال ہے ذبیحہ مسلمان اور کتابی کا اور ذبح میں مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جان بوجھ کر تکبیر نہ چھوڑے۔

قرآن پاک میں ہے ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه و انه لفسق۔ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا گیا وہ حرام ہے اور بوقت ذبح غیر اللہ کا نام بھی نہ لے۔ اگر کتابی سے بھول کر تکبیر چھوٹ گئی تو پھر بھی جانور حرام ہو جائے گا۔ قرآن پاک میں ہے وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم۔ اور طعام سے ان کا ذبح کیا ہوا جانور مراد ہے ورنہ طعام غیر مذبوح میں تو مسلم و کافر کی کوئی تخصیص نہیں ہے امام بخاری فرماتے ہیں قال ابن عباس ذبائحهم۔ یعنی طعام سے مراد ان کے ذبیحہ جانور ہیں اور اہل کتاب کے ذبح میں یہ بھی ضروری ہے کہ کتابی صحیح کتابی ہو، ملحد اور بے دین نہ ہو جیسے کہ زیادہ تر آج کل کے ہیں اور ذبح میں یہ بھی ضروری ہے کہ جانور کا خون بقدر صحت و جسم بہہ جائے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح مقام ذبح پر ہو، والذبح بين الحلق واللبة اور ذبح کا مقام گلے اور سینے کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے حدیث پاک میں ہے الا ان الزكاة في الحلق واللبة (دار قطنی عبد الرزاق) اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس جانور کو ذبح کیا جا رہا ہے اس کی چار رگیں یا اکثر یعنی تین کٹ جائیں جن میں حلقوم کا کٹنا ضروری ہے۔ والمذبح المرئ والحلقوم والودجان والعروق التي تقطع في الزكاة اربعة الحلقوم والمرئ والودجان۔ ہدایہ ص ۴۳۵ کنز الدقائق

ص۱۸۱، فتح القدیر ص۴۹۳) یعنی ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں ۱ حلقوم (سانس آنے جانے کا راستہ) ۲ مری (کھانے پینے کا راستہ) ۳، ۴ ودجان (یہ دو شہ رگیں ہیں جو حلقوم اور مری کے دائیں بائیں واقع ہیں، جن میں خون کا دوران رہتا ہے)، ذبح کے وقت ان چار رگوں کے کاٹنے کا تعین اس لیے کیا گیا ہے کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور حلقوم و مری کٹ جانے سے جان نکل جاتی ہے اگر جانور کو پہلے بے ہوش کیا گیا اور پھر مشین سے جس کے ساتھ چھری لگی ہوئی ہے ذبح کیا گیا جیسے کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے تو اس حالت میں اگر مشین چلتے وقت ذبح کرنے والے نے "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھا اور اس طرح جانور کو لٹا کر چھری سے چار رگیں کٹ گئیں اور خون بقدر جسم و صحت نکلا تو یہ جانور شرعاً حلال ہوگا اور اس کا کھانا جائز ہوگا یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ وہ جانور کرنٹ لگنے سے ذبح سے پہلے مر نہ جائے اگر جانور کمزور تھا اور کرنٹ لگنے سے مر گیا تو پھر صحیح ذبح نہ ہوا اور کھانا بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ بوقت ذبح جانور کا زندہ ہونا لازم ہے اسی لیے ذبح کے بعد خون کا نکلنا یا جانور میں حرکت پیدا ہونا ضروری ہے جس سے جانور کی زندگی معلوم اور محسوس ہو، عزیز الفتاوی ص۵۵۸ میں ہے۔ ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت لان الشرط احد ھما۔ اگر ذبح کرنے سے پہلے جانور کو بے ہوش کیا گیا تو بعد میں دیکھا جائے گا اگر جانور نے منہ کھول دیا ہے یا آنکھیں کھول دی ہیں یا پاؤں پھیلا دیئے ہیں یا بال کھڑے نہ ہوئے تو جانور مر گیا ہے۔ تو یہ جانور ذبح کے بعد بھی حرام ہوگا اگر جانور نے منہ بند کر لیا ہے یا آنکھیں بند کر لی ہیں یا پاؤں سمیٹ لیے یا بال کھڑے ہو گئے تو جانور زندہ ہے ذبح کے وقت اگر حرکت کی یا آواز نکالی یا خون نکلا تو پھر ذبح صحیح ہو گئی اور اس کا کھانا جائز ہوگا (فتاوی عالمگیریہ ص۳۲۹ ج۱) بہر کیف اگر جانور کو ذبح سے پہلے بے ہوش کیا گیا اور مشین چلتے وقت ذبح کرنے والے نے تکبیر (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھی اور چھری چلی جس سے چار رگیں کٹ گئیں اور خون بھی بقدر جسم و صحت نکلا یا بوقت ذبح جانور نے حرکت کی یا آواز نکالی تو ذبح شرعاً صحیح ہو گئی اور یہ جانور شرعاً حلال ہوگا اس کا مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہوگا۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

۱۲ نومبر ۱۹۸۷ء

○ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں ۱ عقیقہ کا گوشت نانا، نانی بچے کے جس کا عقیقہ کیا جا رہا ہے کھا سکتے ہیں یا نہ ۲ عقیقہ کس دن کرنا بہتر ہے ۳ زید چونکہ مال دار تھا اس پر ہر سال قربانی فرض تھی لیکن وہ سستی کرتا رہا اس نے کئی سال قربانی نہ کی اب وہ گزشتہ سالوں کی قربانی دینا چاہتا ہے کیا وہ دے سکتا ہے یا نہ شرعی جواب مطلوب ہے۔

المستفتی

حافظ محمد نذیر (صاحب) مکان ۴ ۲۷ کلفٹن روڈ

برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱، امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقیقہ کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت والا ہے جیسے کہ قربانی کا گوشت تمام رشتہ دار کھا سکتے ہیں اسی طرح عقیقہ کا گوشت بھی تمام رشتہ دار کھا سکتے ہیں بچے کا نانا اور نانی بھی گوشت کھا سکتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ جواب ۲ عقیقہ کرنا چونکہ مستحب ہے لہذا مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جائے اسی روز بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں اور اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو پھر چودھویں روز یا اکیسویں روز عقیقہ کیا جائے اگر اس کے خلاف کیا تو مستحب ادا نہ ہوگا کیونکہ عقیقہ کرنا خود مستحب امر ہے اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیئے۔ اگر ساتویں روز کے علاوہ کسی دوسرے دن عقیقہ کیا جائے تو ادائیگی ہو جائے گی جواب ۳ جس شخص نے کئی سال قربانی نہیں دی جب کہ اس پر قربانی فرض تھی تو اگر یہ شخص اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے تو ہر سال کی قربانی کے بدلے اس کی قیمت غریب اور فقیر لوگوں پر صدقہ کرے یعنی جتنے سال قربانی نہیں دی اتنے سالوں کا حساب کر کے اتنی رقم صدقہ کرے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ یو کے

۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۱۲۰) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید شدید بیمار ہے اس کے گردے (کڈنیز) خراب ہو گئے ہیں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کسی دوسرے انسان تندرست یا فوت شدہ کے گردے نکال کر زید میں ڈالے جائیں تو پھر زید تندرست ہو سکتا ہے ورنہ نہیں اور زید ایک مسلمان ہونے کی وجہ سے کہتا ہے اگر مجھے اسلام اجازت دے تو پھر آپریشن کروا کر گردے تبدیل کرواتا ہوں ورنہ نہیں اب علماء اسلام سے عرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا حل تجویز کریں کہ یہ زید کی زندگی کا مسئلہ ہے،

الراقم سلیم خان ونٹر روڈ سپارک ہل برمنگھم

۱۱ "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

اسلام عام طور پر تو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسرے شخص کا خون یا کسی زندہ اور مردہ شخص کے جسم کا کوئی حصہ دوسرے انسان میں منتقل کیا جائے بلکہ بالوں تک منع کیا گیا ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی لعنت اس عورت پر جو بال ملائے یا دوسری سے بال ملوائے (صحیح بخاری و مسلم) در مختار میں ہے کہ انسان کے بالوں کی چوٹی بنا کر عورت اپنے بالوں میں گوندھے یہ حرام ہے حدیث میں اس پر لعنت آئی بلکہ اس پر بھی لعنت آئی جس نے کسی دوسری عورت کے سر میں دوسرے انسان کے بال لے کر چوٹی بنائی فتاویٰ عالمگیری میں

ہے کہ انسان کے کسی جزو کو دوا کے طور پر استعمال کرنا حرام ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایک انسان کے جسم کے اجزاء اور اعضاء دوسرے انسان کے جسم کی طرف منتقل کرنے جائز نہیں ہیں البتہ اگر مجبوری ہو اور جان خطرے میں ہو اور دیگر علاج بھی ناممکن ہو تو پھر دوسرے انسان کا یا کسی زندہ اور مردے کے جسم کا حصہ دوسرے انسان میں منتقل کیا جا سکتا ہے قرآن پاک میں ہے۔ قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ۔ جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کو تم سے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا مگر جن چیزوں میں تم مجبور ہو اور قرآن پاک میں ہے۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج اللہ تعالے نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں کی۔ اور حدیث پاک میں ہے۔ احب الدین الی اللہ تعالیٰ الحنیفیۃ السمحۃ۔ اللہ تعالے کے نزدیک پسندیدہ دین سیدھا نرمی والا ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے۔ یسروا ولا تعسروا۔ یعنی آسانی پیدا کرو مخلوق خدا کو تنگیوں میں مبتلا نہ کرو فقہ کا اصول ہے۔ فالضرورات مناسبۃ لاباحۃ المحظورات جلبا لمصالحہا کہ ضرورت (مجبوری) ممنوع کو بھی مباح کر دیتی ہے (قواعد الاحکام ص۵ ج) اسی لیے فقہاء کہتے ہیں اگر کوئی شخص جان بلب ہے اور مردار کے علاوہ کوئی چیز جان بچانے کے لیے نہیں ہے تو بقدر ضرورت مردار کھانا مباح ہے اسی طرح اگر کسی کے حلق میں لقمہ اٹک گیا اور شراب کے علاوہ کوئی ذریعہ اس کے اتارنے کا نہیں ہے تو شراب کے گھونٹ سے اس کو اتارا جا سکتا ہے اور یہ بھی فقہ کا اصول ہے کہ جب مشقت در پیش ہو تو آسانی پر عمل ہو سکتا ہے اسی لیے اسلام مجبوری[1] کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی بقدر ضرورت اجازت دیتا ہے۔ صورت مسئولہ میں زید کے گردے کے اپریشن کی حالت بھی اضطراری ہے اس کے سوا اس کی زندگی شدید خطرے میں ہے دیگر علاج بھی ناممکن ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ کسی دوسرے کے (KIDNEYS) ٹرانسفر کیے جائیں لہذا بوجہ امر مجبوری زید کے لیے شرعاً اجازت ہے کہ کڈنی ٹرانسفر کا اپریشن کروا لے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ۔

۲ راگست ۱۹۸۷ء

(۱۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں یورپ میں جانور ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور بے ہوش کیا جاتا ہے اور بے ہوشی ٹیکہ لگا کر اس لیے کرتے ہیں تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو پھر اس کو مشین میں لگی ہوئی چھری کے قریب لے جاتے ہیں اور چھری کے ساتھ جانور ذبح ہو جاتا ہے کیا یہ ذبح اسلام کے لحاظ سے صحیح ہے یا نہ اور مسلمانوں کے لیے ایسے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہ۔

المستفتی حافظ محمد اصغر صاحب خطیب و امام مسجد

ناروے (یورپ)

(الیہ حاشیہ ص۔) واما عند الضرورۃ فلا یبقی ہو حرام ترجمہ بوقت ضرورت جو حرام ہو حرام نہیں رہتا۔ حاشیہ نور الانوار ص ۹۸ مفتی غلام رسول ص ۱۲)

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

مذہب اسلام میں جانور ذبح کرنے کے لیے یہ اصول طے کیا گیا ہے کہ گلے اور سینے کے درمیان سے سانس اور کھانے کی نالی اور خون کی رگوں کو کاٹا جائے جب یہ کاٹ دی جاتی ہیں تو جانور خود بخود بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس کا تڑپنا غیر ارادی ہوتا ہے کیونکہ شہہ رگ کٹنے سے اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اس سے زیادہ جانوروں کو تکلیف دینا اسلام میں سخت منع ہے کیونکہ اسلام میں جانوروں کے لیے جتنے رحم کے اصول ہیں اتنے کسی دیگر مذہب میں ہرگز نہیں ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام کائنات کے لیے رحمت ہیں آپ نے جانوروں کے ذبح کے لیے اصول متعین کیے ہیں فرمایا اگر کسی جانور کو ذبح کرنا ہو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، چھری کو خوب تیز کر لو اور فرمایا کہ چھریاں جانوروں کی آنکھوں سے چھپا کر رکھو نیز یہ بھی فرمایا کہ ذبح کرو تو مکمل ذبح کرو ادھورا نہ چھوڑو کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے (مسلم شریف ص ۱۵۲ ج ۲ مجمع القواعد ص ۲۱۶ ج) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی ذبح سے بھی منع فرمایا یعنی ایسی ذبح سے کہ جس سے جانور کا اوپر سے گوشت کاٹا جائے اور نرخرہ کے متصل رگیں سالم رہ جائیں اور یہ بھی فرمایا کہ جانوروں کو تیر کا نشانہ بنایا جائے اور لاٹھیاں مار مار کر ہلاک نہ کیا جائے اور زندہ جانور سے گوشت کاٹ کر کھانے کو حرام فرمایا اس سے واضح ہے کہ اسلام نے ہر طرح سے جانوروں کی تکلیف کو پیش نظر رکھا ہے اور جو ذبح کا طریقہ مقرر کیا ہے اس میں جانور کو تکلیف کم ہوتی ہے کیونکہ جب جانور کی چاروں رگیں

کٹ جاتی ہیں تو جانور خود بخود بے ہوش ہو جاتا ہے اور جو اس وقت یورپ میں ذبح کا طریقہ رائج ہے جس کا سوال میں ذکر ہوا ہے اس میں جانور کو ایک زائد تکلیف ہوتی ہے کیونکہ پہلے بے ہوش کیا جاتا ہے پھر مشین کا جھٹکا اور گردن سے اوپر ذبح کرنا بلکہ یہ بہت زیادہ تکلیف ہے اور جانور کو اس کے ساتھ بے ہوش کرنے کی صورت میں یہ بھی ہوگا کہ جو جانور کے اندر جراثیم ہوں گے وہ وہیں منجمد ہو جائیں گے اور ذبح کے اسلامی طریقے سے جانور کا جراثیم سمیت تمام خون باہر نکلتا ہے جو جانور کو بے ہوش کرنے کی صورت میں ممکن نہیں ہے ثابت ہوا کہ اسلامی ذبح جو رحم پر مبنی ہے اس کو چھوڑ کر یہ طریقہ جو یورپ میں مروجہ ہے اختیار کرنا حقیقت سے ناواقفی ہے لہٰذا ذبح سے قبل جانور کو بے ہوش نہ کرنا چاہیے اگر جانور کو پہلے بے ہوش کیا گیا اور پھر مشین سے جس کے ساتھ چھری لگی ہوئی ہے ذبح کیا گیا جیسے کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے تو اندریں حالت اگر مشین چلتے وقت ذبح کرنے والے نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا اور اس طرح جانور کو لٹایا کہ چھری سے چار رگیں کٹ گئیں اور خون بقدر جسم وصحت نکلا تو یہ جانور شرعاً حلال ہوا اور اس کا کھانا بھی جائز ہوا جب کہ وہ جانور بے ہوش شدہ مشین کا جھٹکا لگنے سے قبل ذبح مر نہ جائے اگر جانور کمزور تھا مر گیا تو پھر شرعاً صحیح ذبح نہ ہوئی اور ایسے جانور کا کھانا بھی جائز نہ ہوا کیونکہ بوقت ذبح جانور کا زندہ ہونا بھی ضروری ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ ذبح کے بعد خون کا نکلنا یا جانور میں حرکت کا پیدا ہونا ضروری ہے جس سے جانور کی زندگی معلوم اور محسوس ہو۔ ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت لان الشرط احدھما۔

(فتاویٰ دیوبند ص ۲۰۸) اگر ذبح کرنے

سے پہلے جانور کو بے ہوش کیا گیا تو بعد میں دیکھا جائے گا اگر جانور نے منہ کھول دیا ہے یا آنکھیں کھول دی ہیں یا پاؤں پھیلا دیئے ہیں یا بال کھڑے نہ ہوئے تو جانور مر گیا ہے تو یہ جانور ذبح کے بعد بھی حرام ہوگا اگر جانور نے منہ بند کر لیا ہے یا آنکھیں بند کر لی ہیں یا پاؤں سمیٹ لیے یا بال کھڑے ہوگئے تو جانور زندہ ہے۔ ذبح صحیح ہوگئی اور اس جانور کا کھانا جائز ہوا۔ اگر جانور کو ذبح سے پہلے بے ہوش کیا گیا اور مشین چلتے وقت ذبح کرنے والے نے تکبیر پڑھی اور چھری چلی جس سے چار رگیں کٹ گئیں اور خون بقدر جسم وصحت نکلا یا بوقت ذبح جانور نے حرکت کی یا آواز نکالی تو ذبح عند الشرع صحیح ہوئی اور یہ جانور حلال ہوا اور مسلمانوں کے لیے کھانا جائز ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے" ۱۲ نومبر ۱۹۸۸ء

﴿۱۴۲﴾ - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں اگر ادویات میں ممنوعہ چیزیں مثلاً شراب اور الکحل وغیرہ آمیزش کی جائیں۔ تو ان ادویات کا استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے۔

ایک سائل، مانچسٹر، "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

چونکہ ادویات بحالت مجبوری استعمال ہوتی ہیں اور بحالت مجبوری تو حرام چیز کا استعمال بھی جائز ہے لہٰذا وہ ادویات جن کا سوال میں ذکر ہوا ہے ان کا مریض اور بیمار کے لئے استعمال جائز ہے، قرآن پاک میں ہے۔ قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ۔ جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کو تم سے تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔ مگر جن چیزوں میں تم مجبور ہو اس سے ظاہر ہے کہ اضطراری حالات کے احکام علیحدہ ہیں اور فقہ کا یہ مسلّم اصول ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات۔ کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں علامہ شامی لکھتے ہیں بیمار کے لیے خون اور مردار بطور دوا جائز ہے۔ اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء (رد المحتار ص ۲۲۴) ایلوپیتھک کی دوائیں جو مائع قسم کی ہوتی ہیں ان میں الکحل ملی ہوئی ہوتی ہے اور ہومیوپیتھک کی کوئی دوائی الکحل کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتی۔ الکحل۔ آلو، گنے، چقندر اور مکئی وغیرہ کے نشاستہ سے بنائی جاتی ہے جس سے شوگر حاصل ہو سکے اس نشاستہ میں پانی شامل کر کے اسے جوش دیتے ہیں اور نہایت تدقیق کرتے ہیں پھر اس میں مختلف کیمیکلز شامل کرتے ہیں جس کے بعد الکحل تیار ہوتا ہے اور ایک خاص مقدار میں نشہ دیتا ہے لیکن الکحل کی جتنی مقدار دواؤں میں شامل ہوتی ہے وہ نشہ آور نہیں ہوتی۔ فقہاء حنفیہ نے حرام شرابوں کی چار قسمیں ذکر کی ہیں والمحرم منہا اربعۃ خمر، باذق سکر، نقیع الزبیب، خمر کی حرمت منصوص اور قطعی ہے جب کوئی حکم کسی نص سے ثابت ہو تو اس کے لیے علت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ خود نص ہی اس حکم کے لیے علت ہوتی ہے جیسے کہ خمر کی علت سکر نہیں ہے بلکہ نص ہے گو اس میں نشہ موجود ہے پس جس طرح کثیر مقدار میں شراب پینا حرام ہے اسی طرح شراب کا ایک قطرہ بھی قطعی حرام ہے گو نشہ نہ ہو باقی تین شرابوں کی حرمت اجماع صحابہ سے ثابت اور ظنی ہے اور خمر وہی التی من ماء العنب اذا غلا واشتد وقذف بالزبد۔

اور وہ انگور کا کچا پانی ہے جب جوش مارے اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔ باذق (بادہ) انگور کے اس پکے ہوئے شیرہ کو کہتے ہیں جو پک کر دو تہائی سے کم ختم ہو جائے خواہ نصف ختم ہو یا ایک تہائی اور وہ جوش کھانے کے بعد جھاگ چھوڑنے لگے۔ سکر چھوہاروں میں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ دے۔ نقیع الزبیب یہ منقیٰ (کشمش) ایں ڈالے ہوئے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہو کر جوش میں آئے اور جھاگ چھوڑ دے یہ چاروں شرابیں حرام ہیں خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر نشہ آور ہو یا نہ ہو یہ حرام اور نجس ہیں سوائے اضطرار اور مجبوری کے ان کو دواؤں میں بھی استعمال نہ کرنا چاہیئے ان چار شرابوں کے علاوہ جس قدر نشہ آور مشروبات ہیں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ صرف اسی مقدار میں حرام اور نجس ہیں جس مقدار میں وہ نشہ آور ہوں اور اس کم مقدار میں وہ نہ حرام ہیں اور نہ نجس ان کو علاج اور تقویت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن عیش و طرب کے لیے نہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک نشہ آور مشروبات اپنی ہر مقدار میں حرام ہیں خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر نشہ آور ہو یا نہ ہو اب چار شرابوں کے علاوہ دیگر مشروبات کو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف صرف اسی مقدار کو حرام اور نجس کہتے ہیں جو نشہ آور ہو اور جو مقدار نشہ آور نہیں وہ نہ حرام ہے اور نہ نجس اور امام محمد نشہ آور مشروبات کو ہر مقدار میں حرام کہتے ہیں۔ خواہ نشہ آور ہو یا نہ ہو اور جب کسی مسئلہ میں ہمارے مشایخ کے متعدد اقوال ہوں تو اصول یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے بحر الرائق میں ہے۔ یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافہ صاحب ہدایہ

نے میں الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ علی کل حال فتاویٰ خیریہ میں ہے المقرر ایضا عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنہ الی قولہما او قول احدہما تنویر الابصار میں ہے۔ یفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اذا اختلفوا فیما بینہم قال عبد اللہ بن المبارک یؤخذ بقول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ لانہ کان من التابعین۔ بحر الرائق ص ۲۲۹ ج ۲، فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۷، فتاویٰ عالمگیری ص ۱۴۳ ج ۳، در المختار ص ۶۵ ج ۲ فتاویٰ تنویریہ ص ۳۱۱ اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر ہے اور جب امام اعظم کے ساتھ ابو یوسف، یا امام محمد سے کوئی بھی ہم نوا ہو جیسے کہ زیر بحث مسئلہ میں امام ابو یوسف، امام اعظم کے ساتھ ہیں تو حکم اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے لیکن ہمارے مشایخ اور علماء نے اس اصول کے خلاف امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے وہ اس لیے کہ کہیں لوگ کم مقدار کا بہانہ کر کے عیش و طرب کے لیے شراب پینا شروع نہ کر دیں لہذا علماء نے کہا کہ نشہ آور مشروبات اپنی ہر مقدار میں حرام ہیں خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ گویا کہ عیش و طرب اور فتنہ کا دروازہ مسدود کرنے کے لیے ہمارے علماء نے امام محمد کے قول کو اختیار کر لیا۔ چونکہ الکحل، چار حرام شرابوں سے خارج ہے جس مقدار میں نشہ آور ہو بالاتفاق حرام ہے لیکن اس سے کم مقدار میں ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مذہب کے مطابق یہ حرام نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے صرف بالاخذ کور فتنہ کے انسداد کے لیے خلاف اصول امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے آج کل چونکہ ہر شخص انگریزی دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہے۔ بالخصوص یہاں برطانیہ بلکہ تمام یورپ میں ان ادویات کے سوا

چارہ ہی کیا ہے تو ابتلا عام کی وجہ سے احکام میں بھی تخفیف ہوگی۔ ان
عموم البلوى من موجبات التخفيف شرعاً وما ضاق
امرا الا اتسع فاذا وقع ذالك في مسئلة مختلف فيها
ترجح جانب اليسر صونا للمسلمين عن العسر ولا يخفى
على خادم الفقه ان هذا كما هو جار في باب الطهارة
والنجاسة كذالك في باب الاباحة والحرمة۔
(فتاویٰ رضویہ ص ۔) "جب ابتلا عام احکام شرعیہ میں تخفیف کا باعث
ہے تو انگریزی ادویات کے استعمال میں ہر شخص مبتلا ہے لہٰذا اس ابتلا
کی وجہ سے فتویٰ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے مذہب پر ہوگا اس لیے
الکحل جو دواؤں میں ملائی جاتی ہے وہ اتنی قلیل ہے کہ دیگر ادویات اس
پر غالب ہو جاتی ہیں اور اس میں نشہ دینے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی لہٰذا
یہ امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے قول کے مطابق نہ نجس ہے اور نہ حرام ہے
لہٰذا یہ ادویات جن میں قلیل مقدار میں الکحل ملائی گئی ہے۔ مریض کے
لیے ان کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہے اگرچہ شراب حرام ہے ادویات میں
شامل کئے گئے ہیں اور مریض کی زندگی ان ادویات کے استعمال پر موقوف
ہے۔ تو بیمار کے لیے اس مجبوری کے تحت ان ادویات کا استعمال کرنا
بھی بقدر ضرورت جائز ہے۔ ففي النهاية عن الذخيرة يجوز ان علم
فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر وفي الخانيه في معنى
قوله عليه الصلوة والسلام ان الله لم يجعل شفاءكم
فيما حرم عليكم كما رواه البخاري ان ما فيه شفاء لا باس به كما يحل الخمر
للعطشان في الضرورة وكذا اختاره صاحب الهداية۔

شراب نشہ دے یا نہ دے سوائے مجبوری کے حرام ہے اور الکحل جو زیادہ
تر دواؤں میں استعمال ہوتا ہے اگر نشہ نہ دے تو حرام نہیں ہے اور دواؤں
میں الکحل جتنی مقدار شامل ہوتی ہے اس پر دوسری ادویات اس قدر غالب
ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ قلیل مقدار نشہ نہیں دیتی لہٰذا ان دواؤں
کا استعمال جائز ہوگا اگر الکحل دواؤں میں استعمال نہیں کیا اور محض عیش وطرب
کے لیے استعمال کیا تو ناجائز ہے۔ غرضیکہ اگر ادویات میں شراب کی آمیزش
ہے اور ان ادویات پر مریض کی زندگی کا انحصار ہے تو پھر بقدر ضرورت مریض
کے لیے ان ادویات کا استعمال بھی جائز ہے اور اگر دواؤں میں الکحل
ملائی گئی ہے اور اس پر دیگر ادویات غالب ہیں اور اس میں نشہ کی صلاحیت
باقی نہیں ہے تو یہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک نہ نجس ہے
اور نہ حرام ہے۔ لہٰذا وہ ادویات جن میں الکحل شامل کی گئی ہے ان کا استعمال
کرنا جائز ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۵ مارچ ۱۹۸۹ء

(۱۳۰) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب ادام اللہ ظلکم السلام علیکم کے بعد عرض
ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ جماعتیہ حصّہ اول کی بحث تقدیم میں لکھا ہے
کہ بدعت دو قسم پر ہے۔ بدعت سیئہ، بدعت حسنہ، اور مجدد الف ثانی
کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تو بدعت حسنہ کا انکار

کرتے ہیں آپ نے فتاویٰ حجاعتیہ میں متعدد کتابوں کے حوالے ذکر کیئے ہیں اگر بدعت دو قسم ہے تو مجدد الف ثانی کیوں انکار کرتے ہیں اس کا تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی صوفی محمد رفیق نقشبندی، ہارمن ۱۰
مانچسٹر "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

لغت اور اصل میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اور شریعت کی زبان میں ہر وہ چیز جو کسی دلیل شرعی کے معارض ہو بدعت ہے۔ پھر بدعت دو قسم پر ہے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی سے روایت کی ہے کہ جو بات قرآن و سنت اور اجماع کے مخالف ہو فھو بدعۃ الضلالۃ وہی بدعت سیئہ ہے اور جو بات اچھی پیدا ہوئی لیکن مذکورہ اور کے مخالف نہیں فھو البدعۃ المحمودۃ۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں منع وہ بدعت ہے جو کسی ایسی سنت کو مٹا دے جس کے قائم رکھنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور یہ منع نہ کیا جائے گا کہ یہ بات نئی ہے فکم من محدث حسن۔ کیونکہ بہت سی نئی باتیں نکلی ہوئی بہترین ہیں شیخ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں وآنچہ موافق اصول وقواعد سنت است و قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس

کے خلاف ہے اس کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ تو پھر بدعت سیئہ کی دو قسمیں ہیں ۱ مکروہ ۲ حرام۔ اور بدعت حسنہ کی تین قسمیں ہیں ۱ بدعت مباح ۲ بدعت مستحبہ ۳ بدعت واجبہ، ملا علی القاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ بدعت یا واجب ہے جیسے کہ علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے کہ جبریہ کا مذہب اور یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے کہ مسجد کو فخریہ طور پر زینت دینا اور یا جائز ہے۔ کالمصافحۃ عقیب الصبح والتوسع بلزید الماکل والمشارب جیسے کہ فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ کھانوں اور شربتوں میں اضافہ کرنا اس سے ظاہر ہے کہ بدعت دو قسم ہے حسنہ اور سیئہ اور یہ خیال کرنا کہ جو بدعت ہوتی ہے اس میں حسن کیسے آسکتا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ ملا علی قاری، امام غزالی اور دیگر تمام فقہاء نے بدعت کو حسنہ تسلیم کیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر کہا نعم البدعۃ ھذہ۔ یہ تو بہت اچھی بدعت ہے اب اس کو حضرت عمر فاروق نے بدعت کہا ہے باوجودیکہ اس میں حسن ہی حسن ہے اسی لیے علی قاری نے اس کو بدعت مستحبہ میں شمار کیا ہے یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ ایجادات صحابہ کو ہم سنت سے تصور کرتے ہیں ورنہ حضرت عمر فاروق نے تو تراویح کی جماعت پر بدعت کا لفظ ہی استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی نعمت کا بھی استعمال کر دیا ہے تاکہ اس میں حسن کا اظہار بھی ہو اور حضرت مجدد الف ثانی المتوفی ۱۰۳۴ھ نے

ہر بدعت گمراہی ہے مگر ہم نے بعض بدعات کو مباح قرار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد کل کے لفظ سے یہ نہیں کہ یہ سب اقسام بدعت کے مطلقاً (خواہ حسنہ ہوں یا سیئہ سب ضلالت اور گمراہی ہیں بلکہ لفظ کل سے مراد ہے کہ بدعت سیئہ کے سارے اقسام جو سنت سے ٹکرائیں اور مخالف ہوں گمراہی ہیں۔ اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ قول دلیل ہے جو صحاح میں وارد ہو چکا ہے کہ "میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو میرے بعد ہیں۔ اپنے اوپر لازم پکڑو" خلفاء راشدین کی سنت عین سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ عطف مغائرت چاہتا ہے تو اگر کل کا لفظ علی الاطلاق لیا جائے تو سنت خلفاء راشدین کے اتباع کا کوئی موقع نہیں رہتا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کہ بیس تراویح بڑی اچھی بدعت ہے کوئی محل نہیں نکلتا علماء کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی بہت سی قسمیں ہیں بعض ان میں سے تو اس زمانے میں واجب ہیں مثلاً علوم کی اشاعت کرنا مدرسے اور مسافر خانے وغیرہ بنانا اور بعض حسنہ ہیں جیسے بیس رکعت تراویح پڑھنا اور قرآن مجید کو مصحف میں جمع کرنا اور بعض مستحب یا مباح ہیں جیسے کہ آج کل کے اکثر اوضاع اور رسوم اہل مشایخ کے اطوار و اذکار مرتبہ اور مراقبات مؤقتہ اس بدعت حسنہ میں داخل ہیں جن کو ناسور اور جید علماء کرام نے قبول کیا ہے۔ اور ان کو اچھا سمجھا ہے اور لوگوں کو ان باتوں کی ترغیب دی ہے اور ان کاموں میں خود مصروف رہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ ان امور کو بدعت نہیں سمجھتے بلکہ اس پر رضامند ہی نہیں کہ ان پر بدعت کا لفظ استعمال کیا جائے جیسا کہ

جو فرمایا ہے کہ بدعت میں حسن نہیں ہوتا اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ جو امور حقہ کے منافی اور مخالف بدعت ہے اس میں حسن نہیں ہوتا یا وہ امور جو شریعت کے خلاف نہیں ہیں یعنی حسن ہیں وہ بدعت نہیں ہو سکتے ان کو بدعت کہنا مناسب نہیں۔ مثلاً صرف، نحو کا پڑھنا یہ اچھا کام ہے اس کو بدعت کہنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ محمد حسن جان مجددی لکھتے ہیں کہ بدعت لغت میں ہر اس نو پید چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی نظیر پہلے نہ ہو اسی کو باری تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ بدیع السموٰت و الارض۔

اور شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دین میں نو پیدا کردہ ہو یعنی جس کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں نہ ہو اور وہ سنت کے مخالف اور معارض ہو، سنت کے مخالف یا معارض ہونے کی قید ہم نے اس لیے لگائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے نئے امور پیدا ہوئے اور وہ اس زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی اس قدر عام اور شائع ہو گئے ہیں کہ ان سے نہ مقلد بچ سکتے ہے اور نہ غیر مقلد، یہاں تک کہ خیر القرون کا آخری حصہ بھی ان امور کی زد سے نہ بچ سکا ہے۔ جس پر تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مراد بدعت سے حدیث میں وہ بدعت ہے جس کو سیئہ (بری) کہا جاتا ہے۔ جو کہ سنت کے معارض اور مقابل ہے لیکن وہ نو پیدا امور جو کہ سنت کے معارض اور مخالف نہیں وہ مباحات شرعیہ میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے مذہب میں سب اشیاء دراصل مباح ہیں (حرمت تو بعد نص شارع سے ثابت ہوتی ہے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں کل بدعۃ ضلالۃ کا لفظ آیا ہے یعنی

ہمارے مرشد اعظم امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشرب ہے (الدر البخات صـ۸۷ امور بدعت صـ۱۴۱) اس سے ظاہر ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، مجدد الف ثانی بدعت حسنہ کا انکار نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں جو نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں وہ اگر سنت کے مخالف نہیں ہیں تو ان کو بدعت کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب یہ مباحات شرعیہ سے ہیں اور ان میں حسن ظاہر ہو رہا ہے تو ان کو بدعت کہنا نہایت غیر مناسب ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ یوکے۔
۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۷ء

(۱۴۴)-الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں ۱ نکاح کرنے سے پہلے کیا مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے یا نہ ۲ عورت کو حمل ہونے کے بعد کس وقت تک اس کا گرانا جائز ہے ۳ کیا فرض افضل ہوتا ہے یا نفل ۴ ایک حافظ قرآن سویا ہوا تھا اس نے سوتے ہوئے آیت سجدہ پڑھی دوسرے آدمی نے سنی کیا سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہ ۵ نماز میں کئی مرتبہ بھولا کیا ایک سجدہ سہو نکالے یا جتنی مرتبہ بھولا ہے اتنے سجدے سہو نکالے،

خواجہ محمد انیس، ہائی ویکمب،
"یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱ بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی کامیاب بنانے میں اسلامی قانون کے مطابق مرد اور عورت کا باہمی طور پر زوجیت کے رشتہ میں منسلک ہونا ضروری ہے جس کو دوسرے الفاظ میں نکاح سے تعبیر کیا جاتا ہے، مذہب حنفی میں نکاح نفلی عبادت سے بھی افضل ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ نکاح کی وجہ سے تہذیب اخلاق اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان معاشرہ میں اپنے ابنائے نوع کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہے اس کے علاوہ اولاد کی تربیت غریبوں کی امداد، عزیز و اقارب کا نان و نفقہ اور نفس کو پرہیزگاری اس سے حاصل ہوتی ہے اس سے عبادت کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ غرض کہ ایسے بہت سے فرائض ہیں جن کی ادائیگی صرف نکاح پر موقوف ہے اسی وجہ سے نکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے (فتح القدیر صـ۳ ج ۳) جب نکاح اتنے فوائد پر مشتمل ہے اور نفلی عبادات سے بھی افضل ترین ہے تو پھر اس کو فساد اور بگاڑ کا باعث نہیں بننے دینا چاہیئے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مرد اور عورت باہمی رضامندی سے نکاح کریں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب لڑکی اور لڑکے کے والدین ان کی مرضی کے خلاف نکاح کر دیتے ہیں تو یہ نکاح کامیاب نہیں ہوتا یہاں تک آخر فیصلہ طلاق تک پہنچتا ہے جو کہ تمام برادری میں فساد کا سبب بن جاتا ہے اگر مرد اور عورت اپنی رضامندی سے نکاح کریں تو مستقبل کی تمام ذمہ داری ان پر ہوگی اس لیے یہ مسئلہ اگر طرفین کی رضامندی

کے مطابق طے پا جائے تو پھر تمام مقاصد کی تکمیل آسان ہو جاتی ہے اس لیے فقہاء حنفیہ نے زوجین کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں۔ لا تجبر البالغۃ العاقلۃ بالغہ عاقلہ لڑکی پر جبر نہیں کیا جا سکتا یعنی اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نکاح کرے اور مرد کو بھی چاہیئے کہ پہلے وہ اپنی بننے والی بیوی کو دیکھ لے حدیث پاک میں ہے۔ النظر الیہا احری (ترمذی) عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا زیادہ مناسب ہے یعنی جس عورت کو بیوی بنانے کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا زیادہ اچھا ہے۔ ردالمحتار صفحہ ۲۴۶ ج ۵ میں ہے رغاو تد اپنی ہونے والی بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا بہر کیف صورت مسئولہ میں مرد اور عورت جو آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو پورا پورا اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں جواب ۲ صورت مسئولہ میں جب تک بچے کے اعضاء نہیں بنتے اس سے پہلے پہلے حمل کا گرانا جائز خزانۃ الروایات میں ہے اگر کوئی عورت اسقاط حمل کے لیے علاج کرائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی گناہ ہے۔ بشرطیکہ ابھی تک اس کے اعضاء وغیرہ نہ بنے ہوں۔ وذلک لا یکون الا بعد مائۃ وعشرین یوما۔ اور اعضا کی تخلیق وتصویر ایک سو بیس دن کے ساتھ ہوتی ہے علامہ داؤد انطاکی المتوفی ۱۰۰۸ھ اپنی مشہور تصنیف "التذکرہ" میں حمل کے تغیرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اطباء کے نزدیک نطفہ میں سات قسم کے تغیرات ہوتے ہیں، پہلے ہفتہ میں وہ کی شکل پر ہوتا ہے۔ پھر اس کے اوپر ایک جھلی بنتی ہے اور اندر نقطہ

ہو جاتا ہے اور سولہ دن میں اس پر لمبے لمبے خطوط کی شکل نمودار ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ سرخ رنگ کا خون بن جاتا ہے اس کے بعد اس کی شکل گوشت کے لوتھڑے کی ہو جاتی ہے اور سب سے پہلے اس میں ہڈیوں کے نشانات قائم ہوتے ہیں اور حمل کے بچہ بننے کی یہ کم سے کم مدت ہے پچھتر دن کے بعد وہ اپنی غذا جذب کرنے لگتا ہے اور اس پر گوشت آنا شروع ہو جاتا ہے اب وہ پہلے سے بالکل علیحدہ ایک جدید مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور اسی میں حرارت غریزیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اب اس میں طبعی نمو شروع ہو جاتا ہے اسی کا نام روح طبعی ہے اور سو دن کے بعد اس میں نباتات کی طرح نمو ہونے لگتا ہے اور اب اس میں حقیقی روح پھونکی جاتی ہے اس تقریر سے جو اختلاف نفخ روح کے بارے میں فلاسفہ اور اہل شرع کے مابین تھا وہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک نفخ روح کی مدت ستر دن ہے اور اہل شرع کے نزدیک چار ماہ ہے اور ظاہر ہے کہ فلاسفہ روح شرعی کو نہیں پہنچانتے ان کے نزدیک روح طبعی ایک روح ہے اسی کے ذریعے سے انسان کا نشوونما ہوتا ہے۔ اہل شرع کے نزدیک انسان کی حقیقت اس کا جسم نہیں ہے بلکہ دراصل وہ روح انسانی ہے۔ جس میں اپنے خالق کی معرفت مرکوز ہوتی ہے وہ روح چار ماہ کے بعد پھونکی جاتی ہے اور جو روح طبعی ہے وہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق اہل اسلام کے نزدیک بھی پچھتر دن میں پیدا ہو جاتی ہے اس لیے دونوں طبقوں کے درمیان روح طبعی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے ردالمحتار صفحہ ۲۷۸ ج) اور نفع المفتی والسائل صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ تخلیق وتصویر کے بعد بھی حمل کا گرانا جائز ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر عورت

کوئی ایسی دوائی استعمال کرے جس سے حمل استقرار ہی نہ پکڑے یہ بالاتفاق
جائز ہے۔ اسی طرح نطفہ ٹھہر جانے کے بعد ایک سو بیس دن سے
پہلے پہلے بھی بالاتفاق اسقاط حمل جائز ہے اور اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ
تصویر و تخلیق کے بعد بھی اسقاط حمل جائز ہے۔

جواب ۳ نفل سے مرتبہ کے لحاظ سے فرض افضل ہوتا ہے کیونکہ
فرض اصل ہے اور نفل اس کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اصل افضل ہوا کرتا ہے
لیکن بعض مقامات پر نفل افضل ہو جاتا ہے فرض سے گویا کہ یہ استثنائی
صورتیں ہیں وہ یہ (۱) غریب کو قرض معاف کر دینا مستحب ہے لیکن مہلت
دینا واجب اور فرض ہے اس جگہ مستحب فرض سے افضل ہے (۲) کسی
مسلمان کو پہلے سلام کرنا نفل (مسنون) ہے لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے
اس جگہ یہ نفل (سنت) افضل ہے فرض سے (۳) وقت سے پہلے وضو
کرنا نفل (مستحب) ہے وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرنا واجب اور
فرض ہے یہاں پر یہ نفل (مستحب) فرض سے افضل ہے غرض فرض اعلیٰ اور
افضل ہوتا ہے۔ نفل سے سوائے ان چند مذکورہ بالا مسائل کے، جواب
۴ جو سونے والے سے آیت سجدہ سنتا ہے اس پر سجدہ تلاوت واجب
ہو جاتا ہے کیونکہ بعض مسائل میں سونے والا جاگنے والے کی طرح ہے اسی
وجہ سے یہ سونے والا جب بیدار ہوا تو اس کو بتایا گیا کہ تم نے آیت سجدہ کی
تلاوت کی ہے تو اس پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا (طحطاوی ص ۲۹۱)
جیسے اگر سوتے ہوئے عرفات سے گذرا تو حج ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر
مطلقہ رجعیہ (جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے) کے ساتھ اگر مرد نے
جماع سوتے ہوئے کر لیا تو رجعت ہو جائے گی۔ سوتے ہوئے شخص کے منہ
میں اگر پانی کی بوند پڑ جائے اور یہ روزے دار ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اسی
طرح اگر حاجی نے احرام باندھا ہوا تھا وہ سو گیا کسی نے اس کا سر مونڈ دیا تو جزا
واجب ہوگی۔ اگر سونے والی عورت سے جماع کیا گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ
جائے گا سوتے ہوئے عورت سے اگر کسی بچہ نے دودھ پی لیا تو حرمت
رضاع ثابت ہو جائے گی ان مسائل سے معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں سونے
والا جاگنے والے کے حکم میں ہوتا ہے صورت مسئولہ میں جس نے سونے
والے سے آیت سجدہ سنی تو اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اگر کسی نے سونے
والے کو بتا دیا کہ تو نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو اس پر بھی سجدہ تلاوت
واجب ہو جائے گا۔

جواب ۵ نمازی نماز میں اگرچہ متعدد مرتبہ بھول جائے تو ایک ہی سجدہ
سہو نکالنا ہوگا کیونکہ فقہ کا اصول ہے کہ جب دو چیزیں ایک جنس کی جمع ہو
جائیں کہ مقصود دونوں سے ایک ہو تو تداخل ہو جائے گا یعنی ایک دوسرے
میں شمار ہوگی۔ جب نمازی نماز کے اندر متعدد مرتبہ بھولتا ہے تو یہ بھولنا ایک
جنس ہے لہذا ایک ہی سجدہ سہو کافی ہوگا اور ایک سجدہ نکالنے سے نماز
مکمل ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ امام محمد نے اپنے خالہ زاد بھائی امام کسائی نحوی سے

لے ابن عماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ لکھتے ہیں کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے اور تفسیر میں مقاتل
بن سلیمان کے اور شعر میں زہیر بن ابی سلمٰی کے اور مغازی میں ابن اسحاق کے
اور نحو میں امام کسائی کے محتاج ہیں چونکہ کسائی زبردست نحوی تھے لہذا امام محمد
نے فقہی مسئلہ نحوی طریقہ سے دریافت کیا۔

مفتی غلام رسول

المتوفی ۱۸۹ھ سے دریافت کیا کہ آپ اپنی نحو کے ذریعے بتلائیے اگر کسی نمازی سے سجدہ سہو میں سہو ہو گیا تو کیا کرے کسائی نے کہا کہ تصغیر کی مزید تصغیر نہیں ہوتی یعنی ایک اسم کی تصغیر (یعنی اسم میں ایک خاص قسم کی تبدیلی جس سے مقصد چھوٹائی ہوتی ہے کم) بنائی گئی تو دوبارہ اس کی تصغیر نہیں بنائی جائے گی مطلب یہ ہے کہ جیسے کہ تصغیر کے بعد دوبارہ تصغیر نہیں ہوتی اسی طرح دوبارہ سجدہ سہو میں سہو ہونے سے سجدہ سہو نہیں ہو گا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۲۶ رجولائی ۱۹۷۶ء

(۱۲۵) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کو تو حکم ہے کہ وہ ایک سے زائد بیویاں چار تک کر سکتا ہے تو عورت کو کیوں جائز نہیں ہے کہ وہ بھی ایک سے زائد مردوں کے ساتھ نکاح کر سکے۔

سائل

نعیم آصف، لیسٹر "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

سائل نے غلط سمجھا ہے کہ اسلام نے مرد کو چار بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم کیا ہے اسلام نے یہ حکم نہیں فرمایا کہ مرد چار عورتوں کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اسلام صرف بوقت ضرورت چار عورتیں کرنے کی اجازت دیتا ہے گویا کہ یہ مباحات شرعیہ سے ہے لیکن وہ بھی کڑی اور سخت شرائط کے ساتھ در حقیقت اسلام کا حکم یہ ہے کہ مرد ایک بیوی کرے اگر دوسری بیوی بوقت ضرورت کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس وقت اجازت ہے جبکہ دو بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور ان ہر دو کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرے اور مرد صحت مند ہو کر ان دونوں کے پوری طرح حقوق زوجیت ادا کر سکیں اور ان دونوں کو برابر کی سہولتیں بھی مہیا کر سکے اگر یہ مرد اسلام کی عائد کردہ شرائط پوری نہیں کر سکتا تو پھر اس کو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیوی کرے (فتح القدیر صـ۲۱۶ ج ۲، بدائع صنائع صـ۳۳۲، ج ۲) البتہ یہ تو صرف مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام میں چار بیویوں کے کرنے کا حکم ہے یہ اسلام کے خلاف ان لوگوں کی گہری سازشں اور غلط پروپگنڈہ ہے۔ ورنہ جہاں تک تعدد ازواج (کسی مرد کا ایک سے زائد شادیاں کرنا) کا مسئلہ ہے وہ صرف بعض سماجی حالات اور ضرورت کے تحت ایک اجازت ہے کہ بعض دفعہ پہلی بیوی بانجھ ہو جاتی ہے یا اس میں کوئی جنسی عیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی دوسری شادی کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ مرد اور عورت دونوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ صاحب اولاد ہوں جو ان کے وارث بنیں اور بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کریں اور بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک میں یا کسی برادری میں غیر شادی شدہ لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے اس صورت میں اگر فی مرد ایک عورت کے حساب سے نکاح ہو تو بہت سی لڑکیاں غیر شادی شدہ باقی رہ جاتی ہیں جو شادی نہ ہونے کی وجہ سے

غلط راستوں پر نکل سکتی ہیں لہٰذا اس فساد کو روکنے اور معاشرے کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات ایک سے زائد نکاح ضروری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگوں کی وجہ سے مرد مارے جاتے ہیں اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں ایسے ہنگامی حالات میں اگر مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی قانوناً اجازت نہ دی جائے تو پھر معاشرے میں جنسی فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا معاشرہ کے تحفظ کے لیے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت ہونی ضروری ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ تعداد ازواج کا مسئلہ درحقیقت مرد سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی تخلیق میں مرد اور عورت کی جنسی خواہش مساوی نہیں رکھی بلکہ عورت کے مقابلہ میں مرد میں جنسی خواہش زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عورت حیض، حمل اور نفاس کی وجہ سے جنسی عمل کی قابل نہیں رہتی اور بعض دفعہ مرد اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا لہٰذا ایسی صورت میں ہر مرد کو ایک ہی بیوی کا پابند رکھنا ناجائز تعلقات کا دروازہ کھولتا ہے لہٰذا اسلام نے اس فتنہ سے بچنے کے لیے مردوں کو چند سخت شرائط کے ساتھ دوسری شادی کی اجازت دی ہے

اور ایک حرام سے بچنے کے لیے ایک حلال طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی حفاظت وضمانت بھی ہے۔ اور سائل کا یہ کہنا کہ اگر مرد کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا حق ہے تو عورت کو ایک سے زائد خاوند رکھنے کی اجازت کیوں نہیں ہے یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جو خلاف عقل ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف فطرت بھی ہے کیونکہ عورت جب ایک خاوند کے علاوہ دوسرا خاوند بھی رکھے

گی تو اس حالت میں نطفہ مخلوط ہونے کی وجہ سے بچے کے صحیح نسب کا پتہ نہیں چلے گا۔ بنابریں بچے کا مستقبل خراب ہو جائے گا جب بچے کا نسب صحیح نہ رہے گا۔ تو اس کی ماں کی بھی حیثیت ایک بیوی کی نہ رہے گی بلکہ اس کی ایک داشتہ بلکہ زانیہ کی حیثیت ہو گی اس عورت اور ایک کسبی عورت کے مابین فرق نہ ہو گا اور نہ اس کے بیک وقت متعدد خاوند اس کی اور اس کی اولاد کی کفالت کریں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چند مرد باہم مل کر بحیثیت خاوند ایک عورت کا بوجھ اور اس کی اولاد کی کفالت ہرگز ہرگز برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ یہ امر جیسے خلاف واقعہ ہے اسی طرح خلاف فطرت بھی ہے اس کے برعکس ایک مرد چند عورتوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے جو کہ واقعی اور فطری امر ہے کیونکہ اس مرد کی چند عورتوں سے جو اولاد ہو گی ان کا نسب ایک باپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے صحیح ہو گا اور یہ ایک مرد ہر طرح کی کوشش کر کے ان بیویوں اور ان سے ہونے والی اولاد کی کفالت بھی کرے گا اور یہ امر واقع سے بھی ظاہر ہے بعض دفعہ عورت اپنے ایک خاوند کا جنسی بوجھ برداشت کرنے سے گریز کرتی ہے تو پھر بہت سے مردوں کا بوجھ کیسے برداشت کرے گی اس کے علاوہ اس برعکس معاملہ میں متعدد خرابیاں ہیں اور ایسی خرابیاں اس صورت میں نہیں ہوتیں جب کہ مرد ایک سے زائد بیویاں کرے غرضیکہ مرد کو اسلام بھی حکم دیتا ہے کہ وہ ایک بیوی کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے ایک اچھی اور مثالی معاشرتی زندگی بسر کرے اگر بامر مجبوری اس کو دوسری عورت کے ساتھ نکاح کرنا پڑے تو اسلام کی عائد کردہ شرائط

کے مطابق اجازت ہے ورنہ نہیں اور ایک سے زائد بیویاں کرنے کا معاملہ چونکہ مرد سے متعلق ہے لہذا مرد کے لیے اجازت ہے عورت کے لیے نہیں ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۱۵ / جون ۱۹۸۸ء

الاستفتاء (۱۳)

قبلہ مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ ایک آدمی قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے اور اذان شروع ہو گئی ہے۔ اب یہ شخص تلاوت جاری رکھے یا بند کرکے اذان کا جواب دے۔

سائل
محمد ظہیر، واٹفورڈ روڈ سپارک بروک
برمنگھم "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں تلاوت ختم کرکے اذان کا جواب دینا چاہیئے۔ اس لیے فقہ کا اصول ہے جب حقوق میں تصادم اور تقابل ہو جائے تو تنگدست کو خوشحال پر اور فوری چیز کو تاخیر والی چیز پر اور فرض عین کو فرض کفایہ پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اب یہاں جب تلاوت کر رہا ہے اور اذان

شروع ہو گئی ہے تو تلاوت بند کرکے اذان کا جواب دے کیونکہ اذان کا جواب اذان ختم ہونے کے بعد نہیں ہو سکتا تلاوت قرآن تو بعد میں بھی کر سکتا ہے پھر اسی طرح اگر فرض نماز کے وقت جنازہ آ جائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے گی پھر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (انوار البروق)

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،
مفتی غلام رسول برمنگھم، برطانیہ
۲۵ / مئی ۱۹۸۸ء

الاستفتاء (۱۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاملات میں عند الشرع دو گواہ ہونے ہیں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی وجہ کیا ہے کہ ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کو رکھا گیا ہے حالانکہ عورتیں بھی بڑی بڑی سمجھ دار ہوتی ہیں۔ اس کا جواب فتویٰ کی صورت میں دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

المستفتی علاؤ الدین (بنگلہ دیشی) حال مقیم برطانیہ،

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اللہ تعالٰی نے انسانی معاملات کے لیے عمومی طور پر شہادت کا تعیین کر دیا ہے قرآن پاک میں ہے اگر کوئی باہمی معاملہ ہو تو اس پر اپنے مردوں

سے دو آدمیوں کی گواہی کرالو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اگر عورتوں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی گواہی کے ذکر کے ساتھ بھولنے کا ذکر نہیں کیا جب عورت کی گواہی کا ذکر کیا تو فرمایا اگر دو عورتوں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے جس سے ظاہر ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت ناقص العقل ہے اس لیے ایک عورت کو ایک مرد کے قائم مقام نہیں رکھا بلکہ دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام رکھا ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورتوں کو ناقص العقل فرمایا تو عورتوں نے سوال کیا کہ ہم کیسے ناقص العقل ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الیس شهادة المرءة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلیٰ قال فذالك من نقصان عقلها۔ (مشکوٰۃ ص۱۹)

کیا عورت کی شہادت مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں ہے۔ کہنے لگیں بے شک تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی ان کے عقل کا نقصان ہے گویا کہ عورت کی شہادت مرد کی نسبت سے نصف ہے لہذا صریحاً ان کا عقل مرد سے ناقص ہے اور جو سائل نے کہا ہے کہ عورتیں بڑی بڑی سمجھ دار ہوتی ہیں اس کو ہم کیا کریں۔ جب کہ عورت کے پرستار مغربی ثقافت کے دلدادہ عریاں تہذیب کے فریفتہ کے ہم مشرب محققین و ماہرین جنسیات عورت کو ناقص العقل کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ مرد کے سب سے بھاری دماغ کا وزن ۷۰/ اونس ہے اور متوسط درجے کا وزن ۴۹ ½ اونس ہے اور سب سے ہلکے دماغ کا وزن ۴۴/۳ ر اونس ہے۔ بخلاف عورت کے اس کا سب سے بھاری دماغ کا وزن ۶۰ ½ / اونس ہے اور متوسط

دماغ ۴۴/ اونس ہے اور سب سے ہلکا ۳۱/ اونس ہے اور جو لوگ عورت کو ناقص العقل کہنا برداشت نہیں کرتے وہ خود ہی عقل کے ناخنوں سے کام لیں۔ کیا۔ اب بھی وہ عورت کو ناقص العقل تسلیم نہیں کرتے اسلام کے ایک بہت بڑے فاضل اور محقق علامہ اکمل الدین عنایہ شرح ہدایہ ص۸ ج ۲ میں اسی مسئلہ کی توضیح و تشریح میں لکھتے ہیں کہ نفس انسانی کی قوتوں کو چار درجہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو یہ استعداد فطرۃً ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔

۲۔ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں حاصل ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کر ذائقہ کا یقین وغیرہ) اور عقل اس قابل ہو کہ اس میں غور و فکر کے ذریعے خاص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے اس کو اصطلاح میں عقل بالملکہ کہتے ہیں۔ اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

۳۔ یہ کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات مستنبط ہو رہے ہیں ان کے ادراک میں کسی قسم کی دقت اور محنت پیش نہ آئے اس کا نام عقل بالفعل ہے۔

۴۔ کہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح مستحضر ہوں کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں اس کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے اور شریعت کی ذمہ داریوں کا مدار جس صلاحیت عقل پر ہوتا ہے وہ دوسرا درجہ ہے عورتوں میں اس کی نہیں ہے کیونکہ وہ جزئیات میں جو اس کو استعمال کر کے بدیہیات کو پا لیتی ہیں اور اگر کسی بات کو فراموش کر جاتی ہیں تو یاد دہانی کے بعد یاد کر لیتی ہیں اگر اس

صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہو تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی حالانکہ صورت واقعہ یہ نہیں بلکہ دونوں پر ایک ہی طرح کی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں جو ناقصات العقل فرمایا ہے، اس سے عقل بالفعل یعنی عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے۔ اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت ناقص عقل والی ہے اور امور ذاتیہ میں تو عورت کے قول و فعل کا اعتبار ہوگا لیکن جہاں دوسروں کے حقوق سے ادنیٰ درجہ کی بھی وابستگی ہوگی وہاں اس کے حدود و اختیار پر پابندیاں لگ جائیں گی چونکہ شہادت اور گواہی کا معاملہ دوسرے سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے یہاں عورت پہ پابندی لگا دی ہے کہ وہ اکیلے گواہ نہیں بن سکتی جب تک اس کے ساتھ دوسری عورت نہ ہو اگر یہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے،

والله و رسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۱۶ / مئی ۱۹۸۷ء

۲۸۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور عمرو کا باہمی ایک معاملہ میں تنازع ہوا زید نے عمرو کو کہا کہ تم حلف قرآن پہ دو عمرو نے قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ معاملہ یوں ہے کیا اس طرح حلف ہو گئی۔

سائل
حاجی ہدایت اللہ، لندن، "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں شرعاً حلف نہیں ہوئی کیونکہ حلف اور قسم قرآن کے ساتھ ہونے میں ضروری ہے کہ لفظ حلف اور قسم بھی ساتھ ہو چونکہ قرآن پاک اللہ تعالٰی کا کلام ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے۔ قرآن جب اللہ کی کلام ہو کر صفت قدیمہ ہوا تو اس کی قسم اٹھانی شرعاً معتبر ہوگی در مختار میں ہے لانہ من صفاتہ وقد تعورف الحلف بہ فکان کالحلف بعزتہ وعظمتہ وجلالہ علامہ عینی فرماتے ہیں وعندی لو حلف بالمصحف او وضع یدہ علیہ وقال وحق ہذا فهو یمین ولا سیما فی ہذا الزمان الذی کثرت فیہ الایمان ورغبة الحلف بالمصحف۔ اور نزدیک میرے اگر کسی نے قسم قرآن کے ساتھ اٹھائی یا قرآن پر ہاتھ رکھا اور کہا یہ حق ہے تو یمین ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ قسموں کی کثرت ہے اور لوگ زیادہ تر قرآن پر قسم اٹھاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ جب قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے کہ یہ حق ہے تو قسم ہوگی اور اس پر قسم کے احکام جاری ہوں گے اگر قسم توڑے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اگر قرآن پہ ہاتھ رکھتا ہے حلف یا قسم کا لفظ نہیں بولتا یا یہ نہیں کہتا وہ حق ہذا تو پھر کفارہ لازم نہیں ہوگا فتاویٰ رضویہ ص۶۷ میں ہے اگر قرآن پاک ہاتھ میں لے کر یا اس پہ ہاتھ رکھ کوئی بات کہی اگر لفظ حلف و قسم کے ساتھ نہ ہو تو حلف شرعی نہ ہوگا مثلاً کہے

کر یہی قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسے کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ نہ آئے گا غرضیکہ قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر یا قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسم اٹھائے تو شرعاً اس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ حلف اور قسم کے لفظ کے ساتھ وہ حلف شرعی ہو جائے گی اگر صرف ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ معاملہ یوں ہے لفظ حلف اور قسم ساتھ نہیں بولا تو پھر حلف شرعی نہ ہوگی۔ اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ،

۷ رجولائی ۱۹۸۶ء

الاستفتاء ⑬⑨

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں اور بیوی کے خاوند پر کیا حقوق ہیں۔

سائل

سہیل احمد سمالتھیر برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اسلام نے عورت کو ایک باعزت مقام دیا ہے اور مرد کو اس کے ساتھ زیادتی کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسے اسلام نے مرد کے حقوق کا تعین مرد کی فطرت کے مطابق کیا ہے۔ اسی طرح عورت کے حقوق کا تعین بھی

اس کی فطرت کے مطابق کر دیا ہے قرآن پاک میں ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف اور عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شریعت کے موافق اور حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقا وخیارکم نساءھم۔ ایمان کے اعتبار سے کامل ترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہوں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والے ہوں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو ایمان جیسے اعلیٰ ترین چیز کا ضروری جزو قرار دیا۔ بلکہ اسلام نے عورت کا مرتبہ یہاں تک بڑھا دیا کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے برابر قرار دیا فرمایا ان لربك علیك حقا و لنفسك علیك حقا و لاھلك علیك حقا فاعط کل ذی حق حقہ۔ یقیناً تجھ پر تیرے رب کا بھی حق ہے تیرے نفس کا بھی حق ہے اور تیری بیوی کا بھی حق ہے۔ لہٰذا تو ہر ایک حق دار کا حق (پوری طرح) ادا کر اور یہ بھی فرمایا الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرءۃ الصالحۃ دنیا کل کی کل ایک اثاثہ ہے اور اس کا بہترین اثاثہ نیک سیرت بیوی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے عورت کو باوقار طریقے سے وہ تمام معاشرتی حقوق دے دیئے جس کی وہ مستحق تھی چنانچہ اس کو اپنے گھر کی مالکہ قرار دیا اور اپنا ذاتی ملکیت رکھنے کا حق عطا کیا اور وراثت میں اس کو حصہ دلایا بلکہ معاشرے کی قابل احترام ہستی قرار دیا اگرچہ ظہور اسلام سے قبل عورت کو یہ مقام حاصل نہیں تھا بلکہ وہ ایک مظلوم اور ستم رسیدہ تھی اس کو نجس و ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو

اعلیٰ درجہ بلند مرتبہ اور جامع حقوق عطا کئے اور جس طرح مرد سے کہا گیا
کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنا خدا کے حقوق کی ادائیگی کے برابر ہے اسی
طرح عورت سے بھی کہا گیا ہے کہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی خدا کے حقوق
کی طرح بلکہ اس سے مقدم ہے حدیث پاک میں ہے ۔ لا تودی المرأۃ
حق ربہا حتی تودی حق زوجہا عورت اپنے رب کے حقوق ادا نہیں کر سکتی
جب تک وہ اپنے شوہر کے حقوق ادا نہ کرے اس سے ظاہر ہے کہ اگر عورت
اپنے شوہر کے حقوق پامال کر کے اللہ تعالےٰ کی عبادت میں بھی لگی رہی تو
اس کی عبادت قبول نہ ہوگی علماء اسلام لکھتے ہیں بیوی پر خاوند کے اکیس
حقوق ہیں ۔ م۱ مرد کی مرضی پوری کرے ۔ م۲ خاوند کی خوشنودی کے
لیے اپنے آپ کو آراستہ رکھے م۳ خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت
کے کسی کو کوئی چیز نہ دے م۴ عورت اپنے خاوند کی اجازت بغیر نفلی روزہ
نہیں رکھ سکتی ۔ م۵ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے م۶ خاوند
کی غیبت نہ کرے اور نہ ہی اس کا عیب ظاہر کرے م۷ عورت اپنے
کو نامحرم کی نظر سے بچائے ۔ م۸ خاوند کی پردہ دری نہ کرے ۔ م۹ خاوند کے
مال کی حفاظت کرے م۱۰ عورت کو چاہیئے اپنے گھر میں بیٹھی رہے اور خاوند
کے دوستوں سے آشنائی نہ کرے م۱۱ خاوند کی اولاد پر جو پہلی بیوی سے
شفقت و مہربانی کرے م۱۲ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے خاوند پر فخر نہ کرے
م۱۳ اگر کسی وجہ سے خاوند محتاج ہو تو اس کو حقارت سے نہ دیکھے ۔ م۱۴ خاوند کے
اختیار سے باہر فرمائش نہ کرے م۱۵ اگر خاوند بیمار ہو تو اس کی پوری طرح
دیکھ بھال کرے م۱۶ ۔ اگر خاوند فقیر یا مریض ہو تو بیوی پر لازم ہے کہ سلائی یا
دیگر کوئی کام کاج کر کے اس کو بھی کھلائے م۱۷ اوقات عبادت میں خاوند کی

و کرے ۔

۱۸ ۔ بیوی کو خود بھی اپنے گھر کا کام کاج کرنا چاہیئے ۔

۱۹ ۔ خاوند کو اچھائی سے یاد کرے ۔

۲۰ ۔ خاوند کے لیے دعا کرے ۔

۲۱ ۔ خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن غم اور سوگ کرے ، اور
خاوند پر بیوی کے حقوق اکیس (۲۱) ہیں ۔

۱ ۔ حق مہر ادا کرے ۔

۲ ۔ طاقت کے مطابق خرچہ دے ۔

۳ ۔ موسم کے مطابق کپڑے بنا دیا کرے ۔

۴ ۔ تیسرے دن صحبت کیا کرے ۔

۵ ۔ ضرورت زندگی کا سامان مہیا کرے ۔

۶ ۔ اگر خود خوشبو استعمال کیا کرتا ہو تو عورت کے لیے بھی خوشبو کا انتظام
کرے ۔

۷ ۔ عورت کو علیحدہ مکان رہنے کے لیے دے ۔

۸ ۔ اگر ہو سکے تو عورت کے لیے خادمہ کا بندوبست کرے ۔

۹ ۔ بیوی کو نماز روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، حیض و نفاس اور دیگر ضروریات دین
کے مسائل سکھا دے اگر خود علم نہیں رکھتا تو کسی عالم دین سے دریافت کرکے
بیوی کو سکھائے ۔

۱۰ ۔ عورت کو بلا وجہ ناراض نہ کرے ۔

۱۱ ۔ ترش روئی اور سختی سے پیش نہ آئے ۔

۱۲ ۔ عورت کے ساتھ محبت سے باتیں کرے ۔

۱۳۔ اگر طاقت ہو تو عورت کو زیور پہنائے۔

۱۴۔ عورت کے سامنے ان عورتوں کا ذکر نہ کرے جنہیں زیادہ جمیل ...

۱۵۔ اگر مرد کی ایک عورت مال دار ہو اور دوسری غریب ہو تو غریب کی بے عزتی نہ کرے۔

۱۶۔ بیوی کے رشتہ داروں سے اسی طرح برتاؤ کرے جیسے کہ اپنے رشتہ داروں سے کرتا ہے۔

۱۷۔ بیوی کو گالیاں نہ دے۔

۱۸۔ بیوی کو رشک نہ دلائے یعنی اس کے سامنے لونڈی پر ہاتھ نہ ڈالے۔

۱۹۔ بیوی پر خرچ کرکے احسان نہ جتائے۔

۲۰۔ سفر سے بیوی کے لیے تحفہ لائے۔

۲۱۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کے عزیزوں کے حقوق کی رعایت کا لحاظ رکھے۔

والله ورسوله اعلم بالصواب،
مفتی غلام رسول برمنگھم "یو کے"۔
۱۸، جولائی ۱۹۸۸ء

(۱۲۰) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد بنانے کے لیے غیر اسلامی حکومت کی طرف سے دی گئی گرانٹ کیا شرعاً استعمال ہو سکتی ہے یا نہ یہاں برطانیہ میں زیادہ تر کمیونٹی سنٹر اور مسجد کے لیے گورنمنٹ سے گرانٹ لی جاتی ہے شرعی حکم تحریر فرمایا جائے۔

سائل

محمد منیر، وہائٹ روڈ برمنگھم "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر غیر مسلم حکومت کمیونٹی سنٹر کے لیے گرانٹ دیتی ہے تو اس کا استعمال کمیونٹی سنٹر پر درست ہے۔ رہی بات مسجد کی ہم نے تو سن رکھا ہے کہ مسجد کے لیے یہاں کی حکومت گرانٹ نہیں دیتی لیکن بقول سائل اگر حکومت برطانیہ مسجد کے لیے گرانٹ دیتی ہے تو پھر مسجد پر بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ یہاں برطانیہ بلکہ یورپ کے احکام دار اسلام سے جدا ہیں یہاں پر گرانٹ کے سوا چارہ ہی کیا ہے اور یہاں کے مسلمان گورنمنٹ برطانیہ سے سوشل سیکورٹی کی صورت میں رقم لیتے ہیں جو کہ اپنے تمام مصارف پر خرچ کرتے ہیں یہ رقم بھی غیر مسلم کی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے جائز ہے اگر غیر مسلم اپنا مال اپنی مرضی سے مسلمانوں کو دے تو مسلمانوں کے لیے اس کا لینا جائز ہے۔ قال ابو حنيفة لو ان مسلما دخل ارض الحرب بامان فبای وجه اخذ اموالهم برضا ئهم فهو جائز (الرد علی سیر الاوزاعی ص ۹۶، امام اعظم ابو حنیفہ ص ۲۲۹) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر کوئی مسلمان اہل کفر کے ملک میں امان (ویزا) لے کر جائے یا اس ملک کے دستور کو تسلیم کرکے وہاں شہری بن جائے اور وہاں کے کافر اپنی مرضی سے جس طرح بھی اپنا مال اس کے سپرد کریں یا یہ ان سے لے تو یہ مال اس کے لیے حلال ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ لان

مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر اس لیے کہ کافروں کا مال دار الحرب میں غدر و خیانت کے علاوہ جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ مال مباح ہے لہذا جب کافر اپنی مرضی سے اپنے مال کو کسی طرح کسی مسلمان کے حوالے کردے اس کو کون منع کرسکتا ہے اس کا مال ہے جو چاہے کرے رضامندی کی وجہ سے اس میں کوئی قباحت نہیں اور غلبہ کفر کی وجہ سے ہم ان کو اپنے دستور کا مکلف نہیں بنا سکتے بنا بریں اہل کفر سے برضا و رغبت جو مال حاصل کیا جاتا ہے اس کو مسلمانوں پر اور مصالح مسلمانوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے چونکہ دار حرب اور دار اسلام کے احکام جدا جدا ہیں لہذا حربی کافر کے ساتھ سودی کاروبار بھی ہوسکتا ہے اور مسلمان کیلئے حربی سے سود لینا جائز ہے کیونکہ درحقیقت یہ سود ہے ہی نہیں اسی اصول کے ماتحت بینک سسٹم انشورنس لاٹریاں۔ بونڈس وغیرہ کے تمام طریقے جن میں سود پایا جاتا ہے کے ذریعے سے اگر مسلمان کسی کافر حربی سے دار الحرب میں مال حاصل کرے تو وہ جائز ہے کہ مسلمان اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا (امام اعظم ابو حنیفہ ص ۲۲۹) لہذا ایسا مال مسلمان اپنے مصارف پر بھی خرچ کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کے مفاد عامہ اور غربا و مساکین کی پرورش پر بھی خرچ ہوسکتا ہے اگر حکومت نے گرانٹ دیتے وقت مسلمانوں کو کہا کہ یہ رقم کمیونٹی سنٹر کے لیے ہے تو کمیونٹی پر صرف ہوسکتی ہے اگر بقول سائل حکومت نے مسجد کے لیے گرانٹ دی ہے تو مسجد پر بھی استعمال کر سکتے ہیں فتاوی رضویہ ص ۴۲۹ ج ۴ میں ہے کہ کسی ایسے ہندو یا انگریز حاکم کا روپیہ جو اسلام کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہو مسجد میں لگانا جائز ہے۔ لان

الضرورات تبیح المحظورات جب ہندو اور انگریز حاکم کا روپیہ دیا ہوا دار اسلام میں مسجد پر لگانا جائز ہے تو دار حرب میں غیر مسلم حکومت کی دی ہوئی رقم اور گرانٹ بطریق اولی جائز ہے اور اگر گورنمنٹ نے گرانٹ دی اور مسلمانوں نے اس گرانٹ سے مکان یا زمین خرید کر اپنے نام منتقل کرا کر مسجد بنائی تو ظاہر ہے کہ یہ مسجد بن گئی اور جو حکم دار الحرب کے مساجد کا ہوگا وہی اس کا ہوگا اگر مذکورہ زمین یا مکان مسلمانوں کے نام منتقل نہ ہوا اور گورنمنٹ نے صرف نماز پڑھنے اور صرف عبادت کی اجازت دی تو پھر مسجد نہ ہوئی صرف نماز کا پڑھنا جائز ہوا فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ جعل ذمی دارہ مسجداً للمسلمین و بناہ کما بنی المسلمون و اذن لهم بالصلوة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل۔

غرضیکہ اگر دار اسلام میں کوئی غیر مسلم حاکم مسجد کے لیے رقم دے تو اس کا استعمال مسجد پر جائز ہے تو یہاں یورپ میں اگر غیر مسلم حکومت مسلمانوں کو کمیونٹی سنٹر کے لیے یا بقول سائل مسجد کے لیے گرانٹ دیتی ہے تو اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ
۱۸ مئی ۱۹۸۸ء

(۱۳۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایسے شخص کے بارے

میں شرع شریف میں کیا حکم ہے کہ ایک زید نامی شخص نے ایک مقامی تنظیم پر تنقید کرتے ہوئے ایک خط تقسیم کیا اور بیان دیا جس میں اسلامی شعائر کی توہین کی گئی مثلاً غیر مسلموں کا رات کے وقت دیر سے کھانے کو سحری سے تعبیر کرنا۔ اصل عبارت دو سکالٹش جوڑے بڑے چالاک نکلے بغیر کھانا کھائے اور رات گیارہ بجے چپکے سے نکل گئے کہیں روزہ کی سحری کھا کر آج آدھے مسلمان نہ بن جائیں ایک تو یہاں استہزاءً سحری ہے اس لیے کہ سحری سنت ہے اور یہ پروگرام دو تین اپریل ۱۹۸۹ء کو تھا جو کہ غیر رمضان تھا تاکہ غیر مسلموں کا دیر کے ساتھ کھانے کو سحری سے تعبیر کر کے علت بنایا جا رہا ہے۔ آدھے مسلمان ہونے کا کیا جس طرح ہم کسی مسلمان کو آدھا یا پورا بغیر کسی شرعی وجہ کے کافر نہیں کہہ سکتے اسی طرح ایک غیر مسلم کو اس کے لیٹ کھانے کو سحری کہہ کر آدھا مسلمان کہہ سکتے ہیں یا نہ۔

۲۔ ایک باشرع عالم دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ نعت حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی رباعی پر مشتمل بلغ العلی بکمالہ پیش کر رہے تھے جب کہ دو بزرگ علماء ایک مفتی دین وہاں موجود تھے یعنی کوئی غیر معتبر کلام نہیں تھا اس کو سن کر ایک شخص نے حق ہو کیا اصل عبارت ایک نعت خواں نے وہ سماں باندھا ایک صاحب تو لگے دھمال ڈالنے حق ہو کا نعرہ بلند کیا یعنی حقیقتاً دھمال نہیں ڈالی گئی بلکہ کلمہ حق ہو کو دھمال سے تعبیر کر کے بطور استہزاء استعمال کیا جب کہ بعض صوفیاء کے نزدیک کلمہ حق از قسم ذکر ہے ایسی باتوں سے مقامی مسلمان آبادی میں غصہ اور نفرت پھیل رہی ہے۔ اور باہمی اتفاق کو نقصان پہنچ رہا ہے ہم امید کرتے ہیں۔ آپ دین حق کی روشنی میں ایسے شخص کے بارے وضاحت فرما کر عند اللہ

ماجور ہوں گے۔

منجانب:
ممبران کمیٹی جامع مسجد انوار مدینہ
اینڈنبرا "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید نامی شخص نے ہر دو باتوں میں شرعی اور دینی امور کو غیر شرعی امور کے ساتھ تشبیہ دے کر شریعت اسلامیہ کے شعائر کی توہین کی ہے جو کہ کفر ہے ماہ رمضان میں روزہ رکھتے وقت بوقت سحری کھانا کھانا اسلام کے شعائر سے ہے حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزہ میں سحری کے کھانے سے فرق ہے کہ ہم مسلمان، سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے ایک حدیث میں ہے کہ سحری کھایا کرو، اس میں برکت ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ روزہ رکھتے وقت سحری کا کھانا اسلام کے شعائر سے ہے بلکہ یہ اسلام کی ایک عظیم نشانی ہے جس کی وجہ سے مسلمان ایک خاص عبادت (روزہ) میں اہل کتاب یعنی نصاریٰ سے ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح حق ہو کا لفظ ذکر خداوندی ہے کیونکہ حق ہو کا معنیٰ ہے کہ وہ ذات حق ہے یعنی وہ ذات سچی ہے ظاہر ہے کہ یہ ذکر خداوندی ہے اور ذکر خداوندی بھی مسلمانوں کی نشانی ہے اور شعائر اسلام میں داخل ہے جس کی تعظیم فرض ہے قرآن

پاک میں ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ کہ جو شخص شعائر اللہ کا ادب اور تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اعلم ان مبنی الشرائع علی تعظیم شعائر اللہ تعالیٰ و التقرب بہا الیہ تعالیٰ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۵۵ ج۱) تو جان لے کہ شریعتوں کی بنیاد شعائر اللہ (اللہ کے نشانات) کی تعظیم اور ادب کرنے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے پر ہے جب اسلام میں سحری اور ذکر خداوندی اللہ تعالیٰ کے نشانات سے ہیں۔ تو ان کی تعظیم فرض ہے اور ان کی توہین و استہزاء کفر ہے فقہاء اسلام لکھتے ہیں۔ الہازل و المستہزئ اذا تکلم بکفر استخفافا و استہزاء و مزاحا یکون کفرا عند الکل و ان کان اعتقادہ خلاف ذٰلک اور فرماتے ہیں الاستہزاء باحکام الشرع کفر کذا فی المحیط ــــ یعنی اگر کوئی شخص استہزاء کرتے ہوئے کلمہ کفریہ بولتا ہے یا احکام شرع کا استہزاء کرتا ہے تو یہ کفر ہے اگرچہ قائل یہ کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے درمختار میں ہے۔ یبطل العمل والنکاح۔ کہ کفر سابقہ عمل اور نکاح کو باطل کر دیتا ہے۔ غرضیکہ اسلامی شعائر کی تعظیم فرض ہے ان کی توہین کفر ہے۔ قائل نے امور شرعیہ کو غیر امور شرعی کے ساتھ تشبیہ دے کر توہین کا ارتکاب کیا ہے جس سے لزوم کفر ہوا اگرچہ قائل یہ کہے کہ میرا تو یہ عقیدہ نہیں تھا میں نے تو ویسے یہ کلمات کہہ دیئے ہیں

قائل کو چاہیئے کہ ان کلمات خبیثہ سے توبہ کرے اور تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے حدیث پاک میں ہے۔ ان الایمان لیخلق فی جوف احدکم کما یخلق الثوب فاسئلوا اللہ تعالیٰ ان یجدد الایمان فی قلوبکم (فتاویٰ رضویہ ص۹۲) اگر قائل تجدید اسلام و تجدید نکاح نہیں کرتا اور نہ ہی توبہ کرتا ہے تو دیگر مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس سے قطع تعلقات کریں اور اس سے کسی قسم کا برتاؤ نہ کریں خلاصہ کلام یہ ہے کہ زید پر ان کلمات خبیثہ و کفریہ کہنے سے لزوم کفر ہوا ہے اس کو چاہیئے کہ کسی عالم دین کے پاس حاضر ہو کر ان کلمات مذکورہ سے توبہ و رجوع کرے اور تجدید اسلام و تجدید نکاح بھی کرے اگر زید رجوع نہیں کرتا تو دیگر مسلمان برادری کو چاہیئے اس کو برادری سے خارج کریں اور اس سے کسی قسم کا ربط و تعلق نہ رکھیں اور یہ انقطاع تعلقات اس کے توبہ کرنے تک برقرار رہنا چاہیئے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۴ / اپریل ۱۹۸۹ء

(۳۲) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!

درج ذیل واقعات کی روشنی میں شرع محمدی کے مطابق فتویٰ درکار ہے۔ ۱۹۸۱ء میں میری بہن ریحانہ کوثر پاکستان سے میرے بلانے پر انگلستان آئی اور میں نے اس کی شادی محمد سرور ایک پاکستانی سے کر دی فروری

۱۹۸۲ء میں زچگی کے سلسلہ میں میری بہن نارتھمپٹن جنرل ہسپتال میں داخل ہوئی۔ اور چھوٹے اپریشن کے ذریعے اللہ نے ایک بچی عطا فرمائی جس کا نام ثمینہ سرور ہے اور جواب تقریباً ½ ۶ سال سے کچھ اوپر ہوگئی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اپریشن کے دوران بے ہوش کرنے والی گیس ضرورت سے زیادہ دے دی گئی۔ جس بنا پر میری بہن ریحانہ کوثر (ریحانہ سرور شادی کے بعد کا نام) ½ ۵ سال تک بے ہوش رہنے کے بعد اپریل ۱۹۸۶ء کو وہ اسی بے ہوشی کے عالم میں وفات پاگئی میرے بہنوئی محمد سرور نے مقدمہ بازی کی کہ موت کی وجہ بتائی جائے مگر اس کشمکش کی بنا پر مقامی ہیلتھ اتھارٹی اور سوشل سروسز کے محکمہ جات نے بچی محمد سرور سے چھین لی اور کہا کہ تم لڑکی کی ذات نہیں پال سکتے عورت کا ہونا ضروری ہے اس سلسلہ میں ہم نے بچی لینے کی کوشش کی محمد سرور نے کہا کہ بچی ہی تو میرے پاس رہ گئی ہے اس کو میں خود پالوں گا مگر بچی چھن جانے کے بعد میرے بہنوئی کو سخت صدمہ ہوا اور وہ دماغی کینسر میں مبتلا ہوگیا اور ایک سال کے اندر ہی ۲۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو انتقال کر گیا اس کے انتقال کے بعد سے میری بھانجی کا اس ملک میں میرے اور میری بیوی اور دو لڑکوں کے علاوہ کوئی سگا عزیز نہیں ہے اور محمد سرور کے تمام بھائی پاکستان میں ہیں، یا ایک بڑا بھائی مغربی جرمنی میں بغیر شادی کے رہ رہا ہے اور اس کی عمر ۶۰ سال کے لگ بھگ ہے وہ نہ بھائی کی موت پر آیا اور نہ جنازہ میں شرکت کی مزید برآں دکھ کی بات یہ ہے کہ جس انگریز خاتون کے حوالے برائے پرورش میری بھانجی ثمینہ کو دیا ہوا ہے وہ لوگ عیسائی ہیں۔ اور ان کی اپنی دو نوجوان لڑکیاں ہیں جو اپنے بوائے فرینڈز کو گھر لاتی ہیں۔ جب کہ میری بھانجی کی زندگی

اور کردار پر گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ نیز اس عورت نے اس کا نام بدل کر عیسائی نام دینے کی کوشش کی تھی اور اس کو اپنانے کی بھی کوشش کی تھی جس کے خلاف ہم نے اپیل کر کے اس عیسائی خاندان ثمینہ کو مسلمان سے عیسائی بنانے کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔ مگر اب ثمینہ کے مستقبل کا فیصلہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو ہائیکورٹ لندن میں ہونا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری بھانجی ہم کو لوٹا دی جائے اور ہم اس کی اسلامی طور پر بحیثیت ایک مسلمان لڑکی کے پرورش کریں۔ کیونکہ ہم سُنی اور صوم وصلوٰۃ کے سختی سے پابند ہیں ان واقعات اور حالات کی روشنی میں اسلامی شریعت کے مطابق فتوٰی درکار ہے اور جلد درکار ہے کیونکہ ۱۱ مئی کو کاغذات جمع عدالت کروانے ہیں۔

حاجی سید باقر حسین شاہ ۸۹ کلائشم اسٹریٹ
نارتھمپٹن این۔ این ۱ ۔ ۳ ۔ ایل ایل

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اسلام میں بچہ اور بچی کی پرورش کا حق ماں کو ہے حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی ماں کو کہا تھا۔ انت احق بہ (مشکوٰۃ صـ۱۲ ج ۲) کہ تم اس کی زیادہ حق دار ہو۔ کہ اپنے بچے کی پرورش کرو۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔

الحضانة للام الا ان تكون مرتدة او فاجرة او غير مامونة (کنز الدقائق صـ۳۶۷، فتاوٰی رشیدیہ صـ۳۶۶، فتاوٰی رضویہ صـ۶۸۱، فتاوٰی دیوبند صـ۴۲۳ بہار شریعت صـ۱۱۲ ج ۸)

بچے کی ماں بچہ کی پرورش کرنے کی حق دار ہے۔ لیکن اگر ماں نے اسلام چھوڑ دیا یا ماں بدکار ہو گئی یا وہ صحیح اسلامی طور پر پرورش نہیں کرتی تو پھر ماں کے حق تربیت کو بھی اسلام ختم کر دیتا ہے۔ اگر بچہ اور بچی مسلمان ہوں اور ان کی ماں مذہب اسلام کو چھوڑ دے یا اسلامی طرز پر ان کی تربیت نہ کرے تو پھر یہ بچے ایسی ماں کی پرورش میں نہ رہیں گے جب حقیقی ماں مذہب اسلام کو چھوڑ دے یا بچوں کی اسلامی طرز پر پرورش نہ کرے تو اسلام اس کی تربیت کا حق ختم کر دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلام یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ مسلمان بچوں کی تربیت اور پرورش غیر مسلم عورت کرے قرآن پاک میں ہے۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا کوئی کافر کسی مسلمان پر مسلط نہیں ہو سکتا صورت مسئولہ میں ثمینہ سرور (بچی) کا اگر کوئی دیگر رشتہ دار سوائے ماموں کے نہیں ہے تو ماموں کو حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی طرز پر ثمینہ سرور کی پرورش کرے غیر مسلم عورت اس کی پرورش کرنے کا حق نہیں رکھتی کیونکہ اگر ثمینہ سرور کی پرورش غیر مسلم عورت کرے گی تو یقیناً بچی اس کے مذہب اور معاشرے سے متاثر ہوگی اور آخر میں یہ مذہب اسلام کو بھی چھوڑ دیگی اس ضرر اور نقصان کی وجہ اسلام کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتا کہ ایک مسلمان بچی کی جب کہ اس کے وارث موجود ہوں ایک غیر مسلم عورت پرورش کرے اگر مقامی ہیلتھ اتھارٹی اور سوشل سروسز کا محکمہ یہ کہتا ہے کہ بچی کی عورت ہی تربیت کر سکتی ہے تو پھر اس بچی ثمینہ کا ماموں ہے وہ بچی کو اپنی کفالت میں رکھے اور ماموں کی بیوی ثمینہ کی ممانی اس کی پرورش کرے، ایک غیر مسلم اور غیر متعلقہ عورت ثمینہ کو اپنی پرورش میں نہیں رکھ

سکتی کیونکہ اس سے ثمینہ کا بعد میں مذہب اسلام سے منحرف ہونے کا خطرہ ہے غرض کہ ثمینہ سرور کی پرورش غیر مسلم عورت ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی بلکہ ثمینہ کی پرورش ثمینہ کی ممانی کرے تاکہ ثمینہ کا مذہب اور عقیدہ اور مستقبل محفوظ رہ سکے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ملا" یوکے"

۵ر مئی ۱۹۸۹ء

متفرق مسائل

(۱۳۳) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص جو شیعہ مذہب رکھتا ہے کہتا ہے اہل سنت وجماعت تمام مسائل میں ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں اور فقہ حنفی کو مانتے ہیں جو کہ ابو حنیفہ نے بنائی ہے فقہ جعفری کو نہیں مانتے جو کہ امام جعفر صادق کی ہے۔ حالانکہ امام جعفر صادق اہل بیت اطہار سے ہیں اور ابو حنیفہ کے استاد ہیں چاہیئے تو تھا فقہ جعفری پر عمل ہوتا لیکن سنی لوگوں نے فقہ جعفری کو چھوڑ کر فقہ حنفی پر عمل شروع کر دیا امید ہے کہ آپ اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمائیں گے۔

سائل

نعیم آصف مظفر برو "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

سائل کا یہ کہنا کہ اہل سنت وجماعت تمام مسائل میں ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں، یہ اس کی غلط فہمی ہے ہم اہل سنت تمام مسائل میں تقلید نہیں کرتے چنانچہ وہ مسائل جو عقائد سے ہیں ان میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ ہم

تو صرف فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں تفصیل یہ ہے کہ مسائل میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں مسائل دو قسم کے ہیں۔

۱۔ کلیات اور عقائد۔

۲۔ اجتہادیات اور فروعات، کلیات اور عقائد میں تقلید نہیں ہے بلکہ تشریحات کی اتباع ہے اور اجتہادیات اور فروعات میں تقلید ہے چنانچہ اہل سنت وجماعت کے چار طبقے ہیں۔ یہ چاروں صحیح اسلام پر ہیں اور نجات پانے والے ہیں ان سب کا اصل مقصود و مدعا ایک ہی ہے فقط طریقہ استدلال میں کسی پر کوئی طریقہ غالب ہے محض اسی اعتبار سے چار فرقے ہو گئے۔

۱۔ محدثین جو امام احمد کے متبع ہیں عقائد میں یعنی امام احمد بن حنبل سے جو کچھ اقوال عقائد میں منقول ہیں ان کی تشریح کرتے ہیں۔

۲۔ متکلمین اشاعرہ یہ لوگ عموماً و بیشتر امام مالک و امام شافعی سے منقول شدہ عقائد کی تشریح کرتے ہیں۔

۳۔ متکلمین ماتریدیہ۔ یہ امام ابو حنیفہ سے منقول شدہ عقائد کی تشریح کرتے ہیں اشاعرہ اور ماتریدیہ میں اختلاف قلیل ہے۔ اشاعرہ کے امام ابو الحسن اشعری المتوفی ۳۲۴ھ ہیں اور ماتریدیہ کے امام ابو المنصور ماتریدی المتوفی ۳۳۲ھ ہیں یہ دونوں امام ایک زمانہ کے اور طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کے معاصر ہیں، ابو الحسن اشعری پہلے معتزلی تھے کیونکہ آپ ابو علی[1] جبائی المتوفی

---

[1] ان کا نام محمد بن عبد الوہاب بن سلام ہے اور ابو علی کنیت ہے بصرہ کے رہنے والے

۳۰۳ھ کے پاس رہے جو معتزلہ کا رئیس تھا ابوالحسن پہلے اہل سنت کے ساتھ معتزلہ کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے بعد اہل سنت ہو گئے ان کا واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ پورے رمضان میں اعتکاف کیا اور عشرہ اولی میں ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور نے فرمایا ابوالحسن دین کی حمایت کے لیے کھڑا ہو جانا صبح کو اٹھے تو زیادہ اہتمام نہ کیا ان کے نزدیک چونکہ عقائد معتزلہ ہی صحیح دین تھا اس لیے خیال کیا کہ میں تو ان کی طرف سے بہت زیادہ مناظرہ وحمایت کرتا رہتا ہوں پھر دوبارہ عشرہ ثانیہ میں اسی قسم کا خواب دیکھا اب دل میں تشویش تو ضرور ہوئی مگر خواب کا مطلب کچھ ٹھیک نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کے نزدیک تو عقائد معتزلہ ہی اصل دین تھا۔ پھر سہ بارہ عشرہ اخیرہ میں خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ دین کی حمایت

(بقیہ حاشیہ) یہ رئیس المعتزلہ ہیں فلسفہ اور علم کلام میں بہت ماہر تھے علامہ سیوطی نے ان کا تذکرہ مفسرین میں کیا ہے۔ علم یعقوب شحام سے حاصل کیا ان سے پڑھنے والے ان کا لڑکا ابو ہاشم معتزلی اور ابوالحسن اشعری تھے پھر اشعری نے ان کو اور ان کے مذہب کو ترک کیا اور اعتزال سے توبہ کی ان کا بیٹا عبدالسلام ابو ہاشم بھی رؤسا معتزلہ سے تھا یہ بغداد میں ۳۲۱ھ میں مرا ابن درستویہ المتوفی ۳۴۱ھ نے کہا کہ میں ابو ہاشم کے پاس گیا اس نے مجھ سے اسی مسائل نحویہ پوچھے لیکن میں جواب نہ دے سکا۔ یہ دونوں ایک دن ہی مرے لوگوں نے کہا کہ علم کلام اور لغت دونوں اکٹھے مر گئے۔

مفتی غلام رسول ۱۲

کے لیے کھڑے ہو جاؤ لیکن تم اب تک تیار نہیں ہوئے تو خواب میں ابوالحسن اشعری نے درخواست کی کہ حضور میں تو نہیں جانتا آپ بتا دیجیے کہ میرے عقائد میں کیا کیا غلطیاں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ جانتا کہ اللہ تعالے نے تیری ہدایت کا خود تکفل (ضمانت اٹھانا) کر لیا ہے تو میں یہاں سے نہ ہٹتا یہاں تک کہ تیری غلطیاں ایک ایک کر کھول کر بیان کر دیتا لیکن چونکہ اللہ تعالے نے خود ہی تکفل کر لیا ہے۔ اس لیے ضرورت نہیں ہے چنانچہ صبح کو اٹھے تو تمام عقائد اہل سنت وجماعت میں ان کو شرح صدر تھا اور مفاسد معتزلہ ان پر منکشف ہو چکے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ جامع مسجد میں کھڑے ہو کر عام مجمع کے اندر معتزلہ کے تمام خیالات فاسدہ کو ظاہر کر کے اس سے تائب ہوئے۔ محدثین اور متکلمین میں صرف یہ فرق ہے کہ محدثین پر محض نقل وسمع غالب ہے وہ مسائل کو سمعیات سے ثابت کرتے ہیں اور متکلمین (اشاعرہ اور ماتریدیہ) سمعیات وعقلیات دونوں پر مسائل کا مدار رکھتے ہیں یعنی قرآن وسنت سے ثابت شدہ عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور شبہات عقلیہ کا جواب دیتے ہیں۔ اہم مقصد ان کا یہ ہے کہ عقل ونقل میں توافق کر کے دونوں سے مسائل کو ثابت کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا طبقہ صوفیاء کا ہے یہ دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے یہ لوگ علم تصوف کے حامل ہیں علم تصوف وہ علم ہے۔ جس سے تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر وباطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں، صوفیا میں سے تمام سے پہلے جس پر لفظ صوفی بولا گیا۔ وہ

ابوہاشم المتوفی ۱۶۱ھ ہیں۔ اور صوفیائے سے پہلے صوفی حضرت ذوالنون مصری المتوفی ۲۴۵ھ ہیں جنہوں نے مصر میں ترتیب احوال و مقامات اہل ولایت میں کلام کیا اور حضرت ابوسعید بغدادی المتوفی ۲۷۹ھ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے بغداد میں مذاہب صوفیہ میں کلام کی۔ (فضل الباری شرح بخاری ص۲۳۶ ج۱، مقدمہ کشف المحجوب ص۲۱ تذکرہ مشایخ نقشبندیہ ص۲۲)

اس تحقیق بالا سے ثابت ہوا کہ تمام مسائل میں تقلید نہیں ہوتی بلکہ وہ مسائل جن کا تعلق اجتہاد سے ہے ان میں تقلید ہوتی ہے اور جن کا تعلق عقائد سے ہے ان میں تقلید نہیں ہوتی بلکہ محدثین اور متکلمین ان کے تشریحات اور توضیحات ذکر کرتے ہیں اور تقلید شخصی صرف مسائل فرعیہ اور اجتہادیہ میں ہوتی ہے اب رہی یہ بات کہ حنفی لوگ فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں فقہ جعفری پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ ظاہر نہیں تھیں صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے عمل کرتے دیکھتے ویسے عمل کر لیتے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا صحابہ نے دیکھ کر وضوء کر لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا نماز پڑھ لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ واقعات اس قدر کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پیش آئی اگر کسی نے نماز میں غلطی کی تو اب یہ بحث ہوئی کہ آیا اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز کے تمام افعال و احوال کو فرض کہا جائے یا تمام کو سنت اب صحابہ کو تمیز کرنا پڑی کہ نماز میں کتنے فرض اور واجب اور کتنے امر مستحب و مسنون ہیں صحابہ سے جن لوگوں نے ان مسائل میں اجتہاد کیا وہ مجتہد اور فقیہ کہلائے ان میں سے زیادہ چار صحابی مشہور ہوئے۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس حضرت علی و ابن مسعود دونوں زیادہ وقت کوفہ میں رہے اور وہیں ان کے اجتہادی مسائل کی زیادہ ترویج ہوئی بلکہ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کی وجہ سے کوفہ علم کا گھر بن گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس جتنا علم حضور کے اقوال و افعال و احوال سے تھا اتنا اور کسی کے پاس نہ تھا۔ بلکہ اجتہاد بھی بہت زیادہ تھا حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آجائے اور حضرت علی موجود نہ ہوں اور حضرت عمر کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے۔ لولا علی لھلك عمر۔ عبداللہ بن عباس جو ایک عظیم مجتہد تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود حدیث اور فقہ دونوں میں کامل تھے اس وجہ سے حضرت علقمہ المتوفی ۶۵ھ اور حضرت اسود المتوفی ۷۵ھ کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی المتوفی ۹۶ھ ان کے جانشین بنے جو کہ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابراہیم نخعی کے زمانے میں فقہی مسائل کا ایک مجموعہ بھی تیار ہوا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کے فتاوی تھے لیکن یہ مجموعہ مدون اور مرتب نہیں تھا اور یہ مجموعہ حضرت نخعی کے ایک ممتاز شاگرد حضرت حماد کے پاس تھا اور حضرت حماد کی وفات ۱۲۰ھ ہجری میں ہوئی ان کی جگہ ان کے عظیم شاگرد امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا گیا۔ ابوحنیفہ کے زمانہ میں اگرچہ کافی فقہی مسائل ظاہر ہو چکے تھے اور ان کی روایت زیادہ تر زبانی ہی تھی ابھی تک اس کو فنی حیثیت حاصل نہ تھی

نہ استنباط و استدلال کے قواعد بنائے گئے تھے اور نہ احکام کی
کے اصول منضبط اور نہ احادیث میں مراتب کا امتیاز اور نہ قیاس کے
قواعد مقرر تھے حاصل یہ کہ یہ جزوی مسائل تھے ان کو ابھی قانونی حیثیت
دینی باقی تھی لہٰذا امام ابو حنیفہ نے اس کی ترتیب وتدوین کا مکمل ارادہ فرمایا صرف
اپنی رائے پر انحصار نہیں کیا بلکہ اس کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس
میں آپ نے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہرین فن کو منتخب
اس مجلس شوریٰ میں یہ التزام تھا کہ جب تک مجلس تدوین فقہ کے تمام
اراکین جمع نہ ہو جاتے تھے کوئی مسئلہ طے نہ پاتا اس طرح ۱۲۱ھ سے
کر ۱۴۴ھ تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ جب منصور عباسی نے
امام ابو حنیفہ کو قید میں ڈال دیا تب بھی یہ سلسلہ جاری رہا یعنی ۱۵۰ھ تک
اور یہی سنہ ۱۵۰ھ آپ کا سال وفات ہے اس طویل مدت میں امام ابو حنیفہ
نے اپنے رفقاء کار کے تعاون سے قانون اسلامی کو تکمیل کی حد پر پہنچا دیا
فقہ حنفی کا یہ عظیم مجموعہ پانچ لاکھ مسائل پر مشتمل تھا جس کے تراسی ہزار قواعد
مقرر فرمائے جن سے ۳۸ ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور ۴۵ ہزار کا
تعلق معاملات اور حدود سے تھا۔ اس فقہ اسلامی اور فقہ حنفی کا ماخذ
قرآن مجید، حدیث رسول اور فقہاء کی رائیں ہیں جن کا ماخذ قرآن وحدیث ہی
ہے یا اس طرح سمجھ لیجیے کہ علمی حیثیت سے کتاب وسنت اگر دلائل ہیں
تو فقہ ان دلائل سے پیدا شدہ نتائج کا نام ہے، یا جیسے کہ علامہ خطابی المتوفی
سنہ ۳۸۸ھ نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت اگر اساس اور بنیاد
ہیں تو فقہ ان بنیادوں پر اٹھی ہوئی عمارت ہے زمانہ نبوت میں خود ذات
نبوت فقہ وفتاویٰ کی مرکز تھی آپ کے بعد اکابر صحابہ جو شریعت کے رازدان
اور احکام اسلامی کے آشنا تھے فقہ وفتاویٰ میں آپ کے جانشین تھے
جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور عبداللہ بن مسعود کے جانشین ابراہیم
نخعی ہوئے اور ابراہیم نخعی کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت
حماد ہوئے پھر ان کے بعد ان کے عظیم شاگرد امام ابو حنیفہ کو فقہ کی مسند پر
بٹھایا گیا امام ابو حنیفہ نے اپنے تلامذہ سے چالیس فقہاء کی مجلس شوریٰ
قائم کرکے فقہ کی تدوین کرائی اس مجلس شوریٰ میں جتنے آپ کے تلامذہ
شامل تھے خود امام ابو حنیفہ نے ان کی تعریف وتوصیف کی ہے اصحاب
فن رجال نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے تمام لوگ ان کی تعریف کرتے آرہے
ہیں کسی نے ان پر ایسی جرح نہیں کی ہے جو ان کو غیر معتمد علیہ بنا دے یہی
وجہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اس فقہ پر عمل ہو رہا ہے بخلاف فقہ
جعفری کے کہ خود بقول شیعہ اس فقہ جعفری کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
لے کر حضرت امام باقر علیہ السلام کے زمانہ تک نام ونشان نہیں تھا دیکھیے
علامہ کلینی المتوفی سنہ ۳۳۰ھ، اصول کافی صـ ۳۹۶ میں لکھتے ہیں۔ ثم کان
محمد بن علی ابا جعفر و کانت الشیعة
قبل ان یکون ابو جعفر وھم لا
یعرفون مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی کان ابو
جعفر ففتح لھم وبین لھم مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم۔
پھر امام باقر علیہ السلام ہوئے ان سے پہلے تو شیعہ حج کے احکام اور
حلال وحرام سے بھی واقف نہ تھے امام باقر نے شیعہ کے لیے حج کے
احکام بیان کیے اور حلال وحرام میں تمیز کا دروازہ کھولا اس سے ظاہر ہے
کہ پہلی صدی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک شیعہ حلال وحرام

کے مسائل کو نہ جانتے تھے گویا کہ فقہ جعفری کا نام و نشان نہیں ملتا۔ امام باقر علیہ السلام کی وفات سنہ ۱۱۴ھ ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور خلافت راشدہ اور خلافت اموی کے اکثر حصہ میں تو اس فقہ جعفریہ کا بنیادی وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ آیا آپ کی وفات سنہ ۱۴۸ھ ہے اور یہ فقہ جعفری آپ کی طرف ہی منسوب کی گئی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اپنے زمانہ میں فقہ جعفری کی کوئی کتاب تدوین نہیں کرائی جیسے کہ کتب تاریخ سے ظاہر ہے اس کے بعد فقہ جعفری کے وجود میں آنے کی ایک صورت ہے کہ آپ نے جو روایات و احادیث ذکر فرمائیں ان کو فقہی ابواب پر مرتب کر لیا گیا ہو جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی کتب صحاح اربعہ کو فقہی عنوان سے مرتب کیا گیا ہے یہاں سے ہی فقہ جعفری وجود میں آئی چنانچہ صحاح اربعہ سے پہلی کتاب الکافی ہے جس کو مجتہد کلینی المتوفی سنہ ۳۲۰ھ نے مرتب کیا دوسری کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے جس کو محمد بن علی ابن بابویہ القمی المتوفی سنہ ۳۸۱ھ نے مرتب کیا ہے تیسری کتاب تہذیب الاحکام ہے جس کو محمد بن طوسی المتوفی سنہ ۴۶۰ھ نے مرتب کیا ہے اسی سلسلہ کی چوتھی کتاب الاستبصار ہے اس کو بھی محمد بن طوسی نے ہی مرتب کیا ہے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ اصول کافی تو اس وقت لکھی گئی جب اکیسویں (۲۱) خلیفہ المتقی باللہ کا دور خلافت تھا اور طوسی کا زمانہ بتاتا ہے کہ انہوں نے چھبیسویں (۲۶) خلیفہ القائم بامر اللہ کے زمانہ میں الاستبصار لکھی گویا کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں فقہ جعفریہ کامل طور پر مرتب ہوئی جب پانچویں صدی تک فقہ جعفری کامل نہیں ہوئی تھی تو کسی اسلامی حکومت کا اس پر عمل کرنا یا اس کو

بحیثیت قانون نافذ کرنا ممکن ہی نہیں تھا اس کے بعد مصر میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے لے کر متوکل علی اللہ ثالث تک وہاں بھی اس فقہ پر عمل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے دوسری طرف سنہ ۱۰۶۷ عیسوی میں نظام الملک طوسی المتوفی سنہ ۴۸۵ھ نے جو پہلا اور حقیقی دار العلوم[1] بغداد میں قائم کیا تھا اس میں خصوصیت کے ساتھ شافعی مذہب اور اشعری طریقہ کی تعلیم دی جاتی تھی (تاریخ اسلام ص۱۸۱) اس سے بھی ظاہر ہے کہ عراق میں بھی فقہ جعفری کا نام تک نہیں تھا پھر عثمانی خلافت میں خلیفہ عثمان خان اول (سنہ ۱۲۹۹ء عیسوی) سے لے کر (سن ۱۸۷۶ء عیسوی) سلطان عبد الحمید دوم تک بھی فقہ جعفریہ پر عمل کرنے کا نشان تک نہیں ملتا۔ باوجودیکہ اس اسلامی سلطنت میں تین صدیوں سے زائد وقت تک دنیا کے اکثر ممالک شامل تھے اسکندریہ، یروشلم، دمشق، فلپائن، الجیرز، قاہرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ

---

[1] اس دار العلوم میں بڑے بڑے کام کرنے والے اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں امام الحرمین یوسف ابو المعالی المتوفی سنہ ۴۷۸ھ ابو القاسم العلوی المتوفی سنہ ۴۸۲ھ ابو اسحاق شیرازی المتوفی سنہ ۴۷۶ھ ابو نصر اسباغ المتوفی سنہ ۴۷۷ھ محمد بن ثابت الشافعی المتوفی سنہ ۴۸۳ھ ابو بکر شاشی المتوفی سنہ ۴۸۵ھ ابو عبد اللہ طبری المتوفی سنہ ۴۹۵ھ، ابو محمد عبد الوہاب شیرازی المتوفی سنہ ۵۰۰ھ ابو زکریا یحییٰ خطیب المتوفی سنہ ۵۰۲ھ ابو حامد غزالی المتوفی سنہ ۵۰۵ھ عالی بن محمد عالی النصیبی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ ابو الفتح بن برہان المتوفی سنہ ۵۱۸ھ ابو سعید البزار المتوفی سنہ ۵۲۰ھ، احمد غزالی المتوفی سنہ ۵۲۰ھ، معین الدین سعید بن بزار المتوفی سنہ ۵۳۶ھ بہاؤ الدین شداد المتوفی سنہ ۶۵۶ھ محب بن احمد جوالیقی المتوفی سنہ ۵۳۹ھ ابو سعید

مراکش، بلگریڈ۔ بغداد وغیرہ پر ان کے جھنڈے لہراتے تھے لیکن اس عظیم اسلامی سلطنت خلافت عثمانی میں کسی زمانے میں بھی بحیثیت مذہب فقہ جعفریہ پر عمل نہیں ہوا اور ۹۶۱ء عیسوی سے لے کر ۱۹۶۱ء عیسوی تک غزنوی خاندان کے دور میں پھر شہاب الدین غوری کے دور حکومت میں اور اس کے بعد مغلیہ حکومت کے زمانہ میں جو کہ افغانستان پنجاب ہندوستان اور مغرب میں عراق عجم اور سجستان پر مشتمل تھی کسی جگہ اور کسی وقت بھی فقہ جعفریہ کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے کا ثبوت نہیں ملتا چونکہ صحاح اربعہ کی تکمیل پانچویں صدی کے آخری حصہ میں ہوئی ہے اور فقہ جعفریہ کے اصول اور بنیادی کتب یہی ہیں اور ان کے کتب کے مصنفین کے پاس یہ روایات مختلف راویوں کے ذریعے سے پہنچی ہیں لہذا ان کتب کی صحت اور عدم صحت راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے پر مبنی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) احمد بن ابو بکر المتوفی ۵۵۱ھ شرف الدین یوسف دمشقی المتوفی ۵۶۳ھ رضی الدین قزوینی المتوفی ۵۷۵ھ ابو البرکات انباری المتوفی ۵۷۷ھ ابو النجر اسماعیلی المتوفی ۵۸۱ھ ابو طالب المبارک بن المبارک المتوفی ۵۸۵ھ محی الدین ابو حامد المتوفی ۶۰۶ھ مجد الدین ابو المعالی المتوفی ۶۰۶ھ یحیٰی بن ربیع المتوفی ۶۳۲ھ یحیٰی بن قاسم المتوفی ۶۵۵ھ نجم الدین المتوفی ۶۶۵ھ ابو المناقب زنجانی المتوفی ۶۷۲ھ مجد الدین بن جعفر بن شرف الدین المتوفی ۶۹۱ھ محمد بن المعقولی المتوفی ۸۰۰ھ ماہر قانون نجم الدین المتوفی ۵۸۶ھ عبد اللہ بن بکتاش فیروزآبادی المتوفی ۸۰۰ھ فاضل طب علی بن رضوان المتوفی ۴۶۰ھ ابو الحسن بن علی بن سعادہ المتوفی ۶۱۲ھ مفتی۔

جیسے کہ صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی) کی صحت راویوں کے ثقہ ہونے پر مبنی ہے اسی لیے علماء فن رجال نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن سے راویوں کے صحیح ہونے کا پتہ لگا کر کتب ستہ پر یہ حکم لگایا گیا کہ یہ چھ کتابیں صحیح ہیں اسی طرح فقہ حنفی کی تدوین کرنے والے مجلس شوریٰ کے چالیس اراکین کے ثقہ ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ فقہ حنفی قابل عمل ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی پر ہی زیادہ تر لوگوں نے عمل کیا اور فقہ جعفریہ کے راویوں سے بہت بڑی راوی زرارہ ابو بصیر، محمد بن مسلم اور جابر بن یزید ہیں ان پر خود ائمہ اہل بیت نے لعنت کی ہے اور شیعہ علماء فن رجال نے ان پر اتنی شدید جرح کی ہے کہ ان پر اعتماد تو کیا ان کو تو مسلمانوں کی صف میں شمار کرنا مشکل ہے تمام سے پہلے زرارہ کے چہرے کی وضاحت ملاحظہ کیجئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا لعن اللہ زرارہ ، لعن اللہ زرارہ ، لعن اللہ زرارہ ۔ یعنی حضرت امام جعفر علیہ السلام نے تین مرتبہ کہا اللہ لعنت کرے زرارہ پہ (رجال کشی ص۱۰۰) ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ حکم ایسی جماعت کے حق میں ہے جن کی ضلالت پر صحابہ کا اجماع ہے جیسے کہ زرارہ اور ابو بصیر (حق الیقین ص۲۱۷) یعنی زرارہ اور ابو بصیر، بالاجماع گمراہ ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نعم زرارہ اشر من الیھود والنصارٰی ومن قال ان اللہ ثالث ثلاثۃ۔ (رجال کشی ص۱۵۷) کہ زرارہ تو یہود و نصاریٰ اور تثلیث کے قائلین سے بھی بُرا ہے ابو بصیر کے متعلق بھی پڑھیے، قال جلس ابو بصیر علی باب

عبد اللہ علیہ السلام لیطلب الاذن ولم یوذن له فقال لو کان معنا طبق لاذن قال فجاء کلب فشغر فی وجه ابی بصیر (رجال کشی ص۱۱۱) راوی کہتا ہے کہ ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام کے دروازے پر بیٹھا تھا اندر جانے کی اجازت چاہتا مگر امام اجازت نہیں دے رہے تھے ابو بصیر کہنے لگا اگر میرے پاس تھال ہوتا تو اجازت مل جاتی پھر کتا آیا جس نے ابو بصیر کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ پہلے حق الیقین کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ یہ ابو بصیر گمراہی میں زرارہ کا شریک ہے اور یہ چونکہ اندھا تھا کتے کو نہ دیکھ سکا۔ کتے نے ابو بصیر کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جو امام علیہ السلام کا گستاخ ہے اس کا منہ اس کے قابل ہی ہے کہ کتا اس کے منہ میں پیشاب کرے محمد بن مسلم کے متعلق پڑھیے۔ عن مفضل بن عمر قال سمعت ابا عبد اللہ یقول لعن اللہ محمد بن مسلم کان یقول ان اللہ لا یعلم شیئا حتی یکون (رجال کشی ص۱۱۳) مفضل بن عمر کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرماتے تھے "محمد بن مسلم" پر اللہ کی لعنت ہو یہ کہتا تھا کہ جب تک کوئی چیز موجود نہ ہو جائے اللہ کو اس کے متعلق علم نہیں ہوتا۔ جابر بن یزید جعفی کے متعلق اصحاب فن رجال اہل تشیع لکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرتا تھا۔ حدثنی ابو جعفر بسبعین الف حدیث کہ مجھے امام باقر علیہ السلام نے ستر ہزار حدیث بیان کی ہیں لیکن زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے جابر بن یزید کی احادیث

کے متعلق پوچھا تو فرمایا ما رایت عند ابی قط الا مرة واحدة وما دخل علی قط کہ میرے والد امام باقر علیہ السلام سے صرف ایک مرتبہ ملا اور میرے پاس تو کبھی آیا ہی نہیں (رجال کشی ص۱۲۶) اس سے ظاہر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جابر بن یزید کو سچا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ صرف ایک مرتبہ امام باقر علیہ السلام کے پاس آنے سے امام نے اسے ستر ہزار حدیث یاد کرلیں۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے اور سیاق کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اس کو کاذب سمجھتے تھے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ میرے پاس تو کبھی بھی آیا نہیں اور یہی حالت اس کی پہلے بھی تھی کہ وہ والد صاحب (امام باقر علیہ السلام) کے پاس بھی نہیں آیا کرتا تھا صرف ایک مرتبہ آیا لیکن ایک مرتبہ آنے سے وہ ستر ہزار احادیث کیسے محفوظ کرسکتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ کاذب اور غلط آدمی ہے۔ غرضیکہ جب فقہ جعفری کے بڑے بڑے راوی ائمۂ اہل بیت کے نزدیک ہی ملعون اور کذاب ہیں تو ان کے مروی روایات اور ان سے پیدا شدہ نتائج یعنی فقہ جعفری کیسے قابل اعتماد اور قابل عمل ہوگی اس لیے مسلمانوں نے فقہ جعفری پر کسی زمانہ میں بھی عمل نہیں کیا چونکہ فقہ حنفی اور فقہ جعفری دونوں کی صحت و عدم صحت کا معیار ان کے اصلی روای تھے فقہ حنفی کے راوی چنانچہ وہ چالیس علماء اور ماہرین تھے جن کی تعریف و توصیف ان کے اساتذہ اور ان کے ہم عصر علماء اور اصحاب فن رجال اور بعد میں آنے والے تمام علماء نے بیان کی ہے اور ان کے معتمد علیہ ہونے پر جزم کیا ہے اور کرتے ہیں۔ بخلاف فقہ جعفری کے بنیادی راویوں کے کہ ان کو ائمۂ اہل بیت اطہار نے صرف غیر معتمد علیہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ ان راویوں کو ملعون اور کذاب تک کہہ دیا اور خود شیعہ کے علماء فن رجال نے ان پر اتنی سخت

گرفت کی کہ ان پر اعتماد کرنا یا ان کو ثقہ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں اسلامی حکومتیں فقہ اسلامی یعنی فقہ حنفی بشمول فقہ شافعی و مالکی و حنبلی پر تو عمل کرتے آئے لیکن فقہ جعفری کو کسی وقت کسی زمانے میں بحیثیت مذہب قبول نہیں کیا گیا اور فقہ اسلامی کو ہر زمانہ میں پیش رفت ہوئی ہے اور فقہ جعفری کو آٹھویں صدی ہجری تک تو بالکل پیش رفت نہیں ہوئی البتہ آٹھویں صدی ہجری میں فقہ جعفری کی فقہی طرز پر ایک کتاب لمعہ دمشقیہ شیعہ عالم محمد جمال مکی نے لکھی جس میں وہ ایسا گندہ مواد ہے جس کے بدلے حکومت وقت نے اس کو واجب القتل قرار دے کر قتل کر دیا۔ اور شیعہ نے اس کو شہید اول قرار دیا۔ پھر دسویں صدی ہجری میں ایک اور شیعہ مذہب کے عالم زین الدین بن علی المتوفی ۹۶۶ھ نے لمعہ دمشقیہ کی شرح روضۃ البہیہ لکھی اس کو بھی اس وقت کی اسلامی حکومت نے تختہ دار پر لٹکایا اور شیعہ نے اس کو شہید ثانی قرار دیا یہ تھیں وہ وجوہات جن کی وجہ سے اہل سنت وجماعت نے فقہ حنفی پر عمل کیا اور فقہ جعفری کو ترک کر دیا ہے۔ باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں یہ بات ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ بلکہ شاگرد ہونے کے علاوہ امام جعفر علیہ السلام اور تمام اہلبیت کے ساتھ ابوحنیفہ کو خصوصی عقیدت تھی جس کی بناء پر سن کہولت میں حکومت وقت کی طرف سے امام ابوحنیفہ پر عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترت نبوی کی محبت میں مقام شہادت حاصل کیا اگر فقہ اسلامی کے علاوہ فقہ جعفری ہوتی تو ضرور امام جعفر صادق علیہ السلام ابوحنیفہ

سے کہتے کہ اس کی تدوین کرو اور لوگوں اس پر عمل کرنے کے لیے کہو۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام دین کے امام ہیں مذہب یعنی مسائل اجتہادیہ کے امام نہیں ہیں اور دین اور عقائد میں تقلید نہیں ہوتی تقلید تو مذہب میں ہوتی ہے لہذا امام ابوحنیفہ کی تقلید کی گئی اور آپ کے اجتہادی مسائل یعنی فقہ حنفی پر عمل کیا گیا۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۱۳، دسمبر ۱۹۸۷ء

(۱۳۲) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیویاں کتنی تھیں اور آپ کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں کتنی تھیں کیا امام حنیف علیہ السلام بھی حضرت علی علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اس کا تحریری جواب مطلوب ہے۔ سید عبدالحمید شاہ صاحب مذہباً شافعی برمنگھم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی پہلی بیوی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت علی نے آٹھ نکاح کیے ان ازواج کے نام درج ذیل ہیں۔

۱- ام البنین بنت حرام بن خالد ۔

۲- لیلیٰ بنت مرہ بن عروہ بن مسعود ۔

۳- اسماء بنت عمیس ۔

۴- امامہ بنت ابو العاص بن ربیع ۔

۵- خولہ بنت جعفر بن قیس ۔

۶- ام سعید بنت عروہ ۔

۷- ام حبیبہ بنت ربیعہ ۔

۸- مسماۃ بنت امرأ القیس ۔ آپ کے صاحبزادے اٹھارہ ہیں ۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں ۔

۱- امام حسن ۔	۲- امام حسین
۳- عمر	۴- عباس
۵- جعفر	۶- عبید اللہ
۷- عثمان	۸- عبد اللہ
۹- ابوبکر	۱۰- عون
۱۱- یحییٰ	۱۲- محمد
۱۳- اوسط	۱۴- محمد حنفیہ
۱۵- محمد اکبر	۱۶- عمر اطرف ،
۱۷- محسن	۱۸- عمران

آپ کی صاحبزادیاں بھی اٹھارہ ہیں جن کے اسماء مبارکہ درج ذیل ہیں ۔

۱- حضرت زینب ۔	۲- ام کلثوم
۳- ام ہانی	۴- میمونہ

۵- ام جعفر	۶- زینب صغریٰ
۷- رملہ صغریٰ	۸- فاطمہ
۹- امامہ	۱۰- خدیجہ
۱۱- ام الحسن	۱۲- رملہ کبریٰ
۱۳- ام الکرام	۱۴- رقیہ
۱۵- ام سلمہ	۱۶- جمانہ
۱۷- حارثہ	۱۸- نفیسہ

اس سے ظاہر ہے کہ محمد حنفیہ بھی آپ کے صاحبزادے تھے ۔ محمد حنفیہ (امام حنیف) کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ بن عبید بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدول بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہے ۔ حضرت علی کے اٹھارہ لڑکوں سے پانچ حضرت علی کی زندگی میں انتقال فرما گئے اور بوقت شہادت آپ کے تیرہ صاحبزادے بحیات تھے ۔ ان تیرہ سے سات صاحبزادے میدان کربلا میں شہید ہوئے وہ یہ ہیں ۔

۱- امام حسین ۔	۲- حضرت عباس
۳- جعفر	۴- عثمان
۵- محمد	۶- ابوبکر
۷- عبد اللہ	

باقی چھ شہزادوں سے نسل جاری ہے ۔ وہ یہ ہیں :

۱- امام حسن	۲- امام حسین
۳- محمد بن حنفیہ ، امام حنیف	۴- عباس علمدار

۵- عمر اطرف ، حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے پیچھے بارہ بیٹے

اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں ہیں جن کے اسماء مقدسہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت زید۔ ۲۔ حسن مثنیٰ

۳۔ حسین الاثرم ۴۔ طلحہ

۵۔ اسماعیل ۶۔ حمزہ

۷۔ یعقوب ۸۔ عبداللہ

۹۔ عبدالرحمان ۱۰۔ ابوبکر

۱۱۔ عمر ۱۲۔ قاسم

۱۔ حضرت فاطمہ۔ ۲۔ ام سلمہ

۳۔ ام عبداللہ ۴۔ ام الحسین رملہ

۵۔ ام الحسن۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے چار صاحبزادے تھے۔

۱۔ جعفر ان کی والدہ کا نام قضاعیہ ہے یہ بچپن میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے

۲۔ حضرت علی اکبر ان کی والدہ کا نام ام لیلیٰ ہے یہ کربلا میں شہید ہوئے

۳۔ علی اصغر ان کی والدہ کا نام حضرت رباب ہے کربلا میں شہید ہوئے

۴۔ زین العابدین ان کی والدہ کا نام شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن کسریٰ نوشیروان عادل ہے آپ میدان کربلا میں تشریف لے گئے لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔ امام حسین علیہ السلام کی نسل آپ سے ہی چلی، امام حسین علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں جن کی آگے اولاد ہوئی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت سکینہ ان کا نکاح مصعب بن زبیر کے ساتھ ہوا تھا۔

۲۔ فاطمہ صغریٰ ان کی والدہ کا نام ام اسحاق ہے جو حضرت طلحہ بن عبداللہ کی صاحبزادی ہیں فاطمہ صغریٰ کے بطن اطہر سے تین صاحبزادے ہوئے جو کہ حسنی حسینی سید کہلائے۔

۱۔ عبداللہ المحض، ۲۔ ابراہیم الغمر۔

۳۔ حسن مثلث پھر آگے عبداللہ المحض کے پانچ صاحبزادے تھے۔

۱۔ محمد نفس ذکیہ۔ ۲۔ ابراہیم

۳۔ سلیمان ۴۔ ادریس

۵۔ موسیٰ الجون، اور حضرت موسیٰ الجون کی نسل سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت امام حنیف علیہ السلام محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں چوبیس ہیں جن میں چودہ لڑکے تھے تین سے نسل جاری ہے

۱۔ ابوہاشم ۲۔ جعفر

۳۔ علی، حضرت عباس علمدار علیہ السلام کربلا میں شہید ہوئے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ہیں جن سے آگے نسل چلی ہے، حضرت عمر اطراف علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت محمد ہیں جن سے آگے نسل جاری ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادیوں سے حضرت سیدہ زینب علیہا السلام سے نسل چلی ہے سیدہ زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا ان کے ہاں حضرت عون محمد، عباس پیدا ہوئے اور ایک صاحبزادی حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں حضرت سیدہ زینب کی وفات ۱۵ رجب ۶۲ ہجری میں ہوئی ہے اور آپ کا مزار اقدس مقام زینبیہ میں دمشق کے قریب ہے، بہرکیف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک صاحبزادی اور پانچ صاحبزادوں سے نسل چلی ہے جن میں محمد بن حنفیہ بھی ہیں۔ جب بنو حنیفہ مرتد ہوئے تو خلافت صدیقی میں خالد بن ولید نے حملہ کیا تو یہ حضرت خولہ مال غنیمت

میں آئیں تو ابوبکر نے حضرت امیر علیہ السلام کو دیں بعض روایات میں
کہ حضور نے حضرت علی علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ تم کو اللہ تعالے
لڑکا دے گا اس کا نام میرے نام پر اور اس کی کنیت میری کنیت پر رکھنا
پس حضرت فاطمہ الزہرا علیہا السلام کی وفات کے بعد محمد بن حنفیہ پیدا
ہوئے اور آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی چونکہ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلہ بنو حنیفہ
سے تھا اور حنیفہ کے لقب سے مشہور تھیں لہذا آپ کے صاحبزادے
محمد کو محمد بن حنفیہ کہا جانے لگا۔ آپ بہت بڑے بہادر اور شجاع تھے حضرت
علی کے لشکر کے علمبردار بھی ہوا کرتے اور آپ کی وفات ۸۱ھ ہجری میں
ہوئی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۲۸ رمئی ۱۹۸۷ء

(۳۵) - الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم!

کے بعد عرض ہے کہ سنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے
کعبۃ اللہ کا طواف کیا تھا کیا یہ واقعہ صحیح ہے یا نہ اگر صحیح ہے تو کس کتاب میں
ہے حوالہ کتاب بمعہ صفحہ تحریر فرمائیں اللہ تعالے آپ کو اجر عطا فرمائے۔
نعیم آصف انبر سلی روڈ برمنگھم ۱۳
"یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جس واقعہ کے متعلق پوچھا گیا ہے وہ صحیح ہے۔
علامہ ابوالولید ازرقی المتوفی ۲۲۳ھ تاریخ مکہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ
بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے
ساتھ کشتی میں صرف اسی آدمی تھے وہ کشتی میں ایک سو پچاس دن تک
ٹھہرے رہے، اللہ تعالے نے کشتی کا رخ خانہ کعبہ کی طرف موڑ دیا اور
وہ چالیس دن تک کعبہ شریف کا طواف کرتی رہی پھر اللہ تعالے نے اسے
جودی پہاڑ کی طرف موڑ دیا وہاں جا کر ٹھہر گئی حضرت نوح علیہ السلام نے
کوے کو بھیجا کہ جاؤ زمین کی خبر لے کر آؤ اور وہ جا کر مردار پر گر پڑا اور جلدی
واپس نہ آیا پھر فاختہ کو بھیجا تو وہ زیتون کے پتے لے کر آئی اور اس کے
پاؤں پر مٹی لگی ہوئی تھی حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ کر لیا کہ پانی
خشک ہو گیا ہے۔ پھر آپ جودی پہاڑ کے دامن پر اتر آئے اور وہاں ایک
بستی کی بنیاد رکھی جس کا نام ثمانین رکھا ایک دن اچانک ان لوگوں کی زبانیں
بدل گئیں۔ اسی آدمیوں کی اسی زبانیں ہو گئیں ان میں صرف ایک عربی
بولتا تھا یہ لوگ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے قاصر ہو گئے حضرت نوح
علیہ السلام ایک دوسرے کو مطلب سمجھاتے تھے۔ (اخبار مکہ صد ۵۲)
اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے چالیس
دن متواتر کعبۃ اللہ کا طواف کیا اور یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے
مروی ہے اور یہ صحیح ہے واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ ۵ رجولائی ۱۹۸۷ء

(۳۶) - الاستفتاء

جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کے بعد گزارش ہے کہ یہ تحریر فرمائیں کہ دعا کے شرائط اور آداب کیا ہیں اور دعا کس وقت مانگنی چاہیے کہ قبول ہو اور کس کس مقام میں زیادہ مقبول ہوتی ہے کیا ہر آدمی کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں۔

دعا کا طالب حاجی احسان الحق "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس شیء اکرم عند اللہ من الدعاء کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے جب انسان شکستہ دل ہو جاتا ہے اور مصائب میں گھر جاتا ہے تو اس کی ذات ہی اس کے لیے سکون کے اسباب پیدا کرتی ہے جس وقت انسان اس کے سامنے دست دراز کرتا ہے تو وہی ذات فریاد سنتی ہے دعا کے قبول ہونے کے لیے چند شرائط ہیں:

۱۔ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ انسان حلال روزی کھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ دور دراز سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ بال اس کے پریشان جسم اس کا گرد آلود اس کا کھانا لباس سب حرام کمائی سے ہے اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام ہے وہ لاکھ پکارے اور دعا کرے فانی یستجاب لذالک ایسے حرام خور کی دعا قبول ہونے کے کب لائق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا تھا اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دُعا قبول ہو تو رزق حلال کھایا کرو دعا کی اس عظیم شرط کو جب فراموش کر دیا جائے حلال اور حرام میں فرق کی زحمت گوارا نہ کی جائے اگر دعا قبول نہ ہو تو تعجب کا مقام نہیں بلکہ تعجب اور حیرانگی تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت پر ہے کہ پھر بھی وہ فریادیں سن لیتا ہے وہ اتنی رحمت کرنے والا ہے۔ اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اس ذات سے دعا قبول ہونے کا شکوہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم لگاتار ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں وہ پھر بھی اپنی رحمت اور لطف و کرم کا دروازہ بند نہیں کرتا بلکہ وہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے مجھے شرم آتی ہے کہ تیرے پھیلے ہوئے ہاتھ میری بارگاہ سے خالی واپس جائیں علامہ ابو القاسم عبد الکریم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ فرماتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ شراب حرام ہے۔ اگر ایک آدمی ایک دفعہ شراب پیتا ہے تو چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرماتے کہ مسلمان جب شراب کا پہلا پیالہ پیتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا پیتا ہے تو کراماً کاتبین اس سے بیزار ہو جاتے ہیں اور تیسرے سے عزرائیل اور چوتھے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، پانچویں سے جبرائیل، چھٹے سے میکائیل، ساتویں سے اسرافیل، آٹھویں سے روح فرشتہ نویں سے ملائکہ آسمان دسویں سے ملائکہ زمین گیارہویں سے حاملین عرش، بارہویں سے جنت کے فرشتے

تیرہویں سے ایمان چودھویں سے تمام انبیاء کرام، پندرہویں سے سعید لوگ، سولہویں سے عارفین، سترہویں سے مومن جن اٹھارویں سے ابدال انیسویں سے غوث اور بیسویں پیالہ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات بیزار ہو جاتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات رحیم ہے اس کے لطف و کرم کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے بندے کو بھی کچھ شرم و حیا ہونی چاہیئے کہ وہ بھی حرام خوری سے باز رہے جبھی توبہ کرے گا۔ باز رہے گا۔ اس کی دعا قبول ہو گی۔

۲۔ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب انسان راستباز ہو قول و کردار میں سچا ہو اگر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو چھوڑتا نہیں تو ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی جھوٹ سے انسان کا دل روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے تمام روحانی بیماریاں اسی سے جنم لیتی ہیں جھوٹ انسان کے کمال نوعی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اصلی جرم تو جھوٹ ہی ہے جھوٹ ہی کفر و نفاق تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر انسان جھوٹ کو ترک نہ کرے تو پہلے یہ کم ہوتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ اس کا دائرہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ انسان کی قوت اور اکیہ کو ملیامیٹ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان انسانیت سے ہٹ کر حیوانات اختیار کر لیتا ہے اور جھوٹ کی وجہ سے اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں نفسانی خواہشات کی پیروی اس کا وطیرہ بن جاتا ہے ان خواہشات کی وجہ سے اس میں تمام برائیاں حسد، بغض، کینہ، عداوت، دشمنی، غیبت، دھوکہ بازی فریب کاری وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ، فرماتے ہیں کہ دلوں کی بیماریاں نفسانی خواہشات کی پیروی سے ہی رونما ہوتی ہیں، جنہیں

جسمانی بیماریاں اخلاط کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتی ہیں جس وقت جھوٹ کی وجہ سے انسان کا قلب اور دل بیمار ہو جاتا ہے تو احساس و عقل اور ارادہ جواب دے دیتا ہے دیانتداری اور سچائی ختم ہو جاتی ہے، انقیاد باطن، التزام اطاعت عہد وفاداری، خلوص اور سچائی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ جب ان میں سے کوئی چیز ہی نہ ہو تو عبادت اور دعا کیسے قبول ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اس قبیح فعل سے باز رہنا دعا کی قبولیت کے لیے لازمی شرط ہے جب تک انسان جھوٹ نہیں چھوڑے گا دعا قبول نہیں ہو گی۔

۳۔ جب انسان دعا مانگے تو خلوص نیت کے ساتھ دعا مانگے کیونکہ نیت کی درستگی کو دعا کی قبولیت میں بہت بڑا دخل ہے۔ قرآن پاک میں ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت پورے اخلاص کے ساتھ کرو۔ حدیث پاک میں ہے الدعاء مخ العبادۃ کہ دعا عبادت کا خلاصہ ہے۔ جب عبادت میں اخلاص ضروری ہے تو دعا میں بھی اخلاص ضروری ہے۔ امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ فرماتے ہیں۔ لا یستقیم الایمان الا بالقول ولا یستقیم القول الا بالعمل ولا یستقیم الایمان و القول والعمل الا بالنیة موافقته بالسنة۔ ایمان اقرار زبان کے بغیر درست نہیں اور اقرار عمل صالح کے بغیر درست نہیں، اور ایمان و اقرار اور عمل خلوص نیت کے بغیر درست نہیں کیونکہ حضور کا ارشاد ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ اور دعا بھی ایک عمل ہے۔ جس کے لیے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے۔

لہ دعا کی قبولیت کے لیے جیسے کہ عجز و انکساری لازم ہے۔ اس طرح حسد اور

۴۔ دعا مانگتے وقت دل میں خشوع ہونا چاہیئے، خشوع قلب سے مراد دل کا پست ہونا اور جھکنا ہے خشوع دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کا علم اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے۔ یعنی ذہن حاضر ہو نظریں نیچی ہوں اعضا پرسکون ہوں۔ غرض کہ سارے بدن سے ذلت پستی، مسکنت، عاجزی اور خاکساری کے آثار نمایاں ہوں حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ خشوع دراصل اللہ تعالےٰ کے حضور دلوں کی عاجزی کو کہتے ہیں دل میں اگر خشوع ہوتا ہے۔ تو آدمی ذہن و دماغ کے پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ جس انسان کو خشوع زندگی حاصل

(بقیہ حاشیہ) کینہ سے بھی دل پاک اور صاف رکھنا لازم ہے اگر دل حسد سے پاک نہ ہو تو پھر بھی دعا اور عمل قبول نہیں ہوتا واقعات میں ہے کہ ایک شخص اعمال اور وظائف کی تلاش کرتے کرتے ہندوستان (دہلی) پہنچا وہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا کچھ مدت قیام کیا پھر عرض کی مجھے کسی عمل کی اجازت دیجئے۔ جس سے مشکلات حل ہوں تو آپ نے چند اوراق دیئے جن میں اوراد فتحیہ سے ایک عمل لکھا ہوا تھا تو اس آدمی نے کہا جناب ہمارے علاقہ کاشمیر میں یہ عمل تو عام لوگ پڑھتے ہیں کوئی خاص مشکل حل ہوتی نظر نہیں آتی فرمایا جو لوگ پڑھتے ہیں ان میں حسد اور کینہ تو نہیں ہے عرض کیا بہت فرمایا جس میں یہ بیماری ہو اس کو کوئی عمل اور وظیفہ مفید نہیں ہے (شرح اوراد فتحیہ ص ۱۴) اس سے ظاہر ہے کہ اعمال اور وظائف اور دعائیں تب فائدہ دیتی ہیں جب دل حسد اور کینہ سے پاک ہو ہمارے زمانے کے علماء اور مشائخ اس بیماری میں زیادہ مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ہم تمام کو اپنی حفاظت میں رکھے، منقی۔

ہوتی ہے اسے یقین کامل کی دولت بھی نصیب ہوتی ہے۔ جب یقین کامل کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ تو دعا کے ساتھ ہی قبولیت کے دروازے کھل جاتے ہیں اس وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں دعا مانگتا ہوں تو اس کی قبولیت کا ساتھ ہی امیدوار ہوتا ہوں کیونکہ ان کی زندگی خشوعی اور یقین کامل کے ساتھ وابستہ تھی دعا درحقیقت اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح پر خشوع کی کیفیت ظاہر ہو۔ عجز و نیاز ہو۔ تواضع و انکسار ہو آنکھ زبان، کان دل دماغ اور تمام اعضاء و جوارح پورے طور پر دعا میں لگے ہوں۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ جب دعا مانگے تو درود شریف بھی پڑھے اگر درود شریف نہ پڑھا جائے تو دعا ہرگز قبول نہ ہوگی، امام ترمذی، امام نسائی امام ابوداؤد اپنی اپنی سند کے ساتھ اور علامہ ولی الدین الخطیب المتوفی ۷۴۲ھ فضالہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک صاحب آئے اور نماز پڑھی اور پھر ان الفاظ اللّٰھم اغفر لی وارحمنی کے ساتھ دعا مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے نمازی تم نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو اول اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرو۔ جیسے کہ اس کی شان کے مناسب ہے پھر مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو حضرت فضالہ فرماتے ہیں پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے نماز پڑھی پھر اللہ تعالےٰ کی تعریف بیان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی دعا کر تمہاری دعا قبول کی جائے گی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب دعا مانگنے والا درود پڑھتا

ہے تو دعا قبول ہوتی ہے۔ علامہ شمس الدین سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ فرماتے ہیں کہ دعا کے اول اور آخر درود پاک پڑھا جائے۔ اور دعا کے آداب یہ ہیں۔

۱- باوضوء ہونا۔

۲- قبل دعا دو رکعت نماز پڑھنا۔

۳- حمد و ثنا کرنا۔

۴- دعا تین بار یا پانچ یا سات بار کرنا یا اس سے زائد طاق عدد کے مطابق کرنا۔

۵- گریہ وزاری کے ساتھ آہستہ دعا کرنا۔

۶- گڑگڑا کر مکرر دعا کرنا۔

۷- جیسی حاجت ہو ویسے ہی نام سے التجا کرنا۔

۸- مجلس ذکر الٰہی میں دعا کرنا۔

۹- دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا دعا کے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلی ہوئی ہوں دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو نہ بہت نیچے ہوں نہ بہت اونچے بلکہ کندھے کے مقابل رہیں۔

۱۰- قبولیت کا امیدوار رہنا۔

۱۱- انکساری ظاہر کرنا۔

۱۲- گناہوں سے توبہ کرنے کے بعد دعا کرنا۔

۱۳- دعا کے بعد دونوں ہاتھ منہ پر پھیرنا۔

۱۴- پہلے حقوق العباد ادا کرنا

۱۵- پہلے سخاوت کرنا۔

۱۶- الحمد للہ علی کل حال کہنا۔

۱۷- قبولیت دعا میں تاخیر سے آزردہ خاطر نہ ہونا۔

۱۸- دعا کے وقت قبول کی قوی امید ہونا کیونکہ ناامید لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

۱۹- اپنے مقصد کو بوقت دعا میں خیال میں رکھے کیونکہ خیال کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

۲۰- بہتر ہے کہ صرف اپنے لیے دعا نہ کرے اور مسلمانوں کے لیے بھی دعا کرے۔

۲۱- ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں کہ دعا کے آداب سے یہ بھی ہے کہ دعا کو ربنا کے لفظ سے شروع کرے جیسے کہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

اور چند وقتوں میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

۱- جمعہ کے دن سورج غروب ہوتے وقت۔

۲- بارش کے وقت۔

۳- مرغ کے اذان دینے وقت۔

۴- ہر رات کے اخیری چھٹے حصے میں۔

۵- رمضان میں افطار اور سحری کے وقت۔

۶- قرآن پاک ختم ہوتے وقت۔

۷- اذان کے بعد۔

۸- فرض نمازوں کے بعد۔

۹- شب قدر میں۔

۱۰۔ عاشورہ کے دن
۱۱۔ صبح صادق کے وقت۔
۱۲۔ غروب آفتاب کے وقت۔
۱۳۔ زوال آفتاب کے وقت۔
۱۴۔ خطبہ اور اذان کے درمیان۔
۱۵۔ جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان لیکن یہ دعا دل میں مانگے بلند آواز کے ساتھ نہیں مانگ سکتا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مقتدی زبان سے ہرگز دعا نہ مانگے دل میں مانگے
در المختار میں ہے۔ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا کلام
جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلے تو اس وقت نہ کوئی نماز پڑھے اور نہ کلام کرے اور امام زبان کے ساتھ بھی دعا کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو درمیان میں جب جلسہ فرماتے تو دعا فرماتے جس سے ظاہر ہے کہ امام دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتا ہے لیکن مقتدی نہیں کر سکتا وہ صرف دل میں ہی کرے۔ دعا ہر جگہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ لیکن چند مقامات میں دعا بہت جلدی قبول ہوتی ہے

۱۔ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت۔
۲۔ طواف میں ملتزم کے پاس۔
۳۔ بیر زمزم کے پاس۔
۴۔ زمزم کے پیتے وقت۔
۵۔ صفا پر ۶۔ مروہ پر
۷۔ سعی میں ۸۔ مقام ابراہیم کے پیچھے
۹۔ عرفات ۱۰۔ مزدلفہ۔
۱۱۔ منیٰ میں ۱۲۔ تین جمروں کے پاس
۱۳۔ انبیاء کرام کے مزارات کے پاس۔
۱۴۔ بزرگان دین کے مزارات کے پاس ہر مسلمان کی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں جب کہ شرائط مذکورہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا کی جائے۔

لیکن چند شخصوں کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

۱۔ روزہ دار کی افطار کے وقت۔
۲۔ عادل بادشاہ کی۔
۳۔ مظلوم کی۔
۴۔ مسافر کی۔
۵۔ بیمار کی۔
۶۔ گھر پہنچنے سے پہلے حاجی کی۔
۷۔ مسلمان کی مسلمان کے لیے اس کے پیچھے
۸۔ مجاہد کی۔
۹۔ والدین کی دعا اولاد کے لیے نا جائز اور محال (جو کام نہ ہو سکے) کے لیے دعا کرنا منع ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۲۲/ مئی ۱۹۸۷ء

۱۲۷ الاستفتاء

بخدمت جناب معزز ارکان مفتیان صاحبان سنی حنفی شرعی کونسل یوکے

جناب عالی!

السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے بیس، پچیس مسلمانوں کے جرگے میں مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے کیونکہ اس نے اس لڑکی کو اس کے والدین کی عدم موجودگی میں ورغلا کر نکاح کر لیا تھا بعد میں وہ لڑکی اپنے والدین کے پاس چلی گئی اور اس شخص کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس شخص نے پہلے تو ٹال مٹول کیا مگر بعد میں جرگے کے اصرار پر وہ مان گیا اور کہا کہ آج کے بعد میری بیوی میری ماں بہن کے برابر ہے اس نے دوبارہ پنجابی میں کہا پھر اس کو کہا گیا کہ طلاق لکھ کر بھی دے دے تو پھر وہی جملہ اس نے کہا کہ آج کے بعد یہ میری ماں بہن کے برابر ہے۔ بات ہی ختم ہو گئی ہے لکھ کر دینے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے ان الفاظ پر جرگے والے مطمئن ہو گئے کہ طلاق ہو گئی ہے تحریر کی کیا ضرورت ہے جناب عالی اب وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق لکھ کر نہیں دی تھی لہذا طلاق نہیں ہوئی اور طلاق لکھ کر بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہے بہت سے پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ شرع شریف کی روشنی میں بتائیں کہ کیا اس کے اوپر والے الفاظ کہنے سے طلاق ہو گئی ہے کہ نہیں اور ہوئی ہے تو ایک یا دو یا تین اور کیا اس کی تحریر اور دستخطوں کی ضرورت ہے یا نہیں۔

محمد سعید ۱۹۵ ولمز لورروڈ مانچسٹر ۱۴
"یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب شخص (مذکور بالا) نے یہ کہا کہ آج کے بعد میری بیوی ماں بہن کے برابر ہے اور اس نے یہ تین مرتبہ کہا ہے تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائن ہو گئی ہے جس سے نکاح ختم ہو گیا عزیز الفتاوی میں صریح جزئیہ موجود ہے کہ اگر کہا کہ تو میری ماں بہن کے برابر ہے تو طلاق بائن ہے۔ چونکہ یہ لفظ کنایہ ہے۔ اور کنایات میں دلالت حال میں بلانیت بھی وقوع طلاق کا حکم ہوتا ہے۔ و فی الشامی قولہ لانہ کنایۃ الی ان قال و ینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان فی حال المشاجرۃ و ذکر الطلاق۔ (عزیز الفتاوی، ص ۴۹۳ ج ۱) چونکہ شخص مذکور نے یہ لفظ بوقت مطالبہ طلاق کہے ہیں جب کہ جرگہ نے اس کو کہا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو پھر یہ الفاظ کہ تو میری ماں بہن کے برابر ہے دلالت حال کیوجہ سے بلانیت بھی طلاق بائنہ ہو گی فتاوی رضویہ میں ہے کہ اگر خاوند نے یہ الفاظ بارادہ طلاق کہے تھے تو ظاہر ہے کہ عورت کو طلاق بائن ہوئی اور یہ نکاح سے نکل گئی۔ و فی رد المحتار عن العلامۃ خیر الدین رملی و ینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان فی حالۃ المشاجرۃ و ذکر الطلاق۔ (فتاوی رضویہ ص ۶۳۳) صورت مسئولہ میں اگرچہ اس آدمی نے یہ الفاظ تین

مرتبہ کہے ایں لیکن ایک طلاق بائن ہوگی کیونکہ ایک طلاق بائنہ ہونے کے بعد دوسری اور تیسری بائنہ نہیں ہوتی۔ و الباشن یلحق الصریح لا البائن. (کنز الدقائق ص۳۲۲) اور طلاق بائن صریح سے ملتی ہے۔ نہ کہ بائن سے اگر پہلے طلاق بائنہ دی تو پھر اس کے بعد بائنہ واقع نہ ہوگی۔ لان کل ما بعدہ کنایات بوائن فلا تلحق البائن کہ پہلے بھی کنایہ کے ساتھ طلاق بائنہ دی اور پھر بعد بھی کنایات سے بائنہ دی تو یہ پچھلی بائنہ واقع نہ ہوگی کیونکہ بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی صورت مسئولہ میں چونکہ پہلی طلاق از قبیلہ کنایات بائن ہے۔ لہذا دوسری تیسری بائن نہ ہوگی اس لیے کہ پہلی طلاق بائنہ سے ہی نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ فتاوی عالمگیری ص۳۴۸ میں ہے۔ اما حکمۃ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن درمختار میں ہے۔ انہا تملک نفسہا بالبائن کہ طلاق بائنہ ہونے کے بعد فوراً نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ اور عورت خود مختار ہوجاتی ہے اور طلاق دینے والے کا یہ کہنا کہ میں نے طلاق لکھ کر نہیں دی لہذا طلاق واقع نہیں ہوئی یہ غلط ہے۔ کیونکہ حقیقت میں طلاق کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے ہدایہ میں ہے۔ وعلی ہذا الاصل کل ما یتعلق بالنطق کالطلاق (ہدایہ ص۱۱۹ ج۱) درمختار میں ہے، ادنی الجہر اسماع غیرہ وادنی المخافۃ اسماع نفسہ و یجری ذٰلک فی کل یتعلق بالنطق کتسمیہ و عتاق و طلاق. اس سے ظاہر ہے کہ طلاق کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اگر زبان سے کہ

دیا تو پھر بھی طلاق واقع ہوجائے گی لکھنے کی ضرورت نہیں ہے غرضیکہ اس شخص نے جب یہ کہا کہ آج کے بعد میری بیوی میری ماں بہن کے برابر ہے تو اس سے ایک طلاق بائن ہوگئی۔ نکاح ختم ہوگیا لکھنے کی ضرورت نہیں تھی زبانی کہنے سے ہی طلاق بائن ہوگئی یہ عورت بعد از انقضائے عدت جہاں چاہے شرعاً نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۲۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۱۲۸) الاستفتاء

جناب معزز ارکان سنی حنفی شرعی کونسل "یوکے"

جناب والا میری شادی/۱۹۸۱ء میں ایک مسلمان کریم کمال علی سے مسجد میں ہوئی تھی جس کا سرٹیفکیٹ ارسال خدمت ہے اس سے پہلے ہم دونوں نے مقامی رجسٹریشن دفتر میں شادی رجسٹرڈ کرائی تھی ۱۹۸۶ء میں ہمارا ایک بچہ بھی ہوا اس کے آٹھ ماہ بعد ہماری علیحدگی ہوگئی اور اب تک ہم دوبارہ اکٹھے نہیں ہوئے میرے خاوند میں دو تین برائیاں بہت بڑھ گئی تھیں جن کی وجہ سے میں علیحدگی پہ مجبور ہوئی خاص کر یہ کہ وہ حد سے زیادہ شراب پیتا تھا اور دوسری لڑکیوں سے ناجائز تعلق رکھتا تھا میرے روکنے پر وہ مجھے گالیاں دیتا اور مارنے دوڑتا جناب والا میں نے بہت کوشش کی کہ اس سے یہ برائیاں چھوٹ جائیں اور ہم سکون سے میاں بیوی کی طرح رہ سکیں مگر میری کوششیں ناکام ہوئیں لہذا میں نے عدالت میں

طلاق کا دعویٰ کر دیا جس کا فیصلہ ۷ جولائی ۱۹۸۸ء کو ہو جائے گا چونکہ میں شادی کے وقت بھی عیسائی تھی اور اب بھی عیسائی ہوں لہٰذا مجھے اسلامی طلاق کے بغیر سکون نہیں ہو گا اور دوسرے بھی شاید مطمئن نہ ہوں اس لیے میں اسلامی طلاق کو بھی ضروری سمجھتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ میرے لیے کوئی مشکل ہو جائے خدانخواستہ اگر میں اس کے بعد کسی ایسے شخص سے شادی کرنا چاہوں جس کے نزدیک صرف عدالتی طلاق کافی نہ ہو اور وہ اسلامی طلاق کا بھی تقاضا کرے اور یہ سمجھے کہ میں ابھی تک اسلامی قانون میں کریم کمال علی کے نکاح میں ہوں مجھے اپنے خاوند سے اور کچھ نہیں چاہیئے بچہ پہلے ہی میرے پاس ہے میں نے اپنے خاوند سے طلاق کی بہت درخواست کی لیکن اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ میری بات بھی سن سکے اب میں بھی زیادہ تر اس کے پیچھے نہیں بھاگ سکتی لہٰذا برائے مہربانی فرما کر مجھے طلاق نامہ جاری فرما کر سرخرو کریں۔

از طرف سوزان کمال مانچسٹر "یو کے"

(ترجمہ درخواست)

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں پہلے تو عیسائی عورت جو دار الحرب (برطانیہ وغیرہ) میں رہتی ہے۔ ایسی عورت کے ساتھ مسلمان مرد کو نکاح کرنا گناہ اور منع ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ وتکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ اجماعا لانفتاح باب الفتنۃ من امکان التعلق المستدعی للمقام معہا فی دار الحرب

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ عورت مجوسیہ (آتش پرست) سے نکاح نہیں ہو سکتا اگر کرے گا تو باطل ہو گا یوں ہی نصرانیہ سے ایک قول پر اور اور دوسرے قول پر نصرانیہ سے اگرچہ ہو جائے گا۔ مگر ممنوع وگناہ ہے۔ اسلام میں کسی کو نقصان پہنچانا منع ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ اور اسلام میں نہ ضرر ہے اور نہ ضرار ہے جب اسلام میں کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ تو اسلام مرد کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی منکوحہ بیوی کو خواہ مسلمان ہو یا نصرانیہ نقصان پہنچائے اگر مرد اپنی منکوحہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے۔ تو عورت کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ فسخ نکاح کے لیے شرعی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور قاضی شوہر کو بلا کر کہے کہ تم بیوی کے

---

[1] نکاح کے منعقد ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ رکھی گئی ہے کہ دونوں مرد اور عورت ہم مذہب ہوں کیونکہ نکاح کا تعلق صرف ایک جنسی تعلق ہی نہیں بلکہ ایک پرسکون زندگی ہم آہنگ خاندان اور صالح معاشرے کی بنیاد ہے اگر دونوں کے عقیدے مختلف ہوں گے تو اس کا اثر نا ان کی زندگی پر اور آنے والی نسلوں پر پڑ کر رہے گا اسی لیے ان کا ایمان اور مومنانہ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی عقیدوں کا تضاد ان کی زندگی اور ان کی نسلوں کا تضاد بن جائے گا شخصی افکار و میلانات کا اثر ان کی زندگی پر پڑے گا۔ اور نکاح کے حقیقی مقاصد فوت ہو کر رہ جائیں گے جو طبیعت اتنی حساس اور حقیقت پسند ہو کر ایک ہی مذہب کے افراد کے اسٹیٹس اور عدم کفاءت کا بھی لحاظ رکھتی ہو کہ اس سے بھی خانگی زندگی میں دراڑیں پڑ سکتی ہیں۔ وہ ہم مذہب اور ہم

حقوق ادا کرو ورنہ اس کو طلاق دو اگر مرد نہ حقوق ادا کرتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے۔ تو قاضی نکاح فسخ کر دے اگر شرعی عدالت نہیں اور نہ اسلامی ملک ہے۔ جیسے کہ برطانیہ وغیرہ تو پھر یہاں کے مسلمانوں نے جن علماء کو اپنے شرعی فیصلوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ ان کے ہاں سوزان کمال دعوی کرے کہ میں کریم کمال علی کے پاس نہیں رہنا چاہتی میرا نکاح منسوخ کیا جائے یہ علماء کریم کمال علی کو بلا کر کہیں کہ تمہاری بیوی تمہارے پاس نہیں رہنا چاہتی اس کو تم طلاق دے دو۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو علماء اس نکاح کو فسخ کر دیں فتاوی رضویہ میں ہے اگر خاوند براہ شرارت و اضرار زوجہ کسی صورت میں طلاق نہ دے تو پھر چارہ کار یہ ہے کہ اس شہر میں جو عالم دین وہاں کے سب اہل علم فقہ و علوم دینیہ میں زائد ہو عورت یہاں بطور خود دعوی مذکور پیش کرے عالم موصوف خاوند کو بلا کر اس کے نکاح کو منسوخ کرے اگر خاوند نہ آئے تو عالم موصوف خود اس کے پاس جائے اور اس خاوند سے بات کرے اور اس کو اطلاع دے کہ تمہارا نکاح فسخ

(بقیہ حاشیہ) دین ہونے کی شرط کو کیسے نظر انداز کر سکتی ہے۔ لہذا ضروری ہے جس مرد اور عورت کا باہمی نکاح ہو رہا ہے وہ دونوں مسلمان ہوں۔ شریعت اسلامیہ نے مسلمان مرد کو کتابیہ (یہودی، عیسائی) عورت کے ساتھ صرف نکاح کی اجازت دی ہے۔ پسندیدگی کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا چنانچہ کعب بن مالک نے ایک کتابیہ سے نکاح کرنا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر ان کو منع فرما دیا کہ انہا لا تحصنک یہ تجھے محصن نہیں بنا سکتی یعنی احصان کی اصل روح مودت و محبت پیدا نہ ہوگی حضرت حذیفہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرنا چاہا

کر دیا گیا ہے۔ فی الهندية يذهب بنفسه ويبعث من يحضره ورسول الله صلى الله عليه وسلم فعل كلا النوعين (فتاوی رضویہ ص ۴۹۵) پس اس سے صرف اتنا دریافت کرے کہ عورت اس سے شاکی ہے اس کے بعد عالم موصوف اس عورت کو اختیار دے دے یعنی نکاح منسوخ کر دے اگر عالم موصوف کے ساتھ وہ خاوند ملاقات نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ نہ میں عورت کو رکھوں گا اور نہ طلاق دوں گا اور نہ ہی میں عالم موصوف کے ساتھ ملاقات کروں گا تو پھر عالم موصوف یا شرعی کونسل کے

(بقیہ حاشیہ) تو حضرت عمر نے انہیں لکھا کہ اسے چھوڑ دو حضرت علی اور ابن عمر نے کتابیات سے نکاح کو بصراحت مکروہ فرمایا حضرت علی نے کراہت کی دلیل میں فرمایا لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله۔ مومن ایسے لوگوں سے محبت نہیں کر سکتا جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں اور حب زوجین میں محبت و الفت ہی نہ ہو تو ایسا نکاح کس کام کا اہل اسلام اور اہل کتاب میں بنیادی عقیدوں کے فاصلے اگرچہ کم ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہ احتیاط رکھی گئی ہے۔ کہ صرف مسلمان مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ عورت میں فطری طور پر متاثر ہونے کی صلاحیت زیادہ ہے اور مؤثر ہونے کی کم (اسلامی قانون ص ۲۲) غرضیکہ مسلمان مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح نہ کرنا چاہیے ۔۔۔۔ بالخصوص دار الحرب میں جو کتابیہ عورتیں (یہودی یا عیسائی) ہیں ان سے نکاح ہرگز نہ کرے کیونکہ عقیدے کا اختلاف دار حرب میں ہمارے زمانہ میں مرد کو متاثر کرتا ہے اور اولاد بھی زیادہ تر ماں کے پیچھے چلی جاتی ہے۔

اگلے صفحہ پر

علماء جن کے ہاں عورت نے مقدمہ دیا ہوا ہے ۔ وہ کسی ذریعہ سے خواہ اصالتہً یا وکالتہً خاوند کو مطلع کر دیں کہ تمہارا نکاح فسخ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ قضاء علی الغائب بھی لازم نہ آئے غرضیکہ صورت مسئولہ میں اگر کریم کمال علی نہ سوزان کمال کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے اور سوزان کمال نے سنی حنفی شرعی کونسل کو فسخ نکاح کے لیے درخواست دے رکھی ہے تو سنی حنفی شرعی کونسل کے مفتیان کو چاہیئے کہ کریم کمال علی کو بلا کر کہیں کہ تم اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتے اور یہ تمہاری بیوی تم سے نفرت کرتی ہے اور تم سے ہر طرح سے شاکی ہے تم اس کو طلاق دے دو اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو نکاح فسخ کر دیں ۔ اگر وہ سنی حنفی شرعی کونسل کے ہاں حاضر نہیں ہوتا اور نہ کونسل کے مفتیان سے وہ ملاقات کرتا ہے۔ تو پھر کونسل کے مفتیان کسی ذریعہ سے اصالتہً یا وکالتہً کریم کمال علی کو مطلع کر کے نکاح فسخ کر دیں ۔ اور اس صورت مسئولہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ کریم کمال علی کا نکاح سوزان کے ساتھ باطل ہے جیسے کہ فتاوی رضویہ کے حوالہ سے گذر چکا ہے تو بوقت ضرورت دار حرب میں یہ فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ عورت سوزان کمال بلا طلاق حاصل کیئے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کیونکہ آج کل مسلمان مردوں میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ کتابیہ بیوی کو اپنے عقیدہ سے متاثر کر سکیں بلکہ متاثر کرنے کی بجائے خود متاثر ہو جاتے ہیں لہذا دار الحرب میں مسلمان کی بھلائی اسی میں ہی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح ہرگز نہ کریں۔

(مفتی)

والله ورسوله اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ برطانیہ

علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی نوٹنگھم۔

علامہ احمد نثار بیگ صاحب قادری مانچسٹر

علامہ حافظ فضل احمد صاحب قادری ڈربی

۳۰ ، اکتوبر ۱۹۸۸ء

⑰ الاستفتاء

درخواست برائے فتویٰ انگریزی سے اردو ترجمہ ، معزز ارکان سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

السلام علیکم :

میرا نام عائشہ کاپہ الوندادی ہے ۔ میرے خاوند کا نام علی فاطن محمد صالح الوندادی ہے ۔ ہماری شادی ۸۰ - ۷ - ۱۱ کو ہوئی ۸۱ - ۵ - ۱۰ کو ہمارے ہاں بچی ہوئی جس کا نام ہم نے بنان علی الوندادی رکھا ۔ شروع شروع میں ہم بہت خوشی سے رہے اور ہماری شادی بہت کامیاب محسوس ہوتی تھی میرا خاوند بے روزگار تھا اور میں محنت مزدوری کر کے خاندان کے اخراجات برداشت کرتی رہی بعد میں میرے خاوند کو ابوظہبی میں نوکری مل گئی اور وہ وہاں چلا گیا کچھ ماہ بعد اس نے مجھے وہاں بلا لیا لیکن اس کے خاندان کے افراد ہماری شادی سے خوش نہیں تھے انہوں نے ہم دونوں کو بہت پریشان کیا آخر کار میرے خاوند

نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں واپس انگلینڈ چلی آؤں تاکہ اس کے خاندان والے اس سے راضی ہو جائیں۔ میں نے اس کی بات مان لی میرا خیال تھا کہ سال دو سال میں حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ مگر حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے میں نے ہزار کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح ہمارا گھر آباد ہو مگر جب بھی میں نے خاوند سے رابطہ پیدا کیا اس نے مجھے آباد کرنے سے ٹال دیا خرچہ بھی نہیں دیتا تھا بلکہ کہتا تھا محنت مزدوری کر لو اور اپنا خرچ نکالو اب وہ چند ماہ ہوئے انگلینڈ آیا اور بچی سے ملنے بھی آیا مگر اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیا آخر تنگ آکر میں نے اسے کہا کہ نہیں رکھتے تو مجھے طلاق دے دو تو اس نے جواب میں کہا اچھا اگر یہی چاہتی ہو تو تم جیسے چاہتی ہو کر لو دوسرے دن پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے کہا کہ امام صاحب کے پاس چلیں اس نے کہا کہ امام کے پاس میرا کیا کام ہے تمہیں طلاق چاہیئے تم امام کے پاس جاؤ جناب عالی میں اب بہت مجبور ہو چکی ہوں میں طلاق لینا چاہتی ہوں براہ مہربانی فقہ اسلامی کی روشنی میں بتائیے کہ اس کے ایسے کہنے سے مجھے طلاق کا اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ نہیں۔

از طرف عائشہ کابرالونداوی مکان ۱۳
ایشٹری روڈ کرمسیل مانچسٹر یوکے

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں علی فاطمی محمد صالح کا اپنی بیوی عائشہ کابرالونداوی کو یہ کہنا "اچھا اگر تم یہ چاہتی ہو تو جیسے چاہتی ہو کر لو" ان الفاظ سے بوقت مذاکرہ طلاق عائشہ کابر پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے جس سے نکاح ختم ہو گیا ہے کیونکہ مذکورہ الفاظ کنایات سے ہیں اور کنایہ سے طلاق ان واقع ہوتی ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا حالات بتاتے ہوں کہ طلاق مراد ہے۔ یعنی پہلے طلاق کا ذکر تھا یا کنایہ کا لفظ غصہ میں بولا اور کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہوتے ہیں در مختار میں ہے۔ والکنایات ثلاث ما یحتمل الرد او ما یصلح السب اولا ولا فنحو اخرجی واذهبی یحتمل ردا ونحو خلیة وبریة یصلح سبا ونحو اعتدی انت حرة لا یحتمل السب والرد۔ مختصر الوقایة میں ہے واما القسم الاخیر وهو ما لا یصلح ردا ولا سبا یقع به الطلاق وان لم ینو واعتقتك مثل انت حرة کما فی الفتح والحالة کما تری حالة الغضب فلا یفهم فی الحکم الا الطلاق ردالمحتار میں ہے الحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا و الغضب والمذاکرة والثانی فی حالة الرضا و الغضب فقط ویقع فی حالة المذاکرة والغضب بلا نیة (ہدایہ صہ ۳۷۲، کنز الدقائق صہ ۳۲۱، در مختار صہ ۳۰، ردالمحتار صہ ۳۰۱، فتاوی عالمگیریہ صہ ۴۳۶ ج ۲) یعنی بعض میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے اور بعض میں گالی دینے کا احتمال ہے اور بعض میں یہ دونوں نہیں ہوتے بلکہ جواب ... (طلب طلاق) کے لیے متعین ہیں اگر رد کا احتمال ہے

تو ہر حالت میں نیت کی ضرورت ہے بغیر نیت کے طلاق نہیں ہوتی اور جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اگر طلاق کا پہلے ذکر تھا تو نیت ضروری نہیں ہے اور تیسری صورت میں یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب اور ذکر طلاق کے وقت بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۴۵۸ میں ہے: اگر مرد نے عورت کو کہا تجھ کو اختیار اپنا جو چاہو سو کر اس صورت حالت مذاکرہ میں نیت طلاق کی ضرورت نہیں بلا نیت ہی طلاق بائن ہو جائے گی غرض کہ علی فاطن محمد صالح کا عائشہ کا بانو کو یہ کہنا اگر تم یہی چاہتی ہو تو جیسے چاہتی ہو کر لو ان لفظوں سے طلاق بائن ہو گی کیونکہ پہلے ذکر طلاق ہے۔ چنانچہ یہاں علی فاطن محمد صالح کی نیت بھی ضروری نہیں ہے طلاق بائن ہو جائے گی جس سے نکاح ختم ہو گیا۔ عائشہ کا بہ بعد از انقضائے عدت اپنی مرضی سے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۱۱ر نومبر ۱۹۸۸ء

⑳ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لڑکے کے لیے ایک جگہ سے رشتہ مانگا جس سے رشتہ مانگا زید کا ان سے جھگڑا ہو گیا زید نے کہا اگر میں ان سے یہ لڑکی لاؤں اپنے لڑکے کے لیے

تو اپنی ماں کو لاؤں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اپنے لڑکے کے لیے وہ لڑکی لا سکتا ہے یا نہ اگر لائے تو اس پر کوئی شرعی کفارہ وغیرہ ہے یا نہ۔

سہیل احمد برمنگھم "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں زید کے یہ الفاظ کہ اگر میں یہ لڑکی لاؤں اپنے لڑکے کے لیے تو اپنی ماں کو لاؤں) بے ہودہ ہیں قرآن پاک میں ہے۔ ان امھاتھم الا اللائی ولدنھم کہ ائیں تو وہ ہوتی ہیں جو کہ انسان کو جنم دیں یہ لڑکی جس کے متعلق زید نے مذکورہ بالا الفاظ استعمال کیے ہیں زید کی ماں نہیں ہے ماں تو وہ ہے جس نے زید کو جنا ہے۔ یہ زید کے الفاظ شرعاً بیہودہ اور بے مقصد ہیں ان الفاظ کا شرعی طور پر لڑکے اور لڑکی کے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا لہذا لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے اور والد زید اپنے لڑکے کے لیے اس لڑکی کو بیاہ کر لا سکتا ہے۔ اور زید پر شرعاً کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے۔ البتہ زید کو آئندہ کے لیے ایسے بے ہودہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیں۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۱۱ر دسمبر ۱۹۸۸ء

الاستفتاء (١٤١)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ باندھے رہنے چاہئیں یا ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں اس کا جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

جناب راجہ گلفراز صاحب قادری ناظم اعلیٰ
دارالعلوم قادریہ جیلانیہ والتھم سٹو لندن
"یوکے"

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں چوتھی تکبیر کہنے کے بعد دونوں ہاتھ کھول دینے چاہئیں پھر دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیئے۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقیٰ ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین خلاصۃ الفتاوی ص۲۲۵ ج ۱) صحیح یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے والا دونوں ہاتھ چوتھی تکبیر کے بعد کھول دے پھر دونوں طرف سلام پھیرے ہاتھ وہاں باندھے جاتے ہیں جہاں ذکر یعنی کچھ پڑھا جائے اسی لیے حالت ثنا (سبحانک اللھم اور قنوت اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ عزیز الفتاوی ص۳۲۹ ج ۱، میں بحوالہ درمختار

وھو سنۃ قیام لہ قرار فیہ ذکر مسنون فیضع حالۃ الثناء و فی القنوت وتکبیرات الجنازۃ

چونکہ چوتھی تکبیر کے بعد پڑھنا نہیں ہے لہذا ہاتھ چھوڑ دے۔ اور پھر دونوں طرف سلام کہے فتاوی رضویہ ص۸۲ ج ۴، میں ہے۔ ہاتھ باندھنا سنت اس قیام کی ہے جس کے لیے قرار ہو اور سلام وقت خروج ہے۔ اور اس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ کھول دینے چاہئیں اور پھر دونوں طرف سلام پھیرا جائے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۴ ؍ اپریل ۱۹۸۸ء

الاستفتا (١٤٢)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ اگر نماز تراویح چار چار رکعت کر کے پڑھی جائیں تو پہلے تشہد (التحیات) پڑھنے کے بعد درود شریف بھی پڑھا جائے یا صرف عبدہ ورسولہ، تک پڑھ کر تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو جانا چاہیئے اور جب تیسری رکعت شروع کی جائے۔ تو ثنا سے شروع کرے یا الحمد سے شروع کرے جو حکم شرعی ہو وہ تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

فدوی محمد جمیل احمد قادری سمال ہیتھ برمنگھم ۱۰
"یوکے"

الجواب هوالموفق للصدق والصواب

نماز تراویح سنت مؤکدہ اور اس کی جماعت سنت کفایہ ہے التراویح
سنة للرجال والنساء وصلواتها بالجماعة سنة كفاية
نماز تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور یہ نماز
جماعت کے ساتھ سنت کفایہ ہے چونکہ اصل نماز تراویح سنت
عین ہے لہذا اگر کسی نے اس کو ترک کر دیا تو مکروہ تحریمی ہے اور
جماعت میں سنت کفایہ ہے اگر تمام نے جماعت کو ترک کر دیا تو
تمام ہی گنہگار ہونگے بہتر یہ ہے کہ نماز تراویح دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے
اگر چار چار رکعت کر کے پڑھیں تو پھر پہلے تشہد میں بھی عبدہ ورسولہ
کے بعد درود شریف پڑھیں اور جب تیسری رکعت کی طرف کھڑے
ہوں تو ثنا اور تعوذ بھی پڑھیں اور جو سنتیں مؤکدہ ہیں مثلاً ظہر اور جمعہ
کے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں ان میں پہلا تشہد عبدہ ورسولہ
تک پڑھا جائے اور جب تیسری رکعت شروع کرے تو ثنا اور تعوذ
سے شروع نہ کرے بلکہ بسم اللہ پڑھ کر الحمد سے شروع کرے۔
يقتصر في الجلوس الاول من الرباعية المؤكدة
على التشهد ولا يأتي في الثالثة بدعاء
الاستفتاح بخلاف المندوبة ويأتي
الامام والقوم بالثناء في كل شفع ويزيد
على التشهد الا يمل القوم فيأتي بالصلوات
(نور الایضاح ص ۲۰۳، غایۃ الاوطار ص ۳۲۶، بحر الرائق ص ۶۹، کبیری
ص ۳۸۹، شامی ص ۶۶۳، فتح القدیر ص ۴۰۶، طحطاوی ص ۲۴۹) ظہر کی پہلی چار
سنتیں اور جمعہ کی پہلی چار سنتیں اور جمعہ کے بعد چار سنتیں چھوڑ کر باقی
تمام نوافل اور سنتیں اگر چار چار رکعت کر کے پڑھی جائیں تو پہلے التحیات
میں عبدہ ورسولہ کے بعد درود پاک بھی پڑھا جائے اور جب تیسری
رکعت پڑھنے لگے تو تیسری رکعت کو ثنا سے شروع کرے اور نماز
تراویح اگر چار چار رکعتیں کر کے پڑھی جائیں تو پہلے التحیات میں عبدہ
ورسولہ کے بعد درود شریف بھی پڑھا جائے اور جب تیسری رکعت شروع
کرے تو ثنا (سبحانک اللھم) تعوذ (اعوذ باللہ) بھی پڑھے
اور پھر آخری تشہد میں بھی درود پڑھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تراویح کی
نماز دو رکعت کے اعتبار سے پڑھتا ہے تو پھر بھی تشہد میں درود پاک
پڑھے۔ ولا يترك الصلوة على النبي صلى الله
عليه وآله وسلم في تشهد منها۔
(اگر چار رکعت کر کے پڑھتا ہے تو پھر بھی پہلے التحیات اور آخری التحیات
دونوں میں درود پڑھے درود پاک نہ چھوڑے)

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ یوکے

۷ مارچ ۱۹۸۷ء

(۱۴۳) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک آدمی نماز مغرب
میں امام کے ساتھ تیسری رکعت میں شریک ہوا امام کے سلام بعد

اس کی جو دو رکعتیں باقی ہیں وہ کس طرح ادا کرے ۔

فدوی محمد جمیل احمد قادری سمال ہیتھ برمنگھم ۱۰

" یو کے "

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں اس نمازی کو چاہیئے کہ امام کے سلام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر التحیات بیٹھے اور عبدہ ورسولہ تک پڑھ کر تیسری رکعت پڑھے ۔ پھر آخری التحیات بیٹھے اور نماز مکمل کر کے سلام پھیرے فتاوی رشیدیہ صـ۳۴۴ میں ہے بعد سلام امام کے مقتدی کھڑا ہو کر الحمد سے سورت ملا کر رکعت پوری کرے اور اس میں التحیات پڑھے درود نہ پڑھے ۔ پوری رکعت میں الحمد سورت کے ساتھ پڑھ کر التحیات مع درود پڑھے پھر سلام پھیرے ۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ " یو کے "

۵ ، جون ۱۹۸۸ء

(۱۴۴) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب ؛

السلام علیکم ؛

کے بعد گزارش ہے کہ آپ نے فتاوی جامعہ غنیہ حصہ دوم صـ۲۳ میں جمعہ کے شرائط میں لکھا ہے کہ جمعہ مسلمان بادشاہ قائم کرے ۔ یا اس کا نائب جسے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہو اب دریافت طلب امر یہ ہے ۔ کہ برطانیہ میں تمام مسلمان ہر شہر اور ہر ٹاؤن میں جمعہ پڑھتے ہیں یہاں تو نہ مسلمان بادشاہ ہے اور نہ اس کا نائب جو جمعہ قائم کرے ۔ اس کا جواب مطلوب ہے ۔

سائل

محمد انور سمرول روڈ برمنگھم ۱۰

" یو کے "

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

ہم نے فتاوی جامعہ غنیہ حصہ دوم صـ۲۳ میں جو لکھا ہے کہ جمعہ بادشاہ اسلام یا اس کا نائب قائم کرے یہ اسلامی حکومت کے متعلق ہے اگر دار حرب یا غیر اسلامی حکومت ہو تو پھر مسلمانوں کے مذہبی امور مثلاً جمعہ و عیدین کا قیام و رؤیت ہلال اور فسخ نکاح وغیرہ کے لیے امیر ہونا چاہیئے جس کا انتخاب وہاں کے مسلمان کریں پھر یہ امیر قاضی یا حاکم شرعی کے قائم مقام ہو گا یہ امیر صرف نام کا قاضی نہیں ہو گا بلکہ اس کا فیصلہ شرعاً معتبر اور نافذ ہو گا اسلام میں امام کا تعین واجب ترین امر ہے کیونکہ اسلام انفرادیت کو ناپسند اور اجتماعیت کو پسند کرتا ہے حدیث میں ہے ۔ یا معشر العریب الارض الارض انه لا اسلام الا بجماعته و لا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة ۔ (سنن ، دارمی) اے اہل عرب زمین پر فساد سے بچو بلاشبہ اسلام بلاجماعت

کے نہیں ہے اور جماعت بلا امیر کے نہیں ہے اور امیر بلا اطاعت کے نہیں ہے۔ در مختار صـ۴۰۲ ج میں ہے۔ ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات صلى الله عليه وسلم تقرر امام واجبات میں سب سے زیادہ اہم ہے اسی وجہ سے حضرات صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن مبارک پر اس کو مقدم کیا شرح عقائد میں ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے نفاذ اور جمعہ وعیدین کو قائم کرنے کے لیے امام کو ضرور مقرر کریں حقیقت یہ ہے کہ معاملات اور عبادات میں بغیر تقرر امام کے کوئی چارہ نہیں ہے چنانچہ کتب حدیث میں کافی احادیث موجود ہیں جن میں مسئلہ امامت کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اس ضرورت کے پیش دار الحرب یا دار الکفر یا غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے امام کا تقرر ضروری ہے۔ رد المحتار صـ۲۶۱ ج ۲ میں ہے۔ اما فى بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ـــــ لیکن ان شہروں میں جن میں غیر مسلم حاکم ہیں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین قائم کرنا جائز ہیں اور وہاں مسلمانوں کا آپس میں کسی کو قاضی مقرر کر لینا ہی کافی ہوگا اور وہ قاضی حاکم شرعی کے حکم میں شمار ہوگا۔ عمدۃ الرعایہ صـ۳۰۹ میں ہے۔ العالم الثقة فى بلدة لا حاكم فيه قائم مقام وہ ثقہ اور معتبر عالم کہ جس شہر میں حاکم شرعی نہ ہو اس کے قائم مقام ہے، اس عالم کے اوصاف سے یہ بھی ہے۔ ان يكون عدلا عفيفا عالما بالسنة

وبطريق من كان قبله من القضاة۔ (فتح القدیر) عادل پاکباز عالم اسے اپنے سے پہلے حاکموں کے فیصلے اور طریق کار سے واقف ہو، غلبہ کفار کی دشواریوں کو محسوس کرتے ہوئے سلطان عبد الحمید نے ۹۴۵ ہجری میں ایک حکم صادر فرمایا تھا جس کو فقہا نے قیام جمعہ وعیدین وغیرہ کے لیے معیار قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے وفى مجمع الانهر انه جائز مطلقا فى زماننا لانه وقع فى تاريخ خمس واربعين وتسع مائة اذن عام وعليه الفتوى (درمختار صـ۵۹۲ ج ۱) یعنی دار کفر میں غلبہ کفار کو شرعی امور کے قیام کے لیے مانع نہیں سمجھنا چاہیے خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیر اسلامی حکومت میں اگر مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود پر امن رہتے ہوں اور ان کی عبادت گاہیں اور مساجد محفوظ ہوں اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہوں۔ اور ان کو اس ملک میں شہری حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنے شعائر اسلامیہ اور فرائض بلا روک ٹوک ادا کر سکتے ہوں تو ان حالات میں تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر چاہیے کہ اس ملک میں جو علماء ہیں ان میں سے جو علم وفضل میں زیادہ ہو اس کو امیر مقرر کر لیں تاکہ وہ ان کے تمام شرعی معاملات کے فیصلے کرے اور یہ امیر شرعی حاکم کے قائم مقام ہوگا۔ اس کا ہر فیصلہ جو شریعت کے مطابق ہوگا وہ نافذ العمل ہوگا۔ چنانچہ یورپ اور برطانیہ میں اگرچہ اسلامی حکومت نہیں ہے لیکن پھر بھی اس مقرر کردہ قاضی عالم دین کے حکم پر یہاں کے مسلمان باشندے نماز جمعہ وعیدین پڑھ سکتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر امور شرعیہ میں بھی اس کے فیصلے معتبر سمجھے

جائیں گے۔

والله ورسولہٗ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۱ ر جنوری ۱۹۸۷ء

۲۵- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اسلام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص مسمی زید نے اپنی لڑکی کا نکاح مسمی بکر سے کر دیا تقریباً دس ماہ تک دونوں میاں بیوی کے طور پر ازدواجی زندگی گذارتے رہے بعدازیں لڑکی نے اپنے خاوند بکر کے ساتھ ازدواجی زندگی گذارنے سے انکار کر دیا جس پر مسمی بکر بغیر طلاق دیئے پاکستان چلا گیا لڑکی کے باپ زید نے بکر سے بغیر طلاق لیے ایک دوسری جگہ "یو کے" میں ہی نکاح کر دیا کیا یہ نکاح شریعت اسلامیہ کے رو سے جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر یہ موجودہ نکاح اسلام کے رو سے ناجائز ہے تو نکاح پڑھانے والے نکاح کرا دینے والے اور اس نکاح میں موجود بطور گواہ بیٹھنے والوں لڑکی کے والد وغیرہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ کیا یہ مذکورہ بالا افراد مسلمانوں کی نمازوں دیگر تقریبات ومجالس میں شمولیت کر سکتے ہیں اور مسلمان ان سے میل ملاپ رکھ سکتے ہیں۔ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ کو حل فرمائیں تاکہ "یو کے" میں رہنے والے مسلمان اسلام کی شریعت کے مطابق اپنا رہن سہن قائم رکھ سکیں۔ اور لڑکی کا نکاح جو بکر کے ساتھ تھا اس کی نقل اور بکر کا حلفی بیان بھی ساتھ منسلک ہے۔ شرعی جواب (فتوی) عنایت فرما کر مشکور فرمائیں

فقط والسلام
راجہ عبدالقیوم "یو کے"

الجواب هوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں استفتاء، نکاح نامہ اور حلفی بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عورت (لڑکی) بحال سابق بکر کی منکوحہ بیوی ہے اور اس عورت کا اپنے خاوند بکر کے متعلق فوت ہونے کا بیان صریح غلط ہے جب یہ عورت بکر کی منکوحہ بیوی ہے تو پھر اس کا آگے نکاح جو کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوا قرآن پاک میں ہے۔ والمحصنٰت من النساء پ۵ کہ حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں یعنی جن عورتوں کے پہلے نکاح ہو چکے ہیں اور ان کے خاوند موجود ہیں وہ دوسرے مردوں کے لیے حرام ہیں جب اس عورت کا بکر کے ساتھ پہلے نکاح تھا تو بکر سے بلا طلاق لیے آگے کسی کے ساتھ جو نکاح کیا گیا ہے وہ شرعاً منعقد نہیں ہوا دوسرے آدمی نے بحیثیت مسلمان ہونے کے نہایت قبیح اور سنگین جرم کیا ہے۔ کہ بکر کی بیوی کو اپنی ناجائز بیوی بنا کر اپنے گھر رکھا ہے حدیث پاک میں ہے۔ لیس منا من خبب امراۃ علی زوجها۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کو اس کے خاوند سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد) نسائی حاکم، ابن حبان طبرانی) فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جب کسی عورت کو اس کے خاوند سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو معاذ اللہ عورت کو خاوند

سے جدا کر کے اس کو اپنے نکاح میں لینا کتنا شدید و خبیث ظلم ہے کہ دوسرے کی بیوی کو بلا طلاق لیے اپنی ناجائز بیوی بنانا یہ نکاح نہیں ہے بلکہ زنا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء۔ کہ شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ عزیز الفتاویٰ صـ ۶۶۳ میں ہے دوسرے کی منکوحہ کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کرنا حرام ہے۔ اور نکاح ثانی باطل اور وطی کو زنا موجب حد قرار دیا ہے فتاویٰ رشیدیہ صـ ۴۷۵ میں ہے اگر کسی نے غیر کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا تو پہلا نکاح ہی صحیح ہے اور دوسرا نکاح پر جو نکاح کیا گیا ہے وہ باطل اور زنا ہے۔ لاعدۃ لو تزوج امرأۃ الغیر و وطیھا عالما بذلک و منھا یحد مع العلم بالحرمۃ وانہ زنا والمزنی بھا لا تحرم علی زوجھا ردالمحتار میں ہے اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل بجوازہ فلم ینعقد اصلا ای ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کہ دوسرے کو منکوحہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اگر کسی نے کیا تو وہ منعقد نہیں ہوگا۔ اگر اس سے بعد از نکاح مباشرت و جماع کرے گا تو اس پہ حد زنا جاری ہوگی جب اس عورت کا نکاح دوسرے ناجائز خاوند کے ساتھ شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا تو اب اس مرد کو چاہیئے وہ اس عورت کو اپنے سے جدا کر دے اور عورت پر

فرض ہے وہ اس مرد سے جدا ہو جائے اور اپنے خاوند بکر کے پاس جائے کیونکہ یہ بدستور سابق بکر کے نکاح میں ہے اور اس مرد کے لیے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو بلا طلاق حاصل کرے اپنی ناجائز بیوی بنا کر رکھے اس مرد اور عورت کو خدا تعالےٰ کے قہر و غضب سے ڈرنا چاہیئے اور اس فعل حرام اور گناہ کبیرہ سے باز آنا چاہیئے اور فوراً ان کو ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہیئے اگر یہ دونوں جدا نہیں ہوتے تو دیگر مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان سے قطع تعلقات کریں اور ان کو اپنی برادری سے خارج کر دیں اور ان سے سلام و کلام ترک کر دیں نہ ان کے پاس بیٹھیں اور نہ ان کو اپنے پاس بیٹھنے دیں قرآن پاک میں ہے۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ کہ تم ظالموں کے پاس ہرگز نہ بیٹھو اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کی بیوی کو انسان اپنی ناجائز بیوی بنا کر اپنے گھر رکھے فتاویٰ رضویہ صـ ۲۳۶ میں ہے کہ یہاں (غیر مسلم حکومت میں) ترک تعلقات کے سوا کوئی سزا جاری نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہاں کوئی حد و تعزیر جاری ہو سکتی ہے لہٰذا اسی قدر کریں کہ جب تک وہ مجمع عام میں توبہ نہ کریں اور صاف صاف اس حرکت قبیحہ سے باز نہ آئیں۔ اس وقت مسلمان ان سے ملنا جلنا ان کے پاس بیٹھنا ان کی شادی بیاہ میں شریک ہونا یا اپنی شادی بیاہ میں ان کو شریک کرنا یکدم چھوڑ دیں فتاویٰ رضویہ کے ایک دوسرے مقام میں ہے کہ جب تک اس عورت کو نکال نہ دے اور علانیہ توبہ نہ کرے برادری میں ہرگز نہ ملایا جائے

الفتاوی صـ۶۱ـ میں ہے ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ ترک مجالست مواکلت ومشاربت لازم ہے اور برادری کو چاہیئے کہ اس سے ملنا جلنا کھانا پینا ترک کردیں اور اگر ترک نہیں کرتے تو تمام گنہ گار ہوں گے غرض کہ اس عورت کو ناجائز مرد سے جدا ہو جانا چاہیئے اور دونوں گناہ کبیرہ سے توبہ کریں بلکہ اس عورت کے والد اور جس نے نکاح پڑھایا ہے یا جو لوگ بطور گواہ اس نکاح میں موجود تھے ان تمام لازم ہے کہ بہ علانیہ توبہ کریں اور اللہ تعالٰے سے معافی مانگیں اگر یہ مرد اس عورت کو گھر سے نہیں نکالتا اور نہ ہی اس سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اس عورت کا والد اور گواہ توبہ نہیں کرتے تو ان کو بھی برادری سے خارج کر دیا جائے اور ان سے روابط اور تعلقات منقطع کرلیے جائیں اور جو مسلمان ان سے تعلقات ختم نہ کریں گے وہ تمام ہی ان کے ساتھ برابر گناہ میں شریک ہوں گے فتاوی رشیدیہ صـ۱۶۹ـ میں ہے کہ ایسے آدمی سے بچیں کہ حدیث پاک میں ہے ۔ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ولیس وراء حبۃ خردل من ایمان

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے برائی کو دیکھا اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر اپنی زبان سے اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے قلب (دل) سے اس کے بعد تو رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کو منع کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہ اس کو برا سمجھتے ہوئے منع

نہیں کرتا تو وہ بھی مداہن اور فاسق ہے اور گناہ میں گناہ کرنے والے کے ساتھ برابر کا شریک ہے لہذا یہ عورت اور یہ مرد اس عورت کا والد اور جو اس ناجائز نکاح میں شریک ہوئے تمام توبہ کریں قرآن پاک میں ہے ۔ انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم۔ وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں اور توبہ ہی ایک ایسی چیز ہے ۔ جو بڑے سے بڑے گناہ کو مٹا دیتی ہے ۔ اگر یہ مرد اس عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالتا اور نہ یہ توبہ کرتے ہیں تو ان کو برادری سے الگ کر دینا چاہیئے ۔ اور ان سے مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیئے ۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یو کے"

۱۴؍ اکتوبر ۱۹۸۹ء

۔ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے بارے میں ۔

۱۔ یہ کہ میں نے مورخہ ۴۸/۲/۴ کو اسلامی اور ۴۸/۳/۷ کو اس ملک کے قانون کے مطابق عدالتی عقد، مسٹر غلام جیلانی ولد محمد شریف کے ساتھ پڑھوا کر اس کے گھر میں رہائش اختیار کرلی ۔

۲۔ یہ کہ خاوند مذکور نے لڑائی جھگڑا کر کے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا و نیز نان و نفقہ دینے سے انکار کر دیا۔

۳۔ یہ کہ مذکور غلام جیلانی نے حکومت برطانیہ کے قانون کے مطابق عدالت میں دعویٰ دائر کر کے مورخہ ۲۸/۱/۸۸ کو طلاق حاصل کر لی جس حکم کی ایک فوٹو کاپی لف ہذا ہے۔ و نیز اسلامی طلاق دینے سے انکار کر دیا۔

۴۔ یہ کہ حق مہر جو مبلغ ۱۵۰/ پونڈ تھا بھی ادا کرنے سے انکار کر دیا شرع محمدیہ کے مطابق میں ایک آزاد عورت ہوں اور نکاح کر سکتی ہو جب کہ سابق خاوند نے مجھے اسلامی طرز پر طلاق نہیں دی بلکہ عدالتی دعویٰ سے مجھ کو طلاق دی ہے۔

سائلہ

ندیم کوثر ولد محمد اسلم نارتھ ڈاون روڈ
این سلی اسٹیٹ ہاؤس ۱۱
نوٹنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

مذہب اسلام میں عورت پر طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب مرد طلاق دے قرآن پاک میں ہے۔ و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف کہ جب تم دو طلاق عورتوں کو پس پہنچ جائیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں ساتھ بھلائی کے یا چھوڑ دو انہیں ساتھ بھلائی کے اس سے ظاہر ہے کہ طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہے و اذا طلقتم النساء کہ جب تم مرد طلاق دو عورتوں کو یہاں طلاق کا فاعل مرد کو قرار دیا ہے اور مفعول عورت کو لہذا اگر مرد طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی حدیث پاک میں ہے۔ عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ایما امراۃ سالت زوجھا طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ (ابو داؤد، (ص ۳۰۳ ج ۱) ترمذی ص ۱۵۲ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۳۱۶ مشکوۃ ص ۱۰۷ حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت بغیر کسی وجہ سے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ عورت کا مرد سے طلاق کا سوال کرنا اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ طلاق کا مالک مرد ہے۔ جس سے عورت طلاق مانگ رہی ہے۔ ورنہ مرد سے سوال کرنے کا کیا مطلب ہے اور حدیث پاک میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق (ابن ماجہ ص ۱۵۲ یعنی طلاق کا مالک وہ ہے جو پنڈلی پکڑتا ہے یعنی جو عورت کے ساتھ مباشرت کرتا ہے۔ عزیز الفتاویٰ ص ۵۲۳ میں ہے کہ اختیار طلاق کا شوہر کو ہے کما ورد فی الحدیث الطلاق لمن اخذ بالساق اور فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے۔ جب شریعت اسلامیہ نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو دیا ہے تو مرد نے اگر طلاق اسلامی طرز پر دی یا انگلش کورٹ میں دی یا کورٹ میں ایسے

مضمون پر دستخط کیے جس سے طلاق کا معنے سمجھا جاتا ہے تو عند الشرع بھی طلاق ہو جائے گی صورت مسئولہ میں اگر غلام جیلانی نے انگلش کورٹ میں حاضر ہو کر طلاق دی یا ایسے مضمون پر دستخط کیے جس سے طلاق سمجھی جاتی ہے تو ندیم کوثر پر طلاق واقع ہو گئی چونکہ غلام جیلانی نے ۸۸/۱/۲۸ کو کورٹ میں طلاق پر دستخط کیے ہیں اس کے مطابق عدت بھی گذر چکی ہے لہذا ندیم کوثر جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔ اور غلام جیلانی پر فرض ہے کہ وہ ندیم کوثر کو اس کا مقرر کردہ مہر بھی ادا کرے اگر مہر کی ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کیا گیا تو عورت بوقت طلاق مطالبہ کر سکتی ہے در مختار ص ۳۵۹ میں ہے طلاق اور موت ہر صورت میں مہر کی ادائیگی لازم ہے اگر غلام جیلانی مہر ادا نہیں کرتا تو ندیم کوثر کو شرعاً حق حاصل ہے۔ کہ وہ کورٹ میں دعویٰ کر کے حق مہر لے یا پھر اسے معاف کر دے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، "یوکے"

۵/اپریل ۱۹۸۹ء

(۱۴۷) - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں۔

۱۔ کہ جب بچے کو اس کی ماں دودھ پلاتی ہے۔ تو دو سال تک دودھ پلا سکتی ہے۔ یا اڑھائی سال تک۔

۲۔ محمد غضنفر کا رضاعی بیٹا محمد ندیم ہے اور محمد ندیم کی نسبی بہن ثریا بیگم ہے کیا محمد غضنفر کا نکاح ثریا بیگم کے ساتھ جائز ہے۔

۳۔ مظفر علی کا حقیقی بیٹا منور علی ہے اور منور علی نے شریفاں بی بی کا دودھ پیا ہے اور شریفاں بی بی محمد حیات کی بیوی ہے اور محمد حیات کی بہن ناصرہ بیگم ہے۔ تو کیا منور علی کی جو رضاعی پھوپھی ناصرہ بیگم ہے۔ اس کے ساتھ مظفر علی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہ۔

سہیل احمد سمالیتھ برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

۱۔ بچے کو دودھ دو سال تک پلایا جائے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ خواہ دودھ پینے والا لڑکا ہو یا لڑکی یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لیے اڑھائی سال کی مدت ہے یعنی دو سال کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے۔ مگر اڑھائی سال کے اندر اگر کوئی عورت دودھ پلائے گی تو حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا تو حرمت نکاح نہیں اگرچہ پلانا جائز نہیں ہے۔

۲۔ صورت مسئولہ میں محمد غضنفر کا نکاح ثریا بیگم کے ساتھ شرعاً جائز ہے۔

۳۔ اس صورت میں بھی مظفر علی کا نکاح ناصرہ بیگم کے ساتھ شرعاً جائز ہے۔

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم برطانیہ۔ ۵/جون ۱۹۸۸ء

(۲۸) - الاستفتاء

جناب مفتی صاحب :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کے بعد گزارش ہے کہ آپ نے اپنے فتاوی جماعتیہ جلد دوم ص۱۱۸ میں لکھا ہے ۔ کہ جن مسائل کو امام ابوحنیفہ نے اجتہاد کر کے قرآن وسنت سے نکالا ہے ۔ ان کا نام مذہب ہے دریافت طلب امریہ ہے ۔ کہ مذہب ، دین اور شریعت اور ملت میں کیا فرق ہے ۔

سہیل احمد برمنگھم ۸ "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

دین کا دوسرا نام اسلام ہے یعنی اسلام اور دین ایک ہی ہیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء علیہم السلام خدا کی طرف سے آئے وہ ایک ہی دین لے کر آئے ، دین الٰہی ہمیشہ سے ایک تھا ایک رہا ایک رہے گا اور دین میں تین باتیں ہوتی ہیں ۔

اول ۔ اصول عقائد ۔

دوم ۔ قواعد کلیہ شریعت ۔

سوم ۔ احکام جزئیہ ۔

اصول عقائد یعنی خدا کی ہستی ، اس کی توحید ، اس کی صفات کاملہ ، نبوت ورسالت ۔ جزاو سزا کا یقین ۔ اللہ تعالٰے کی خالص عبادت ، حقوق انسانی

اور اخلاق فاضلہ یہ وہ بنیادی امور ہیں جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا کا اتفاق ہے یہ ۔ احکام منسوخ نہیں ہوتے اور نہ بدلتے ہیں اسی کا نام دین ہے ۔

قواعد کلیہ شریعت ۔ اسی کا نام ملت ہے ۔ یاد الٰہی ، جانی اور مالی عبادت ان میں تفاوت کم ہوتا ہے ۔ لیکن بعض امور کسی قوم کی مزاج اور کسی زمانے کے لائق نہیں ہوتے ہیں تو ان میں تغیر وتبدیل ہوجاتا ہے ۔ مثلاً حج[له] کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں فرض نہ تھا کیونکہ یہودیوں میں اس کی صلاحیت نہ تھی وہ صرف اہل ظاہر تھے ۔ اور اسرار محبت سے ناآشنا تھے ۔

احکام جزئیہ ۔ ان احکام میں تغیر وتبدیل ہوتا رہتا ہے یہ شریعت ہے ۔ تمام نبیوں کا دین ایک ہے لیکن ملت اور شریعت الگ الگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت بھی ایک ہے ۔ مگر شریعت جدا ہے ۔ (معالم القرآن ص۶۳۰) اس سے ظاہر ہے کہ اصول قواعد کا نام دین ہے اور قواعد کلیہ شریعت کا نام ملت ہے ۔ اور احکام جزئیہ کا نام شریعت ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے ۔ لیکن ملت اور شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہے لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت بھی ایک ہے لیکن شریعت جدا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد بن حنبل) نے جو قرآن وسنت

له حج ، دین حنیف کی خصوصیت ہے (مفتاح دار السعادۃ ص۲ ج۲) مفتی غلام رسول

وغیرہ سے مسائل نکالے ہیں ان کو مذہب کہا جاتا ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم برطانیہ

۱۰ر نومبر ۱۹۸۷ء

(۱۲۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں عورت نے بعد از عدت عمرو سے نکاح کر لیا پھر عمرو سے طلاق حاصل کر لی پھر زید سے نکاح کیا اب زید پھر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اب زید باقی ایک طلاق کا مالک ہو گا یعنی پہلے دو دی ہیں اب صرف ایک دے گا یا تین ہی دے سکتا ہے۔

سید عبد المجید شاہ (صاحب)

شافی کونٹری روڈ (برمنگھم)

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دے کر بائن کیا تھا تو اب جب دوسرے خاوند عمرو سے طلاق حاصل کر کے پھر زید کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ تو زید تین طلاقیں دینے کا حق رکھتا ہے جیسے کہ اگر زید اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر بائن (جدا) کر دیتا اور یہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے خاوند کے ساتھ شادی کر لیتی اور دوسرا شوہر وطی کے بعد اس کو طلاق دیتا اور یہ عدت گزارنے کے بعد زید سے نکاح کر لیتی تو زید بالاتفاق تین طلاقوں کا مالک ہوتا اسی طرح اگر زید نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے کر بائن (جدا) کیا ہے اور اس بیوی نے عمرو سے نکاح کر لیا ہے اور عمرو نے بعد از وطی اس کو طلاق دی ہے۔ اور اس عورت نے بعد از عدت پھر زید سے نکاح کر لیا ہے تو اب بھی زید تین طلاقوں کا ہی مالک ہو گا۔ لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں زید باقی طلاق کا مالک ہو گا۔ . . . یعنی اگر زید نے دو طلاق سے بائن کیا ہے۔ تو اب ایک مالک ہو گا اگر ایک طلاق سے بائن کیا ہے تو اب دو طلاق کا مالک ہو گا۔ تین نہیں دے سکتا۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "اہل بحرین" میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاق سے بائن کر دیا اس عورت نے عدت کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور اس سے جدا ہو کر عدت کے بعد پھر شوہر اول کے پاس آگئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت شوہر اول کے پاس مابقی پر ہے نیز آیت فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ میں زوج ثانی کو حرمت کی غایت قرار دیا گیا ہے اور جو حرمت کی غایت ہو وہ منہی حرمت ہوتا ہے۔ پس زوج منہی حرمت ہوا اور حرمت کی انتہا اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب پہلے حرمت ثابت ہو چکی ہو اور ما دون الثلاث۔ (تین سے کم) سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لہذا ما دون الثلاث میں زوج ثانی منہی حرمت نہ ہو گا اس لیے زید کو صرف ایک یا دو طلاقوں کا اختیار ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر المتوفی سنہ ۹۵ھ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر آپ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاق سے بائنہ کر دیا ہے۔ اور عورت کی عدت گزر گئی۔ تو اس نے دوسری شادی کر لی شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دے دی یا اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی۔ اب شوہر اول اس سے نکاح کرنا چاہے تو عورت پر کتنی طلاقوں کی ملکیت ہو گی حضرت عبداللہ حضرت ابن عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا

زوج ثانی ایک اور دو اور تین سب طلاقوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے جاؤ حضرت ابن عمر سے دریافت کر لو انہوں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا تو آپ نے بھی یہی فرمایا۔ حافظ بیہقی نے بھی ابن عمر، ابن عباس، اور حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ انها تکون علی طلاق مستقبل نیز حدیث "لعن اللہ" میں زوج ثانی کو محلل کہا گیا ہے۔ اور محلل وہی ہو گا۔ جو حلت ثابت کرے اب یہ حلت دو حال سے خالی نہیں حلت سابقہ ہو گی یا حلت جدیدہ ہو گی حلت سابقہ تو ہو نہیں سکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ لامحالہ جدیدہ ہو گی حلت جدیدہ کا حلت سابقہ کے مغائر ہونا لازم ہے۔ اور حلت سابقہ ناقص تھی تو جدیدہ کاملہ ہو گی اور حلت کاملہ وہی ہے جس میں تین طلاقوں کا مالک ہو لہذا زید تین طلاقوں کا مالک ہو گا غرضیکہ صورت مسئولہ میں حنفیہ کے کے نزدیک زید کے لیے مذکورہ بیوی کو تین طلاقیں دینے کا اختیار اور شافعیہ کے نزدیک زید نے اگر بیوی کو پہلے ایک طلاق دی تھی تو اب دو کا حق حاصل ہے۔ اگر پہلے دو دی تھیں تو اب ایک دینے کا اختیار رہے۔ سائل چونکہ شافعی ہے لہذا وہ اپنے امام کے قول پر عمل کرنے کا پابند ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم

یو کے

۸ مارچ ۱۹۸۶ء

الاستفتاء (۱۶۰)

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کے بعد گزارش ہے کہ درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱۔ نماز عید میں تکبیرات زائدہ کتنی ہیں۔

۲۔ اور یہ تکبیرات زائدہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے کہی جاتی ہیں اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد دونوں رکعتوں میں قرأت سے پہلے کیوں نہیں کہی گئیں۔

۳۔ پھر یہ تکبیرات زائدہ پہلی رکعت میں ثنا سے پہلے کہی جائے گی یا ثنا کے بعد۔

۴۔ نماز عید پڑھنے کا مکمل طریقہ کیا ہے۔

۵۔ اور نماز تسبیح پڑھنے کا مکمل طریقہ کیا ہے۔

انیس احمد ایکس گرین روڈ برمنگھم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱:

حنفیہ کے نزدیک نماز عید کی رکعت میں تین تکبیریں زائدہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں تکبیرات زائدہ یہی آئی ہیں۔ نیز حضرت سعید بن عاص المتوفی ۵۹ھ کہتے ہیں کہ میں نے حذیفہ بن یمان المتوفی ۳۵ھ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری المتوفی ۵۲ھ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید قربان میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ابو موسیٰ نے فرمایا جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں بھی کہا کرتے تھے اس پر حضرت حذیفہ نے ان کی تصدیق کی (ابوداؤد) یعنی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے چار تکبیریں تکبیر تحریمہ سمیت اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر کے سمیت چار تکبیریں کہتے ہیں۔ علامہ عینی المتوفی ۸۵۵ھ، نے لکھا ہے کہ یہی قول ابو موسیٰ اشعری حذیفہ بن یمان؛ عقبہ بن عامر المتوفی ۵۹ھ، ابن زبیر المتوفی ۷۳ھ، ابو مسعود بدری المتوفی ۴۲ھ ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ براء بن عازب المتوفی ۴۲ھ، ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ، حضرت عمر بن الخطاب المتوفی ۲۴ھ، کا ہے ان کے علاوہ حسن بصری المتوفی ۱۱۰، سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ اور ایک قول امام احمد المتوفی ۲۴۱ کا بھی یہی ہے۔ حنفیہ کی تحقیق میں دوسرے تمام اقوال و آثار کی سند ضعیف و مجروح ہے اور صحت و سند کے لحاظ سے ابن مسعود کا اثر زیادہ قوی ہے۔ (معدن الحقائق ص۱۷۷)

جواب ۲:

پہلی رکعت میں تکبیرات زائدہ کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اور دوسری رکعت کے شروع میں چونکہ کوئی تکبیر نہیں تھی جس کے ساتھ ان تکبیرات زائدہ کو ملایا جاتا لہذا دوسری رکعت کے آخر میں قرآت کے بعد تکبیرات زائدہ کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملایا گیا ہے تاکہ تکبیرات کی تکبیروں کے ساتھ مماثلت و مشابہت قائم رہے اور دوسری وجہ یہ

ہے کہ دونوں رکعتوں کی قرأتوں میں اس صورت میں اتصال رہ سکتا ہے جب کہ دیگر نمازوں میں بھی دونوں رکعتوں میں قرأت کا اتصال رکھا جاتا ہے صاحب کنز الدقائق نے اس کی تصریح یوں کی ہے۔ ویوالی بین القرأتین کہ تکبیرات زائدہ کہنے میں دونوں رکعتوں کی قرأت میں اتصال کرے۔

جواب ۳ :

نماز عید کو جب شروع کرے تو تکبیر تحریمہ کہے اس کے بعد ثنا پڑھے اور ثنا کے بعد تکبیرات زائدہ کہے فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ شیئا قبل الزوائد کہ تکبیرات زوائد سے پہلے ثنا پڑھے پھر تکبیرات زائدہ کہے۔

جواب ۴ :

اور نماز عید کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت واجب عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر ثنا پڑھے پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ باندھ لے یعنی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھے اور اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے پھر چوتھی تکبیر میں ہاتھ باندھ لے اس کو یوں یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لیے جائیں۔ اور جہاں پڑھنا نہیں وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں پھر امام اعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر جہر کے ساتھ الحمد اور سورت پڑھے پھر تین بار کان تک ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر کہے

اور ہاتھ نہ باندھے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیدین میں زائد تکبیریں چھ ہیں تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تکبیر تحریمہ کے بعد اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور تکبیر رکوع سے پہلے اور ان چھ تکبیرات میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کی مقدار سکتہ (خاموشی) کرے اور عیدین میں مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھے یا پہلی رکعت میں سورہ سبح اسم اور دوسری رکعت میں سورہ ہل اتاک پڑھے۔ پہلی رکعت میں امام کے تکبیرات کہنے کے بعد اگر مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو اور اگر مقتدی نے تکبیریں نہیں کہیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے تکبیرات نہ کہے۔ بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیرات کہہ لے اور اگر مقتدی نے امام کو رکوع میں پایا اگر غالب گمان ہے کہ تکبیرات کہہ کر امام کو رکوع میں پالے گا تو کھڑے تکبیرات کہے پھر رکوع میں جائے ورنہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جائے اور رکوع میں تکبیرات کہے پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیرات پوری نہ کہیں تھیں کہ امام نے سر اٹھا لیا تو باقی ساقط ہو گئیں اور اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے اس وقت کہے اور رکوع میں جہاں تکبیریں کہنا بتایا گیا ہے۔ اس میں ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو پہلی رکعت کی تکبیریں اب نہ کہے بلکہ جب اپنی فوت شدہ پڑھنے کھڑا ہو اس وقت کہے اور دوسری رکعت

کی تکبیریں اگر امام کے ساتھ پا جائے تو بہتر ورنہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے۔ جو پہلی رکعت کے بارہ میں مذکور ہوئی پہلی رکعت میں اگر امام تکبیریں بھول گیا اور قرائت شروع کردی تو قرائت کے بعد کہہ لے یا رکوع میں اور قرائت کا اعادہ نہ کرے۔

جواب ۵ !

اور نماز تسبیح کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت نفل نماز تسبیح کی نیت کرے تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے ثنا کے بعد پندرہ ۱۵ بار کلمہ تسبیح پڑھے سبحان الله والحمد و لااله الاالله والله اکبر۔

پھر اعوذ بالله اور بسم الله اور فاتحہ اور سورت پڑھ کر دس بار یہ کلمہ پڑھے پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار پڑھے پھر رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کے بعد دس بار پڑھے پھر سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار پھر سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں دس بار پھر دوسرے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار پھر دوسری رکعت کی طرف کھڑے ہو کر بسم اللہ سے پہلے پندرہ بار پھر اسی ترکیب سے چار رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں پچھتر بار اور چار رکعتوں میں تین سو بار یہ کلمہ تسبیح پڑھے اس نماز کا بے انتہاء اجر و ثواب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے چچا۔ کیا میں تم کو عطا نہ کروں کیا میں تم کو بخشش نہ کروں کیا میں تم کو نہ دوں کیا تمہارے ساتھ احسان نہ کروں دس خصلتیں کہ جب تم کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اگلے، پچھلے، پرانے نئے جو بھول کر کئے اور جو قصداً کئے کیا چھوٹے

اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر اس کے بعد صلوٰۃ تسبیح کی ترکیب تعلیم فرمائی پھر فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ہر روز ایک بار پڑھو اگر ہر روز نہ ہو سکے تو ہر جمعہ میں ایک بار اور یہ بھی نہ کرو تو ہر مہینے میں ایک بار اور یہ بھی نہ کرو تو ہر سال میں ایک بار اور یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۵ دسمبر ۱۹۸۷ء

(١٦١) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

جناب عالی گزارش ہے کہ میری ہمشیرہ فخری بیگم کو اس کے خاوند محمد شریف نے طلاق بذریعہ اپنے وکیل ہمارے وکیل کو ارسال کی ہے جس کی کاپی آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے اس طلاق کی شرعی پوزیشن واضح کی جائے آپ کی عین نوازش ہوگی۔

سائل

محمد اختر برمنگھم، کانن ہل روڈ "یوکے"

طلاق نامہ :

منکہ محمد شریف مقام بریڈ فورڈ اپنی بیوی فخری بیگم دختر عبدالعزیز مقام برمنگھم ۱۲ یوکے کو تین طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔

دوگواہ بھی موجود ہیں۔

طلاق دہندہ محمد شریف، بریڈفورڈ

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب محمد شریف نے اپنی بیوی فخری بیگم کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو تینوں ہی واقع ہو کر فخری بیگم محمد شریف پر حرام ہو گئی ہے قرآن پاک میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره پھر اگر اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے یعنی تین طلاقیں ہونے کے بعد عورت مرد پر قطعاً حرام ہو جاتی ہے۔ یہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتی جب تک کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے پھر اس سے بعد از مباشرت و مجامعت طلاق لے کر بعد از انقضائے عدت پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ ورنہ نہیں علامہ احمد صاوی لکھتے ہیں کہ اگر تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت ہو جائے خواہ ایک مرتبہ دے جیسا کہ کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا الگ الگ جیسے تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ تو عورت حلال نہ رہے گی اس مسئلہ پر تمام اماموں کا اتفاق ہے (حاشیہ جلالین صہ ۸۹) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا تاخذ ثلاثا ودع تسع مائة وسبعة وتسعين کہ تین پکڑ لو یعنی تمہاری عورت کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں) اور نو سو ستانوے

چھوڑ دو، ایک اور روایت ہے۔ جس کو امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت ابن عباس نے اس شخص کو کہا جس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی تھیں۔ حرمت علیک کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہو گئی۔ عبداللہ بن عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ ارایت لو طلقتها ثلاثا کان یحل لی ان اراجعها۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا کانت تبین منک۔ (دارقطنی، ابن ابی شیبہ) فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ و ان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها (ہدایہ صہ ۳۹۹ ج ۲، شرح وقایہ صہ ۲۷۸، عمدۃ الرعایہ صہ ۲۷۸، قدوری صہ ۱۷۸، جوہرہ نیرہ صہ ۲۷۸، کنزالدقائق صہ ۲۳۸، معدن الحقائق صہ ۳۳۸، ردالمحتار صہ ۴۱۹، فتاوٰی عالمگیری صہ ۱۶۵، فتاوٰی حماغنیہ صہ ۴۱۹، فتاوٰی رشیدیہ صہ ۴۶۲، فتاوٰی دیوبند صہ ۵۱۴، فتاوٰی رضویہ صہ ۷۷) غرضیکہ صورت مسئولہ میں جب محمد شریف نے اپنی بیوی کو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو اس کی بیوی پر تین واقع ہو کر یہ محمد شریف پر حرام ہو گئی ہے۔ جس کو وہ بلا حلالہ اپنے ہاں اب نہیں رکھ سکتا، فخری بیگم اپنی مرضی کے مطابق بعد از انقضائے عدت جہاں چاہے۔ شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۱۵۹) الاستفتاء

محترم جناب مفتی صاحب سُنی حنفی شرعی کونسل "یو کے" سلام
کے بعد عرض ہے میں سماۃ شکیلہ بیگم نے پاکستان میں نکاح کیا میری
شادی ہوتے ہوئے ایسے حالات رونما ہوئے کہ ہم دونوں ایک ساتھ
ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے غیر رہے میری شادی کو عرصہ
ایک سال سے زائد ہو چکا ہے۔ شادی کے کچھ دن میں نے سسرال
گذارے لیکن اس دوران ہمارے درمیان کوئی میاں بیوی والی بات
نہیں ہوئی شادی کے پہلے دن ہی میں نے اسے اپنے سے
دور رہا محسوس کیا بعد میں اس نے خود بتایا جس سے مجھ پر انکشاف ہوا
کہ وہ اس قابل نہیں ہے۔ کہ اس کے ساتھ شوہر والا رشتہ قائم رہ
سکے اس نے کہا کہ مجھ میں عام دوسرے مردوں والی کوئی صلاحیت
نہیں ہے میں تو مجبور تھا کہ شادی سے پہلے اپنی اس کمزوری کو اپنے
گھر والوں پر بیاں نہ کر سکا کیونکہ اس میں میری بے عزتی تھی اس کے
بعد سے میں برطانیہ اپنے والدین کے پاس آگئی اب وہ اپنے
خاندان کی عزت کی بنا پر مجھے طلاق دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہے
میں ایسے حالات میں اس کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتی ہوں جبکہ
اس میں مردوں والی صلاحیت ہی نہیں ہے نیز ہم پر یہ بھی انکشاف
ہوا کہ یہ میڈیسن استعمال کرتا ہے میری تو زندگی تباہ ہو گئی ہے۔ جس
ڈاکٹر سے وہ علاج کروا رہا ہے اس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس میں بالکل
مردوں والی صلاحیت نہیں ہے میں اپنی درخواست کے ساتھ حلفیہ
بیان اور ڈاکٹری رپورٹ بھی بھیج رہی ہوں میں اس بندھن سے آزاد
ہونا چاہتی ہوں سُنی حنفی شرعی کونسل سے درخواست ہے اسلامی
شرعی لحاظ سے غور فرما کر مجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

سائلہ

شکیلہ بیگم۔ برطانیہ

ڈاکٹری رپورٹ:

تصدیق کی جاتی ہے۔ کہ شکیلہ بیگم کا خاوند گذشتہ پانچ سال
سے نشہ کے علاج کے لیے میرے زیر علاج رہا ہے اور دوران
علاج وہ مسلسل شکایت کرتا رہا کہ اسے جنسی کمزوری کی مشکلات کا سامنا
ہے۔ اس وقت میں نے اس کا معائنہ کیا اور اُسے نامرد یعنی عورت
کے قابل نہیں پایا۔

ایس۔ ایم۔ ایچ

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں شکیلہ بیگم کی درخواست اور حلفیہ بیان
سے ظاہر ہے۔ کہ اس کا خاوند مردانہ قوت سے محروم ہے نیز ڈاکٹری
رپورٹ سے بھی ظاہر ہے کہ شکیلہ بیگم کا خاوند عورت کے قابل نہیں
ہے۔ مزید شکیلہ بیگم نے اپنے والد کے ہمراہ سنی حنفی شرعی کونسل کے
مرکزی دفتر لندن میں حاضر ہو کر دوبارہ حلفیہ بیان دیا کہ میرا خاوند بالکل مردانگی
قوت سے خالی ہے اور زوجیت کی ادائیگی کا اہل نہیں ہے میں کسی

صورت میں بھی اس سے شادی مذکورہ قائم نہیں رکھ سکتی۔ سنی حنفی شرعی کونسل کے مفتیان نے بڑے غور وخوض کے بعد درج ذیل فیصلہ صادر کیا۔ کہ جب شکیلہ بیگم کے قول اور ڈاکٹر صاحب کے مصدقہ بیان کے مطابق اس کا خاوند مردانگی صفات سے محروم اور نامرد ہے۔ تو شکیلہ بیگم کو شریعت اسلامیہ یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی اسلامی شرعی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کرے اور نکاح کو فسخ کرالے فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔

والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها و الفرقة تطلیقة بائنة۔ (فتاوی عالمگیری ص ۵۳۶، درمختار ص ۴۹۸، ردالمحتار ص ۴۹۸، کنزالدقائق ص ۱۲۵، معدن الحقائق ص ۳۵۶)

اور فتاوی رضویہ میں ہے کہ اصل حکم یہ ہے کہ پھر اگر خاوند براہ شرارت واضرار زوجہ کسی کو پنچ مقرر کرنے پر راضی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ اس ملک یا شہر میں جو عالم دین وہاں کے سب اہل علم فقہ وعلوم دینیہ میں اعلم ہو اس کے یہاں بیوی دعویٰ کرے نیز لکھتے ہیں کہ تفرق بغیر حاکم شرع نہیں ہوسکتی جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں جو عالم دین[۱] تمام اہل شہر میں فقہ کا علم ہو ایسے امور میں حاکم شرعی ہے۔ جب شرعی طور پر شکیلہ بیگم کا یہ حق تھا کہ وہ کسی اسلامی شرعی عدالت میں اپنے نکاح مذکورہ کے فسخ کے سلسلہ میں دعویٰ کرے تو اس نے سنی حنفی شرعی کونسل یو کے ہاں دعویٰ کیا، کونسل کے مفتیان نے متفقہ طور پر آج مورخہ ۹۱/۵/۲۳ کو شکیلہ بیگم کا نکاح جو اس مذکور مرد کے ساتھ تھا اس کو فسخ کردیا ہے اس کے بعد شکیلہ بیگم عدت گذارے۔

وعلیها العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بها۔

اور بعد از انقضائے عدت جہاں چاہے، شرعاً نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن۔
علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی نوٹنگھم،
علامہ احمد نثار بیگ صاحب قادری مانچسٹر،
علامہ حافظ فضل احمد صاحب قادری ڈربی،

الاستفتاء (۱۵۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے ساتھ گفتگو شروع کی تو کشیدگی پیدا ہوگئی یہاں تک کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے۔ تو بیوی نے کہا کہ میں طلاق نہیں لوں گی، زید نے کہا کہ طلاق ہوگئی پھر زید نے کہا کہ آج کے بعد تو میری ماں بہن ہے۔ پھر دو دن کے بعد دو گواہوں کے سامنے جب انہوں نے زید کو مصالحت کے لیے کہا تو زید نے کہا اب مصالحت کی صورت کیا ہے

۱؎ اس عالم دین کو اسلامی قوانین کا اتنا علم ہو اور اس کو قانون کی اتنی فہم ہو کہ شخصی معاملات میں ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کو سمجھ کر اسلامی قانون کی اسپرٹ کے مطابق قانون کی صحیح تعبیر کرسکے گویا کہ اس کے لیے فقیہانہ بصیرت ضروری ہے۔
مفتی غلام رسول

کیونکہ طلاقیں تو تین ہو گئی ہیں کیونکہ زید سمجھتا تھا کہ ایک طلاق، طلاق کہنے سے ہوئی ہے۔ دوسری طلاق ہو گئی سے اور تیسری ماں بہن کہنے سے، جب زید نے کہا کہ تین ہو گئی ہیں اس سے زید حلفیہ بیان دے کر کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ مذکورہ بالا الفاظ سے تین ہو جاتی ہے اور جو دو گواہوں کے سامنے کہا کہ تین ہو گئی ہیں ان سے میرا مقصد تین طلاقوں کا اقرار نہیں تھا بلکہ میں تو ان کو ہی تین سمجھ کے تین کا لفظ کہا تو کیا اس صورت میں شرعی طور زید اپنی بیوی کو گھر رکھ سکتا ہے۔ یا نہیں کیا اس صورت میں تین طلاقین ہوتی ہیں یا نہیں اگر تین نہیں تو کتنی طلاقیں ہوئیں زید کے لیے اور زید کی بیوی کے لیے شرعی حکم کیا ہے۔ اور فتویٰ کی صورت میں شرعی حکم بتایا جائے

ایک سائل

لنکاشائر "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاقیں بائنہ واقع ہوئی ہیں۔ چنانچہ جب زید نے بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق ہے تو ان الفاظ سے ایک رجعی طلاق واقع ہوئی پھر یہ الفاظ کہے کہ طلاق ہو گئی۔ ان سے طلاق نہ ہوئی فتاوی عالمگیری صـ۳۵۶ میں ہے۔ و لو طلقها ثم قال لها طلاق دادست تقع اخری و لو قال طلاق داده است لا تقع اخری زید نے اس کے بعد پھر یہ الفاظ کہے آج کے بعد تو میری ماں بہن ہے۔ اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی۔ فتاوی مہریہ صـ۱۱۱ میں ہے۔ ماں بہن کہنا الفاظ کنایہ طلاق سے ہے۔ جس کا وقوع بارادہ طلاق یا بوقت مذاکرہ طلاق امکان میں آتا ہے اور وہ پایا گیا اور جب ان الفاظ سے طلاق بائنہ ہے، تو یہ بائنہ پہلی صریح طلاق سے مل کر دو بائنہ ہو گئیں فتاوی دیو بند صـ۲۴۲ میں ہے۔ پہلی طلاق صریح ہو پھر لفظ کنایہ سے ہو تو دو بائن ہو جاتی ہیں درمختار صـ۳۰۶ میں ہے۔ والبائن یلحق الصریح کہ بائن صریح کو لاحق ہو جاتی ہے۔ جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اب جو زید نے دو گواہوں کے سامنے کہا کہ مصالحت اب کیسی طلاقیں تو تین ہو گئیں ان الفاظ سے کچھ واقع نہیں ہو گا کیونکہ زید نے ان الفاظ سے طلاق دینا مراد نہیں لیا بلکہ پہلی بات کی خبر دی ہے۔ فتاوی دیو بند صـ۲۴۳ میں ہے۔ اگر خاوند کی غرض و غایت اس طلاق سابق کی خبر دینا تھی تو اس صورت میں اس سے عدت کے اندر اور عدت کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ فتاوی عالمگیریہ صـ۴۷۲ ۔ فتاوی رضویہ صـ۲۴۴ اور فتاوی حماعتیہ صـ۲۲۸ میں ہے کہ طلاق بائنہ کے بعد نکاح کرے اور اس نکاح جدید میں مہر بھی مقرر کرے غرضیکہ صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاقیں بائنہ واقع ہوئی ہیں اگر زید اور اس کی بیوی باہمی رضامندی سے رہنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر لیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ

(لندن)

۳ ر جون ۱۹۹۱ء

(۱۵۹) الاستفتاء

جناب مفتی صاحب!

سلام مسنون!

میں زید اپنی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں۔ لیکن طلاق اس وقت ہو گی جب میرا یہ خط میری بیوی کو ملے گا۔

زید کا حلفیہ بیان:

میں زید حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ جب مجھ سے طلاق لکھوائی گئی تو میرا ارادہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہرگز نہیں تھا اس لیے میں نے یہ شرط رکھ دی تھی۔ کہ طلاق اس وقت ہو گی جب یہ میرا خط میری بیوی کو ملے گا اور میرا خط میری بیوی کو نہیں ملا شرعی فتویٰ تحریر فرمائیں کیا میری بیوی کو طلاق ہو گئی۔

سائل

زید، "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیتے وقت جب یہ شرط رکھی ہے۔ کہ طلاق اس وقت ہو گی جب میرا خط میری بیوی کو ملے گا اور زید کی درخواست اور اس کے حلفیہ بیان اور اس

کی بیوی کے حلفیہ بیان سے ظاہر ہے کہ اس کی بیوی کو خط نہیں ملا لہذا ان حالات میں عند الشرع زید کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اگر طلاق دیتے وقت مرد نے کوئی شرط لگائی ہے۔ تو پھر طلاق اس وقت واقع ہو گی جب وہ شرط پائی جائے۔ اگر شرط نہ پائی جائے تو پھر طلاق واقع نہ ہو گی۔ فتاویٰ قاضی خان ص ۲/۱۷، میں ہے۔ وان علق طلاقها بمجیئ الکتاب بان کتب اذا جاءك کتابی هذا فانت طالق فان لم یجیئ الیها الکتاب لا یقع۔ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۴۲۰ میں ہے۔ واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط۔ اور فتاویٰ دیوبند ص ۱۶۹ ج ۹ میں ہے کہ تحریر طلاق میں جو کچھ اقرار شوہر کا ہوا اس کے موافق عمل در آمد ہوتا ہے۔ پس جب کہ شوہر یہ کہتا ہے۔ کہ میں نے تحریری طلاق پر بنا بر تسلیم طلاق معلق (مشروط) دستخط کئے ہیں۔ تو قضاءً و دیانۃً دونوں طرح وہ طلاق معلق ہو گی۔ اور چونکہ شرط کا وجود نہیں ہوا تو طلاق واقع نہ ہو گی اور فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ فان الجزاء ینزل عند نزول الشرط۔ کہ طلاق شرط کے پائے جانے کے بعد ہوتی ہے اگر شرط نہ پائی جائے تو طلاق نہیں ہوتی غرضیکہ صورت مسئولہ میں جب زید حلفیہ بیان کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ میری بیوی کو طلاق نہیں ملی اور میں نے اسی شرط کے ساتھ طلاق کو معلق کیا تھا کہ اگر ملے گی تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں لہذا زید کی بیوی پر طلاقیں واقع نہ ہوئیں، زید کی بیوی بحال سابق اس کی شرعی بیوی ہے۔

والله ورسوله اعلم بالصواب.
مفتی غلام رسول دار العلوم قادریہ جیلانیہ
(لندن)
۱۰ر مئی ۱۹۹۱ء

(۱۶۰)- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی کو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کر لیا اب زید طلاق سے انکاری اور کہتا ہے کہ مجھ پر جبر کر کے طلاقیں لی گئی ہیں، گواہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی مرضی سے طلاقیں دی ہیں اور طلاق لکھنے والے مولوی صاحب ہیں وہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ زید نے اپنی مرضی سے طلاقیں دی ہیں زبانی بھی طلاقیں دی ہیں اور تحریری طور پر بھی طلاق نامہ، گواہوں کے حلفیہ بیانات اور طلاق لکھنے والے مولوی صاحب کا بھی حلفیہ بیان ارسال خدمت ہے لہذا آپ ہم کو شرعی فتویٰ دیں کہ اب زید کی بیوی کے لیے کیا حکم ہے کیا اس صورت میں طلاقیں ہو گئی ہیں. یا نہ.

سائل
محمد ارشد بریڈفورڈ
"یو کے"

طلاق نامہ:

منکہ زید اپنی ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے اپنی بیوی کو اپنی طرف سے آج سے جو یکم جنوری ۱۹۹۱ء ہے تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں.

زید کے دستخط

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی بیوی کو گواہوں کی موجودگی میں زبانی اور تحریری طور پر تین طلاقیں دے دی ہیں جیسے کہ طلاق نامہ اور گواہوں اور طلاق لکھنے والے مولوی صاحب کے حلفیہ بیانات سے ظاہر ہے تو اس حالت میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو کر زید کی بیوی زید پر حرام ہو گئی ہے. چنانچہ طلاق کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو خود خاوند اقرار کرے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے. اگر خاوند اقرار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہے لیکن اس کی بیوی اور گواہ کہتے ہیں کہ اس نے طلاق دی ہے تو شرعاً طلاق ہو جاتی ہے. قرآن پاک میں ہے. واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتٰن ـــــ اور بنالیا کرو دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں فقہاء فرماتے ہیں. تقبل فيها شهادة رجلين اور رجل

وامراتین سواء کان مالا او غیر مال مثل النکاح والطلاق۔ نیز فرماتے ہیں کہ طلاق کے واقع ہونے کا ثبوت دو گواہوں سے ہوتا ہے اگر خاوند طلاق دینے کا انکار کرتا ہے۔ اور قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی لیکن گواہ کہتے ہیں کہ اس نے طلاق دی ہے تو مرد کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کا اعتبار ہوگا اور طلاق واقع ہوگی (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۳ مخزن الفتاویٰ ص ۱۹، فتاویٰ رضویہ ص ۵۰۲ ، فتاویٰ جامعیہ ص ۲۰۹ ج ۲)

اگر مرد نے جبر کی حالت میں زبان سے طلاق دی ہے تو پھر بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرھا وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق۔ (فتاویٰ قاضی خان ص ۴۷۰ ، فتاویٰ عالمگیری ص ۳۵۳ کنز الدقائق ص ۱۱۱ ، معدن الحقائق ص ۳۱۵ ، فتاویٰ دیو بند ص ۵۹)

اگر زید طلاقیں دینے کا انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھ پر جبر ہوا ہے لیکن تمام گواہ اور مولوی صاحب طلاق لکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ کہ زید پر کوئی جبر نہیں ہوا اس نے اپنی مرضی سے جیسے کہ تحریری طلاقیں دی ہیں اسی طرح زبان سے بھی تین طلاقیں دی ہیں تو پھر زید کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے زید کی بیوی پر طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور جس تاریخ سے زید نے طلاقیں دی ہیں اسی تاریخ سے عدت بھی شمار ہوگی۔ وتلزمها العدة من وقت الكتابة (فتاویٰ قاضی خان ص ۴۷۱ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳۷ ، بحر الرائق ص ۱۴۴ ردالمحتار ص ۲۳۹ ، ہدایہ ص ۴۰۵ ، شرح وقایہ ص ۱۵۹ ، فتح القدیر ص ۱۶۰

بدائع صنائع ص ۲۰۹ ، مبسوط ص ۶۱ ج ۶ ، فتاویٰ رضویہ ص ۴۶۸) غرضیکہ اب زید نے گواہوں کی موجودگی میں تحریری اور زبانی طور پر تین طلاقیں دی ہیں تو زید کی بیوی زید پر حرام ہوگئی ہے۔ اور اس سے اس کا نکاح ختم ہوگیا ہے اور یہ اب زید کی شرعی بیوی نہیں ہے چونکہ زید نے اپنی بیوی کو طلاقیں مؤرخہ ۱۹۹۱/۱/ اکو دی تھیں اس اعتبار سے اب اس کی عدت بھی پوری ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۲۹ مئی ۱۹۹۱ء

الاستفتاء - (۱۶۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق شریعت میں کتنی قسموں پر ہے اور ہر قسم کا حکم کیا کیا ہے۔

محمد طارق۔ والتھمسٹو (لندن)

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

طلاق کی دو قسمیں ہیں رجعی اور بائنہ پھر بائنہ دو قسم پر ہے مغلظہ اور غیر مغلظہ، رجعی میں خاوند عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ اور بائنہ اگر مغلظہ نہ ہو تو نکاح جدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ و ینکح مبانة بمادون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع

اور مغلظہ یعنی طلاق ثلاثہ میں حلالہ کی ضرورت ہے۔ لا ینکح بھا ای بالثلاث حتی یطاءھا غیرہ بنکاح ۔

واللہ و رسولہ، اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ،

لندن، برطانیہ،

۵ رمئی ۱۹۹۰ء

(۱۶۳) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں محمد نذیر نامی ایک شخص کے والدین نے محمد نذیر کا پاکستان میں ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، محمد نذیر حصول روزگار کے لیے برطانیہ چلا آیا یہاں آکر ایک کے ساتھ ناجائز مراسم پیدا کر لیے اس عورت نے اس کو کہا کہ میرے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے پاکستانی بیوی کو طلاق دیدو۔ محمد نذیر نے پاکستانی بیوی کو ایک طلاق لکھ کر بھیج دی ادھر تقریباً سات سال گذرنے کے بعد اس برطانیہ والی عورت نے محمد نذیر کو کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی اس نے اس سے طلاق لی اور کسی جگہ چلی گئی اب محمد نذیر پریشان ہوا اس نے والدین کو خط لکھا انہوں نے کہا کہ تم اپنی پہلی بیوی کو پاکستان سے لے جاؤ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ محمد نذیر اپنی سابقہ مطلقہ بیوی کو دوبارہ لا سکتا ہے یا نہ اگر لا سکتا ہے تو اس کی شرعی صورت کیا ہے۔

سائل محمد ایاز خان لندن۔

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب ہی محمد نذیر نے پاکستانی بیوی کو ایک طلاق لکھ کر بھیج دی تھی اس وقت اس پر وہ طلاق واقع ہو گئی تھی اور ایک طلاق بھی عدت گزرنے کے بعد بائن ہو جاتی ہے اور اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ صـ۲۰ـ میں ہے۔ اگر مرد نے عورت کو کہا تجھے طلاق دی پھر اس سے الگ ہو گیا یہاں تک کہ عدت ختم ہو گئی تو وہ عورت نکاح سے نکل گئی اگر محمد نذیر اس بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہتا ہے تو اس سے نکاح جدید کرے فتاویٰ دیوبند صـ۱۶۹ـ میں ہے جس وقت اس مرد نے اپنی زوجہ سابقہ کو طلاق لکھی اس وقت طلاق واقع ہو گئی اگر یہ مرد اس کو رکھنا چاہتا ہے تو نکاح جدید پھر جدید کرے اور بعد نکاح اس کو رکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ تین طلاقیں نہ لکھی ہوں۔ ورنہ پھر ضرورت حلالہ کی ہے۔ غرضیکہ صورت مسئولہ میں اگر محمد نذیر چاہے تو سابقہ بیوی کو لا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے اور نکاح میں مہر کا بھی تعین کریں بلا جدید نکاح کے اس کو نہیں لا سکتا۔

واللہ و رسولہ، اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول دار العلوم قادریہ جیلانیہ

(لندن)

۷ رجون ۱۹۹۰ء

الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!

سلام مسنون!

کے بعد گذارش ہے کہ درج ذیل مسئلہ کا جواب مطلوب ہے وہ یہ کہ محمد افضل خود اہل حدیث (وہابی) ہے اور اس کی بیوی سنیہ حنفیہ ہے۔ محمد افضل نے اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں پھر محمد افضل کہنے لگا کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوئی لیکن اس کی بیوی کہتی ہے کہ مجھ پر تین واقع ہو گئی ہیں میں کسی اور جگہ نکاح کروں گی میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں رہوں گی اب اس عورت کی عدت بھی گذر چکی ہے تو اب یہ عورت کیا کرے۔

سائل

غلام حسین برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں عورت سنیہ حنفیہ کا قول صحیح ہے تین طلاقیں اس پر واقع ہو گئی ہیں فتاوی عبدالحی صـ ۲۵۵ میں ہے کہ جو شخص تین طلاق دے دے تو مذہب جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ و اکثر مجتہدین و بخاری و جمہور محدثین تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی مؤطا امام مالک میں مروی ہے۔ ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت امراتی مائة تطليقة فماذا ترى على فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا۔ یعنی اس مرد نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دی ہیں تو ابن عباس نے فرمایا۔ تیری بیوی کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں اس سے ظاہر ہے۔ کہ اگر کسی نے تین طلاقیں یا اس سے زائد ایک وقت میں دیں تو تین واقع ہوں گی اور سنن ابو داؤد میں ہے۔ کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو قبل از دخول تین طلاقیں دیں پھر اس کے متعلق حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ لا نرى ان تنكح الا ان تنكح زوجا غيرك کہ تو اس سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے یعنی حلالہ نہ کرا لے اس سے ظاہر ہوا اگر کوئی شخص ایک وقت میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دیتا ہے تو تین واقع ہو جاتی ہے اور تین واقع ہونے کے بعد حلالہ ضروری ہے۔ وکیع المتوفی سـ۱۹۷ھ نے حضرت عثمان اور حضرت علی سے بھی روایت کیا کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر کا اسی امر پر اہتمام کرنا اور تینوں طلاق کے وقوع کا حکم دینا اگرچہ ایک جلسہ میں ہو صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے فتاوی دیوبند صـ ۳۴ میں ہے کہ اس عورت پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور وہ مغلظہ بائنہ ہو گئی ہے عدت گذر جانے کے بعد اس کو دوسرا نکاح کرنا درست ہے، غرضیکہ محمد افضل کی اس سابقہ بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں ہیں۔ یہ محمد افضل پر قطعاً حرام ہو چکی ہے۔ جب عدت گذر چکی ہے۔ تو اس کو ضرور کسی دوسری جگہ نکاح کر لینا چاہیئے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۵ رمئی ۱۹۹۰ء

الاستفتاء (۱۶۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمیل اختر نے اپنی بیوی راحیلہ سے جھگڑا شروع کیا کہنے لگا تو میری کوئی بات نہیں مانتی کہ توطلاق چاہتی ہے۔ اس نے کہا ہاں زید نے کہا جا چلی جا یہ الفاظ زید نے پانچ مرتبے کہے ہیں اور راحیلہ وہاں ہی بیٹھی رہی پھر کہنے لگا میری طلاق وغیرہ کی نیت نہیں تھی میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جمیل اختر راحیلہ کو گھر رکھ سکتا ہے۔ یا نہ اگر رکھے تو اس کی کیا صورت ہے اس کے متعلق ہم کو شرعی فتویٰ درکار ہے۔

سائل

عزیز اختر لندن

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں اگر جمیل اختر نے طلاق کی نیت نہیں کی تو پھر طلاق نہ ہوگی۔ راحیلہ بحال سابق جمیل اختر کی شرعی بیوی ہے اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی جس سے نکاح ٹوٹ جائے گا فتاویٰ دیوبند صـ۶۶ میں ہے کہ اس کلمہ سے جیسا کہ

شوہر کہتا ہے جب کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور بدستور نکاح ان میں قائم ہے اور اگر اس کی نیت طلاق کی ہوتی اور بہ نیت طلاق تین مرتبہ یا زیادہ یہ کلمہ جا چلی جا کہتا تو اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی اور رجعت صحیح نہ ہوتی کیونکہ طلاق بائنہ میں رجوع صحیح نہیں ہے۔ نکاح جدید کی ضرورت ہوتی ہے فتاویٰ رضویہ صـ۵۴۱ میں ہے کہ یہ کلمہ چلی جا از قسم کنایات طلاق سے ہے۔ اگر شوہر نے عورت کو طلاق دینے اور اپنے نکاح سے باہر کر دینے کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن ہوگی اگرچہ اس نے یہ کلمہ متعدد مرتبہ کہا ہے۔ ولایتعدد بالتکرار لان الکنایة البائنة لا تلحق طلاقا بائنا۔ اس صورت میں تو عورت کی رضامندی کے ساتھ اس سے نکاح کرلے اور اگر یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے نہ کہے تھے تو طلاق ہی نہ ہوئی عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے یہ بات کہ ان الفاظ سے طلاق کی نیت تھی یا نہ خود شوہر کے بیان سے معلوم ہوگی عورت اس سے قسم لے کر پوچھے اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو طلاق کا حکم نہ ہوگا اگر شوہر جھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا وبال شوہر پر ہے، عورت اس سے بری ہے اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے یا صاف اقرار کرے کہ میں نے وہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے تھے تو بغیر نکاح جدید کے ان میں میل جول نہیں ہوسکتا۔ غرضیکہ اگر جمیل اختر نے الفاظ مذکور بالا سے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نہ ہوگی۔ راحیلہ قسم دے کر جمیل اختر سے پوچھے اگر جمیل اختر قسم نہیں اٹھاتا یا تسلیم کرتا ہے کہ میں نے طلاق

کی بنت کی تھی تو پھر ان الفاظ سے اگرچہ اس نے پانچ مرتبہ کہے ایک طلاق بائنہ ہوگی اگر دونوں باہمی طور پر رضا مند ہیں تو پھر لازمی طور پر نکاح جدید کریں اور مہر کا تعین بھی کریں، بلا نکاح کرنے کے ایک دوسرے کے ساتھ بحیثیت میاں بیوی نہیں رہ سکتے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۷ر مارچ ۱۹۹۰ء

(۱۶۵) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

کے بعد گزارش ہے، کہ عورت کے عدت کے بیٹھنے کے سلسلہ میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں جو کہ درج ذیل ہیں آپ مہربانی فرماکر ان کے جوابات تحریر فرمائیں۔

۱۔ محمد اکرم بیمار ہوا علاج کراتا رہا آخر میں ڈاکٹر نے لاعلاج کرکے گھر بھیج دیا گھر پہنچ کر بیوی سے جھگڑا کر دیا اور بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جب کہ عورت نے کہا کہ میں طلاقیں نہیں لوں گی عورت نے رونے دھونے کے بعد عدت شروع کردی چند دن کے بعد محمد اکرم فوت ہو گیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ محمد اکرم کی بیوی نے طلاق کی عدت گزارنی ہے یا عدت وفات جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے

۲۔ محمد اسلم نے ناصرہ بی بی سے نکاح کیا ایک ماہ خوش و خرم رہے پھر ان کا باہمی تنازع ہوا اسلم نے طلاقیں دے دیں مرہ بی بی عدت گزارنے لگی طلاقیں ہونے کے بعد ابھی صرف دو ماہ گزرے تھے کہنے لگی مجھے حمل تھا وہ گر گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ تمہاری طلاقوں کی عدت پوری ہوگئی اب تم دوسرا نکاح کرسکتی ہو کیونکہ حمل گرنے سے عدت پوری ہوگئی ہے۔ کیا اس عورت کی عدت وضع حمل تھی وضع حمل تھی تو اس کے بعد یہ نکاح کرسکتی ہے یا نہ جو حکم شرعی ہو وہ بتایا جائے۔

۳۔ محمد انور فوت ہوا اس کی بیوی حاملہ تھی اس کی عدت وضع حمل ہے یا عدت وفات۔

محمد آصف چشتی اولڈم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱:

جب محمد اکرم نے اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر مرض موت میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو اس کی سابقہ بیوی کی عدت ابعد الاجلین یعنی دو عدتوں سے جو بعید تر ہو یا بایں طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ انتظار کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین بھی گزر جائیں دوسرے لفظوں میں دونوں عدتیں پوری کرے اگر چار ماہ دس دن میں تین حیض پورے ہوچکے تو عدت پوری ہو اگر تین حیض پورے ہوچکے مگر چار ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے تو پورا کرے اگر چار ماہ دس دن پورے ہوگئے مگر ابھی تین پورے نہ ہوئے تو ان کے پورے ہونے کا انتظار کرے فقط صوبہ

کی بہت کی تھی تو پھر ان الفاظ سے اگرچہ اس نے پانچ مرتبہ کہے ایک طلاق بائنہ ہوگی اگر دونوں باہمی طور پر رضامند ہیں تو پھر لازمی طور پر نکاح جدید کریں اور مہر کا تعین بھی کریں، بلا نکاح کرنے کے ایک دوسرے کے ساتھ بحیثیت میاں بیوی نہیں رہ سکتے۔

واللہ ورسولہ، اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن
۷ / مارچ ۱۹۹۰ء

(۱۶۵) الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
کے بعد گزارش ہے، کہ عورت کے عدت کے بیٹھنے کے سلسلہ میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں جو کہ درج ذیل ہیں آپ مہربانی فرماکر ان کے جوابات تحریر فرمائیں۔

۱۔ محمد اکرم بیمار ہوا علاج کراتا رہا آخر میں ڈاکٹر نے لا علاج کر کے گھر بھیج دیا گھر پہنچ کر بیوی سے جھگڑا کر دیا اور بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جب کہ عورت نے کہا کہ میں طلاقیں نہیں لوں گی عورت نے رونے دھونے کے بعد عدت شروع کر دی چند دن کے بعد محمد اکرم فوت ہو گیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ محمد اکرم کی بیوی نے طلاق کی عدت گزارنی ہے یا عدت وفات جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے

۲۔ محمد اسلم نے ناصرہ بی بی سے نکاح کیا ایک ماہ خوش و خرم رہے پھر ان کا باہمی تنازع ہوا اسلم نے طلاقیں دے دیں ناصرہ بی بی عدت گزارنے لگی طلاقیں ہونے کے بعد ابھی صرف دو ماہ گزرے تھے کہنے لگی مجھے حمل تھا وہ گر گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ تم طلاقوں کی عدت پوری ہو گئی اب تم دوسرا نکاح کر سکتی ہو کیونکہ حمل گرنے سے عدت پوری ہو گئی ہے۔ کیا اس عورت کی عدت وضع حمل تھی وضع حمل تھی تو اس کے بعد یہ نکاح کر سکتی ہے یا نہ جو حکم شرعی وہ بتایا جائے۔

۳۔ محمد انور فوت ہوا اس کی بیوی حاملہ تھی اس کی عدت وضع حمل ہے یا عدت وفات۔

محمد آصف چشتی اولڈم "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جواب ۱:
جب محمد اکرم نے اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر مرض موت میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو اس کی سابقہ بیوی کی عدت ابعد الاجلین یعنی دو عدتوں سے جو بعید تر ہو اس طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ انتظار کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین بھی گزر جائیں دوسرے لفظوں میں دونوں عدتیں پوری کرے اگر چار ماہ دس دن میں تین حیض پورے ہو چکے تو عدت پوری ہو اگر تین حیض پورے ہو چکے مگر چار ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے تو پورا کرے اگر چار ماہ دس دن پورے ہو گئے مگر ابھی تین پورے نہ ہوئے تو ان کے پورے ہونے کا انتظار کرے فتاویٰ رضویہ

میں ہے اور اگر طلاق بائن مرض الموت میں بے رضا مندی زن دی تو
تین حیض اور چار مہینے دس دن سے جو مدت دراز تر ہے وہ عدت
ہے یعنی چار ماہ و دہ روز بعد موت گزرنے سے پہلے طلاق کے بعد
تین حیض کامل ختم ہو جائیں تو بعد مرگ چار ماہ دس یوم انتظار کرے اور
اگر مرگ شوہر پر چار مہینے دس دن ہو گئے ہیں اور ہنوز بعد طلاق تین
حیض کامل نہ ہوئے تو تین حیض کامل ہونے تک منتظر رہے ۔
فی رد المحتار ابانہا فی مرضہ بغیر رضاہا بحیث
صار فارًا او مات فی عدتہا عدتہا ابعد الاجلین ۔
صورت مسئولہ میں جب محمد اکرم نے مرض موت میں عورت کی رضا
کے بغیر اس کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ عورت حیض اور عدت وفات
سے جو دراز تر عدت ہے گزارے گی ۔

جواب ۲ :

صورت مسئولہ میں ناصرہ بی بی کو عدت تین حیض پوری کرنا ہو
اس کی عدت وضع حمل نہیں ہے کیونکہ وضع حمل اس وقت
عدت ہوتی ہے جب کہ پیٹ میں بچہ بھی بن جائے سائل نے
صورت ذکر کی ہے اس میں بقول عورت نکاح سے لے کر
عدت پوری ہونے کے ایام تک صرف تین ماہ بنتے ہیں اور تین
ماہ میں بچے کے اعضا نہیں بنتے بلکہ وہ چار ماہ میں بنتے ہیں اگر
بچے کے اعضا بھی نہیں بنے تو پھر اس کو وضع حمل برائے عدت قرار
نہیں دیا جا سکتا ، رد المحتار صفحہ ۵۱۱ میں ہے ۔ والمراد بہ
الحمل الذی استبان بعض خلقہ او کلہ

فان لم یستبن بعضہ لن تنقض العدۃ لان الحمل
اسم لنطفۃ متغیرۃ فاذا کان مضغۃ او
علقۃ لم تتغیر فلا یعرف کونہا متغیرہ
بیقین الا باستبانۃ بعض الخلق بحر عن المحیط
وفیہ عنہ ایضا انہ لا یستبین الا بمائۃ وعشرین
یوما وفیہ عن المجتبیٰ ان المستبین بعض خلقہ
یعتبر فیہ اربعۃ اشہر وتام الخلق ستۃ اشہر ۔
اس سے ظاہر ہے کہ جب تک نطفہ میں تغیر نہیں آتا اس کو حمل نہیں
کہہ سکتے جب بچہ بنے گا تو حمل ہو گا یہ بنا ہوا نہ کرے گا تو کہیں گے
کہ وضع حمل ہوا ہے یہ صورت تین ماہ میں نہیں ہو سکتی جس نے ناصرہ
بی بی کو کہا ہے کہ تیری عدت گزر چکی ہے اس نے غلط کہا ہے ناصرہ
بی بی کو لازم ہے کہ وہ عدت تین حیض پوری کرے ۔

جواب ۳ :

اگر عورت حاملہ ہے اور اس کا خاوند فوت ہو گیا تو اس کی
عدت وضع حمل ہو گی قرآن پاک میں ہے ۔ واولات الاحمال اجلہن
ان یضعن حملہن . کہ حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل
ہے ۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب سبیعہ بنت
حارث اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا تو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عدت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے
فرمایا ۔ قد حللت فتزوجی من شئت کہ تیری وضع حمل کے بعد
عدت ختم ہو گی چکی ہے ۔ جس سے چاہے تو نکاح کرے (موطا امام مالک)

والله ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، لندن، "یوکے"

۳؍ اپریل ۱۹۹۰ء

(۱۶۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو اڑھائی سو سال لکھی گئی ہے ظاہر ہے۔ امام بخاری اور مسلم حضور کے زمانے کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے ہی حدیث کو لکھا ہے اور جمع کیا ہے اسی وجہ سے بعض لوگ حدیث میں کلام کرتے ہیں آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ اس کی صورت حال کیا ہے تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

سید عبدالحمید شاہ (صاحب)

کونٹری روڈ برمنگھم، "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حدیث حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو اڑھائی سو سال لکھی گئی ہے یہ غلط اور سراسر خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ حدیث پاک کا لکھنا اور جمع کرنا حضور کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے روایت کی ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے والد کے توسط سے اپنے پردادا عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہا، یا رسول اللہ کیا میں آپ سے جو بات سنوں وہ لکھ لوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تو میں نے عرض کیا خواہ آپ خوش رہیں یا غصہ میں ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں کیونکہ کسی بھی حالت میں کوئی بات بجز حق میری زبان سے نہیں نکلتی نیز ان ہی عبداللہ بن عمرو بن عاص المتوفی ۶۳ھ کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں جو کچھ سنتا لکھ لیا کرتا تھا تاکہ یاد کروں تو قریش نے اس سے مجھے منع کیا اور کہا کہ کیا تم وہ ہر بات جو سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوشی میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی غصہ میں تو میں نے لکھنا ترک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے انگشت مبارک سے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ لکھا کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاص فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی رغبت مجھے صرف دو چیزوں کی وجہ سے ہے ایک تو الصادقۃ اور دوسرے "وھط" "الصادقۃ" تو وہ کتاب ہے جس میں وہ احادیث منضبط ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر میں نے لکھی ہیں اور "وھط" وہ زمین ہے جسے میرے والد عمرو بن عاص نے صدقہ کر دیا تھا جس کی دیکھ بھال وہ کیا کرتے تھے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے، کہ "وھط" طائف میں ایک باغ تھا جو ایک لاکھ کی مالیت کا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ المتوفی ۵۸ھ فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب محمد صلی

اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بجز عبداللہ بن عمرو بن عاص کے وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تمام باتوں کو لکھ لینے کی اجازت مانگی جو میں آپ سے سنوں تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی نیز انہی سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ایک ہزار حرف امثال یاد کیے، اصحاب فن نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے مرویات تقریباً ۵۳۰۰ ہیں اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کے مرویات ۷۰۰ کے قریب ہیں جن میں سترہ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے اور صرف امام بخاری نے ان کی سو مرویات کی تخریج کی ہے۔ جو کہ مسلم میں نہیں ہیں، غرضیکہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا مگر ان سے روایتیں بہت کم ہیں جیسے کہ ذکر ہوا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور وہاں آنے جانے والے بہت کم لوگ تھے بخلاف حضرت ابو ہریرہ کے وہ مدینہ منورہ میں اقامت پذیر تھے جہاں اطراف عالم کے مسلمان پہنچا کرتے تھے۔ اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد ابو ہریرہ نے وہ خطبہ بیان کیا جو حضور نے ارشاد فرمایا تھا، پھر ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے چکے تو یمن کے ایک صاحب کھڑے ہوئے جن کا نام ابو شاہ تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ

میرے لیے لکھوا دیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو حکم دیا کہ ابو شاہ کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔ حضرت انس بن مالک المتوفی ۹۳ھ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم کو قید کتاب میں لایا کرو۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابن عباس سے جو حدیثیں سنتے ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے اگر یہ علم نہ لکھا جاتا تو ضائع ہو جاتا" اسحاق بن راہویہ المتوفی سنہ ۲۳۸ھ بھی یہی فرماتے تھے اگر علم حدیث نہ لکھا جاتا تو ضائع ہو جاتا" حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی سنہ ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے گورنر ابو بکر بن حزم المتوفی سنہ ۱۲۰ھ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث بھی تم کو ملیں سب کو قلمبند کر لو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ دنیا سے علماء اٹھ جانے کے سبب کہیں علم دین نہ مٹ جائے نیز عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن حزم کو تاکید لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمان انصاریہ متوفیہ ۹۸ھ اور قاسم بن محمد بن ابو بکر المتوفی سنہ ۱۰۶ھ کے سرمایہ حدیث کو لکھ کر میرے پاس بھیج دو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے محمد بن مسلم بن شہاب زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ کو بھی لکھا کہ تم حدیث نبوی کو جمع کرو علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے مملکت کے تمام اطراف و جوانب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو تلاش کرو اور جمع کرو آپ کے حکم کے بعد یہ کام شروع ہو گیا چنانچہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ اسلامی مملکت کے اطراف و جوانب سے احادیث و سنن کے دفاتر مرتب ہو کر دارالخلافہ دمشق میں آئے تو عمر بن عبدالعزیز نے جہاں ان کی حکومت تھی وہاں ہر جگہ ایک ایک مجموعہ بھیج دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی جاری کر دی کہ تمہیں ابن شہاب زہری کا دامن تھامے رہنا چاہیے جن سے بڑھ کر سنت کا عالم تم کسی کو نہ پاؤ گے علامہ ابن عبدالبرؒ جامع

بیان العلم" میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کے حکم کے بعد سب سے پہلے جس نے علم حدیث کی تدوین کی اور اسے لکھا وہ ابن شہاب زہری ہیں اور خود زہری کا بھی بیان ہے۔ کہ اس علم کو میرے، مدون کرنے سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا اس کے بعد تدوین حدیث میں جن محدثین نے کام کیا وہ درج ذیل ہیں، عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المتوفی سنہ ۱۴۹ھ، ربیع بن صبیح المتوفی سنہ ۱۶۰ھ، امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ، سعید بن ابی عروبہ المتوفی سنہ ۱۵۶ھ، عبد الرحمان بن عمرو الاوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ، سفیان بن سعید ثوری المتوفی سنہ ۱۶۱ھ ابو سلمہ حماد بن دینار المتوفی سنہ ۱۶۷ھ، ابن ابی ذئب المتوفی سنہ ۱۵۹ھ، معمر بن راشد المتوفی سنہ ۱۵۳ھ، جبیل بن عبد الحمید المتوفی سنہ ۱۸۸ھ عبد اللہ بن مبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ، ہیثم بن بشیر واسطی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ سفیان بن عیینہ المتوفی سنہ ۱۹۸ھ محمد بن اسحاق مغازی المتوفی سنہ ۱۵۱ھ لیث بن سعد المتوفی سنہ ۱۷۵ھ مسعر بن کدام المتوفی سنہ ۱۵۵ھ شعیب بن حمزہ المتوفی سنہ ۱۶۳ھ ابو معشر سندی المتوفی سنہ ۱۷۰ھ سلیمان بن بلال المتوفی سنہ ۱۷۲ھ، ابن لہیعہ المتوفی سنہ ۱۷۴ھ

اس سے ظاہر ہوا کہ پہلی صدی ہجری اور دوسری صدی ہجری دونوں میں حدیث کی کتابت اور تدوین کی گئی بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ تم حدیث لکھو جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث لکھنے اور جمع کرنے کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو سو سال ہوا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ حدیث کے جمع و تدوین کے تین دور ہیں۔

۱- دور نبوی:

صحابہ کرام یاد اور ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ احادیث کو قلمبند بھی کرتے تھے اس دور میں زیادہ لکھنے والے صحابہ کرام وہ کلمات اور الفاظ لکھتے جو حضور کی زبان مبارک سے نکلتے تھے۔

۲- دوری نبوی کے بعد:

اس دور میں وہ صحابہ جو پہلے حدیث نہ لکھتے تھے انہوں نے بھی لکھنی شروع کردی نیز اس دور میں سینکڑوں تابعین[1] شب و روز جمع و کتابت حدیث میں شروع ہو گئے، اس دور میں جو صحابہ احادیث جمع کر چکے تھے ان کے علاوہ وہ صحابہ جن کے صرف سینوں میں احادیث محفوظ تھیں یہ تمام احادیث تابعین کی طرف منتقل ہو گیئں گویا کہ دور اول کی مکتوبہ وغیرہ مکتوبہ تمام احادیث اس دور ثانی کے تحریری سرمایہ میں شامل ہو گیئں لیکن صورت حال یہ رہی کہ احادیث اپنے عنوانات و متعلقات کے لحاظ سے ملی جلی تھیں۔ یعنی اگر کہیں حدیث نماز کے متعلق ہے تو وہیں حج سے بھی متعلق بھی حدیث موجود ہے۔

۳- تیسرا دور:

یہ دور تہذیب و تدوین کا دور تھا باضابطہ طور پر ابواب و فصول قائم کیے گئے اور عنوانات مقرر کیئے۔ ہر باب اور ہر فصل کے مناسب احادیث چھانٹ چھانٹ کر متعلقہ بابوں اور فصلوں میں درج کی گیئں اس طرح دور ثانی کا تحریری سرمایہ تیسرے دور کے تحریری سرمایہ میں شامل کر لیا

---

[1] تابعین کا زمانہ سنہ ۱۶۲ھ ہجری تک رہا ہے اور تبع تابعین کا زمانہ سنہ ۲۰۰ھ ہجری تک ہے۔

مفتی غلام رسول۔

گیا اور اس دور کے کام کی تکمیل امام بخاری اور امام مسلم کے ہاتھوں ہوئی
پھر ان کے بہت سے معاصرین نے ان کے نقش قدم پر تدوین حدیث
شروع کی یہاں تک ان میں سے بعض محدثین نے سوچا کر خالص
احادیث نبوی پر (اقوال و آثار صحابہ کو چھوڑ کر) مشتمل تالیفات شروع
کرنی چاہیں اور یہ تحریک دوسری صدی ہجری کے قریب الختم پر شروع
ہوئی تو بعض محدثین نے مسندیں تالیف کیں چنانچہ درج ذیل محدثین
نے یہ کام سرانجام دیا، عبید اللہ بن موسیٰ بغدادی المتوفی ۲۱۳ھ مسدد
بن مسرہد بصری المتوفی ۲۲۸ھ اسد بن موسیٰ الاموی المتوفی ۲۱۲ھ
نعیم بن حماد الخزاعی نزیل مصر المتوفی ۲۲۹ھ، ابو خیثمہ زہیر بن حرب المتوفی
۲۳۴ھ احمد بن محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ المتوفی
۲۳۸ھ عثمان بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۹ھ احمد بن منیع المتوفی ۲۴۴ھ
احمد بن عمر ابوبکر البزار المتوفی ۲۹۲ھ، عبد الحمید بن حمید بن نصیر الکشی
المتوفی ۲۴۹ھ اور بعض محدثین نے ابواب اور مسانید کو ایک ساتھ
جمع کیا مثلاً ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اور بقی بن مخلد قرطبی المتوفی
۲۷۶ھ نے بھی مسند لکھی جس کو ابواب پر مرتب کیا اور یہ مسند بھی
ہے۔ اور ایک فنی قسم کی تصنیف بھی جس کی مثل کسی اور کی تالیف نہیں
ہے۔ اور بعض محدثین نے حدیثوں کی تدوین معلل کی ہے یعنی حدیث کے
ساتھ اس کے سارے طرق روایۃ اور اختلاف رواۃ سب کچھ جمع
کر دیا تاکہ حدیث کا مرسل ہونا متصل ہونا، موقوف اور مرفوع ہونا وغیرہ
واضح ہو جائے۔ نیز کچھ محدثین نے اپنی تالیفات کی ترتیب فقہی اصول پر
قائم کی اور فقہ کی ہر نوع سے متعلق جداگانہ ابواب مقرر کیئے اور ہر بات

میں اس نوع کے مطابق احادیث درج کیں پھر تالیف و تدوین کا یہ طریقہ
اختیار کرنے والے بعض محدثین تو وہ ہیں۔ جنہوں نے ان احادیث کو
جمع کیا جن کے صحیح ہونے سے متعلق انہوں نے اطمینان کر لیا مثلاً امام
بخاری اور امام مسلم اور بعض محدثین نے یہ قید نہیں رکھی بلکہ صحیح کے ساتھ
حسن کو بھی شامل کر لیا جیسے ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، صرف
صحیح حدیثیں جمع کرنے کی پابندی امام بخاری اور امام مسلم نے کی۔ علامہ
عبد الحی کتانی المتوفی ۱۳۴۵ھ لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں بڑے
بڑے محدثین اور نقد روایات میں مہارت رکھنے والے ارباب فن
پیدا ہوئے اور اسی دور میں ان چھ کتابوں کے آفتاب نے علمی دنیا
کو منور کیا جن کے دامن میں معدودے چند کے سوا ساری احادیث سمٹ
آئی ہیں۔ اور جن پر استنباط کرنے والے اہل علم اعتماد کرتے ہیں۔ پھر اسی
صدی ہجری کے اختتام پر حدیث کی جمع و تدوین کا کام ختم ہو گیا اور اس
کے بعد ترتیب و تہذیب اور طالبین حدیث کے لیے تسہیل و تقریب
کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور چوتھی صدی میں چند مشہور تالیفات ہوئیں
لیکن اپنے مواد کے لحاظ سے تیسری صدی کی تالیفات سے کوئی مختلف
نہیں البتہ کچھ ترتیب و تدوین کے اسلوب مختلف ہیں یہ صدی بھی علم
حدیث کے لیے ایک چمکتا ہوا دور ہے اس صدی ہجری میں جو تالیفات
ہوئیں وہ درج ذیل ہیں معجم طبرانی مؤلفہ، امام سلیمان بن احمد طبرانی
المتوفی ۳۶۰ھ، سنن دارقطنی مؤلفہ ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ
صحیح ابن حبان، مؤلفہ ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ صحیح ابو عوانہ مؤلفہ
ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق المتوفی ۳۱۶ھ صحیح ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق المتوفی

سنہ ۳۱۱ھ صحیح المنتقی مؤلفہ ابن سکن سعید بن عثمان بغدادی المتوفی سنہ ۳۵۳
ھ المنتقی، مؤلفہ قاسم بن اصبغ محدث اندلس المتوفی سنہ ۳۴۰ھ مصنف
الطحاوی، ابوجعفر طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ مسند ابن جمیع محمد بن احمد
المتوفی سنہ ۴۰۲ھ مسند محمد بن اسحاق، ابوالعباس سراج المتوفی ۳۱۳
مسند خوارزمی، مؤلفہ ابوبکر احمد بن محمد برقانی المتوفی سنہ ۴۲۵ھ مسند
ابی نصر مؤلفہ ابواسحاق بن نصر الرازی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ مسند ابواسحاق
مؤلفہ ابراہیم بن یوسف ابوسحاق المتوفی سنہ ۳۰۱ھ سنن ابوبکر، مؤلفہ محمد
بن یحییٰ ہمدانی شافعی المتوفی سنہ ۳۴۷ھ مسند مؤلفہ ابوعلی حسین بن محمد
المتوفی سنہ ۳۶۵ھ مسند مؤلفہ ابوجعفر محمد بن مہدی مدینی المتوفی سنہ ۳۶۲ھ مسند
ابوحفص، مؤلفہ ابوبکر احمد بن حسین ابیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ اور احادیث
کو جمع کرنا اور سندوں کی جانچ پڑتال پھر ان کے مراتب کا تعین اور صحیح
وضعیف کا ممتاز ہونا یہ سارے کام چوتھی صدی ہجری کے اختتام پذیر
ہونے کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ حدیث نبوی
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی لکھی جانے لگی اور صحابہ کرام اہتمام
کے ساتھ اس کو لکھتے اور جمع کرتے رہے لیکن درحقیقت تہذیب و ترتیب
اور باضابطہ ابواب وفصول مقرر کر کے جمع کرنے کا کام امام بخاری اور امام
مسلم نے کیا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے
کہنا شروع کر دیا کہ حدیث تو حضور کے زمانہ کے بعد دو سال لکھی گئی
ہے۔ حالانکہ یہ خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ ہے حدیث تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں لکھی جانی لگی تھی یہ ایک علیحدہ
بات ہے کہ اس کام کی تہذیب و ترتیب تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہے

جب کتب حدیث معرض وجود میں آ گئیں تو اصحاب فن نے ان کتب حدیث
کو چار طبقات پر تقسیم کیا۔ اول طبقہ میں موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم
دوسرے طبقہ میں، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور نسائی شامل
ہیں۔ تیسرے طبقہ میں مصنف عبدالرزاق، بیہقی، طحاوی، مسند
عبدالمجید شامل ہیں چوتھے طبقہ میں مسند خوارزمی، کتاب الضعفاء،
کامل ابن عدی شامل ہیں، جیسے کہ کتب حدیث کو طبقات پر تقسیم کیا
گیا ہے۔ اسی طرح محدثین وحفاظ حدیث کے طبقات بنائے گئے۔ اور
ان پر بھی کتابیں لکھی گئیں طبقات محدثین اور حفاظ پہ لکھنے والے درج ذیل
علماء ہیں۔

حافظ ابن جوزی المتوفی سنہ ۵۹۷ھ ابوالولید یوسف بن عبدالعزیز
دباغ المتوفی سنہ ۵۴۲ھ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ
حافظ ابوالمحاسن محمد بن علی حسینی المتوفی سنہ ۷۶۵ھ علامہ تقی الدین محمد بن فہد
مکی المتوفی سنہ ۸۷۱ھ جلال الدین سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ سراج الدین عمر
بن الملقن المتوفی سنہ ۸۰۴ھ محمد بن ناصر الدین دمشقی المتوفی سنہ ۸۴۱ھ حافظ احمد
بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ عبدالحی کتانی المتوفی سنہ ۱۳۸۲ھ محدثین
کے طبقات درج ذیل ہیں طبقہ اول، پہلا طبقہ صحابہ کرام کا طبقہ ہے جو
صحابہ زیادہ روایت بیان کرنے والے ہیں وہ درج ذیل ہیں حضرت ابوہریرہؓ
المتوفی سنہ ۵۸ھ حضرت عبداللہ بن عمر المتوفی سنہ ۷۴ھ حضرت انس بن مالک
المتوفی سنہ ۹۰ھ حضرت عائشہ المتوفاۃ سنہ ۵۸ھ حضرت عبداللہ بن عباس
المتوفی سنہ ۶۸ھ، جابر بن عبداللہ المتوفی سنہ ۷۸ھ ابوسعید خدری المتوفی
سنہ ۷۴ھ، عبداللہ بن مسعود المتوفی سنہ ۳۲ھ عبداللہ بن عمرو بن عاص المتوفی

سنہ ۶۵ھ، عمر بن خطاب المتوفی سنہ ۲۳ھ علی المرتضیٰ المتوفی سنہ ۴۰ھ طبقہ دوم، سوم وچہارم بیر بڑے اور چوتھے تابعین کا ہے ان میں سے چند محدثین وحفاظ درج ذیل ہیں۔

علقمہ بن قیس المتوفی سنہ ۶۲ھ، سعید بن المسیب المتوفی سنہ ۹۴ھ ابو عثمان النہدی المتوفی سنہ ۱۰۰ھ عمر بن عبد العزیز المتوفی سنہ ۱۰۱ھ، محمد بن مسلم الزہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ ابو اسحاق عمرو السبیعی المتوفی سنہ ۱۲۷ھ ربیعۃ الرائی المتوفی سنہ ۱۳۶ھ طبقہ پنجم، پانچواں طبقہ سے چند محدثین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔ عبد اللہ بن عمر بن حفص المتوفی سنہ ۱۴۹ھ عبد الملک بن جریج المتوفی سنہ ۱۵۱ھ ہشام دستوائی المتوفی سنہ ۱۵۳ھ سعید بن ابی عروبہ المتوفی سنہ ۱۵۶ھ عبد الرحمان بن عمرو الاوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ، حیواۃ بن شریح المتوفی سنہ ۱۵۸ھ محمد بن ابی ذئب المتوفی سنہ ۱۶۱ھ جریر بن ابی حازم المتوفی سنہ ۱۷۰ھ مالک بن انس المتوفی سنہ ۱۷۹ھ لیث بن سعد المتوفی سنہ ۱۷۵ھ سفیان بن عیینہ المتوفی سنہ ۱۹۸ھ یہ اول و دوسری صدی ہجری کے بعض محدثین کا ذکر ہوا ہے جن کے پانچ طبقے بنائے گئے ہیں اس کے بعد تیسری صدی[1] ہجری کے مشہور محدثین سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں، نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۳ھ ابو داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ عبد الرزاق بن ہمام المتوفی سنہ ۲۱۱ھ عبد اللہ بن سلمہ قعنبی المتوفی سنہ ۲۲۱ھ یحییٰ بن معین المتوفی سنہ ۲۳۳ھ ابو بکر بن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ اسحاق بن راہویہ المتوفی سنہ ۲۳۸ھ احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ عبد الحمید بن حمید

---

[1] تیسری صدی ہجری تک متقدمین محدثین ہیں اور تیسری صدی ہجری کے بعد جو محدثین ہیں ان کو متاخرین محدثین کہا جاتا ہے۔ ۱۲ مفتی غلام رسول۔

المتوفی سنہ ۲۴۹ھ، محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ، مسلم بن حجاج المتوفی سنہ ۲۶۱ھ محمد بن یزید بن ماجہ المتوفی سنہ ۲۷۳ھ ابو داؤد سلیمان بن اشعث المتوفی سنہ ۲۷۵ھ محمد بن عیسےٰ ترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ھ ابو بکر بزار المتوفی سنہ ۲۹۲ھ محمد بن اسماعیل اسماعیلی المتوفی سنہ ۲۹۵ھ چوتھی صدی ہجری کے محدثین میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

احمد بن شعیب نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ محمد بن اسحاق خزیمہ المتوفی سنہ ۳۱۱ھ عبد اللہ بن محمد اسفرائینی المتوفی سنہ ۳۱۸ھ، عبد الرحمان بن ابی حاتم المتوفی سنہ ۳۲۷ھ، عبد اللہ بن عدی المتوفی سنہ ۳۶۵ھ ابو بکر احمد اسماعیلی المتوفی سنہ ۳۷۱ھ، علی بن عمر دار قطنی المتوفی سنہ ۳۸۵ھ حمید بن ابراہیم الخطابی المتوفی سنہ ۳۸۸ھ ابو عبد اللہ بن مندہ محمد بن اسحاق المتوفی سنہ ۳۹۵ھ پانچویں صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین درج ذیل ہیں۔ احمد بن محمد المالینی المتوفی سنہ ۴۰۹ھ عبد الغنی بن سعید المصری المتوفی سنہ ۴۰۹ھ ابو بکر بن مردویہ المتوفی سنہ ۴۱۰ھ احمد بن محمد البرقانی المتوفی سنہ ۴۲۵ھ احمد بن عبد اللہ ابو نعیم اصبہانی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ، علی بن احمد بن حزم ظاہری المتوفی سنہ ۴۵۷ھ احمد بن حسین بیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ھ احمد بن ثابت الخطیب بغدادی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ ابو عمر یوسف بن عبد البر قرطبی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ عبد الرحمان بن مندہ المتوفی سنہ ۴۷۰ھ علی بن نصر بن ماکولا المتوفی سنہ ۴۸۶ھ چھٹی صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین چند یہ ہیں ابو بکر محمد اسمعانی المتوفی سنہ ۵۱۰ھ ابو علی حسین بن سکرہ اندلسی المتوفی سنہ ۵۱۴ھ حسین بن مسعود بغوی المتوفی سنہ ۵۱۶ھ عبد الوہاب انماطی المتوفی سنہ ۵۳۸ھ قاضی عیاض اندلسی المتوفی سنہ ۵۴۴ھ قاضی ابو بکر بن عربی المتوفی سنہ ۵۴۶ھ ابو سعید

عبدالکریم سمعانی المتوفی ۵۶۲ھ ابوالقاسم علی بن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ
ابوطاہر احمد بن محمد سلفی المتوفی ۵۷۶ھ عبدالحق اشبیلی المتوفی ۵۸۱ھ
عبدالرحمان سہیلی اندلسی المتوفی ۵۸۱ھ عبدالرحمان جوزی البکری المتوفی
ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدثین میں سے چند یہ ہیں۔ عبدالقادر الرہاوی
المتوفی ۶۱۲ھ ابوبکر محمد بن عبدالغنی المتوفی ۶۲۹ھ عبدالغنی بن نقطہ
عبدالرحمان الحرانی المتوفی ۶۴۳ھ ابوعمر عثمان بن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ
محمد بن عبدالواحد المقدسی المتوفی ۶۴۳ھ محمد بن محمود النجار بغدادی المتوفی
۶۴۳ھ یوسف بن خلیل نزیل حلب المتوفی ۶۴۸ھ عبدالعظیم المنذری
المتوفی ۶۵۶ھ عبدالرحمان ابوشامہ المتوفی ۶۶۵ھ ابوالحسن علی بن احمد
الفخر البلخی المتوفی ۶۹۰ھ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین
درج ذیل ہیں۔

عبدالمومن بن خلف دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ احمد بن تیمیہ الحرانی
المتوفی ۷۲۸ھ ابوالفتح محمد بن سیدالناس المتوفی ۷۳۴ھ
عبدالکریم بن عبدالنور الحلبی المتوفی ۷۳۵ھ قاسم بن محمد البرزالی المتوفی
۷۳۹ھ ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ محمد بن احمد
بن قدامہ المقدسی المتوفی ۷۴۴ھ محمد بن احمد شمس الدین ذہبی
المتوفی ۷۴۸ھ محمد بن رافع المتوفی ۷۷۴ھ نویں صدی ہجری
کے مشہور ترین محدثین یہ ہیں:

سراج الدین عمر بن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ سراج الدین عمر بلقینی المتوفی
۸۰۵ھ زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ نورالدین علی الہیثمی
المتوفی ۸۰۷ھ علاؤالدین احمد بن حجی المتوفی ۸۱۶ھ ولی الدین احمد

عراقی المتوفی ۸۲۶ھ تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المتوفی ۸۳۲ھ
شمس الدین محمد بن محمد الجزری المتوفی ۸۳۳ھ ابراہیم بن محمد
الحلبی المتوفی ۸۴۱ھ شمس الدین محمد بن ابی بکر ناصر المتوفی ۸۴۲ھ
احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ احمد
بن محمد الشمنی المتوفی ۸۷۲ھ دسویں صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین یہ ہیں۔

محمد بن عبدالرحمان سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ عبدالرحمان جلال الدین
سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ عبدالعزیز بن عمر بن فہد المتوفی ۹۲۱ھ احمد بن
محمد قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ تقی الدین ابوبکر البلاطسی المتوفی ۹۳۶ھ
زین الدین عمر بن احمد الشجاع الحلبی المتوفی ۹۵۴ھ احمد بن محمد
حجر ہیثمی المتوفی ۹۷۳ھ النجم محمد بن احمد غیطی المتوفی ۹۸۴ھ الطاہر
بن حسین الاہدل المتوفی ۹۹۸ھ علامہ جلال الدین سیوطی اور ابن ناصر
الدین نے نویں صدی ہجری تک محدثین کا ذکر کیا ہے اور علامہ محمد عبدالحی
کتانی نے اپنی کتاب فہرس الفہارس میں آٹھویں صدی ہجری سے
لے کر چودھویں صدی ہجری تک محدثین کا ذکر کر دیا ہے۔ (علوم اسلامی
ص ۴۴۵ تا ص ۴۶۲ مصنفہ راغب الطباخ) خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث
نبوی کی کتابت و تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی شروع
ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام حدیث نبوی لکھتے تھے اور حضور نے لکھنے کا حکم بھی فرمایا
تھا۔ دوسری صدی ہجری میں بھی حدیث نبوی کی تدوین ہوتی رہی لیکن
تیسری صدی ہجری میں امام بخاری[1] امام مسلم و دیگر محدثین نے حدیث

---

[1] چونکہ حدیث کے راویوں کے پانچ طبقات ہیں امام بخاری صرف دو طبقوں

نبوی کو باضابطہ طور پر ابواب و عنوانات مقرر کر کے مدون و مرتب کیا، بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ حدیث لکھنے کا آغاز امام بخاری اور امام مسلم نے کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام نے حدیث کو لکھنا شروع کر دیا تھا اور حضور نے لکھنے کی اجازت بھی فرما دی تھی اور فرمایا کہ لکھ لیا کرو میری زبان سے سوائے حق کے کوئی چیز نہیں نکلتی۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب
مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۲ ر فروری ۱۹۹۶ء

(بقیہ حاشیہ) سے روایت لیتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ رویان حدیث کے پانچ طبقات ہیں۔ ۱ ضبط میں کامل اور اپنے شیخ کی خدمت میں زیادہ رہنے والے ۲ ضبط میں تو کامل لیکن شیخ کی صحبت میں کم رہے ۳ شیخ کی صحبت میں زیادہ رہے لیکن تام ضبط بھی نہیں ۴ نہ شیخ کی صحبت بھی کم ہوئی اور ضبط میں بھی تام نہیں ہے۔ ۵ تام ضبط بھی نہیں شیخ کی صحبت بھی کم رہی اور ساتھ ہی ان پر جرح بھی زیادہ ہوئی امام بخاری پہلے طبقے کی تمام روایات لیتے ہیں اور دوسرے طبقے سے بھی روایات منتخب کر لیتے ہیں باقی تین طبقوں سے روایت نہیں لیتے اور تیسرے۔ اور امام مسلم پہلے اور دوسرے طبقے کی تمام روایات کو لیتے ہیں۔ اور تیسرے طبقے کی روایات کا انتخاب کرتے ہیں۔ چوتھے اور پانچویں کو چھوڑتے ہیں اور ابوداؤد چار طبقوں سے روایت لیتے ہیں اور امام ترمذی پانچوں طبقوں سے روایت لیتے ہیں۔ (علوم اسلامی ص ۲۸۷ افتخار احمد بلخی) مفتی غلام رسول

(۱۶۷) الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ مفتی غلام رسول صاحب

سلام مسنون، گزارش ہے کہ فتویٰ موصول ہوا شکریہ، مفتی صاحب آپ نے اس فتویٰ میں کتب حدیث کے سلسلہ میں مسند اور معجم کا ذکر کیا ہے ان کا کیا مفہوم ہے، امید ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کا جواب تحریر فرمائیں گے۔

سید عبدالحمید شاہ صاحب کونٹری روڈ، برمنگھم "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

کتب حدیث کی قسمیں تدوین و ترتیب کے لحاظ سے درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح وہ کتاب ہے جس میں احادیث صحیحہ کے وارد کرنے کا التزام کیا گیا ہو جیسے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما۔

۲۔ جامع وہ کتاب ہے جو آٹھ قسم کی حدیثوں پر مشتمل ہو، سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، اشراط، احکام، مناقب جیسے جامع ترمذی۔

۳۔ سنن وہ کتاب ہے جس میں ابواب فقہ کی ترتیب پر احادیث احکام جمع کی جائیں جیسے سنن ابوداؤد وغیرہ۔

۴۔ مسند وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کی ترتیب کے موافق احادیث ہوں جیسے مسند احمد وغیرہ۔

۵۔ معجم جس میں شیوخ کی ترتیب پر احادیث ہوں جیسے معجم طبرانی وغیرہ۔

۶۔ مستخرج وہ کتاب ہے جس میں حدیث کی کسی دوسری کتاب کی احادیث کے اثبات کے لیے احادیث جمع ہوں جیسے مستخرج ابونعیم علی البخاری

وغیرہ۔

٧۔ مستدرک وہ کتاب ہے جس میں حدیث کی کسی کتاب پر ایسی حدیثوں کو درج کیا جائے جو اس کتاب میں قابل ذکر ہونے کے باوجود ذکر نہ ہوں جیسے مستدرک امام حاکم۔

٨۔ جزء وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک مسئلہ کی احادیث جمع ہوں جیسے قرأت امام بخاری۔

٩۔ مفرد وہ کتاب ہے جس میں ایک شخص کی احادیث جمع ہوں جیسے مسند ابوبکر امام عسکری۔

١٠۔ اربعین وہ کتاب ہے جس میں چالیس حدیثیں جمع کی گئی ہوں جیسے اربعین علامہ نووی۔

١١۔ مراسیل وہ کتاب ہے جس میں مرسل حدیثیں جمع کی گئی ہوں جیسے مراسیل ابوداؤد۔

١٢۔ امالی وہ کتاب ہے جس میں کسی محدث کے اپنے تلامذہ کے سامنے بیان کیے ہوئے مطالب حدیث اور اس کے نکات جمع ہوں جیسے امالی ابن حجر عسقلانی۔

١٣۔ اطراف وہ کتاب ہے جس میں کسی معین کتاب کی احادیث کے اطراف جمع کیے ہوں جیسے کہ اطراف المزی۔

١٤۔ معلل یعنی ہر حدیث کے ساتھ اس کے سارے طرق روایتہ اور اختلاف رواۃ سب کچھ جمع کر دیا ہے تاکہ حدیث مرسل[1] ہونا، متصل ہونا موقوف

---

[1] حدیث سند کے لحاظ سے متعدد قسموں پر منقسم ہے۔

ہونا اور مرفوع ہونا وغیرہ واضح ہو جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول برمنگھم "یو کے"

بقیہ حاشیہ (١) مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس میں انتہائے سند میں راوی ساقط ہو یعنی تابعی تک تو سند متصل رہتی ہے پھر تابعی کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(٢) منقطع اس روایتہ کو کہتے ہیں جس میں دو راوی پے در پے نہیں بلکہ متفرق مقامات پر ساقط ہوں اور یہ یقین ہو سکے کہ فلاں فلاں مقام پر دو راوی ساقط ہیں۔

(٣) معضل اس روایتہ کو کہتے ہیں جس میں سند کی ابتداء اور انتہاء کے علاوہ پے در پے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔

(٤) شاذ وہ روایتہ ہے جس کی سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی رہا ہو جس کا کوئی شریک نہ ہو۔

(٥) ضعیف وہ روایتہ ہے جس میں نہ حسن کی اور نہ صحیح کے شرائط پائے جائیں۔

(٦) حسن وہ ہے جس میں تمام صحیح کی شرطیں پائی جائیں مگر راوی صفت ضبط میں اس سے کم درجے کے ہوں۔

(٧) صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند اول سے لے کر آخر تک متصل ہو جسے عادل اور ضابط راوی اپنے ہی جیسے عادل اور ضابط راوی سے نقل کرتے ہوئے آئیں اور اس روایتہ میں کوئی علت نہ ہو اور نہ وہ شاذ ہو۔

(٨) معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی خفیہ علت قادحہ ہو یعنی حدیث بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل اس میں کوئی سقم ہو مثلاً موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا بالعکس یا ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا گیا ہو یا کوئی اور وہم ہو ان علتوں سے اگر کوئی علت بھی سند یا متن میں پائی جائے تو وہ حدیث معلل ہے

الاستفتاء - (۶۶۸)

بخدمت جناب استاد العلماء قبلہ مفتی غلام رسول صاحب

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ میں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ درود شریف پڑھنے والا شخص جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اس کا یہ درود حضور تک پہنچ جاتا ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آواز کو سنتے ہیں پھر میں نے یہ حدیث جو علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں ذکر کی ہے بیان کی جو کہ درج ذیل ہے قال الطبرانی حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم عن خالد بن زید عن سعید بن ابی ھلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلٰوۃ علی یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ

آئمہ حدیث معلق کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیتے ہیں حتی کہ عبدالرحمن بن مہدی المتوفی ۱۹۸ھ نے کہا ہے کہ معلق حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

(۹) معلق وہ حدیث ہے جس میں سند کے شروع سے راویوں کو حذف کر دیا جائے خواہ بعض کو یا سب کو۔

(۱۰) متصل اگر سند سے کوئی راوی نہ گرے تو وہ متصل ہے۔

(۱۱) مرفوع وہ حدیث ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔

(۱۲) موقوف جو صحابی تک پہنچے۔

(۱۳) مقطوع جو تابعی تک پہنچے، مزید تفصیل اسماء رجال کی کتابوں میں ملاحظہ کریں۔

مفتی غلام رسول

لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا و بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ذکرہ الحافظ المنذری فی الترغیب وقال رواہ ابن ماجۃ باسناد جید۔ (جلاء الافہام ص۶۳)

ترجمہ: طبرانی نے اپنی سند (سند مذکور) کے ساتھ کہا کہ حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو اس لیے کہ وہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں کوئی بندہ کسی جگہ سے مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو حضرت ابو درداء فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا۔ حضور آپ کی وفات کے بعد (بھی) فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے اس حدیث کو حافظ منذری نے ترغیب میں ذکر کیا اور کہا کہ ابن ماجہ نے اسے بہ سند جید روایت کیا ہے۔ میں نے اہل مجلس کے سامنے کہا کہ دیکھو حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کا غلام جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے تو حضور تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے اور حضور اس کو سنتے ہیں۔ جب میں نے یہ کہا تو زید نامی شخص کہنے لگا کہ یہ حدیث جو تم نے بیان کی ہے اس پر چار اعتراض ہیں۔

(۱) یہ حدیث ابن ماجہ میں نہیں ہے لہذا حافظ منذری کا کہنا کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے یہ درست نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث کے تین راوی یحیی بن ایوب، خالد بن زید، سعید بن ابی ہلال،

اپنی کتاب جلاء الافہام میں ذکر کی ہے وہ اپنی اصل اور سند و متن کے لحاظ سے صحیح ہے اس کی صحت اور اصلیت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کو علامہ ابن قیم نے ذکر کرکے اس پر کوئی جرح و تنقید نہیں کی اگر اس کی اصل یا سند یا متن میں کوئی سقم ہوتا تو وہ ضرور اس پر جرح کرتے ان کا اس کو اپنی کتاب میں ذکر کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا اس کے صحیح ہونے پر واضح دلیل ہے۔ اب زید نامی شخص کا یہ کہنا کہ ابن ماجہ میں یہ روایت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ منذری نے رواہ ابن ماجہ کہا ہے رواہ فی سننہ نہیں کہا یعنی کہا ہے کہ ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ ابن ماجہ نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے ابن ماجہ کے مرویات صرف سنن ابن ماجہ میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کی دیگر تصانیف بھی ہیں امام ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے فن تاریخ اور تفسیر میں بھی کتابیں تصنیف فرمائیں علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ نے ایک عظیم اور عمدہ تفسیر تحریر فرمائی، علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں آپ کی تفسیر کا شمار کیا ہے اور خود ابن ماجہ کو مفسرین کے چوتھے طبقے سے شمار کیا گیا ہے محدث خلیلی المتوفی ۴۴۶ھ لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ، حدیث تاریخ اور تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۶۲ھ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے ابن ماجہ کو ممتاز ائمہ سے شمار کیا ہے۔ جب ابن ماجہ کی سنن کے علاوہ دیگر تصانیف بھی ہیں تو یہ روایت جس کو حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ نے ذکر کیا ہے تفسیر میں ہوگی اگر اس کی اصل نہ ہوتی تو امام طبرانی حافظ منذری اور علامہ ابن قیم اس کو ہرگز ذکر نہ کرتے ان کا ذکر کرنا اس کی اصلیت پر روشن دلیل ہے۔

جواب نمبر۲: زید نے جو یہ کہا تھا کہ اس حدیث کی سند میں جو راوی یحییٰ بن ایوب

ضعیف ہیں کیونکہ یحییٰ بن ایوب زیادہ تر غلطیاں کرتا تھا اور خالد بن زید تدلیس کرتا تھا اور سعید بن ابی ہلال کو علامہ ابن حزم نے ضعیف کہا ہے۔ جب تینوں راوی ضعیف ہیں تو یہ حدیث بھی ضعیف ہوگی۔

۳۔ یہ حدیث ایک صحیح حدیث کے معارض ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ بیہقی حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته

ترجمہ: جس نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ بوقت معارضہ یہی حدیث قابل اعتماد ہوگی اگر کسی نے دور سے درود پڑھا تو وہ حضور نہیں سنتے بلکہ دور والا درود شریف فرشتے پہنچائیں گے۔

۴۔ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ایک روایت ذکر کی ہے۔ جس میں ہے فان صلوتکم معروضة علی کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ایک اور حدیث ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ میری امت کا سلام میری خدمت میں پہنچاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ حضور امت کا سلام خود نہیں سنتے اس لیے فرشتے پہنچاتے ہیں اگر خود سنتے ہوں تو پھر فرشتوں کے پہنچانے کا کیا مطلب ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ اولین فرصت میں اس کا جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

المستفتی (مولانا) محمد نثار احمد صاحب، لندن

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

علامہ ابن قیم المتوفی ۷۵۰ھ نے بحوالہ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ جو حدیث

ہے وہ زیادہ تر غلطیاں کرتا تھا یہ اس کی صریح غلطی ہے کیونکہ یحییٰ بن ایوب کے ہم نام راوی کئی ہیں ان میں سے ایک یحییٰ بن ایوب غافقی ہے اور دوسرا یحییٰ بن ایوب علاف ہے، جس یحییٰ بن ایوب کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا وہ یحییٰ بن ایوب غافقی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب صـ ۲۸۵ جـ ۱۱ و صـ ۱۸۶ میں لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ایوب غافقی غلطیاں کرتا تھا اور یحییٰ بن ایوب علاف بقول امام نسائی المتوفی ۳۰۳ ھجـ ثقہ اور صالح ہے اور زیر بحث حدیث میں جو راوی ہے وہ علاف ہے جو کہ ثقہ ہے زید نے چونکہ دونوں میں تمیز نہیں کی لہٰذا یہ خود صریح غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور پھر زید کا دوسرے راوی خالد بن زید کے متعلق کہنا کہ وہ تدلیس کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ زید نے سمجھا ہے کہ چونکہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل میں ممکن ہے کہ کوئی راوی متروک ہو جس کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا ہو یعنی جس شیخ سے اس کا سماع ہے اس کو ترک کرکے اوپر جو شیخ ہے اس سے روایت کرتا ہے جس سے سماع کا وہم بھی پڑتا ہے جو دوسرے لفظوں میں تدلیس ہے یہ زید کی غلط فہمی ہے کیونکہ عنعنہ روایت میں ارسال تو ہو سکتا ہے لیکن تدلیس نہیں ہوتی کیونکہ تدلیس اور ارسال میں فرق ہے چنانچہ تدلیس یہ ہے

ان لا یسمی الراوی شیخه الذی سمعه منه بل یروی
عمن فوقه بلفظ یوهم السماع.

اور ارسال یہ ہے کہ سند سے آخر راوی کو ساقط کر دیا جائے جیسے کہ تابعی کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مقدمہ مشکوٰۃ صـ ۲) اس سے ظاہر ہے کہ تدلیس اور ارسال دونوں الگ الگ ہیں کہ تدلیس میں وہم سماع ہوتا ہے اور ارسال میں وہم سماع نہیں ہوتا جب تدلیس اور ارسال میں فرق ہے تو عنعنہ میں تدلیس سمجھنا صریح غلطی ہے کیونکہ عنعنہ میں تدلیس نقصان دہ ہے ارسال نقصان دہ نہیں

ہے اور زیر بحث حدیث کی سند عن فلان عن فلان ہے اس میں یہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ مرسل ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مدلس ہو اگر یہ راوی خالد بن زید تدلیس کرتا ہو تو ضرور اصحاب فن سے کوئی نہ کوئی اس کی نشان دہی کرتا چونکہ عنعنہ میں تدلیس ہوتی ہی نہیں لہٰذا کسی نے بھی اس راوی کو مدلس نہیں کہا بلکہ اس کے برعکس حافظ منذری نے کہا کہ اس کو ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے لہٰذا زید نامی شخص کا خالد بن زید کے متعلق یہ کہنا کہ وہ تدلیس کرتا تھا صریحاً غلط ٹھہرا۔ اور زید کا تیسرے راوی سعید بن ابی ہلال کے متعلق کہنا کہ اس کو علامہ ابن حزم نے ضعیف کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حزم المتوفی ۴۵۶ ھجـ اس میں منفرد ہے علماء لکھتے ہیں کہ ابن حزم اتنا خود لمبا نہ تھا جتنی اس کی زبان لمبی تھی اس کی جرح غیر معتبر ہے یہ تو امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ ھجـ جو مشہور محدث ہیں جن کی کتاب سنن ترمذی صحاح ستہ میں داخل ہے ان کے متعلق لکھتا ہے کہ ترمذی رجل مجہول ہے علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ ھجـ لکھتے ہیں کہ سعید بن ابی ہلال ثقہ ہے۔ معروف فی الکتب الستة اور یہ کتب ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نسائی) میں مشہور راوی ہے اور اس کے بعض اساتذہ بھی اس سے روایت کرتے ہیں جب اتنا ثقہ اور مشہور راوی ہو تو اس پر ابن حزم کی جرح غیر معتبر ہوگی۔ اب ثابت ہوا کہ زید نامی شخص کا تینوں راویوں کو ضعیف کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس حدیث کے تینوں راوی معتمد علیہ، ثقہ، معروف و مشہور ہیں اور یہ حدیث سنداً اور اصل کے لحاظ سے صحیح ہے۔

جواب نمبر ۳:- اور زید نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ایک صحیح حدیث کے معارض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ جلاء الافہام والی پیش کردہ روایت صحیح ہے تو یہ حدیث حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۸ ھجـ والی روایت کے معارض نہیں ہوگی۔

کیونکہ ابوہریرہ والی روایت نہایت ضعیف ہے اس میں جو راوی ابو عبدالرحمٰن محمد بن مروان سدی صغیر ہے وہ متروک الحدیث اور متہم بالکذب ہے۔ اس حدیث کو ولی الدین خطیب المتوفی ۷۴۲ھ نے مشکوٰۃ میں چونکہ بلا سند ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کو امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے حیات الانبیاء ص۱۲ میں اس کی سند یوں ذکر کی ہے۔ اخبرنا علی بن محمد بن بشران انباء ابو جعفر الرازی ثنا عیسی بن عبد اللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمرو الحنفی ثنا ابو عبد الرحمٰن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی نائیا منه ابلغته ابو عبد الرحمٰن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیه نظر

بیہقی نے سند مذکور کے ساتھ ابوہریرہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود شریف پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابو عبدالرحمٰن سے مراد محمد بن مروان سدی ہے اور اس میں نظر ہے اور فیہ نظر کا لفظ جرح کا ہے گویا کہ اس روایت میں راوی ابو عبدالرحمٰن ضعیف ہے حافظ شمس الدین ذہبی ابو عبدالرحمٰن محمد بن مروان کے متعلق لکھتے ہیں۔

محمد بن مروان السدی الکوفی وهو السدی الصغیر عن هشام ابن عروة والاعمش ترکوه واتهمه بعضهم بالکذب وهو صاحب الکلبی قال البخاری سکتوا عنه وهو مولی الخطابین لایکتب حدیثه البتة وقال ابن معین لیس بثقة وقال احمد ادرکته وقد کبر فترکته العلاء بن عمرو الحنفی حدثنا محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة مرفوعا من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی نائیا ابلغته میزان الاعتدال ج۳ ص۱۳۲

محمد بن مروان سدی کوفی ہے وہ سدی صغیر ہے وہ ہشام ابن عروہ اور اعمش سے روایت کرتا ہے محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے اور بعض نے اس کو متہم بالکذب کہا ہے وہ صاحب کلبی ہے بخاری نے کہا (سکتوا عنه ۔ کہ محدثین نے اس کے معاملہ میں سکوت کیا ہے) اور وہ مولائے خطابین ہے اور اس کی حدیث ہرگز نہیں لکھی جاتی اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور امام احمد نے کہا۔ کہ میں نے اس کو پایا وہ بوڑھا ہو گیا تھا میں نے اس کو ترک کیا علاء بن عمرو حنفی نے کہا کہ ہم سے محمد بن مروان نے حدیث بیان کی اس نے امام اعمش سے روایت کی، اعمش نے ابو صالح سے، ابو صالح نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ جس نے میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود (شریف) پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ ابوہریرہ سے مروی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی سدی صغیر نہایت ضعیف بلکہ متہم بالکذب[1] ہے اس پر اکثر محدثین نے جرح کی ہے۔

---

[1] محمد بن مروان سدی صغیر المتوفی ۱۸۶ھ اگر کسی روایت میں یہ سدی صغیر کلبی ابو صالح کے ساتھ شامل ہو جائے تو یہ ان دونوں، سدی صغیر اور کلبی ابو صالح المتوفی ۱۴۶ھ کے جمع ہونے

اور امام بیہقی نے بھی فیہ نظر سے ابو عبدالرحمٰن سدی صغیر پر جرح کی ہے اگر زید کہے کہ امام بیہقی نے تو کہا ہے "فیما اری" جس سے تردد کا اظہار ہو رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فی الواقع محل تردد ہوتا تو حافظ ذہبی بھی اس کا ذکر کرتے لیکن حافظ ذہبی نے سدی کے ترجمہ میں بعینہٖ اسی روایت کو ذکر کر کے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ محل تردد نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ حدیث ابوہریرہ ضعیف ہے اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ابن قیم کی پیش کردہ حدیث کے معارض ہو کیونکہ جلاء الافہام والی مذکورہ حدیث اصل سند اور متن کے لحاظ سے ہر طرح صحیح ہے نیز حافظ منذری نے یہ کہہ کر رواہ ابن ماجہ باسناد جید اس حدیث کی تقویت اور صحت کی وضاحت کر دی ہے۔

جواب نمبر ۴:۔ اور زید کا یہ کہنا کہ امام نسائی نے روایت کی ہے فان صلوتکم معروضۃ علی۔ کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ فرشتے پیش کرتے ہیں جب درود جو دور سے پڑھا جاتا ہے فرشتے پیش کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں سنتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی زید کی غلط فہمی ہے کیونکہ فرشتوں کے پیش کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے نہ ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ فرشتے جب بندوں کے اعمال اور کلمات طیبات اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں تو اللہ ان اعمال اور کلمات طیبات کو بھی نہ سنے جیسے اللہ کی بارگاہ میں کلمات پیش ہوتے ہیں اور اللہ ان کلمات کو سنتا ہے اسی طرح حضور کی بارگاہ میں درود پیش ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ:۔ کی وجہ سے سلسلۃ الکذب ہو جاتا ہے ایک دوسرے سدی کبیر ہیں ان کا نام اسمٰعیل بن عبدالرحمان المتوفی ۱۲۷ھ ہے۔

مفتی غلام رسول

سکتے ہیں دونوں بارگاہوں میں پیش ہونا ایک جیسا ہی ہے انور شاہ دیوبندی المتوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں۔ لان المقصود بعرض الملائکۃ هو تلك الكلمات بعينها فى حضرة العالية علمها من قبل اولم يعلم كعرضها عند رب العزة ورفع الاعمال اليه فان تلك الكلمات مما يحيا به وجه الرحمٰن فلا ينفى العرض العلم فالعرض قد يكون للعلم و اخرىٰ لمعان اُخر فاعرف الفرق (فیض الباری ص۳۰۲ ج ۳۔

(نفی علم غیب پر دلیل نہ ہونا) اس لیے ہے کہ فرشتوں کی پیش کش کا مقصد صرف یہ ہے کہ درود شریف کے کلمات بعینہٖ بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو بارگاہ نبوت و رسالت میں کلمات درود شریف کی پیش کش بالکل ایسی ہے جیسے رب العزت کی بارگاہ میں یہ کلمات طیبات پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذات رحمٰن جل شانہٗ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لیے یہ پیش کش علم کے منافی نہیں ہے لہٰذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی علم کے لیے بھی ہوتا ہے اور کبھی دوسرے معانی کے لیے بھی اس فرق کو خوب پہچان لو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر بندوں کے اعمال یا کلمات طیبات اللہ کی بارگاہ میں فرشتے پیش کرتے ہیں تو اس پیش کش سے اگر یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سنتی نہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو فرشتے درود پیش کرتے ہیں اس پیش کش سے بھی یہ لازم نہیں آئے گا کہ حضور سنتے نہیں اگر اللہ تعالیٰ سنتا ہے تو حضور بھی سنتے ہیں کیونکہ درود شریف ایک ہدیہ اور تحفہ ہے، ہدیہ اور تحفہ تبھی ہو گا جبکہ فرشتے پیش کریں گے۔

بندوں کے اعمال یا کلمات طیبات بھی فرشتے اس لیے پیش کرتے ہیں تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں اور فرشتے جو کلمات طیبات بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں یا درود پاک جو بارگاہ نبوت میں پیش کیا جاتا ہے ۔ یہ بعینہٖ اصل کلمات ہوتے ہیں جو کہ پیش کرنے کے قابل ہیں جیسے کہ جواہر کو بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے جہاں تک سُننے یا سماع کا تعلق ہے وہ تو صرف آواز سے ہوتا ہے اگر صرف سُننا یا سماع مقصود ہوتا تو فرشتے پیش نہ کرتے کیونکہ سماع جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی حاصل ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ دیکھ رہا ہے اور کلمات طیبات سُن رہا ہے پھر فرشتے پیش کرتے ہیں گویا کہ وہ باوجود اعراض ہونے کے اس قابل ہیں ان کو پیش کیا جائے جیسے کہ جواہر کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں اسی طرح صلواۃ وسلام کے بعینہا اصل کلمات پیش کش کے قابل ہو جاتے ہیں تو فرشتے بطور ہدیہ و تحفہ بارگاہ نبوّت و رسالت میں پیش کرتے ہیں اسی لیے صاحب فیض الباری نے صلواۃ و سلام کی پیش کش کو اعمال اور کلمات کی پیش کش کے مثل قرار دیا کہ دونوں ایک جیسے ہیں تو اسی طرح سننے کا تعلق اگرچہ آواز سے ہے وہ بھی دونوں حالتوں میں ایک طرح ہی ہوگا ۔ یعنی جیسے کہ اللہ تعالیٰ سُنتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سُنتے ہیں پیش کش تو صرف اس لیے ہوتی ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے پائے جائیں ۔

ہدیہ اور تحفہ اسی وقت ہوگا جبکہ بطور جواہر ملائکہ ان دو عظیم بارگاہوں میں پیش کریں اسی لیے اگر کوئی مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضور کی بارگاہ میں درود پڑھے تو اس کو بھی فرشتے پیش کرتے ہیں باوجودیکہ وہ درود پاک جو

روضہ انور پر پڑھا جائے زید کے نزدیک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُنتے ہیں لیکن اس کو بھی فرشتے پیش کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

من صلی علی عند قبری وکل اللہ بہ ملکا یبلغنی وکفی امر دنیاہ و اٰخرتہ وکنت لہ یوم القیٰمۃ شہیدا او شفیعا

جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے امر دنیا اور آخرت کی کفایت کیا جاتا ہے اور میں اس کے لیے قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو روضہ انور پر درود پڑھا جاتا ہے باوجودیکہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے ہیں پھر بھی فرشتہ بارگاہ عالیہ میں پیش کرتا ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں ۔ درود شریف چونکہ ہدیہ اور تحفہ ہے جیسا کہ کعب بن عجرہ المتوفی ۵۱ھ نے درود پاک کو ہدیہ سے تعبیر کیا ہے (مشکواۃ صفحہ ۸۶ فضائل درود شریف صفحہ ۳۷) لہٰذا جب کوئی حضور کا اُمتی درود شریف پڑھے خواہ قریب سے یا دور سے تو فرشتے اس کو ہدیۃً اور تحفۃً پیش کرتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور سُنتے ہی نہیں جیسے کہ پیش کرنے سے سماع کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح علم کی نفی بھی نہیں ہوتی ۔ صاحب فیض الباری نے صلواۃ وسلام کا بارگاہ نبوت میں پیش کیے جانے اور بندوں کے اعمال اور کلمات طیبات رب العزت کی بارگاہ میں پیش کیے جانے میں مماثلت اور اشتراک ثابت کرتے ہوئے اس پر استدلال کیا ہے کہ اس پیش کش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

بندوں کے اعمال یا کلمات طیبات بھی فرشتے اس لیے پیش کرتے ہیں تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں اور فرشتے جو کلمات طیبات بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں یا درود پاک جو بارگاہ نبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بعینہٖ اصل کلمات ہوتے ہیں جو کہ پیش کرنے کے قابل ہیں جیسے کہ جواہر کو بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے جہاں تک سُننے یا سماع کا تعلق ہے وہ تو صرف آواز سے ہوتا ہے اگر صرف سُننا یا سماع مقصود ہوتا تو فرشتے پیش نہ کرتے کیونکہ سماع جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی حاصل ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ دیکھ رہا ہے اور کلمات طیبات سُن رہا ہے پھر فرشتے پیش کرتے ہیں گویا کہ وہ باوجود اعراض ہونے کے اس قابل ہیں ان کو پیش کیا جائے جیسے کہ جواہر کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں اسی طرح صلوٰۃ وسلام کے بعینہا اصل کلمات پیش کش کے قابل ہو جاتے ہیں تو فرشتے بطور ہدیہ و تحفہ بارگاہ نبوت و رسالت میں پیش کرتے ہیں اسی لیے صاحب فیض الباری نے صلوٰۃ و سلام کی پیش کش کو اعمال اور کلمات کی پیش کش کے مثل قرار دیا کہ دونوں ایک جیسے ہیں تو اسی طرح سننے کا تعلق اگرچہ آواز سے ہے وہ بھی دونوں حالتوں میں ایک طرح ہی ہوگا۔ یعنی جیسے کہ اللہ تعالیٰ سُنتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سُنتے ہیں۔ پیش کش تو صرف اس لیے ہوتی ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے پائے جائیں۔

ہدیہ اور تحفہ اسی وقت ہوگا جبکہ بطور جواہر ملائکہ ان دو عظیم بارگاہوں میں پیش کریں اسی لیے اگر کوئی مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضور کی بارگاہ میں درود پڑھے تو اس کو بھی فرشتے پیش کرتے ہیں باوجودیکہ وہ درود پاک جو

روضہ انور پر پڑھا جائے زید کے نزدیک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُنتے ہیں لیکن اس کو بھی فرشتے پیش کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلى علي عند قبري وكل الله به ملكا يبلغني وكفي امر دنياه و آخرته وكنت له يوم القيٰمة شهيدا او شفيعا

جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے امر دنیا اور آخرت کی کفایت کیا جاتا ہے اور میں اس کے لیے قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو روضہ انور پہ درود پڑھا جاتا ہے باوجودیکہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے ہیں پھر بھی فرشتہ بارگاہ عالیہ میں پیش کرتا ہے تاکہ ہدیہ اور تحفہ کے معنے متحقق ہو جائیں۔ درود شریف چونکہ ہدیہ اور تحفہ ہے جیسا کہ کعب بن عجرہ المتوفی ۵۱ھ نے درود پاک کو ہدیہ سے تعبیر کیا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۶ فضائل درود شریف ص ۳۷) لہٰذا جب کوئی حضور کا اُمتی درود شریف پڑھے خواہ قریب سے یا دور سے تو فرشتے اس کو ہدیۃً اور تحفۃً پیش کرتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور سُنتے ہی نہیں جیسے کہ پیش کرنے سے سماع کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح علم کی نفی بھی نہیں ہوتی۔ صاحب فیض الباری نے صلوٰۃ وسلام کا بارگاہ نبوت میں پیش کیے جانے اور بندوں کے اعمال اور کلمات طیبات رب العزت کی بارگاہ میں پیش کیے جانے میں مماثلت اور اشتراک ثابت کرتے ہوئے اس پر استدلال کیا ہے کہ اس پیش کش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

علم غیب کی نفی نہیں ہوتی جیسے کہ بارگاہ رب العزت میں کلمات طیبات پیش کیے جاتے ہیں لیکن علم غیب کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ صلوٰۃ وسلام اور کلمات طیبات کو بذریعہ ملائکہ پیش کرانے سے مقصد یہ ہے کہ ہدیہ اور تحفہ بن جائیں حاصل کلام یہ ہے کہ درود شریف پیش کرنے کی حدیث نہ علم غیب کی نفی پر دلیل ہے اور نہ نفی سماع پر دلیل ہے حضور درود شریف سنتے بھی ہیں اور حضور کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔ جب بھی کوئی مسلمان درود شریف پڑھے خواہ دُور سے یا نزدیک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے بھی ہیں اور ملائکہ بطور تحفہ و ہدیہ بارگاہ عالیہ میں پیش بھی کرتے ہیں کیونکہ پیش کرنا سننے کا منافی نہیں ہے اور سننا پیش کرنے کے منافی نہیں ہے یعنی قریب اور بعید کا درود شریف جیسے حضور کو پہنچایا جاتا ہے اسی طرح قریب اور بعید کا درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں بلکہ جانتے بھی ہیں کہ فلاں امتی اور غلام درود شریف پڑھ رہا ہے قریب اور دور کا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہے یہ فرق تو امتی اور غلام کے لیے ہے لیکن جب وہ کرم فرماتے ہیں تو یہ فرق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نزدیک اور دُور کی قید عالم خلق کے لیے ہے عالم امر کے لیے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم امر میں تشریف فرما ہیں جس میں دُور و نزدیک کی کوئی قید نہیں ہے اسی لیے فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ تو اتصال معنوی پر مبنی ہے عالم امر مقید بجہت و طرف و قرب و بعد وغیرہ نہیں ہے پس اس

لہ تومگو مارا بداں شہ بار نیست، بر کریماں کارہا دشوار نیست (مثنوی صد ۵۴) مفتی ۱۲

کے جواز میں شک نہیں ہے (شمائم امدادیہ صد ۵۸) یعنی بعض لوگوں نے خیال کیا کہ درود شریف بصیغہ خطاب (الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ) جائز نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُور سے نہیں سنتے تو حاجی امداد اللہ صاحب ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں قرب و بُعد کا سوال ہی نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم امر میں تشریف ہیں۔ نزدیک اور دُور کی قید عالم امر کے لیے نہیں ہے لہٰذا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے جواز میں شک نہیں ہے۔

مولانا ذکریا دیوبندی لکھتے ہیں بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ پڑھا جائے (فضائل درود شریف صد ۲۰) اس سے بھی ظاہر ہے کہ خواہ کوئی قریب ہو یا دُور ہو ہر جگہ سے جب ہی کوئی درود شریف پڑھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں کیونکہ خطاب سے مقصد ہی سُنانا ہوتا ہے اگر مخاطب سنتا نہیں تو پھر خطاب کرنے کا کیا مقصد ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرنا جائز ہے تو خطاب کے لوازمات سے سننا بھی ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کا خواہ وہ قریب ہے یا دُور ہے پیش کیا ہوا درود شریف سماعت فرماتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ میرے فلاں اُمتی نے مجھ پر درود شریف پڑھا ہے۔ نواب صدیق حسن بھوپالوی المتوفی ۱۳۰۷ ھ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام حالات میں مومنوں اور عبادت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں و بعض از عرفا قدس سرہ گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ذوات مصلیان

موجود وحاضر است مصلی باید کہ ازیں معنے آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود
تابانوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردد۔

ے درراہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست۔ مے بینمت عیاں ودعامے فرستمت

کہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ یہ خطاب دعا نماز میں السلام علیک ایہا النبی
حقیقت محمدیہ کے سریان کے سبب سے ہے تمام موجودات کے ذروں اور
تمام ممکنات کے افراد میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نمازیوں کی ذاتوں میں
موجود اور حاضر ہیں تو نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور اس
شہود اور حاضری سے غافل نہ ہو تاکہ معرفت کے اسرار اور قرب کے انوار
سے منور اور فائز ہو جائے کیونکہ عشق کے راستے میں قرب اور بعد کی منزل
نہیں ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں آپ کو ظاہر اور عیاں دیکھتا ہوں
اس سے ظاہر ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجودات، ممکنات اور نمازیوں
میں موجود وحاضر ہیں تو پھر جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں
درود شریف بھیجتا ہے تو حضور اس کو سنتے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۵ جولائی ۱۹۹۰ء

(۶۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں۔

۱۔ ایک نمازی ماہ رمضان میں امام کے ساتھ وتر کی تیسری رکعت کے رکوع
میں شامل ہوا، اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب یہ باقی نماز پڑھے گا تو
کیا یہ نمازی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھے گا کیونکہ امام
کے ساتھ وہ دعا قنوت نہیں پڑھ سکا۔

۲۔ اگر ایک نمازی کو دعا قنوت نہیں آتی تو اس کے بدلے میں کیا تین مرتبہ
سورہ قل ھو اللہ احد پڑھ سکتا ہے یا نہ۔

۳۔ وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ان کا پڑھنا ضروری ہے
یا نہ ان کا جواب فتویٰ کی صورت میں درکار ہے۔

سائل

محمد ندیم ہاشمی برمنگھم "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

جواب نمبر ۱:۔ جو آدمی وتر کی جماعت میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوا
وہ مسبوق ہے اور مسبوق کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر ایسی حالت میں امام کے
ساتھ شامل ہوا کہ دعا قنوت کو امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے تو امام کے ساتھ
پڑھ لے جیسے کہ دوسری رکعت میں شامل ہو یا تیسری رکعت میں رکوع سے
پہلے شامل ہو اگر تیسری رکعت کے رکوع میں شامل ہو تو پھر جب یہ باقی
نماز پڑھے تو اس میں دعا قنوت نہ پڑھے نور الانوار ص۴۵ میں ہے کما لا
تقتضی القراءۃ والقنوت کہ جس طرح قرأت اور دعا قنوت فوت ہو جاتے کے
بعد رکوع میں قضا نہیں کی جاتی ہیں فتاوی عالمگیری ص۱۱۱ میں ہے۔ واذا
ادرکہ فی الرکعۃ الثالثۃ فی الرکوع ولم یقنت
معہ لم یقنت فیما یقضی۔
کہ جب مقتدی تیسری رکعت کے رکوع میں شامل ہوا ہے تو نہ رکوع میں

دعا قنوت پڑھے اور نہ ہی جب کہ بعد میں باقی نماز پڑھے غرضیکہ جو نمازی وتر کی جماعت میں امام کے ساتھ آخری رکعت کے رکوع میں آکر ملا ہے یہ نہ رکوع میں دعائے قنوت پڑھے اور نہ ہی جب باقی نماز پڑھے۔

جواب نمبر ۲:۔ نمازی کو چاہیے کہ وہ دعا قنوت یاد کرے اگر یاد نہیں ہے تو پھر یہ دعا پڑھ لے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار فتاوٰی عالمگیری صلاا میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ دعائے قنوت اللّٰھم انا نستعینك پڑھے اگر یہ نہیں پڑھ سکتا تو پھر ربنا اتنا فی الدنیا حسنة پڑھے اگر یہ بھی نہیں پڑھ سکتا تو پھر اللّٰھم اغفرلنا تین مرتبہ پڑھے، غرضیکہ دعا قنوت میں دعائیہ کلمات پڑھے سورۂ اخلاص قل ھو اللہ احد۔ کا تکرار نہ کرے کیونکہ سورۂ اخلاص دعا نہیں ہے اور دعا قنوت میں دعائیہ کلمات ہونے چاہیں۔

جواب نمبر ۳:۔ نماز وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا بہتر اور کار ثواب ہے۔ جب یہ دو رکعت نفل پڑھے تو پہلی رکعت میں سورۂ اذا زلزلت الارض پڑھے اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون پڑھے بہار شریعت صـ۹ ج ۴ میں ہے اگر رات میں تہجد کے لیے نہ اٹھا تو یہ دو رکعت نفل تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گے لہٰذا یہ نفل پڑھ لینا بہتر ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۱۵ جولائی ۱۹۹۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں انگلینڈ میں مکانوں اور دیواروں پر رنگ روغن کرنے کے لیے جو برش ہوتے ہیں وہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ استعمال نہ کرنے چاہئیں کیونکہ یہ برش خنزیر کے بالوں سے بنے ہوئے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب برش دوسرا نہ ملے تو اس کا استعمال کیا جائز ہے یا نہ اور یہاں مسلمانوں کی دکانوں پر بھی یہ ہی ملتے ہیں کیا مسلمانوں کے لیے ایسے برشوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہ۔

نعیم آصف برمنگھم، "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

خنزیر نجس العین ہے اس کا گوشت بلکہ تمام اجزاء لحمیہ حرام اور نجس ہیں مگر خنزیر کے بالوں میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نجس ہیں لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جو ان کی نجاست ہے وہ نجاست خفیفہ ہے کیونکہ فقہاء کے درمیان جب نجاست اور طہارت میں اختلاف ہو تو نجاست خفیفہ میں ہوتا ہے کبیری شرح منیہ صـ۱۶۸ میں ہے والخفیفة ھی التی وقع الاختلاف فیھا جس کے نجس ہونے میں اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے اور امام محمد فرماتے ہیں کہ خنزیر کے بال طاہر اور پاک ہیں رد المحتار صـ۲۲۶ ج ۱ میں ہے اھ علی قول ابی یوسف الذی ھو ظاھر الروایة ان شعرہ

نجس وعند محمد لا ینجسه افاده فی البحر و ذکر فی الدرر انه عند محمد طاهر لضرورة استعماله.

یعنی قول ابی یوسف پر جو کہ ظاہر روایت ہے کہ خنزیر کے بال نجس ہیں اور امام محمد کے نزدیک خنزیر کے بال پلید نہیں یہی بحر الرائق میں ہے اور صاحب درر نے ذکر کیا کہ بے شک امام محمد کے نزدیک خنزیر کے بال استعمال ضرورت کی وجہ سے پاک ہیں کبیری شرح منیہ میں ہے۔

الا شعر الخنزیر لما ابیح الانتفاع بها للخرز ضرورة قال محمد رحمة الله علیه انه لو وقع فی الماء لا ینجسه.

خنزیر کے بالوں کے سوا خنزیر کی کوئی چیز پاک نہیں ہے خنزیر کے بال اس لیے پاک ہیں کہ ان سے سلائی کی جاتی ہے یعنی موزے اور دستانوں کی سلائی میں کام آتے ہیں امام محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر خنزیر کا بال پانی میں گر جائے تو پانی پلید نہیں ہوگا بحر الرائق ص۱۰۱ میں ہے۔

ورخص فی شعره للخرازین للضرورة.

اور اجازت دی گئی ہے سلائی کرنے والوں کے لیے کہ وہ خنزیر کے بالوں سے سلائی کریں بوجہ ضرورت کے یعنی جو لوگ دستانے جرابیں موزے وغیرہ بناتے ہیں وہ بوقت ضرورت خنزیر کے بالوں کے ساتھ سلائی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مضبوط ہوتے ہیں ان کے ساتھ جو سلائی ہوگی وہ مضبوط ہوگی۔ لہٰذا ضرورت کے ماتحت شریعت نے اجازت دی ہے اگرچہ ظاہر مذہب کے مطابق خنزیر کے بال نجس ہیں جیسے کہ امام ابو یوسف نے کہا ہے لیکن

فتویٰ امام محمد کے قول کے مطابق ہوگا کہ پاک ہیں بایں وجہ کے بعض دفعہ ظاہر مذہب کے خلاف دیگر روایت پر فتویٰ ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی ص۳۰۵ ج ۲ میں ہے اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت بلا اجازت ولی نکاح کرے تو آئمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الاطلاق جائز ہے ظاہر مذہب یہی ہے لیکن حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق غیر کفوء میں نکاح جائز نہیں ہے اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ اس کے ولی کو غیر کفوء کے ساتھ نکاح کرنے پر اعتراض نہ ہو۔ اب یہاں ظاہر مذہب پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ حسن بن زیاد کی روایت پر فتویٰ ہے اس مسئلہ کے تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "حسب ونسب" میں ذکر کیے ہیں اسی طرح یہاں خنزیر کے بالوں کے مسئلہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ خنزیر کے بال پاک ہیں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ قد جعل العلماء الفتوٰی علی القول الامام الاعظم فی العبادات مطلقا و قد صرحوا بان الفتوٰی علی قول محمد فی جمیع مسائل ذوی الارحام و فی قضاء الاشباه و النظائر الفتوٰی علی قول ابی یوسف فیمایتعلق بالقضاء ص۷۱ ج ۱

ص۷۱ ج ۱) اور علماء نے عبادات میں مطلقاً قول امام اعظم پر فتویٰ دیا ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ ذوی الارحام کے مسائل میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور صاحب اشباہ والنظائر (ابن نجیم) نے کہا ہے کہ قضا کے مسائل میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے اور ظاہر ہے کہ مسئلہ زیر بحث کا تعلق چونکہ قضاء سے نہیں ہے لہٰذا فتویٰ امام محمد کے قول کے مطابق ہوگا اور چونکہ مسئلہ زیر بحث میں امام اعظم سے تصریح منقول نہیں ہے لہٰذا

امام محمد کا قول امام اعظم کا قول ہی تصور ہوگا اور اسی پر ہی فتویٰ ہوگا کہ خنزیر کے بال پاک ہیں اور بوقت ضرورت استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ جب جرابیں موزے، دستانے ان بالوں سے سلے جا سکتے ہیں تو اگر ان بالوں سے برش بنائے گئے ہیں تو ان برشوں سے رنگ و روغن بھی کیا جا سکتا ہے البتہ اگر خنزیر کے بالوں سے برش بنا ہے تو ایسے برش کو دانتوں پر پھیرنا منع ہے کیونکہ یہ کھانے کے مشابہ ہے بعض چیزیں پاک تو ہوتی ہیں لیکن ان کا کھانا حرام ہوتا ہے جیسا کہ مٹی پاک ہے لیکن کھانا اس کا حرام ہے ممکن ہے کہ امام محمد نے خنزیر کے بالوں کو پاک صرف ضرورت کے لیے کہا ہو جیسے کہ سلائی کرنے والوں کی ضرورت ہے لیکن کھانے میں تو کوئی ضرورت نہیں ہے اگر برش ان بالوں کا بنا ہوا ہے تو اس کو دانتوں میں ہرگز ہرگز نہ پھیرے اور نہ ہی شریعت اس کی اجازت دیتی ہے اجازت جس ضرورت کے لیے دی گئی ہے اسی پر ہی منحصر ہوگی موزوں، دستانوں اور جرابوں کی سلائی میں استعمال ہو سکتے ہیں تو ان سے رنگ و روغن میں استعمال ہونے کے لیے برش بھی بنائے جا سکتے ہیں اور ان برشوں کے ساتھ رنگ و روغن کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ امام محمد کے نزدیک پاک ہیں تو ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے نفع لینا جائز ہے اس کا خریدنا بیچنا بھی جائز ہے نیز جو چیز پاک ہو اس سے نفع اٹھانا اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے فتاویٰ عبدالحی صـ ۳۸۴ میں ہے۔ ویشترط فی المبیع ان یکون طاھرا ۔ اور جو چیز فروخت کی جائے اس میں شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہو و لا یبیع جلد المیتۃ قبل ان یدبغ لانہ غیر منتفع بہ ولا باس

بیعھا والانتفاع بھا بعد الدباغ لانھا طھرت بالدباغ ۔ اور مردار کا چمڑا رنگنے سے پہلے نہ بیچا جائے کیونکہ اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے اور رنگنے کے بعد جب پاک ہو جائے تو اس کا بیچنا بھی جائز ہے غرضیکہ امام محمد کے نزدیک جب خنزیر کے بال (بوجہ ضرورت) پاک ہیں تو ان سے جو برش وغیرہ بنائے گئے ہیں ان سے رنگ و روغن مکانوں پر کرنا اور ان کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

۸ر اگست ۱۹۸۹ء

(۱۷۱) - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے اور اہل سنت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے تو پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے فرمان کا کیا مطلب ہے۔

(مولانا وقار احمد بیگ مانچسٹر "یو کے")

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

یہ حدیث ضعیف ہے شمائل ترمذی میں یہ حدیث بمعہ سند اس طرح مذکور ہے حدثنا محمد بن اسماعیل حدثنا

عبد الله بن صالح حدثني معاوية بن صالح
عن يحيى بن سعيد عن عمرة قالت قيل لعائشة
ماذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
في بيته قالت كان بشرًا من البشر.

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور کے اپنے گھر میں کیسے معاملات تھے تو فرمایا کہ حضور بھی ایک بشر تھے اس حدیث کا راوی عبداللہ بن صالح ضعیف ہے حافظ ذھبی نے اس پر جرح و تعدیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبداللہ بن صالح منکر حدیثیں بیان کرتا ہے امام نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے ابن مدینی کہتے ہیں کہ اس کی سند اور متن دونوں میں غلطیاں ہوتی ہیں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ پہلے اس کا معاملہ کچھ ٹھیک تھا آخر میں خراب ہوگیا۔ احمد بن صالح فرماتے ہیں متہم ہے اور لیس بشئی ہے (میزان الاعتدال ص ۴۴۱) علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں لیس ھو بشئی یعنی یہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ علی بن مدینی المتوفی ۲۳۴ ھجری فرماتے ہیں میں اس سے روایت نہیں کرتا۔ احمد بن صالح المتوفی ۲۴۵ ھجری فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن صالح متہم ہے امام نسائی المتوفی ۳۰۳ ھجری کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہے ابن عدی المتوفی ۳۶۵ ھجری کہتے ہیں کہ اس کی سندوں اور متنوں میں غلطی ہوتی ہے ابن حبان المتوفی ۳۵۴ ھجری کہتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے امام حاکم المتوفی ۴۰۵ ھجری نے کہا کہ یہ ذاہب الحدیث ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۵۸ ج ۵)، نیز ابن حجر تقریب ص ۲۰۲ میں لکھتے ہیں عبداللہ بن صالح کثیر الغلط یعنی عبداللہ بن صالح بہت

غلط روایتیں بیان کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب اصحاب فن نے عبداللہ بن صالح پر جرح و تنقید کی ہے تو اس کی یہ پیش کردہ روایت ضعیف ہے جو قابل استدلال نہیں ہے اور نبی صلی اللہ وسلم نور ہیں قرآن پاک میں ہے قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین تمام مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے کہ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تمام کائنات میں حضور کی مثل کوئی نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت خاص ہے۔ حضور صرف بشر نہیں بلکہ بے مثل بشر ہونے کے ساتھ ساتھ حضور، نبی، رسول، شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر بھی ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں تو گویا کہ وہ صرف بشریت میں اشتراک کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ حضور کے تمام اوصاف لازمہ میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے اس اشتراک اور ادعا سے اس مدعی کا کفر ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے حضور کے ساتھ نبوت میں ہمسری کا دعویٰ کیا تو تمام مسلمانوں نے اس کی تکفیر کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شرکت کا دعویٰ کرنا اتنا عظیم کفر ہے جو مدعی اس کا مرتکب ہوکر کافر ہوتا ہے جو قوم اس مدعی کافر کو اپنا نبی یا رہنما سمجھے وہ قوم اجتماعی طور پر کافر ہوگی اس مدعی کے ماننے والوں پر انفرادی طور پر کفر عائد نہیں ہوگا بلکہ قومی اور اجتماعی طور پر ان کو کافر اور غیر مسلم کہا جائے گا۔ ان کے عقائد کی تحقیق اور تفتیش بھی نہ ہوگی کیونکہ یہ لوگ اللہ کی کتاب (قرآن)، اور محمد رسول اللہ کی نبوت اور آپ کی شریعت کا انکار کرکے عنداللہ وعندالشریعت کافر ہوگئے انہوں نے مرزا غلام احمد کی نبوت اور اس کی تصنیفات کو اللہ کی وحی اور اس کے باطل اقوال کو اس کی شریعت تسلیم کرکے صریح کفر کیا ہے اس کے بعد ان

کا اسلام سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا یہ خرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہنے سے پیدا ہوئی ہے بایں وجہ حضور کو ہر لحاظ سے اپنی مثل کہنا واضح کفر ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول لندن

۷ ستمبر ۱۹۹۰ء

(۱۰۲) الاستفتاء

بخدمت سنی حنفی شرعی کونسل "یو کے"

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۳ مئی ۱۹۹۱ء مرکزی جامع مسجد اہل سنت وجماعت ۶ روز ہل سٹریٹ ڈربی میں جمعہ کے روز امام صاحب کے خطبہ کے آغاز پر ایک شخص کھڑا ہوا اور خطبہ سے روکنے کی کوشش کی جس پر انتظامیہ مسجد کمیٹی کے چیرمین اور دیگر افراد نے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور کہا کہ خطبہ سننے اور نماز ادا کرنے کے بعد اگر کوئی بات کرنی ہو تو کی جا سکتی ہے آپ لوگ خاموش رہ کر خطبہ سنیں" جس پر اس شخص کے دیگر چند ہمراہی کھڑے ہو گئے انتظامیہ مسجد کمیٹی کے افراد نے ان کو دفتر چل کر بات کرنے کو کہا جس پر وہ مشتعل ہو گئے اور دھکم پیل شروع ہو گئی۔ تمام نمازی حضرات پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے۔ امام صاحب نے خطبہ چھوڑ کر لوگوں کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بیٹھ جانے کو کہا جس پر تمام لوگ بیٹھ گئے اور خطبہ ونماز ادا کی گئی

نوٹ:۔ امام صاحب نے خطبہ سے پہلے تقریباً بیس منٹ تقریر بھی کی۔

دوران تقریر اس بات کا اظہار بھی کیا کہ اگر کسی کو ان کے متعلق شرعاً یا اخلاقاً کوئی شکایت ہو تو اس کے ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن دوران تقریر کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ جب امام صاحب نے تقریر ختم کر کے مؤذن سے پہلی اذان پڑھنے کو کہا اور پھر سنتیں بھی ادا کی گئیں حسب دستور امام صاحب منبر پر بیٹھے دوبارہ خطبہ کے لیے اذان بھی ہوئی پھر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا بلکہ جوں ہی خطبہ کا آغاز الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ سے کیا مذکورہ بالا شخص کھڑا ہوا۔ اس واقعہ کی روشنی میں جناب والا سے استدعا ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں فتوٰی صادر کیا جائے۔

۱۔ کہ کیا مذکورہ شخص اور اس کے ہمراہیوں کا ایسا کرنا درست ہے۔

۲۔ چند ہفتوں سے اسی مسجد میں مذکورہ بالا افراد جن کی تعداد کبھی چھ، سات اور کبھی دس بارہ ہوتی ہے عین جمعہ کے وقت مسجد ہذا میں مقررہ جماعت سے پہلے تقریباً ۱۰/۱۵ منٹ اپنی الگ جماعت کراتے ہیں جبکہ باقی چار سو کے لگ بھگ نمازی امام وخطیب کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں مذکورہ بالا کسی دوسرے مسلک سے منسلک نہیں بلکہ مسلک اہل سنت وجماعت بریلوی سے ہی تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان افراد کی اپنی الگ جماعت کرانا اور بلا جواز نماز جمعہ سے انحراف کیسا ہے قرآن وسنت کی روشنی میں فتوٰی صادر فرمایا جائے۔

منجانب

سکریٹری جامع مسجد ہذا
حاجی محمد لال (صاحب)

خزانچی جامع مسجد ہذا
صوفی محمد رفیق (صاحب) جامعی

الجواب هوالموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جب امام وخطیب منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھ جائیں تو پھر کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کھڑے ہوکر بیٹھ کر امام سے یا کسی دیگر آدمی سے گفتگو کرے۔ حدیث پاک میں ہے اذ اخرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام۔ (مؤطا امام مالک) جب امام منبر پر بیٹھے تو نہ نماز پڑھنی چاہیے اور نہ کسی قسم کی گفتگو، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ جب امام خطبہ دینے کے لیے آئے تو پھر نماز اور کلام منع ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں یحرم فی الخطبة الکلام۔ (فتح القدیر ص۶۸ ج۲) کہ خطبہ میں بات کرنا حرام ہے برتقدیر صحت صورت مسئولہ میں جب امام نے خطبہ کا آغاز الحمد للہ نحمدہ، ونستعینہ، سے کر دیا تھا تو اس کے بعد مذکورہ شخص کا کھڑے ہوکر امام سے گفتگو کرنا شرعاً منع تھا کیونکہ خطبہ کے دوران امام کے ساتھ کلام و تکلم اور اعتراض وغیرہ کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ خطبہ میں سکون وخاموشی لازم ہے (فتاویٰ رضویہ ص۵۹۰) اگر کوئی شخص خطبہ ہوتے وقت بات کرتا ہے تو امام وخطیب کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ اس کو منع کرے اگر وہ گفتگو اور جھگڑا کرنے والا شخص باز نہیں آتا تو پھر اس کو انتظامیہ کمیٹی کے افراد بھی منع کر سکتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مساجد کو جھگڑے اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ (ابوداؤد) ظاہر ہے کہ مسجد کو جھگڑے سے وہی لوگ محفوظ رکھیں گے جو کہ مسجد کی دیکھ بھال اور انتظام کرتے ہیں بلکہ انتظامیہ کمیٹی کے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسجد میں کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہونے دیں جو کہ مسلمانوں کے مابین فساد کا باعث بنے۔ لہٰذا مسجد میں جو آدمی تنازعہ کرتا ہے اس کو امام اور خطیب بھی منع کر سکتا ہے اور انتظامیہ کمیٹی کے افراد بھی منع کر سکتے ہیں۔ بہار شریعت ص۸۶ ج۱۰ میں ہے جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے وہاں کے مقامی مسلمان جن لوگوں کو منتخب کرلیں (یعنی انتظامیہ کمیٹی)، وہی ضروریات مسجد کو سرانجام دیں گے اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کے معاملات میں تخریبی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو انتظامیہ کمیٹی بھی اس کو منع کر سکتی ہے اور انتظامیہ کمیٹی کے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسجد کے انتظامی امور کا تحفظ کریں۔

بہرکیف خطبہ کے شروع ہونے کے بعد جس شخص نے امام سے گفتگو شروع کی اور امام کو خطبہ سے روکنے کی کوشش کی اس شخص نے شرعاً فعل حرام کا ارتکاب کیا ہے ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور جامع مسجد میں جمعہ کے دن نماز جمعہ کی جماعت سے پہلے چند افراد کا جمع ہوکر نماز ظہر کی جماعت کرانا سخت ترین ناجائز ہے چنانچہ مذہب اسلام میں فتنہ اور فساد پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اسلام تو مسلمانوں کو متحد ہونے کی تعلیم دیتا ہے جماعت اور جمعہ کا قیام بھی اتحاد اور اتفاق کے لیے ہے نہ کہ انتشار اور فساد برپا کرنے کے لیے اسی لیے فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔

وحرم لمن لاعذر له صلوٰة الظهر قبلها و کره تحريما (لمعذور و مسافر و مسجون) اداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدها لا بدلنا کون المراد حرم علیه ذلك۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۱۴۸ ج۲، فتاویٰ قاضی خان ص۱۷۷ ج۱، فتح القدیر ص۶۳ ج۲)

در مختار ص۱۵۷ ج ۲) جس پر جمعہ فرض ہے اس کے لیے نماز جمعہ سے پہلے یا
بعد میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا حرام ہے بلکہ جن لوگوں پر جمعہ فرض
نہیں ہے مثلاً معذور، مسافر، قیدی ان کا بھی جمعہ کے دن شہر میں جماعت
کے ساتھ نماز ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی (حرام کے قریب) ہے خواہ جمعہ کے ادا
ہونے سے پہلے جماعت کرائیں یا بعد میں دونوں صورتوں میں منع ہے اس
سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض ہے ان کے لیے جمعہ سے پہلے نماز ظہر
پڑھنا یا نماز ظہر کی جماعت کرانا خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں ہو دونوں صورتوں
میں منع ہے بلکہ وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں ہے مثلاً معذور یا قیدی وغیرہ
وہ بھی جمعہ کے دن اپنے گھر میں نماز ظہر کی جماعت نہیں کرا سکتے۔ وہ لوگ جو
جمعہ کی جماعت نہیں پا سکے یہ بھی بعد میں جماعت نہیں کرا سکتے غرض یہ کہ
جب جامع مسجد ہذا میں امام متعین اور مقرر ہے اور تمام لوگ مقرر کردہ امام
کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان چند افراد کا بلا عذر شرعی امام کے ساتھ یا کمیٹی
کے افراد کے ساتھ اختلاف کر کے جمعہ کی جماعت سے پہلے نماز ظہر کی جماعت
کرانا کسی صورت میں بھی عند الشرع جائز نہیں ہے۔ جمعہ کے دن جمعہ کی جماعت
کے علاوہ نماز ظہر کی جماعت نہ جمعہ سے پہلے جائز ہے اور نہ جمعہ کے بعد
جائز ہے یہاں تک کہ شہر میں وہ چھوٹی مسجدیں جن میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا ان کو بھی نماز
عصر تک بند رکھنا چاہیے تاکہ کہیں چند مسلمان جمع ہو کر کسی چھوٹی مسجد میں نماز ظہر کی جماعت نہ کرلیں
لان شعائر المسلمین ھذا الیوم صلوۃ الجمعۃ (شامی ص۱۵۷ ج ۲) کہ جمعہ کے دن
صرف نماز جمعہ کی جماعت ہونی چاہیے۔ جمعہ کے دن کسی دوسری چھوٹی مسجد
میں یا مکان یا گھر میں بھی جماعت ظہر کی نماز کرانا منع ہے اور جس مسجد میں
جمعہ ہوتا ہے جیسے کہ صورت مسئولہ میں ہے تو وہاں نماز جمعہ سے پہلے نماز

ظہر کی جماعت کرانا سخت ترین منع ہے لہٰذا ان مذکورہ افراد کا جمعہ کے دن
نماز جمعہ سے پہلے تقابلی صورت میں نماز ظہر کی جماعت کرانا ہرگز ہرگز جائز نہیں
ہے اگر یہ لوگ نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے تو پھر نماز جمعہ کے بعد انفرادی
طور پر اپنی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں ان کے لیے نماز ظہر کی جماعت کرانا کسی
صورت میں بھی عند الشرع جائز نہیں ہے اگر مذکورہ بالا افراد نماز جمعہ سے پہلے
نماز ظہر کی جماعت کرانے سے باز نہیں آتے تو انتظامیہ کمیٹی کے افراد کی ذمہ داری
ہے کہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر ان کو ان کے اس فعل غیر شرعی سے
منع کریں اور تقابلی صورت کو ختم کریں کیونکہ ان افراد کا یہ فعل و عمل ایک عظیم
اسلامی شعائر سے متصادم ہے جو کہ کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن

۱۴ جولائی ۱۹۹۱ء

(۸۳) - الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک جوان
سال بالغہ لڑکی بعمر ۲۰ سال باہوش و حواس قائم برطانیہ کے قانون کے مطابق
رجسٹرار آفس میں اپنی میرج رجسٹریشن (شادی کی رجسٹریشن) کراتی ہے اور رجسٹر
کرنے والا رجسٹرار عیسائی ہے۔ مگر رجسٹریشن کے گواہ لڑکی کا باپ اور مقامی
مرکزی جامع مسجد کے خطیب و امام اور دیگر چند مسلمان ہیں اور امام صاحب
نے بحیثیت ترجمان بھی فرائض ادا کیے ہیں کیونکہ جس لڑکے سے رجسٹریشن

کی گئی ہے وہ انگلش زبان سمجھنے سے قاصر تھا رجسٹریشن کے وقت لڑکی اور لڑکے دونوں نے یہ الفاظ انگریزی اور اُردو میں کہے ہیں "کہ میں ان گواہوں کے رُوبرو اقرار کرتا ہوں/کرتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو قانونی طور پر خاوند اور بیوی تسلیم کرتے ہیں رجسٹریشن کے بعد اس ملک کے قانون کے مطابق میرج سرٹیفکیٹ (نکاح نامہ) جاری کیا گیا جس پر لڑکی کے والد اور امام صاحب کے دستخط بطور گواہ موجود ہیں۔

۲۔ اس رجسٹریشن کے بعد لڑکے نے لڑکی کے والدین سے کہا کہ اب شرعی طور پر بھی نکاح کر دیں مگر والدین نے کہا کہ تم ابھی سیر کے ویزے پر آئے ہو اب تم پاکستان جا کر ویزے کے حصول کے لیے درخواست دو جب ویزہ لگوا کر آؤ گے تو تمہیں نکاح کرا دیں گے لڑکا تقریباً ایک ماہ کے بعد گھر پاکستان چلا گیا اور برٹش ایمبسی میں جا کر حصول ویزہ کی درخواست دے دی مگر دو سال تک تقریباً انتظار کے بعد ویزہ نہ مل سکا کچھ عرصہ بعد لڑکی اور اس کی والدہ پاکستان گئیں اور لڑکی کے دادا اور دیگر خاندان والوں نے مشورے کے بعد لڑکی کا نکاح اس کے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ مروجہ رسم و رواج کے مطابق کر دیا لڑکی اور لڑکا نکاح کے بعد واپس انگلستان آ گئے مگر رخصتی نہ کی گئی اب جس لڑکے کے ساتھ پہلے رجسٹریشن ہوئی تھی وہ کہتے ہیں کہ اصل رجسٹریشن ہی نکاح ہے دوسرے نکاح کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اب آپ کی خدمت عالیہ میں درخواست ہے کہ ازراہ عنایت شرعی طور پر فتویٰ ارشاد فرمائیں کہ آیا پہلی رجسٹریشن کو ہی نکاح تسلیم کیا جائے یا نکاح ثانی کو صحیح تسلیم کیا جائے اگر پہلے نکاح کو تسلیم کیا جائے تو کیا دوسرے نکاح والے لڑکے سے طلاق لینا پڑے گی کہ نہیں اور جو لوگ

دوسرے نکاح میں شامل ہوئے ان کے لیے شرعی حکم کیا ہے امید ہے کہ آپ قرآن و سنت کے مطابق فتویٰ عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی (علامہ) قاضی عبدالعزیز صاحب چشتی

خطیب مرکزی جامع مسجد لیوٹن "یو کے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں جو نکاح برطانیہ رجسٹرار آفس میں رجسٹریشن کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور جو بعد میں پاکستان کیا گیا ہے وہ باطل ہے کیونکہ نکاح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں مسلمان گواہوں کے رُوبرو ایسے الفاظ سے نکاح کریں جن سے نکاح ہونا سمجھا جائے الاشباہ والنظائر صفحہ ۳۰۰ میں ہے ینعقد النکاح بما افادہ ملك العین۔ کنزالدقائق صفحہ ۹۷ میں ہے وما وضع لتملیك فی الحال یعنی نکاح ان الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو تملیک عین کے لیے وضع ہوں مسلمان مرد اور عورت جو برطانیہ یا دیگر یورپ ممالک میں نکاح رجسٹرار آفس میں رجسٹریشن کراتے ہیں اس سے ان کا مقصد ہی نکاح کرنا ہوتا ہے اگر مرد اور عورت نے نکاح رجسٹریشن کرواتے ہوئے مسلمان گواہوں کے رُوبرو کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو قانونی طور پر خاوند اور بیوی تسلیم کرتے ہیں یا ہم دونوں اپنی شادی کرتے ہیں تو نکاح ہو جائے گا فقہاء اسلام فرماتے ہیں۔ النکاح ینعقد بایجاب و قبول عند حرین عاقلین بالغین مسلمین (کنزالدقائق صفحہ ۹۷، معدن الحقائق صفحہ ۳۰۶، قدوری صفحہ ۱۳۲، درمختار صفحہ ۲۳ ج ۳۔ ردالمحتار صفحہ ۲۲ ج ۳، ہدایہ صفحہ ۳۰۶

فتاویٰ عالمگیری صـ۲۷ ج ۱) یعنی مسلمان گواہوں کے روبرو مرد اور عورت
جب ایجاب اور قبول کر لیں تو عندالشرع نکاح ہو جاتا ہے فتاویٰ شامی
صـ۱۳ ج میں ہے وان اقر الرجل انه زوجها وهي انها
زوجته یکون نکاحا و یتضمن اقرارهما
الانشاء فتاویٰ قاضی خان صـ۳۲۲ میں ہے۔ وان اقرت
المراة انه زوجها واقر الرجل انها امراته یکون
ذالک نکاحا و یتضمن اقرارهما لذالک انشاء
النکاح بینهما۔

فتاویٰ عالمگیری صـ۲۷ میں ہے وفی شرح الخصاص المختار
انه ینعقد اذا قضی بالنکاح او قال الشهود
لهما جعلتما هذا نکاحا فقالا نعم
ینعقد هٰكذا في مختار الفتاوی۔
اگر اقرار نکاح متضمن انشاء کو ہو اور یہ اقرار مسلمان گواہوں کے سامنے ہو
تو پھر بھی نکاح ہو جاتا ہے اور یہاں برطانیہ وغیرہ میں تو جو مسلمان رجسٹرار
آفس میں نکاح رجسٹریشن کراتے ہیں ان کا مقصد ہی انشاء یعنی نکاح کرنا
ہوتا ہے وہ آفس میں اقرار یعنی خبر دینے کے لیے نہیں جاتے بلکہ نکاح کرنے
کے لیے جاتے ہیں بحیثیت مفتی اسلام ہونے کے میں نے خود یہاں برطانیہ
میں تحقیق کی ہے اور لوگوں سے پوچھا ہے کہ جب وہ رجسٹرار آفس برطانیہ
میں جاتے ہیں تو وہاں کس مقصد کے پیش نظر جاتے ہیں تو لوگوں نے بتایا
کہ ہمارا مقصد در اصل نکاح کرنا ہوتا ہے تو جب کوئی مرد اور عورت آفس
میں جاتے ہیں اور مسلمان گواہوں کے سامنے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک

دوسرے کو قانونی طور پر خاوند اور بیوی ہونا تسلیم کر لیا ہے تو نکاح منعقد
ہو جاتا ہے چنانچہ صورت مسئولہ میں مرد اور عورت دونوں کا بمعہ مسلمان
گواہوں اور امام و خطیب صاحب کے رجسٹرار آفس میں جانا اور نکاح بایں
الفاظ کرانا کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو قانونی طور پر
خاوند اور بیوی تسلیم کرتے ہیں یہ نکاح جیسے قانونی طور پر صحیح ہوا اسی طرح
شرعی طور پر بھی صحیح ہوا اب اس کے بعد جو نکاح دوسرا پاکستان میں ہوا وہ
نکاح پر نکاح ہوا جو شرعاً باطل اور بالکلیہ منعقد نہیں ہوا قرآن پاک میں ہے
والمحصنٰت من النساء (پ ۵) کہ حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں یعنی
جن عورتوں کے پہلے نکاح ہو چکے ہیں اور ان کے خاوند موجود ہیں ان کے
ساتھ نکاح کرنا حرام ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا یجوز للرجل ان
یتزوج زوجة غیره۔ یعنی غیر کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا
جائز نہیں ہے۔ اگر دوسرے مرد کو علم تھا کہ اس عورت کا پہلے کسی دوسری
جگہ نکاح ہے تو پھر اس کا نکاح پر نکاح کرنا نہایت قبیح فعل اور سنگین
جرم ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ لیس منا من خبب المراة
علی زوجها۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص
کسی عورت کو اس کے خاوند سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے
نہیں ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ جب کسی عورت کو اس کے خاوند
سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو معاذ اللہ عورت کو خاوند سے جدا کر کے
آدمی کا اس کو اپنے نکاح میں لینا کتنا شدید و خبیث ظلم ہے کہ دوسرے
کی بیوی کو بلا طلاق لیے اپنی ناجائز بیوی بنانا یہ نکاح نہیں ہے بلکہ زنا ہے
قال اللہ تعالی والمحصنٰت من النساء۔

کہ شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴
میں ہے اگر کسی نے غیر کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا تو پہلا نکاح صحیح ہے
اور دوسرا نکاح پر جو نکاح کیا گیا ہے وہ باطل اور زنا ہے۔ لا عدة لو
تزوج امراة الغير و وطيها عالما بذلك ومنها
يحد مع العلم بالحرمة وانه زنا والمزنى
بها لا تحرم على زوجها.

ردالمحتار میں ہے۔ اما نكاح منكوحة الغير ومعتدته
فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها
للغير لانه لم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا
کہ دوسرے شخص کی منکوحہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں ہے اگر
کسی نے کیا تو وہ بالکل منعقد ہی نہ ہوگا جب صورت مذکورہ میں پہلا نکاح
صحیح ہے اور دوسرا صحیح نہیں ہے تو اس مرد پر لازم ہے کہ وہ اس عورت
کو اپنے سے جدا کرے اور عورت پر فرض ہے کہ وہ اس مرد سے جدا ہو
جائے کیونکہ یہ عورت بدستور سابق پہلے خاوند کی شرعی بیوی ہے اور جو
ان دونوں نے رجسٹرار آفس برطانیہ میں نکاح رجسٹریشن کرایا تھا وہی صحیح
نکاح ہے نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دو مسلمان گواہوں کے رو برو
ایجاب قبول کا ہونا ضروری ہے رجسٹرار اگرچہ عیسائی ہو تو پھر بھی کوئی
حرج نہیں ہے کیونکہ نکاح کے لیے اس کا رجسٹریشن کرانا ضروری نہیں ہے
فتاویٰ رضویہ صفحہ ۹۳ میں ہے کہ نکاح کی رجسٹریشن تو مصلحت پر مبنی ہے۔
جب رجسٹریشن کا نکاح سے تعلق نہ ہوا تو پھر رجسٹرار کے غیر مسلم ہونے
سے بھی نکاح ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگر بوقت رجسٹریشن گواہوں

کی موجودگی میں مہر کا تعین کر دیا تھا تو فبہا اگر مہر کا ذکر نہیں کیا تھا تو نکاح پھر بھی
منعقد ہو گیا اور مہر مثلی لازم ہوگا فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱۲ ج ۵ میں ہے کہ نکاح میں
اگر مہر کا ذکر نہیں کیا تو پھر بھی نکاح ہو جاتا ہے اور مہر مثلی دینا پڑتا ہے یعنی
اس عورت کی برادری کی عورتوں کو جو پہلے مہر دیا جاتا ہے وہی اس کو بھی
ملے گا۔ ومهر مثلها يعتبر بقوم ابيها یعنی مہر مثلی کا اعتبار عورت
کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے کہ باپ شریک
بہنیں اور پھوپھیاں وغیرہ اگر بوقت رجسٹریشن مہر کا ذکر نہیں کیا تو مرد کو مہر
مثلی دینا پڑے گا اور نکاح ہر صورت میں منعقد ہو گیا اور دوسرا نکاح باطل
ہوا تو اس دوسرے خاوند سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں ہے دوسرے
ناجائز خاوند سے طلاق اس وقت لی جاتی جب وہ دوسرے کی شرعی
بیوی بنتی۔ جب دوسرے کی بیوی ہی نہیں تو اس سے طلاق کا مطالبہ بھی
نہیں ہوگا بلکہ یہ عورت بحال سابق پہلے خاوند کی شرعی بیوی ہے اگر
دوسرا ناجائز خاوند اس عورت کو اپنے سے جدا نہیں کرتا اور نہ ہی یہ
عورت اس سے جدا ہوتی ہے تو پھر دیگر مسلمان برادری کو چاہیے کہ ان
سے قطع تعلقات کر لیں اور ان کو اپنی برادری سے خارج کر دیں اور ان
سے سلام و کلام ترک کر دیں نہ ان لوگوں کے پاس بیٹھیں اور نہ ان کو اپنے
پاس بیٹھنے دیں۔

قرآن پاک میں ہے فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم
الظلمين۔ کہ تم ظالموں کے پاس ہرگز نہ بیٹھو اور اس سے بڑھ
کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ دوسرے مسلمان کی بیوی کو انسان اپنی ناجائز
بیوی بنا لے جب یہ اس ظلم اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے تو ان پر توبہ

علی الاعلان واجب ہے اسی طرح اس لڑکی کا دادا اور نکاح خواں اور جو لوگ بطور گواہ اس ناجائز نکاح میں شریک ہوئے ان تمام پر لازم ہے کہ توبہ علی الاعلان کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کبیرہ کی معافی مانگیں اور اس عورت پر لازم ہے کہ اپنے اصلی خاوند کے پاس چلی جائے اگر یہ عورت اپنے خاوند کے پاس آباد نہیں ہونا چاہتی تو پھر اس سے طلاقیں حاصل کر لے یا اس سے خلع کرے بعد از طلاق و خلع کرنے کے پھر کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں اور جب تک یہ مذکورہ افراد توبہ نہیں کرتے تب تک یہ مقاطعہ برقرار رہنا چاہیے۔ فتاویٰ رضویہ ص۷۹۶ میں ہے کہ حرام کار سے قطع تعلقات کرنا چاہیے لہٰذا جب تک یہ توبہ نہیں کرتے تو برادری کو چاہیے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق و ربط نہ رکھیں۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

لندن "یو کے"

۲۵ اگست ۱۹۹۱ء

صورت مذکورہ کے جواب میں جو ہم نے شرعی حکم اور فتویٰ لکھا ہے اسی کے مطابق اسی صورت مذکورہ کے جواب میں برطانیہ کے بعض علماء نے اور پاکستان کے بعض علماء کرام نے بھی فتویٰ اصادر کیا ہے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

جناب علامہ مفتی گل رحمان صاحب

برمنگھم "یو کے"

جناب صاحبزادہ حبیب الرحمان صاحب

بریڈ فورڈ "یو کے"

جناب مولانا محمد اسلم صاحب رضوی

فیصل آباد پاکستان

جناب مولانا عبد اللطیف صاحب

لاہور پاکستان

جناب مفتی عزیز اللہ صاحب

دینہ پاکستان

مولانا قاضی اسرار الحق صاحب

راولپنڈی پاکستان

جناب مفتی محمد حسین صاحب نعیمی

لاہور پاکستان

مولانا غلام رسول صاحب رضوی

فیصل آباد پاکستان

۵- الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا شروع کر رکھا تھا بیوی کہتی تھی کہ تو اپنی ماں کی بات مانتا ہے میرا خیال نہیں کرتا۔ مجھے طلاق دے دو زید نے کہا اگر میں نے ماں سے بات کی تو پھر تجھے تین طلاقیں ہیں بعد میں زید نادم ہوا اور اس کا بیوی سے جھگڑا بھی ختم ہو گیا اب زید کہتا ہے کہ اگر مجھے شریعت

کفارہ ڈالے تو میں کفارہ دے دوں اور ماں سے بھی گفتگو کر سکوں اور بیوی کو طلاقیں بھی نہ ہوں ۔ مفتی صاحب آپ سے عرض ہے کہ آپ اس مشکل کو حل فرمائیں تاکہ مجھ پر شریعت کی طرف سے کوئی زد نہ پڑے ۔

ایک سائل

والتھم سٹو لندن "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

بر تقدیر صحت مسؤلہ میں زید اگر چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کو تین طلاقیں واقع نہ ہوں تو پھر زید کو چاہیے کہ وہ اس کو ایک طلاق دیدے اور جب اس کی عدت گزر جائے گی تو یہ عورت بائن ہو جائے گی پھر زید اپنی ماں سے بات کر لے اب بات کرتے وقت یہ اس کی بیوی نہ ہو گی تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ یہ عورت محل طلاق ہی نہیں رہی غرضیکہ اس صورت میں جبکہ بیوی کو طلاق دیدے گا اور اس کی عدت گزر جائے گی پھر ماں سے بات کرے گا تو عورت کو تین طلاقیں نہ ہوں گی کیونکہ جب وہ ماں سے گفتگو کر رہا ہے اس کی یہ شرعی بیوی ہی نہیں ہے پھر اس سے نکاح جدید کر لے کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہے ۔

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

لندن "یو کے"

۲ / مارچ ۱۹۹۱ ء

الاستفتاء (۱۷۳)

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب

السلام علیکم ، کیا فرماتے ہیں مفتی سنت اہل جماعت اور خصوصاً آپ کا ذاتی فتویٰ مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں ؟ تاکہ فتنہ کے اس دور میں خصوصاً اپنی اور عوام کی رہنمائی اور اصلاح کر سکوں ۔ ۱ ۔ داڑھی کٹوانے والا اس حد تک کہ مقررہ مقدار سنت رسول سے داڑھی کم ہو کیا حافظ قرآن یا امام مسجد کی اقتدا و نماز تراویح پڑھنا جائز و ناجائز یا مکروہ ہے اگر مکروہ ہے تو کیا نماز پڑھ لینی چاہئے یا اپنی نماز تراویح یا فرض نماز علیحدہ پڑھنی چاہئے ۔ ۲ ۔ اگر امام مسجد ایسے حافظ قرآن جو تارک سنت (داڑھی کٹوانے والا) ہے کی اقتدا میں یہ کہہ کر نماز پڑھتا ہے کہ ایسی مکروہ نماز پڑھنی جائز ہے حالانکہ باشرع حافظ قرآن موجود ہے مگر اسے موقع نہیں دیا جاتا کیا ایسے امام مسجد کی اقتدا میں فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے یا کہ نہیں ۔

فقط خیر اندیش

الحاج خیرات علی صاحب مکان ۹۲-۱۲ لندن یوکے

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں جو امام داڑھی کٹواتا ہے اور اگر اس کی داڑھی شرعی مقدار سے کم ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے اور داڑھی کا رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اس کا ثبوت حدیث و سنت سے ہے اور ایک مٹھی سے کم داڑھی حرام ہے حدیث پاک میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کث اللحیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں بال کثرت سے تھے قاضی عیاض اس کی تشریح میں لکھتے ہیں

اللحیة یملاء صدرہٗ یعنی آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ جس سے آپ کا سینہ مبارک بھرا ہوا تھا حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا احفاء الشوارب واعفاء اللحی کہ مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور حنفیہ کے نزدیک داڑھی کی مقدار چار انگل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اس سے کم نہ ہو (مدارج النبوت صـ۳۲ ج ۱، موطا امام مالک صـ۲۲۳) اور ہدایہ صـ۲۳ میں ہے ولایقص لحیة لانه فی معنی الحلق کوئی مسلمان داڑھی نہ کتروائے اس لئے کہ داڑھی کا کتروانا (شرعی مقدار سے) بھی منڈانے کے حکم میں ہے اور داڑھی کی مقدار جو چار انگل ذکر کی گئی ہے کہ یہ تھوڑی کے نیچے سے معتبر ہے اور جو آدمی شرعی مقدار کے مطابق داڑھی نہیں رکھتا وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لایهتم لامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا ولذا لم تجز الصلوٰة خلفه اصلا عند مالک وروایة عن احمد بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریمة کما ذکرنا۔ (فتاوی شامی صـ۵۶۰ جلد نمبر ۱، حاشیہ کنز صـ۲۸، صغیری شرح منیہ صـ۶۳، معدن الحقائق صـ۱۴۲) یعنی فاسق کی امامت بایں وجہ مکروہ تحریمی ہے کہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے دین کے معاملہ میں اہتمام نہیں کرتا اگر اس کو امام بنایا گیا یا مصلّٰی پر کھڑا کیا گیا تو اس کی عزت ہوگی حالانکہ شریعت نے کہا ہے کہ اس کی اہانت لازم ہے نہ کہ عزت اسی لئے امام مالک کے نزدیک اس کی امامت جائز نہیں ہے اور یہی امام احمد بن حنبل سے مروی ہے اور جو نماز فاسق معلن کے پیچھے پڑھی جائے گی وہ حرام کے قریب ہوگی

اور جو نماز مکروہ تحریمی (حرام کے قریب) کی صورت میں ادا ہو اس کا لوٹانا واجب ہے کل صلوٰة اديت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ (فتاوی شامی صـ۴۵۷) کہ جو نماز مکروہ تحریمی سے ادا ہو اس کا لوٹانا ضروری ہے اور داڑھی منڈانے یا کترانے والا کا جو فسق اور گناہ ہے یہ گناہ نماز کی حالت میں اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہ گناہ نظر بھی آتا ہے ایسے فاسق کے پیچھے نماز خواہ فرض ہو یا نماز تراویح مکروہ تحریمی ہے امام مسجد نے جو کہا ہے کہ اس داڑھی کترانے والے کے پیچھے نماز پڑھ لینی جائز ہے اگر اس نے عدم علم کی وجہ سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے تو اس سے رجوع کر لینا چاہئے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس آدمی کی داڑھی شرعی مقدار یعنی چار انگل سے کم ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز فرض ہو یا تراویح ہو کیونکہ ایسا آدمی عندالشرع فاسق معلن ہے اگر امام بنایا گیا یا مصلّٰی پر کھڑا کیا گیا تو یہ اس کی عزت افزائی ہے جو کہ شرع کے اندر منع ہے لہٰذا اس کو امام ہرگز نہ بنایا جائے جب کہ سائل نے اپنے سوال میں یہ ذکر کیا ہے کہ باشرع حافظ قرآن موجود ہے تو پھر ایسے فاسق کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھی جائے کیونکہ داڑھی منڈانے والا یا شرعی مقدار سے کم رکھنے والا ایسا فاسق ہے کہ اس کا گناہ نماز کی حالت میں اس کے ساتھ ہے اور یہ گناہ نظر بھی اس کے ساتھ آتا ہے لہٰذا وہ فاسق جس کا گناہ نماز کی حالت میں اس کے ساتھ ہو یا اس کے ساتھ نظر آئے تو اس کو امام نہ بنایا جائے، امام مسجد کو بھی اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے اگر کسی نے اس کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کا لوٹانا ضروری ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول، والتھم سٹو لندن یوکے

۲ ستمبر ۱۹۹۱

۱۷۵ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمامہ کتنی مقدار کا ہونا چاہیئے عمامہ جب باندھا جائے تو کھڑے ہو کر باندھا جائے یا بیٹھ کر اور عمامہ ٹوپی پر باندھا جائے یا ٹوپی کے سوا باندھا جائے فتویٰ کی صورت میں جواب تحریر فرمیں۔

فقط والسّلام خیر اندیش
حاجی خیرات علی صاحب
ایسٹ ہیم لندن "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

عمامہ باندھنا سنّت ہے عمامہ باندھے تو اس کا شملہ پیٹھ پر دونوں شانوں کے درمیان لٹکائے شملہ کی مقدار کم از کم چار انگل اور زیادہ سے زیادہ یہ ہونی چاہیئے کہ جب بیٹھے تو دبے نہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ مبارک باندھتے تھے تو ٹوپی بھی نیچے ہوتی تھی اور فرمایا کہ ہم میں اور ان میں فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے یعنی ہم دونوں چیزیں رکھتے ہیں اور وہ کافر صرف عمامہ باندھتے ہیں مرقات شرح مشکواۃ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا عمامہ مبارک سات ہاتھ کا ہوتا تھا اور بڑا بارہ ہاتھ کا اور مدارج النبوت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کے نیچے سر مبارک پر چپٹی ہوئی ٹوپی بھی ہوتی تھی۔ صحیح مسلم میں عمرو بن حریث المتوفی ۸۵ھ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر شریف پر اس حال

میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ غرض یہ کہ عمامہ باندھنا سنّت ہے اور چھوٹے عمامہ کی مقدار ساڑھے تین گز ہے اور بڑے عمامہ کی مقدار چھ گز ہے اور عمامہ کھڑے ہو کر باندھا جائے اور عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی ہونی چاہیئے۔

مفتی غلام رسول (لندن) "یوکے"
۵ ستمبر ۱۹۹۱ء

۱۷۶ الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور زید سے جب لوگوں نے پوچھا تو کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی ہے متعدد لوگوں کے سامنے اس نے اپنے اس بیان کو دہرایا اب مفتیان شرع سے سوال یہ ہے کہ اس صورت میں ایک طلاق ہو گی یا تین طلاقیں ہوں گی جب کہ زید نے یہی کہا کہ میں نے طلاق دے دی ہے چند دن ہوئے ہیں کہ وہ بیوی کو گھر لے آیا ہے نیز یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دیتے وقت نیّت نہیں کی تھی اب زید کے لئے جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

محمد انور بخاری والتھم فارسٹ
لندن ای ۱۷ "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی ہے اگرچہ اس نے

نیت نہیں کی کیونکہ لفظ طلاق سے جب طلاق دی جائے تو نیت کی ضرورت نہیں طلاق ہو جاتی ہے اور زید جو لوگوں کے سامنے بار بار ذکر کرتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی ہے اس طلاق سے اگر جدید طلاق کی نیت نہیں کی اور اس سے پہلے طلاق سے خبر دیتا رہا ہے تو ایک طلاق ہی رہے گی تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی جب ایک طلاق ہوئی تو عدت کے اندر زید سوائے نکاح جدید کے رجوع کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو واپس لے لیا ہے اگر عدت گزر چکی ہے تو پھر نکاح جدید کے ساتھ اس کو واپس لے سکتا ہے فتاویٰ دیوبند ص ۴۳۸ میں ہے کہ اس لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے البتہ اگر ایک دفعہ کے بعد جو لوگوں کے دریافت کرنے پر مکرر سہ مکرر طلاق دینا بیان کیا اس میں اگر جدید طلاق کی نیت نہ کی ہو اور اسی طلاق سابق سے خبر دینے کا خیال ہو تو ایک ہی طلاق رہے گی زیادہ طلاقیں نہ پڑیں گی جس میں حلالہ کی ضرورت ہو۔ الغرضیکہ جب زید نے صرف یہ کہا کہ میں نے طلاق دی ہے تو ظاہر ہے کہ لوگوں کے سامنے جو بار بار اقرار کرتا رہا ہے اس سے سابقہ طلاق کا ہی اظہار کرتا رہا ہے ہاں اگر زید خود کہہ دے کہ میں نے اس تکرار میں بھی طلاق دینے کی نیت کی ہے تو پھر ایک سے زائد بلکہ تین بھی واقع ہو سکتی ہیں اگر زید نے یہ نیت نہیں کی تو پھر صورت مسئولہ میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی جس میں زید کو حق حاصل ہے وہ بیوی کو لوٹا سکے نکاح جدید کی بھی ضرورت نہیں ہے اگر عدت گزر چکی ہے تو پھر اگر زید اور اس کی بیوی باہمی رضامندی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو نکاح جدید بھی کریں۔

مفتی غلام رسول، لندن "یوکے"
۳ اپریل ۱۹۸۸ء

(۷۷) الاستفتاء

مکرمی و محترمی جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم! خیریت موجودہ و خیریت مطلوبہ از درگاہ باری تعالیٰ نیک مطلوب ہوں دیگر احوال آنکہ یہ خط میں آپ کو لندن جیل سے لکھ رہا ہوں کسی مجبوری کی وجہ سے میں جیل کی سزا کاٹ رہا ہوں اور جیسا کہ آپ کو علم ہے مسلم ملک نہ ہونے کی وجہ سے یہاں حلال کھانا نہیں ملتا باقی میں تو اللہ کا شکر ادا کر کے سبزی وغیرہ کھا لیتا ہوں اور گوشت کسی قسم کا نہیں کھاتا لیکن یہاں کچھ اور مسلم بھائی بھی ہیں جو کہ سور کے گوشت کے علاوہ دوسرا گوشت کھا لیتے ہیں جو کہ حلال نہیں اور ان مسلمانوں کا تعلق زیادہ افریقہ سے ہے اور یہاں ہر جمعہ کو امام صاحب تشریف لاتے ہیں جن کا تعلق امریکہ سے ہے اور ان کا نام امام مراد الدین ہے ہم لوگوں کو وہ ظہر کی نماز پڑھاتے ہیں اور تقریباً ایک گھنٹہ تقریر کرتے ہیں آج انہوں نے کہا ہے کہ ہر مسلمان یہاں وہ گوشت کھا سکتے ہیں جو کہ حلال نہیں ہوتا صرف سور کا گوشت ممنوع ہے جب کہ یہاں گوشت کے ساتھ ساتھ سبزی وغیرہ یا دال کا سوپ مل جاتا ہے اس لئے میں آپ سے یہ بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم مسلمان یہاں جیل میں سور کے گوشت کے علاوہ دوسرا گوشت کھا سکتے ہیں جو کہ حلال نہیں ہوتا جب کہ اس کے بدلے کسی قسم کی دوسری چیزیں آسانی سے کھانے کے لئے مل جاتی ہیں اور جیسا کہ میں تقریباً تین ماہ سے گوشت کے علاوہ دوسری چیزیں کھا رہا ہوں امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر غور فرمائیں گے اپنا اڈریس لکھ کر واپسی ڈاک لفافہ بھیج رہا ہوں اس لئے

آپ سے گذارش ہے کہ جب آپ کو میرا یہ خط ملے فوراً وضاحت سے
جواب سے مطلع فرمائیں اگر ہو سکے تو آپ جواب ایسوسی ایشن کے لیٹر پیڈ
پر لکھ کر بھیجیں نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گا

محمد انور طاہر

(جیل خانہ) لندن "یو کے،،

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں اگر مسلمان کو علم ہے کہ یہ گوشت حلال نہیں ہے تو اس کا کھانا اس کے لئے حرام ہے جب کہ کھانے کے لئے دیگر اشیاء موجود ہوں اگر کوئی مولوی کہتا ہے کہ جو گوشت حلال نہیں ہے اس کا کھانا بھی جائز ہے تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ حرام کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو جاتا جو حرام ہے وہ حرام ہی ہے قرآن پاک میں ہے یہ نہ کہو ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ۔ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو یعنی جو چیز اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہے اس کو کوئی حلال نہیں کر سکتا لہذا کسی کے کہنے سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی۔ خنزیر کا گوشت اور اس کے تمام اجزاء لحمیہ نجس العین اور حرام ہیں اس طرح وہ جانور جس کو شریعت نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اگر وہ ذبح نہ کیا جائے یا شرعی طریقہ کے خلاف ذبح کیا جائے وہ بھی حرام اور مردار ہے قرآن پاک میں ہے انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ اور اللہ نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ

جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو مسلمان کو چاہیئے وہ حلال کھائے حرام نہ کھائے اور جو جانور شرعی طریقہ سے ذبح کیا جاتا ہے اس میں لازم ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا صحیح اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہو اگر ذبح کرنے والا یہودی ہو تو بھولکر بھی تکبیر نہ چھوڑے اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو تو جان کر تکبیر نہ چھوڑے اور بوقت ذبح جانور کا خون بقدر صحت جسم نکلے اور جانور کی چار رگیں ۱۔ مری ۲۔ حلقوم نمبر ۳ و ۴ ودجان کٹ جائیں ان چار رگوں کو کٹنا اس لئے ضروری ہے کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور حلقوم و مری کٹ جانے سے جان نکل جاتی ہے اس مذکورہ بالا طریق پر اگر جانور ذبح کیا گیا تو حلال ہے ورنہ نہیں برطانیہ اور یورپ میں جو ذبح کا طریقہ ہے وہ اس طرح ہے کہ جانور کو پہلے بجلی کے ذریعہ بے ہوش کیا جاتا ہے پھر اس کو مشین کے اندر لگی ہوئی چھری کے قریب کیا جاتا ہے اور چھری کاٹ دیتی ہے اگر مشین چلتے وقت ذبح کرنے والے نے بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور پھر جانور کو چھری کے قریب کیا یہاں تک کہ چار رگیں کٹ گئیں اور خون بھی بقدر صحت جسم نکلا تو حلال شرعی ہوا اور اس کا کھانا بھی مسلمان کے لئے جائز ہوا۔ اگر مذکورہ بالا طریقہ پر ذبح نہیں کیا بلکہ جھٹکا کیا گیا یعنی گردن کے اوپر سے چھری چلا کر جانور کو مارا گیا یا جب جانور کو بجلی سے بے ہوش کیا گیا اور جانور بجلی کے کرنٹ سے مر گیا وہ اس طرح کہ جانور نے منہ کھول دیا یا آنکھیں کھول دیں یا پاؤں پھیلا دیئے ہیں یا بال کھڑے نہ ہوئے تو اس صورت میں جانور ذبح سے پہلے مر گیا ہے اس کے بعد اگر چھری چلائی بھی تو حلال شرعی نہ ہوا اور اس کا کھانا بھی جائز نہ ہوا اگر بجلی لگنے کے بعد جانور نے منہ بند کر لیا ہے یا آنکھیں بند کر لیں

یا پاؤں سمیٹ لئے یا بال کھڑے ہو گئے تو جانور زندہ ہے ذبح کے
وقت اگر حرکت کی یا آواز نکالی یا خون بقدر صحت و جسم نکلا تو پھر ذبح صحیح
ہو گی اور حلال شرعی ہو گا اور اس کا کھانا مسلمان کے لئے جائز ہو گا (فتاوی
عالمگیری ص۲۸۷، ہدایہ ص۴۳۵، فتح القدیر ص۴۹۳، کنز ص۴۱۷، فتاوی جماعتیہ
ص۳۲۹) غرضیکہ صورت مسئولہ میں اگر جیل خانہ میں حرام گوشت کے علاوہ حلال
چیزیں موجود ہیں جیساکہ سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے تو مسلمان
قیدی کے لئے حرام گوشت کا کھانا جائز نہیں ہے اور جس مولوی نے
کہا ہے کہ جیل میں مسلمان کے لئے حرام گوشت بھی جائز ہے اس نے
سخت غلطی کی ہے اگر اس نے عدم علم کی وجہ سے کہا ہے تو وہ توبہ کرے
کیونکہ کسی چیز کو جو حرام ہو اس کو حلال کہنا یہ کفار کا شیوہ ہے، مسلمان
کو یہ جسارت نہیں کرنی چاہئے اگر مسلمان کو علم ہے کہ یہ گوشت جھٹکا کا
ہے یا حلال شرعی نہیں ہے تو اس کا کھانا اس کے لئے ہرگز ہرگز جائز نہیں
ہے

مفتی غلام رسول، لندن "یوکے"

۸ ستمبر ۱۹۹۱ء

(۱۶۹) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے
بارے میں کہ زید میلاد النبی منانے اور جو عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
کا جلوس نکالا جاتا ہے اس کا شرعی ثبوت مانگتا ہے اور میلاد النبی کے
فیوض و برکات کا بھی انکار کرتا ہے اور نیز کہتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام کھڑے
ہو کر پڑھنا ثابت نہیں ہے زید ایک مسجد کا امام بھی ہے کیا اس کے
پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ امید ہے کہ آپ اس کا تفصیلی جواب تحریر
فرمائیں گے بینوا وتوجروا۔

جناب طاہر کمال صاحب
جامع مسجد غوثیہ لیبرج روڈ والتھم سٹو
لندن "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) منانا اور اس کی محفلیں منعقد کرنا جائز
بلکہ مستحسن ہے کیونکہ جب تک شریعت اسلامیہ کسی چیز کو منع نہیں کرتی وہ
چیز جائز ہوتی ہے قرآن و سنت نے میلاد النبی منانے اور جلوس نکالنے
کو منع نہیں کیا، جب منع نہیں کیا تو جائز ہے زید اگر منع کرتا ہے تو زید
پر لازم ہے کہ وہ اس کے منع پر قرآن یا حدیث یا کم از کم اثر صحابہ سے دلیل
پیش کرے کہ میلاد النبی اور اس کا جلوس منع ہے نہ یہ کہ زید اس کے ثبوت
کے لئے دلیل کا مطالبہ کرے، علم مناظرہ کے اصول موضوعہ سے ہے کہ
مانع پر لازم ہے کہ وہ منع کی سند اور دلیل پیش کرے لہذا زید کو ممانعت
کے دلیل پیش کرنی چاہیئے۔ ثبوت کے لئے تو یہی کافی ہے اس کی
ممانعت پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہو سکی لیکن اس کے باوجود پھر بھی
سائل کی تسلی و اطمینان کے لئے ہم میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس
کے سلسلہ میں جلوس مبارک نکالنا اور اس کے فیوض و برکات اور میلاد و
صلوٰۃ وسلام کا کھڑے ہو کر پڑھنے کا شرعی ثبوت باالاختصار پیش کرتے ہیں

میلاد النبی منانے کا شرعی ثبوت ۔ حدیث پاک میں ہے کہ انسان کے ایمان کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہے اور محبت کے تقاضوں سے محبوب کا تذکرہ ہے اور جس دن حضور کا میلاد منایا جاتا ہے اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور مسلمان اس دن خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہدایت کے لئے تشریف لائے چنانچہ سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ اس آیت کریمہ اذکروا نعمتہ اللہ علیکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں ایادی اللہ عندکم وایامہ (بخاری کتاب التفسیر) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمہارے پاس ہیں انہیں اور ان کے دنوں کو یاد کرو اس تفسیر سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی یاد کرو اور ان دنوں کو بھی یاد کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے نعمتیں فرمائی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہیں جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مومنوں پر احسان فرمایا ہے کہ انہیں اپنا رسول عطا فرمایا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احسان اور نعمت ہوئے تو جیسے آپ کا ذکر اور یاد ضروری ہے اس طرح جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس دن کا بھی یاد کرنا لازمی امر ہے سہیل بن عبداللہ تستری المتوفی ۲۸۳ھ اس آیۃ کریمہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں نعمتہ بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ کی نعمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یعنی تم کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت کے ساتھ نوازا ہے ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ

لکھتے ہیں وہی وہی نعمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور قرآن پاک میں ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون یعنی اے مسلمانو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ یہ ان تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے لئے رحمت ہیں اور ہر صاحب ایمان آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت مانتا ہے اور جو رحمت مانتا ہے وہ بحکم خداوندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر لازماً خوشی کا اظہار کرتا ہے اور محفل میلاد بھی مناتا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے میلاد کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ میں تم لوگوں کو اپنے ابتدائی معاملہ کی خبر دیتا ہوں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی والدہ کا چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا وقد خرج لھا نور اضاءت لھا منہ قصور الشام کہ ان کے جسم پاک سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انہیں ملک شام کے محلات نظر آگئے (مشکوٰۃ شریف) علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت پاک کے مہینے میں تمام اہل اسلام ہمیشہ سے محفل میلاد مناتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے ہیں اور ان مبارک راتوں میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت کرتے ہیں اور میلاد پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس میلاد پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل ظاہر ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے ایام میں

محفل میلاد منانے کے خواص سے یہ امر تجربہ شدہ ہے کہ اس سال میں امن و امان رہتا ہے اور ہر مقصد میں کامیابی ہوتی ہے فرحم اللہ امرءا اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیادا لیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض و اعیاء داء۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں فرمائے کہ جس نے ماہِ ولادت مبارکہ کی راتوں کو عید بنا لیا تاکہ یہ عید سخت مصیبت ہو جائے اس شخص پر جس کے دل میں مرض ہے اور بیماری کی کمزوری ہے علامہ علی بن برہان الدین حلبی المتوفی ۱۰۴۴ھ فرماتے ہیں وقد استخرج لہ الحافظ ابن حجر اصلا من السنۃ وکذا الحافظ السیوطی بے شک میلاد النبی کے لئے ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے سُنّت سے اصل نکالی ہے اور اس طرح حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام میلاد النبی کے سلسلہ میں ہمیشہ محفلیں منعقد کرتے آ رہے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ نے اپنے والد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ محفل میلاد منایا کرتے تھے (در ثمین صکے) قرآن و حدیث اور ائمہ کے اقوال اور مسلمانوں کے تعامل سے ثابت ہوا کہ عید میلاد النبی کا منانا اور اس کے سلسلہ میں محفلیں منعقد کرنا جائز ہیں۔

میلاد النبی کے فیوض و برکات: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فیوض و برکات ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ثویبہ ابو لہب کی لونڈی تھی جس کو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا، حضرت ثویبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی پلایا تھا

فلما مات ابولھب اریہ بعض اھلہ کہ جب ابو لہب مرا تو اس کے بعض اہل نے اس کو بری حالت میں خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا مرنے کے بعد تیرا کیا حال ہوا، ابو لہب نے کہا جبھی تم سے جدا ہوا، مجھے کچھ آرام نہیں ملا سوائے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں (یعنی تھوڑا سا پانی کی طرح مل جاتا ہے) اس لئے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ص۱۱۸ ج ۹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۳۲ھ، فرماتے ہیں کہ جب ابو لہب مر گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کی بہت بری حالت ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے تمہارے بعد کوئی آرام نہیں پہنچا لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہر سوموار کے دن مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا یہ اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابو لہب کو خوشخبری سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں تو ابو لہب نے اس خوشخبری کے بدلے ثویبہ کو آزاد کر دیا اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد پر کافر خوشی منائے تو اس کو فائدہ ہوتا ہے کہ اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے تو اگر کوئی مسلمان حضور کی میلاد منائے اور خوشی کرے تو اس کو یقیناً دنیا و دین کی نعمتوں سے نوازا جائے گا چنانچہ علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ ص۲۷ ج ۱، میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے کہا کہ حضور کی میلاد کی خوشی کی وجہ سے جب ابو لہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے حالانکہ ابو لہب ایسا کافر ہے

جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے امتی مؤمن و موحد کا کیا حال ہو گا جو حضور کی میلاد کی خوشی میں حضور کی محبت کی وجہ سے اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق خرچ کرتا ہے آخر میں فرماتے ہیں لعمری انما یکون جزاءہ من اللہ الکریم

ان یدخلہ بفضلہ العمیم جنات النعیم ۔

مجھے اپنی عمر کے قسم ہے اس اُمتی مومن کی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے اس کو جنّت نعیم میں داخل کرے، علامہ ابن جوزی کی کلام سے بھی ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پاک کے ایام کے سلسلہ میں خوشی منانا ایک مومن مؤحد کی نشانی ہے اور جو مسلمان ان ایام میں محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میلاد النبی پر مال و دولت خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کے دروازے کھول دیتا ہے

درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت ہی باعث فلاح و نجات ہے علامہ شہاب الدین خفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ، لکھتے ہیں کہ ملک معظم سلطان عمرو بن لیث المتوفی ۲۶۵ھ، جب فوت ہوئے تو اس زمانہ کے صالحین نے ان کو خواب میں دیکھا کہ جنّت میں ہیں پوچھا کیسے مغفرت ہوئی تو سلطان نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے لشکر کو پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا اور میں نے دل میں کہا کہ میرا یہ لشکر بڑی قوّت کا مالک ہے اور نیز میں نے ارادہ کیا کہ کاش کہ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوتا تو میں اپنا یہ تمام لشکر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں پر قربان کر دیتا اس ارادہ کے تین دن بعد سلطان بیمار ہوا اور فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس ارادہ کی وجہ سے میری مغفرت کر دی اس سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ والہانہ

محبت و عقیدت ہی مسلمانوں کے لئے باعث نجات ہے، علامہ قسطلانی میلاد کے فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سال میں محافل میلاد منعقد کی جائیں وہ تمام سال امن و امان سے گزرتا ہے اور میلاد کی برکتوں سے میلاد کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور ان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اس محفل شریف میں حاضر ہوا جو مکہ مکرمہ بارہویں ربیع الاوّل کو مولد النبی میں منعقد ہوئی تھی۔ جس وقت ولادت پاک کا ذکر پڑھا جا رہا تھا تو میں نے دیکھا یکبارگی اس مجلس سے انوار بلند ہوئے میں نے ان انوار پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ رحمت الٰہی اور فرشتوں کے انوار تھے جو ایسی محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں (فیوض الحرمین)

میلاد النبی کا جلوس نکالنا: حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدینہ منّورہ میں تشریف آوری کی خبر پہنچ چکی تھی شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اہل مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آمد کے منتظر تھے اور اہل مدینہ ہر دن صبح کے وقت نکل کر شہر کے باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے استقبال کے لئے جاتے جب دھوپ تیز ہو جاتی ہے تو حسرت و افسوس کے ساتھ واپس لوٹ جاتے ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ حضورؐ کا راستہ دیکھ کر واپس چلے گئے تھے کہ اچانک ایک یہودی نے دیکھا کہ حضورؐ کی سواری مدینہ منورہ کے قریب پہنچ چکی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ حضرت بریدہ اسلمی المتوفی ۶۲ھ نے اپنی دستار اُتار کر اس کا جھنڈا بنایا ہوا تھا اور علم بردار بن کر ساتھ چل رہے تھے تو اس یہودی نے باآواز بلند پکارا! اے

مدینہ والو! وہ نبی تشریف لے آئے جن کا تم انتظار کر رہے تھے۔ اہل مدینہ نے جب یہ سنا تو جذبات شوق میں استقبال کے لئے دوڑ پڑے اور بنو نجار بھی ہتھیار لگا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور دو رویہ صفیں باندھ کر چلنے لگے جب شہر قریب آگیا تو اہل مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ استقبالیہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

؎ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعیٰ للّٰہ داع

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والے دعا مانگتے رہیں۔ اور مدینہ منورہ کی ننھی ننھی بچیاں دف بجا کر یہ گیت گا رہی تھیں

؎ نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمدٌ من جار

ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں واہ کیا ہی اچھا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے اور مدینہ منورہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اور غلام حضور کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے۔ حضرت براء بن عازب المتوفی ۷۲ھ کا بیان ہے کہ جو فرحت اور خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئی نہ اس سے کبھی پہلے ہوئی اور نہ بعد میں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہل مدینہ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں کو رونق اور زینت بخشئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میری اونٹنی

کی مہار چھوڑ دو جس جگہ خدا کو منظور ہو گا یہ بیٹھ جائے گی آخر کار جہاں اب مسجد نبوی ہے یہیں ابو ایوب انصاری کا مکان تھا اس جگہ حضور کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو ایوب انصاری المتوفی ۴۸ھ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو اہل مدینہ نے اجتماعی طور پر حضور کا استقبال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوس کی شکل میں مدینہ منورہ میں لائے۔ یہ واقعہ ہی میلاد النبی کے جلوس نکالنے کے لئے اصل اور سند ہے تو گویا کہ میلاد النبی پر جلوس نکالنا بھی ثابت ہوا اور اس میں خوشی اور حضور کے ساتھ محبت و عقیدت کا مظاہرہ کرنا سنّتِ صحابہ ہے اسی دن خیرات کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا اور اظہارِ مسرّت کرنا بھی باعثِ ثواب ہے۔ [1]

---

[1] میلاد کے وقت اور صلواۃ وسلام کے وقت کھڑا ہونا بھی شرعاً جائز ہے۔ سیرت حلبیہ ص۸۰ میں ہے کہ ایک مرتبہ امام تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ کے پاس ان کے ہم عصر اکثر علماء کرام جمع ہوئے تو ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف میں چند اشعار پڑھے جن میں سے بعض کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر چاندی پر سونے کے حروف سے بہترین کاتب حضور کی تعریف لکھے تب بھی کم ہے بے شک عزت اور شرف والے لوگ حضور کا ذکر جمیل سن کر صف بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں پر دو زانو ہو جاتے ہیں یہ اشعار سن کر علامہ سبکی اور تمام علماء و اہل مجلس کھڑے ہو گئے اور اس وقت مجلس پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور اس قسم کے واقعات مشائخ

وعلماء کی اقتداء کے بارے میں کافی ہوتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جب میلاد پڑھا جائے یا صلواۃ وسلام پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا چاہیئے۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں فرماتے

علامہ برزنجی لکھتے ہیں قد استحسن القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ذکر ولادت اقدس کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن جانا جو اصحاب روایتہ ودرایتہ تھے آخر میں فرماتے ہیں جو شخص میلاد منانے کا منکر ہے یا اس کو بدعت کہتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ میلاد النبی اور اس کا جلوس نکالنا اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز بلکہ امر مستحسن ہے اس طرح میلاد النبی کے منانے کے بے شمار فیوض وبرکات ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ میلاد النبی کا دن جوش وخروش سے منائیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک اجاگر ہو اور مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ عظمت بیٹھے اور دشمنوں کے دل

ہیں کہ فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل میلاد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں نیز شمائم امدادیہ ص۹۳ میں فرماتے ہیں اگر محفل میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ارادہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ محفل میلاد میں تعظیم کے لئے قیام کرنا بھی جائز ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ محفل میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں بھی صحیح ہے۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ وسلام پڑھنا جیسے کہ بیٹھ کر جائز ہے اس طرح کھڑے ہو کر بھی جائز ہے کیونکہ قرآن پاک میں مطلق حکم فرمایا ہے تو جیسے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اس طرح کھڑے ہو کر بھی پڑھ سکتا ہے البتہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل شروع ہو تو کھڑا ہو جائے جس میں زیادہ تعظیم ہے لہٰذا اگر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو شرعاً کوئی حرج نہیں ہے بلکہ زیادہ ثواب کی امید ہے۔

حسد اور نفاق سے زیادہ جلیں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول،

دار العلوم قادریہ جیلانیہ لندن "یو کے"

(۱۷۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک عرضی نویس کو کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں آپ مجھے طلاق نامہ لکھ دیں عرضی نویس نے طلاق نامہ میں یہ الفاظ تحریر کیے منکہ زید اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دیتا ہوں، زید پڑھنا لکھنا نہیں جانتا زید نے طلاق نامہ پر انگوٹھا لگا دیا بعد میں زید کہتا ہے کہ میں نے عرضی نویس کو کہا تھا کہ ایک طلاق لکھ دے میں تو صرف عورت کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ایک طلاق لکھوائی تھی اب سوال یہ ہے کہ طلاق نامہ پر تین طلاقوں کا ذکر ہے اور زید نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ میں نے تین طلاقیں نہیں لکھوائیں اور نہ ہی میں نے تین طلاقیں دینے کا ارادہ کیا ہے اس صورت میں زید کی عورت پر تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک واقع ہوگی جو حکم شرعی ہو اس کے مطابق مفتیان شرع فتویٰ صادر فرمائیں بینوا وتوجروا

ایک سائل والتھم فارسٹ

لندن "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوئی ہے "تین

طلاقیں واقع نہیں ہوئیں فتاوی دیوبند صٓ۱۸۴ میں ہے کہ اس صورت میں موافق بیان زید کے اس کی زوجہ پر ایک طلاق واقع ہوئی تین واقع نہیں ہوئیں۔ پس زید اپنی زوجہ کو عدت کے اندر بدون نکاح کے رجوع کرسکتا ہے اور بعد عدت کے نکاح جدید بلا حلالہ کے کرسکتا ہے اور اگر زید نے جھوٹ کہا اور درحقیقت اس نے تین لکھنے کو کہا تھا تو اس کا وبال اس پر ہے مگر موافق حکم شریعت کے زید کے بیان موافق اس صورت میں ایک طلاق رجعی کا حکم کیا جائے گا۔ غرضیکہ زید کے قول کے مطابق اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی اگر عدت ختم نہیں ہوئی تو زید اپنی بیوی کے ساتھ رجوع کرے۔ اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو پھر زید اور اس کی بیوی اگر باہمی طور پر رہنا چاہتے ہیں تو نکاح جدید کریں جس میں مہر کا بھی تعین کریں فتاوی رضویہ صٓ۳۳۶ میں ہے جو احکام مہر کے ابتدائی نکاح میں ہیں وہی تجدید نکاح میں یعنی جیسے کہ ابتدائی نکاح میں مہر کا تعین ضروری ہے اس طرح اگر تجدید نکاح ہو تو اس میں مہر کا تعین ضروری ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول

والتھم سٹو، لندن "یوکے"

۲ مارچ ۱۹۸۹ء

⑱-الاستفتاء

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے حضور کے نور کو پیدا کیا اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ کیا حضور کا نور پہلے پیدا ہوا ہے یا قلم پہلے پیدا کی گئی ہے۔

المستفتی

مولانا محمد نثار احمد جماعتی

لندن "یوکے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصّواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تمام کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا اور حضور کے نور سے قلم کو پیدا کیا گیا گویا کہ حضور کے نور کی تخلیق میں اولیت حقیقیہ ہے اور قلم میں اولیت اضافیہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کے لحاظ سے تمام کائنات سے پہلے ہیں قرآن پاک میں ہے وانا اول المسلمین یعنی میں سب سے پہلا مسلمان ہوں تمام سے پہلے مسلمان اس لحاظ سے ہیں کہ آپ تمام سے پہلے مخلوق ہیں تفسیر عرائس البیان صٓ۲۳۵ ج میں ہے وانا اول المسلمین اشارۃ الی تقدم روحہ وجوھرہ علی جمیع الکون کہ آیت انا اول المسلمین میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اور ذات مقدس تمام کائنات پر مقدم ہے شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت صٓ ج میں فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٔ علیم۔ (وہی ذات اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے وہی ہر شے کا جاننے والا ہے)

جیسے کہ یہ آیت کریمہ اللہ کی حمد و ثنا ہے اس طرح یہ نعت مصطفٰے
(صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلیت
اس لحاظ سے ہے کہ آپ کی پیدائش موجودات میں تمام سے اوّل
ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے اوّل ما خلق اللہ نوری اللہ تعالیٰ
نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور آپ ہی سب سے پہلے
ایمان لانے والے ہیں چنانچہ حضور نے فرمایا کہ تمام سے پہلے ایمان
لانے والا میں ہی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر اس لحاظ سے ہیں
کہ آپ آخری نبی ہیں قرآن پاک میں ہے ولکن رسول اللہ وخاتم
النبیین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و باطن اس لحاظ سے ہیں کہ آپ
کے انوار نے پورے آفاق کو گھیر رکھا جس سے سارا جہاں روشن ہے
کسی کا ظہور آپ کے ظہور کی مانند اور کسی کا نور آپ کے نور کے ہم پلہ
نہیں ہے اور باطن سے مراد آپ کے وہ اسرار ہیں جن کی حقیقت کا
ادراک ناممکن ہے اور قریب اور بعید کے لوگ آپ کے جمال اور کمال
میں کھو کر رہ گئے ہیں اور حضور وھو بکل شئ علیم (ہر شئے
کے جاننے والے) بھی ہیں اور فوق کل ذی علم علیم (ہر صاحب
علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود
ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے پہلے ہیں
محدث عبدالرزاق[1] المتوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر

---

[1] آپ کا نام عبدالرزاق بن ہمام بن نافع ہے اور کنیت ابو بکر ہے علاقہ
یمن کے شہر صنعاء کے رہنے والے تھے اور ولاء کے اعتبار سے حمیری کہلاتے
تھے آپ نے تعلیم ابن جریج المتوفی ۱۴۹ھ امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ سفیان ثوری

المتوفی ۱۸۷ھ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت جابر نے فرمایا میں نے عرض کی
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ
مجھے بتائیے کہ تمام چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا فرمایا
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے جابر بے شک اللہ نے تمام اشیاء
سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر یہ نور اللہ تعالیٰ کی
مشیت کے موافق جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ
قلم تھا نہ جنت تھی نہ دوزخ تھا نہ فرشتہ تھا نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند
نہ جن نہ انسان، جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے

المتوفی ۱۶۱ھ عبید اللہ بن عمر بن حفص عمری المتوفی ۱۴۹ھ سے حاصل کی آپ نے زیادہ
تر استفادہ حضرت معمر بن راشد بن عروہ المتوفی ۱۵۴ھ سے کیا، سات سال تک حضرت
معمر کی خدمت میں رہے زیادہ تر حضرت معمر کی روایتوں کو یاد رکھنے والے یہی ہیں
آپ کے شاگردوں میں سے حضرت امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ یحیٰی بن معین المتوفی
۲۳۳ھ اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ ہیں آپ قرآن و سنت کے بہت بڑے
عالم تھے ائمہ ستہ اپنی اپنی کتب میں ان سے روایات لیتے ہیں احمد بن صالح
مصری المتوفی ۲۴۵ھ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا کیا آپ نے کوئی
شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا ہے انہوں نے فرمایا نہیں (تہذیب التہذیب
ص ۳۱۱ ج ۶) امام عبدالرزاق فن حدیث میں ممتاز مقام رکھتے ہیں آپ
کی کتاب حدیث میں مصنف عبدالرزاق مشہور اور مستند اول ہے۔

مفتی غلام رسول
(لندن یوکے)

تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا پہلے حصے سے قلم بنایا دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا پہلے سے آسمان بنائے دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے مومنوں کی آنکھوں کا نور بنایا اور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا جو معرفت الٰہی ہے اور تیسرے سے ان کا نور انس پیدا کیا اور وہ توحید ہے جس کا خلاصہ اور نچوڑ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے (زرقانی شرح مواہب لدنیہ صہ ۴۶ ج ۱ النشر الطیب صہ ۶) علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے:

ففی الخبر اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر

حدیث وارد ہے کہ سب سے پہلے وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور ہے اے جابر، مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

حضور از نور حق جل و علیٰ مخلوق گشتہ است ما قال علیہ السلام خلقت من نور اللہ مکتوبات دفتر سوم صہ ۵۷) شاہ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام حق تبارک و تعالیٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کئے گئے ہیں اور اولیاء کرام اسماء صفاتیہ کی مخلوق ہیں اور بقیہ کائنات صفات فعلیہ سے پیدا ہوئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں (مدارج النبوت صہ ۱۵۰) سوال اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخلوق ہیں تو حضور اللہ کے جزء اور حصہ ہونے جو کہ صریح شرک ہے۔ جواب ہم یہ نہیں کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ کے نور کا ٹکڑا اور حصہ ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ حدیث کا معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ذاتی تجلی فرمائی جو حسن الوہیت کا ظہور اول تھی یہ نہیں ہے کہ نور محمدی نور خداوندی کا ٹکڑا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور کی ذات کا فیضان ہوا۔ سوال حضور کے نور سے مراد حضور کی ذات نہیں ہے بلکہ حضور کا روح ہے جواب حدیث جابر میں ہے نور نبیک من نورہ کہ تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا اب ظاہر ہے کہ من نورہ میں نور سے مراد روح نہیں ہے بلکہ ذات خداوندی مراد ہے اور اس میں اضافت بھی بیانیہ ہے اس طرح نور نبیک میں بھی مراد ذات نبوی ہے اور یہاں بھی اضافت بیانیہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور یعنی تیرے نبی کی ذات کو اپنے نور یعنی اپنی ذات سے پیدا فرمایا دوسرے الفاظ میں یہاں من جو ہے وہ بعضیہ نہیں ہے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا وروح منہ کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی روح ہیں یہاں ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ تعالیٰ کی جزء اور ٹکڑا نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰ کی روح کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک قسم کا فیضان ہوا۔ اور بوجہ فیضان فرمایا وروح منہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح کی تصریح بھی فرما دی اور حدیث جابر میں جب من نورہ سے مراد ذات خداوندی ہے تو نور نبیک میں ذات محمدی مراد ہے روح مراد نہیں ہے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے ذات محمد کو پیدا فرمایا چنانچہ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب

آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمایا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کی پشت مبارک میں رکھ دیا وہ نور اتنی روشنی اور چمک رکھتا تھا باوجودیکہ وہ پشت میں تھا لیکن پیشانی آدم سے بھی چمکتا تھا۔ سوال، ممکن ہے کہ پشت آدم علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی روح رکھی گئی ہو۔ جواب، حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت مبارک میں حضور کی روح نہیں رکھی گئی کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح ہوتی ہے حضرت آدم علیہ السّلام کے بدن میں ان کی اپنی روح تھی۔ روح باپ کی پشت میں نہیں رکھی جاتی بلکہ شکم مادر میں روح پھونکی جاتی ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ استقرار حمل سے چار ہفتے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح (مشکوٰۃ ص۲۰ باب الایمان بالقدر) وہ اس کا عمل، عمر، رزق اور دوزخی یا جنتی ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ حضرت آدم کی پشت مبارک میں حضور کا نور رکھا گیا روح نہیں رکھا گیا یعنی آدم علیہ السّلام کی پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم پاک کے جو ہر لطیف کی نورانی شعاعیں رکھی گئی تھیں جو نور ذات محمدی کی شعاعیں تھیں یہی نور آدم کی پیشانی سے چمکتا تھا یہ نور اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ حضور کے والدین کریمین کی طرف منتقل ہوا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا کہ میرے والدین سے لے کر حضرت آدم و حوا تک جتنے میرے آباؤ اجداد ہوئے وہ تمام جو جاہلیت کے دور میں بے احتیاطی ہوتی تھی اس سے محفوظ اور پاک رہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام

مطہرہ کی طرف منتقل فرمایا ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو بنی ہاشم سے مجھ کو (ذخائر عقبیٰ ص۱۰، کنز العمال ص۱۰۸ ج ۶، مستدرک حاکم ص۷۳ ج ۴، سنن ترمذی ص۲۶۹ ج ۶، ینابیع المودۃ ص۱۲، تبیین الحقائق ص۱۲۹ ج ۲، نشر الطیب ص۲۰۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جب غزوہ تبوک سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ، آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی مدح کروں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے تو عباس نے آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ زمین پر آنے سے پہلے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم آپ جنت میں تھے پھر صلب آدم میں اترے آپ نوح علیہ السّلام کی کشتی میں بھی سوار تھے آپ کی وجہ سے کشتی کو نجات ملی جب آپ کا نور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف منتقل ہوا تو جب آپ نے نار نمرود میں بذریعہ خلیل ورود فرمایا تو آپ کی وجہ سے ہی آگ گلزار ہو گئی "یارسول اللہ" آپ کا نور منتقل ہوتا رہا یہاں تک آپ جب دنیا میں تشریف لائے۔

وانت لما ولدت اشرقت
الارض وضاءت بنورک الافق

تو تمام زمین آپ کے نور سے روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہوگئے۔ حضرت عباس کے قصیدہ سے جیسے کہ یہ ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نور صلب آدم علیہ السّلام میں تھا پھر منتقل ہوتا ہوا حضو

کے والدین کریمین تک پہنچا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے اور آپ کے نور سے تمام دُنیا جگمگا اٹھی اس طرح یہ بھی ظاہر ہوا کہ نوح علیہ السّلام کی کشتی کو نجات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے طفیل ہوئی مولانا جامی قدس سرہٗ المتوفی ۸۹۸ھ فرماتے ہیں ؎

ز جودش گر نگشتی راہ مفتوح

بجودی کے رسیدی کشتی نوح

حضرت عمر بن الخطاب المتوفی ۲۳ھ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السّلام سے لغزش کا ارتکاب ہوا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں تم سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پاؤں پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو میں نے معلوم کر لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ ایسی ہی ذات کا نام ملایا ہوگا جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو حقیقت میں وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں جب تم نے ان کے واسطے سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہ کرتا

لہ نام احمد چنیں یاری کند۔ تاکہ نورش چوں مددگاری کند۔ نام احمد چوں حصارے شد حصین۔ تا چہ باشد ذات آں روح الامین۔ ترجمہ حضور کا اسم گرامی جب اس طرح مدد کرتا ہے تو ان کا نور پاک کیسے مدد کرے گا یعنی وہ تو زیادہ مدد کرے گا جب

(نشر الطیب ص۱۳) حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک یعنی ذات مقدسہ کو اپنے نور یعنی اپنی ذات مقدسہ سے پیدا فرمایا۔ فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا اور حضور کی ذات سے تمام کائنات کو وجود کا فیض حاصل ہوا گویا کہ مرتبہ ایجاد میں تمام عالم کا وجود ہونا بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے ظاہر ہے کہ جب حضور واسطہ اور سبب ہوئے تو واسطہ اور سبب ہمیشہ پہلے ہوا کرتا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام سے پہلے پیدا فرمایا حضرت آدم نے اور دیگر کائنات نے آپ سے توسل کیا اگر حضور اوّل مخلوق نہ ہوتے تو حضرت آدم یا دیگر کائنات والے کس سے توسل کرتے اور حضور ہی صفت آخر سے متصف ہیں کہ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے آپ کو ہی نوازا جائے گا تمام کائنات آپ کی ہی محتاج ہوگی اور ظاہر میں بھی زمین اور آسمان اور مخلوقات و ممکنات آپ کے نور سے ہی منوّر و روشن ہے اگر کسی کو ایمان کی روشنی ملی ہے تو وہ بھی آپ سے اگر کوئی مادیت کی روشنی کے حصول کے لئے توسل کرتا ہے تو وہ بھی آپ سے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب جو نابینا تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں روشن کرے تو حضور نے فرمایا اگر چاہو تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اگر چاہو تو دعا کروں انہوں نے عرض کیا دعا کیجئے آپ نے حکم فرمایا جاؤ وضو کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مضبوط قلعہ بنا تو آپ کی ذات پاک کا کیا کہنا۔ (مثنوی ص۱۰۲)

مفتی غلام رسول

اور اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نبی رحمت کے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت میں اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہو۔ اے اللہ آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے باطنی اسرار غیر محدود ہیں اگر کوئی عالم باطن میں آپ سے توسل کرے تو اس پر بھی رحمت حضور کے نور کے ذریعہ ہی ہے چنانچہ صاحب نشر الطیب لکھتے ہیں کہ عطر الوردہ شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری قدس سرہٗ المتوفی ۶۹۶ھ کو فالج ہوگیا تھا جس سے نصف بدن بے کار ہوگیا انہوں نے بالہام ربانی قصیدہ تصنیف کیا جس میں حضور کی مدح التعریف، اور عظمت بیان کی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ نے اپنا نورانی دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا یہ فوراً شفایاب ہوگئے اس کے بعد یہ اپنے گھر سے باہر نکلے تھے کہ ایک مرد درویش سے ملاقات ہوئی اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ سنا دیجئے جو تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح میں لکھا ہے علامہ بوصیری نے پوچھا۔ کون سا قصیدہ اس مرد درویش نے کہا جس کے اوّل میں یہ ہے ؎ امن تذکر جیران بذی سلم،
علامہ بوصیری کو تعجب ہوا کیوں کہ انہوں نے قصیدہ بردہ کے متعلق کسی کو اطلاع نہیں دی تھی اس درویش نے کہا واللہ میں نے اس

وقت سنا ہے جب کہ یہ قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم خوش ہو رہے تھے علامہ بوصیری نے یہ قصیدہ اس درویش کو دے دیا اور اس واقعہ کی شہرت ہوگئی اور شدہ شدہ یہ خبر صاحب بہاؤ الدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی اس نے قصیدہ نقل کرایا اور وہ اور اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے دینی و دنیوی امور میں دیکھے اور اسی اثناء میں سعد الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور کا تھا آشوب چشم میں مبتلا ہوا کہ قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ وزیر کے پاس جا کر قصیدہ بردہ لے کر آنکھوں پر رکھو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بیٹھے بیٹھے اس کو اچھا فی الفور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا بخشی (نشر الطیب ص۲۲۶) خلاصہ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نور تمام کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا۔ جیسے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اول ما خلق اللہ نوری کہ اللہ نے تمام سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور اس میں اوّلیت حقیقیہ ہے اوّلیت حقیقیہ وہ ہے جو تمام سے پہلے ہو یعنی نور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمام سے پہلے پیدا کیا گیا اور جو بعض روایاتلہ میں آتا ہے کہ قلم کو پہلے پیدا کیا گیا اس میں اوّلیت اضافیہ

لہ جیسے کہ امام ترمذی اور حافظ بدر الدین عینی نے عبادہ بن صامت المتوفی ۳۴ھ سے اور ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے ابن عباس سے اور علامہ سیوطی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے اوّل ما خلق اللہ القلم (عمدۃ القاری ص۲۱۴ ج ۷، مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۹)

ہے یعنی بعض سے پہلے اور بعض سے مؤخر (شرح تہذیب وحواشی ص۲) یعنی قلم دوسری چیزوں سے پہلے پیدا ہوئی اور حضور کے نور کے بعد پیدا کی گئی اس طرح جہاں کہیں اوّلیت کی روایتہ ہو گی وہاں یہی تحقیق ہو گی جس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت جابر کی روایۃ میں تصریح موجود ہے کہ تمام اشیاء سے پہلے حضور کا نور پیدا کیا گیا اور پھر اس نور سے قلم وغیرہ پیدا ہوئے جب تصریح موجود ہے کہ قلم حضور کے نور سے پیدا ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ تمام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نور پیدا کیا گیا پھر اس نور کو چار حصّوں میں تقسیم کیا پہلے حصے سے قلم بنایا اس حدیث جابر میں جو بار بار نور کی تقسیم کا ذکر آیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ نور محمدی تقسیم ہوا اور اس کے ٹکڑے اور اجزاء ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو اس میں اضافہ فرمایا گیا ہے اور شعاع در شعاع بڑھتا گیا اور وہی مزید شعاعیں تقسیم ہوتی رہیں۔ غرضیکہ اس کائنات و ممکنات کے ایجاد کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور حضور کا نور ہی تمام سے پہلے پیدا کیا گیا اسی نور سے ہی دیگر اشیاء کی تخلیق ہوئی۔

وَاللہُ وَرَسولُهٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسُول

وانتھم سٹو۔ لندن "یوکے"

۵ اپریل ۱۹۹۱ء

کتاب الوصایا والمیراث

(۱۸۱) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد اسلم نے اپنی مرض موت (جس میں وہ فوت ہوگیا) میں اپنے چار بھائیوں سے ایک بھائی منظور احمد کے لئے اپنی اراضی اور مکان ہبہ کر دیئے۔ محمد اسلم کے مرنے کے بعد منظور احمد کے دوسرے بھائی کہتے ہیں کہ محمد اسلم کی ہبہ شدہ اراضی اور مکان سے ہم کو بھی حصّہ ملنا چاہئیے جب کہ منظور احمد کہتا ہے کہ محمد اسلم نے جب مجھے اپنی جائیداد ہبہ کر دی ہے تو یہ میرا ہی حصّہ ہے دوسرے بھائی اس کے حق دار نہیں ہیں۔ محمد اسلم کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے اور اس کی بیوی فرزانہ بیگم پہلے ہی فوت ہوگئی تھی۔ اب مفتیان اسلام سے مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ کیا واقعی شرعی طور پر صرف منظور احمد اس ہبہ شدہ جائیداد کا وارث ہے یا دوسرے تین بھائی بھی ہیں پہلے منظور احمد نہیں مانتا تھا اب وہ کہتا ہے جو شرعی فیصلہ ہوگا میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں آپ مہربانی فرما کر شرعی فتویٰ تحریر فرمائیں نیز اگر کوئی شخص اپنی تمام جائیداد کی وصیّت کرے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں آدمی کو دی جائے اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیں۔

سائل منظفر علی خان

وہائٹ روڈ سپارک بروک برمنگھم، "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں جب محمد اسلم نے بیماری اور مرض موت کے اندر اپنے بھائی منظور احمد کے لئے ہبہ کیا تھا اور محمد اسلم خاص اس بیماری میں فوت ہوگیا تھا تو یہ ہبہ نہیں ہے بلکہ یہ ہبہ وصیت کے حکم میں ہے اور جب یہ وصیت ہوئی تو وصیت وارث کے لئے جائز نہیں ہے حدیث پاک میں ہے لا وصیة لوارث (نیل الاوطار ص۴۰) یہ حدیث متواتر ہے۔ ابتداء اسلام میں وصیت فرض تھی جب میراث کے احکام نازل ہوئے منسوخ کی گئی چونکہ منظور احمد وارث ہے اور وارث کے لئے مرض موت میں ہبہ کا حکم وصیت میں ہے اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں ہے۔ دُر مختار میں ہے

وهبته ووقفه وضمانته کل ذالك حکم کحکم الوصیة

عزیز الفتاوی ص۴۳۴ میں ہے اگر مریض اسی مرض میں فوت ہو گیا جس مرض میں ہبہ کیا ہے تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مرض موت میں ہبہ کرنا بحکم وصیت ہے اور وصیت وارث کے لئے صحیح نہیں۔ جب وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہوئی تو جو محمد اسلم نے اپنے بھائی منظور احمد کے لئے اراضی مکان وغیرہ ہبہ کئے ہیں ان کا صرف منظور احمد حق دار نہیں ہے بلکہ اس میں تمام مساویانہ طور پر شریک اور حقے دار ہیں منظور احمد صرف وراثت والا حصّہ لے گا ہبہ کا نہیں اگر کسی شخص کے کوئی وارث نہ ہوں اور یہ کسی کے لئے اپنی پوری جائیداد کی وصیت کر جائے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے تو ایسی صورت میں وصیت کو تہائی تک محدود نہ رکھا جائے گا بلکہ مرنے والے کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے تمام جائیداد

موصی لہ کے لئے منتقل کر دی جائے گی واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول
برمنگھم، برطانیہ
۵ اپریل ۱۹۸۷ء

(۱۸۲) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمود خان فوت ہوگیا ہے اس کے وارث درج ذیل ہیں ۱۔ والد ظفر احمد خان ۲۔ والدہ صفیہ خانم ۳۔ بیوی رخسانہ خانم ۴۔ چار لڑکے اکبر خان، شیر خان، انیس خان، منیر خان ۵۔ پانچ لڑکیاں، عائشہ خانم، منیزہ خانم، سلطانہ خانم، شاہینہ خانم، زبیدہ خانم، شرعی طور پر اس کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی فتویٰ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں

سائل
مظفر علی خان
وہائٹ روڈ سپارک بروک
برمنگھم ۱۱ یوکے

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

صورت مسؤلہ میں بعد از وضع مصارف تجہیز وتکفین وادائے دیون واجراء وصیت وغیرہ کے بیوی، ماں اور باپ ذوی الفروض سے ہیں

پہلے ان کا حصہ نکالا جائے گا اور ذوی الفروض وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقررہ کئے گئے ہیں بیوی کا حصہ $\frac{1}{8}$ ہے ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے باپ کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے باقی عصبوں میں تقسیم ہوگا عصبہ وہ وارث ہیں جو کہ ذوی الفروض کی موجودگی میں اس سے بچے ہوئے مال کے حق دار ہوں اور ان کی عدم موجودگی میں سارے مال کے مالک بن جائیں چونکہ چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عصبات ہے میں لہذا باقی ان میں تقسیم کیا جائیگا بیٹیاں اگرچہ ذوی الفروض سے ہیں لیکن بیٹیوں کیساتھ بیٹا یا کئی بیٹے ہوں تو بیٹیاں عصبہ ہو جاتی ہیں ومع الاخ لاب وامہ للذکر مثل حظ الانثیین یصرن بہ عصبۃ لاستواھُم فی القرابۃ الی المیت
اس حالت میں للذکر مثل حظ الانثیین "مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے" کے قاعدے مطابق ان بیٹیوں کو آدھا ملے گا ہر بیٹے کا حصہ $\frac{1}{12}$ ہوگا اور ہر بیٹی کا حصہ $\frac{1}{24}$ ہوگا اصل مسئلہ ۲۴ سے ہوگا چنانچہ پہلی قسم سے ثمن جب دوسری قسم (ثلثان و ثلث وسدس) کے کسی فرض کے ساتھ مخلوط ہو تو مخرج چوبیس کا عدد ہوگا لہذا مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔

المسئلہ ۲۴ محمود خان

بیوی	ماں	باپ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{12}$	$\frac{1}{12}$	$\frac{1}{12}$	$\frac{1}{24}$	$\frac{1}{24}$	$\frac{1}{24}$	$\frac{1}{24}$	$\frac{1}{24}$

یعنی بیوی کو ۳۔ اور ماں کو ۴۔ باپ کو ۴۔ ہر بیٹے کو ۲۔ اور ہر بیٹی کو ۱۔ حصہ ملے گا گویا کہ رخسانہ خانم کو ۳۔ صفیہ خانم کو ۴۔ ظفر احمد خان کو ۴۔ اکبر خان کو ۲۔ شبیر خان کو ۲۔ انیس خان ۲۔ منیر خان کو ۲۔ عائشہ خانم کو ۱۔ منیزہ خانم کو ۱۔ سلطانہ خانم کو ۱، شاہینہ خانم کو ۱، زبیدہ خانم کو ایک حصہ ملے گا۔
واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول برمنگھم ۱۱ "یوکے"
۹ جولائی ۱۹۸۷ء

الاستفتاء (۱۸۲)

بخدمت جناب مفتی غلام رسول صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کا ارسال کردہ فتویٰ موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو اپنا ذاتی ملکیت رکھنے کا حق عطا کیا اور اس کو وراثت میں حصہ دلایا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عورت باوجودیکہ مرد سے کمزور ہوتی ہے اور پھر اس کو گھر کے اندر رہنا ہوتا ہے شریعت اسلامیہ نے وراثت میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر رکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے عورت کی مالی پوزیشن کمزور کر دی ہے اور پہلے بھی عورت کمزور ہے۔ اسی لئے بعض دوسرے مذاہب اسلام کے اس ضابطہ وراثت پر اعتراض کرتے ہیں آپ اس کا جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور رہوں۔

سہیل احمد
سمالیتھ برمنگھم ۱۰ "یوکے"

الجواب هو الموفق للصدق والصواب

جناب محترم سہیل احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کے بعد گذارش ہے کہ اسلام نے قانون وراثت میں دراصل اہمیت نسب کو دی ہے اس قانون کے تحت یہ ضروری نہیں ہے کہ مرد کو ہی زیادہ حصہ ملے بعض دفعہ یہ ہوتا ہے

کہ ایک عورت مرنے والے سے زیادہ قریبی تعلق رکھتی ہے اور وہ اس مرد سے زیادہ حصہ لے جاتی ہے جو مرنے والے کا دور کا رشتہ دار ہے۔ دیکھئے زید کی موت ہوئی اس نے ایک بیوی سلیمہ ایک لڑکی عائشہ ایک چچا عمرو چھوڑا تو قانون وراثت کے لحاظ سے مال وراثت سے سلیمہ کو $\frac{1}{8}$ اور عائشہ کو $\frac{1}{2}$ اور عمرو کو $\frac{3}{8}$ دیا جائے گا اب (عورت) عائشہ کو (مرد) عمرو سے زیادہ حصہ ملا ہے اور سلیمہ کو عمرو کے مساوی مل گیا ہے اسی طرح درج ذیل صورت میں کہ زید فوت ہوا اس نے ایک بیٹی حفیظاں چھوڑی اور باپ عمرو چھوڑا تو بیٹی حفیظاں کو $\frac{1}{2}$ حصہ ملا اور باپ کو ذوی الفروض ہونے کے لحاظ سے $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا اور مزید عصبہ کی حیثیت سے ذوی الفروض سے بچا ہوا کل مال باپ کو مل جائے گا یعنی باقی دو حصے عصبہ ہونے کے لحاظ سے باپ کو ملیں گے اور مسئلہ چھ سے ہوگا کیونکہ اگر پہلی قسم میں سے صرف نصف دوسری قسم (ثلثان وثلث وسدس) کے ایک یا دو یا تینوں کے ساتھ مخلوط ہو تو مسئلہ چھ سے ہوگا۔ چونکہ یہاں نصف سدس کے ساتھ مخلوط ہے تو مسئلہ چھ سے بنیگا۔ اور اس حالت میں عورت کو

المسئلہ ۶ زید

حفیظاں عمرو

مرد کے مساوی مل گیا ہے۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے اگر میت نے بیٹی چھوڑی ہے اور بیٹا کوئی نہیں چھوڑا اور بیٹی کے ساتھ باپ ہے تو بیٹی کو آدھا حصہ ملے گا۔ اور باپ کو چھٹا حصہ ذوی الفروض ہونے کے لحاظ سے اور باقی دو حصے عصبہ ہونے کے لحاظ سے گویا کہ دونوں کو مساوی حصے مل گئے جس سے ظاہر ہے کہ قانون وراثت میں اصل اہمیت نسب کو

ہے اور جہاں اسلام نے محض رشتے کا خیال کیا ہے اور وارث میت سے بلا واسطہ جائز تعلق رکھتا ہو جیسے کہ میاں بیوی تو یہ دونوں وراثت میں مساوی درجہ رکھتے ہیں مثلاً میت کی اولاد کی موجودگی میں والدین کے حصے برابر ہوتے ہیں یا وہ بھائی بہن جو اخیافی (ماں جائے بہن بھائی) ہو یہ بھی وراثت میں مساوی درجہ رکھتے ہیں اب یہاں بھی شریعت نے عورت کو حصہ کم نہیں دیا بلکہ مرد کے برابر دیا ہے گویا کہ بعض دفعہ قریبی نسبی رشتہ کے لحاظ سے عورت زیادہ یا مساوی حصہ لے جاتی ہے اور بعض دفعہ جائز رشتہ کے لحاظ سے مساوی حصہ لے جاتی ہے اور ان دونوں صورتوں میں عورت کو یا زیادہ حصہ ملا ہے یا مساوی ملا ہے کم نہیں ملا رہی یہ صورت جو سائل نے پیش کی ہے کہ قرآن میں ہے۔ للذکر مثل حظ الانثیین کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب تمام وارث رشتہ کے لحاظ سے ایک درجہ کے ہوں اور مرنے والے کے سارے مال کے بحیثیت عصبہ وارث ہوں مثلاً مرنے والے کی اولاد بھائی بہن وغیرہ بظاہر تو یہاں مرد اور عورت کے مابین مساوات نہیں ہے کہ عورت کا مرد کی بہ نسبت آدھا حصہ ہے لیکن شریعت نے اس کی تلافی دو طریقوں سے کر دی ہے ایک یہ کہ وہ بیوی کو خاوند سے مہر دلاتی ہے جس کی صرف عورت حقدار ہوتی ہے دوسرے شادی میں جو زیور تحفے وغیرہ دیئے جاتے ہیں اس کی حقدار بھی عورت ہوتی ہے اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو مرد کی اقتصادی اور مالی حالت ہر وقت غیر مستحکم ہے اور عورت کی مالی حالت مضبوط ہے کیونکہ مرد پر اسلام پورے خاندان کی معاشی ذمہ داری ڈال دیتا ہے عورت اس سے بری ذمہ ہے

عورت کی شادی سے پہلے ذمہ داری سرپرست پر ہوتی ہے اور شادی کے بعد خاوند پر اگر بعض حالات میں وراثت کے سلسلہ میں عورت کو کم حصہ ملا ہے تو شریعت نے اس کی تلافی مہر، زیورات، تحفے تحائف سے پوری کر دی ہے غرضیکہ عورت کو بعض دفعہ مرد سے زیادہ حصہ دیا گیا ہے اور بعض دفعہ مساوی اور بعض دفعہ آدھا اور جہاں اس کو آدھا ملا ہے وہاں اس کا تدارک مہر وغیرہ سے کر دیا گیا ہے اور کفالت اور معاشی ذمہ داری بھی مرد پر ڈال دی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ عورت کو بعض فطری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام نے عورت کے حقوق کو ہر طرح سے محفوظ اور مضبوط کر دیا ہے جس کی مثال کسی دیگر مذہب میں نہیں ملتی۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

مفتی غلام رسول
برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۱ جنوری ۱۹۸۸ء

(۱۸۳) الاستفتاء

جناب قبلہ مفتی صاحب

السلام علیکم! فتویٰ موصول ہوا شکریہ۔ گزارش ہے کہ ذوی الفروض وارث کتنے ہیں اور عصبہ وارث کتنے ہیں ان کے حصے کیسے ہیں جواب دے کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں

سہیل احمد
سمالیتھ برمنگھم "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

اسلام نے جن رشتہ داروں کو وارث قرار دیا ہے وہ تین ہیں۔ ۱۔ ذوی الفروض ۲۔ عصبات ۳۔ ذوی الارحام۔ ۱۔ ذوی الفروض وہ وارث ہیں جن کے حصے قرآن اور شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں ان کی کل تعداد بارہ ۱۲ ہے جن میں چار ۴ مرد اور آٹھ ۸ عورتیں ہیں ۱ شوہر ۲ باپ ۳ اخیافی (ماں شریکی) بھائی ۴ جد صحیح اور جد صحیح وہ ہے کہ اگر کسی شخص اور اس کے جد کا رشتہ درجہ بدرجہ لکھا جائے تو کسی عورت کا ذکر نہ آئے تو اس کو جد صحیح کہتے ہیں۔ جیسے کہ باپ کا باپ یعنی دادا یہ جد صحیح ہے اور نانا جد فاسد ہے ۵ بیوی ۶ ماں ۷ بیٹی ۸ پوتی ۹ سگی بہن ۱۰ علاتی یا سوتیلی (باپ شریک) بہن ۱۱ اخیافی (ماں شریکی) بہن ۱۲ جدہ صحیح یعنی دادی وغیرہ بعض دفعہ بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سوتیلی بہن جب عصبہ بن جائیں تو پھر ان کا ذوی الفروض میں شمار نہیں ہوگا صرف عصبہ کی حیثیت سے ان کو حصہ ملے گا ان بارہ ذوی الفروض سے جو پانچ ہیں وہ ہر حالت میں وراثت پاتے ہیں باقی سات جو ہیں وہ کبھی کبھی محروم بھی ہو جاتے ہیں وہ پانچ یہ ہیں ۱۔ شوہر، ۲۔ باپ، ۳۔ بیوی، ۴۔ ماں، ۵۔ بیٹی، میت کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو کل ترکہ کا $\frac{1}{2}$ یعنی نصف حصہ ملتا ہے اگر میت کی اولاد ہو تو پھر شوہر کا حصہ کم ہو کر $\frac{1}{4}$ رہ جاتا ہے اس طرح اگر میت کی اولاد ہو مثلاً بیٹا، پوتا وغیرہ تو باپ کو کل ترکہ سے $\frac{1}{6}$ حصہ ملتا ہے اگر میت کی بیٹی، پوتی وغیرہ ہو لیکن بیٹا، پوتا نہ ہو تو باپ کو ذوی الفروض کی حیثیت سے $\frac{1}{6}$ حصہ ملتا ہے اور مزید عصبہ کی حیثیت سے ذوی الفروض سے بچا ہوا اس کو

مل جائے گا۔ شوہر کی طرح بیوی کا حصہ بھی اولاد کی موجودگی میں کم ہو جاتا ہے اس کی دو حالتیں ہیں ۱۔ میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی کو $\frac{1}{4}$ حصہ ملے گا اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ہر ایک کو $\frac{1}{4}$ میں سے برابر حصّہ ملے گا۔ ۲۔ میت کی کوئی اولاد خواہ اسی بیوی سے یا کسی دوسری بیوی سے ہو تو بیوی کو یا سب بیویوں کو ملا کر صرف $\frac{1}{8}$ حصّہ ملے گا۔ ماں کا حصہ ترکہ میں سے $\frac{1}{3}$ ہوتا ہے لیکن اولاد کی موجودگی سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ حصہ رہ جاتا ہے۔ اس طرح دو بھائی بہن کسی قسم کے ہوں تب بھی کم ہو کر $\frac{1}{6}$ رہ جاتا ہے گویا کہ اس کی بھی دو حالتیں ہیں ۱۔ اگر میت کی اولاد یا بھائی بہن نہ ہوں تو ماں کو $\frac{1}{3}$ ملے گا اگر میت کی اولاد یا دو بھائی بہن ہوں تو ماں کو $\frac{1}{6}$ حصّہ ملے گا، علاوہ ازیں ماں کے حصّہ کی ایک خاص حالت یہ بھی ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں صرف ماں باپ اور شوہر ہوں یا صرف ماں باپ اور بیوی ہوں تو پھر شوہر یا بیوی کو $\frac{1}{2}$ یا $\frac{1}{4}$ دے دینے کے بعد جو $\frac{1}{2}$ یا $\frac{3}{4}$ بچیگا اس کا ایک $\frac{1}{3}$ ماں کو ملے گا اس طرح شوہر کی موجودگی میں ماں کا حصہ $\frac{1}{3} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{6}$ ہوگا اور بیوی کی موجودگی میں ماں کا حصّہ $\frac{3}{4} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{4}$ ہوگا۔ بیٹی کے دو طرح کے حصّے ذوی الفروض کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور ایک عصبہ بغیرہ کی حیثیت سے جب کہ اس کا بھائی یعنی میت کا بیٹا موجود ہو اس طرح بیٹی کے ترکہ پاتے کی تین صورتیں ہوتی ہیں ۱۔ اگر میت کے صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو بیٹی کو $\frac{1}{2}$ ملتا ہے، ۲۔ اگر میت کے دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں لیکن بیٹا نہ ہو تو سب بیٹیوں کو ترکہ کے $\frac{2}{3}$ میں سے برابر ملے گا، ۳۔ جب بیٹی یا بیٹیوں کے ساتھ بیٹا یا کئی بیٹے موجود ہوں تو بیٹی یا بیٹیاں عصبہ بغیرہ

ہو جائیں گی اور اس حالت میں ان کو بیٹوں کا آدھا ملے گا مثلاً اگر میت کی ایک بیٹی اور دو بیٹے ہوں تو وراثت ۱:۲:۲ کے حساب سے تقسیم ہوگی اور اگر دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہوں تو ترکہ ۱:۱:۲:۲:۲ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ جدِ صحیح اس کا حصّہ باپ کے حصے کی طرح ہے ایک صورت میں محجوب ہے یعنی اس کو حصّہ نہیں ملتا گویا کہ اس کی چار حالتیں ہیں ۱۔ میت کے دادا کے ساتھ اس کا بیٹا اور پوتا ہو اور میت کا باپ نہ ہو تو دادا کو $\frac{1}{6}$ ملے گا۔ میت کے دادا کے ساتھ میت کی بیٹی، پوتی وغیرہ ہو لیکن بیٹا پوتا نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو تو دادا کو بحیثیت ذوی الفروض $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا اور عصبہ کے لحاظ سے ذوی الفروض سے بچا ہوا سب مل جائے گا۔ ۳۔ میت کے دادا کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو تو دادا ذوی الفروض نہ رہے گا بلکہ عصبہ ہو کر ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ لے گا۔ ۴۔ میت کے دادا کے ساتھ میت کا باپ موجود ہو تو دادا، پردادا محجوب ہو جائے گا یعنی دادا کو اب کچھ نہیں ملے گا۔ اخیاقی (ماں شریکی) بھائی، اخیافی (ماں شریکی) بہن، ایسے بھائی بہن جن کی ماں ایک ہو باپ مختلف ہوں اخیافی کہلاتے ہیں اگر باپ ایک ہو ماں مختلف ہو تو علاتی اور سوتیلی کہلاتے ہیں اخیافی بھائی بہن اگرچہ بہن بھائی ہیں لیکن شریعت نے للذکر مثل حظ الانثیین، مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہے کے اصول سے ان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ان کے حصّے برابر ہی رکھے ہیں ان کی تین حالتیں ہیں۔ ۱۔ ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو اسے ترکہ کا $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا۔ ۲۔ اگر ایک سے زیادہ اخیافی بھائی بہنیں ہوں یا کچھ بھائی اور کچھ بہنیں ہوں تو $\frac{1}{3}$ میں سے ہر ایک کو دیا جائے گا۔ ۳۔ اگر اخیافی بھائی

بہنوں کے ساتھ میت کا باپ، دادا وغیرہ ہو یا بیٹا یا پوتا یا بیٹی، پوتی وغیرہ میں سے کوئی موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن وغیرہ محجوب ہوں گے ان کو حصہ نہیں ملے گا۔ پوتی اگر میت کی بیٹی نہ ہو تو پوتی اس کے قائم مقام ہوگی اگر پوتی نہ ہو تو پرپوتی اور پوتی کے حصوں کی چھ صورتیں ہیں۔ ۱۔ اگر میت کا بیٹا بیٹی موجود نہ ہو اور ایک پوتی ہو تو اس کو $\frac{1}{2}$ حصہ ملے گا، ۲۔ اگر میت کا بیٹا بیٹی موجود نہ ہو اور دو یا زائد پوتیاں ہوں تو بیٹیوں کی طرح $\frac{2}{3}$ میں سے برابر حصہ دیا جائے گا۔ ۳۔ اگر میت کی ایک بیٹی ہو اور پوتی ہو تو اس کو ترکہ سے $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا۔ اور اگر کئی پوتیاں ہوں تو اسی $\frac{1}{6}$ میں سے برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔ ۴۔ جب پوتی کے ساتھ پوتا ہو تو پوتی عصبہ بغیرہ ہو کر ذوی الفروض سے بچا ہوا للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ کے مطابق پوتوں کا آدھا پائے گی، ۵۔ اگر میت کا کوئی بیٹا موجود ہو تو پوتی اور پوتے محجوب ہوں گے حصہ نہیں پائیں گے۔ ۶۔ اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں اور بیٹا نہ ہو اور پوتی کے ساتھ پوتا نہ ہو تب بھی پوتی دو بیٹیوں کی وجہ سے محجوب ہوگی کیونکہ عورتوں کا حصہ $\frac{2}{3}$ بیٹیوں میں ختم ہو چکا ہے البتہ اگر دو بیٹیاں اور پوتی کے ساتھ پوتا ہو تو پھر عصبہ بغیرہ ہو جانے کے لحاظ سے پوتے کے ساتھ پوتی کو بھی حصہ ملے گا۔ بیٹی بھی عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہے اور پوتی بھی لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیٹی صرف بیٹے کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوتی ہے اور پوتی پوتے، پرپوتے وغیرہ ہر ایک کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں۔ سگی بہن اگر میت کی بیٹی اور پوتی نہ ہو تو پھر سگی بہن ان کے قائم مقام ہوگی چنانچہ ذی فرض ہونے کی حیثیت سے بہن کے ترکہ پانے کی وہی دو صورتیں ہیں جو بیٹی کی ہیں اور بھائی کے ساتھ اس طرح عصبہ بغیرہ بھی ہوتی ہے

نیز بیٹی یا پوتی ایک یا زائد کے ساتھ بہن عصبہ مع غیرہ بھی ہو جاتی ہے اور بچا ہوا ترکہ سب اس کو مل جاتا ہے اور دو صورتوں میں بہن محجوب ہو جاتی ہے اس طرح اس کی کل چھ حالتیں ہیں ۱۔ اگر صرف ایک بہن ہو لیکن نہ میت کی اولاد ہو اور نہ بھائی اور نہ باپ، دادا وغیرہ تو بہن کو بحیثیت ذوی الفروض $\frac{1}{2}$ حصہ ملے گا، ۲۔ اگر دو یا زیادہ سگی بہنیں ہوں اور میت کی اولاد یا بھائی یا باپ، دادا نہ ہو تو سب کو $\frac{2}{3}$ میں سے برابر برابر حصہ ملے گا۔ ۳۔ اگر سگی بہن کے ساتھ سگا بھائی ہو تو بہن عصبہ بغیرہ ہو کر بھائی کا آدھا حصہ پائے گی۔ ۴۔ اگر بہن کے ساتھ بیٹی، پوتی وغیرہ ایک یا ایک سے زائد ہوں تو بہن عصبہ مع غیرہ ہو کر ذوی الفروض سے بچا ہوا سب پائے گی۔ ۵۔ اگر میت کا بیٹا یا پوتا، پرپوتا وغیرہ ہو تو سگی بہنیں اور سگے بھائی محجوب ہو جاتے ہیں ان کو حصہ نہیں ملتا۔ ۶۔ اگر میت کا باپ دادا پردادا وغیرہ موجود ہوں تو بھی سگے بھائی بہنیں محجوب ہوں گے ان کو حصہ نہیں ملے گا۔ علاتی (سوتیلی) بہن اس کی کل نو حالتیں ہیں۔ ۱۔ اگر علاتی بہن ایک ہو تو $\frac{1}{2}$ حصہ پائے گی۔ ۲۔ اگر دو یا زیادہ ہوں تو $\frac{2}{3}$ سب برابر برابر شریک ہوں گی۔ ۳۔ اگر ایک سگی اور ایک یا زیادہ سوتیلی بہنیں ہوں تو سوتیلی بہنوں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا سب اسی میں برابر برابر شریک ہوں گی ۴۔ اگر سوتیلی بہن کے ساتھ سوتیلا بھائی ہو تو عصبہ بغیرہ کی حیثیت سے اس کا آدھا حصہ پائے گی، ۵۔ اگر میت کی ایک یا زیادہ بیٹی، پوتی کے ساتھ سگی بہن کی بجائے سوتیلی بہن یا بہنیں ہوں لیکن سوتیلا بھائی نہ ہو تو سوتیلی بہن بحیثیت عصبہ مع غیرہ کے ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ سب پائے گی ۶۔ اگر میت کا بیٹا پوتا وغیرہ ہو تو علاتی بھائی بہن محجوب ہوں گے ان کو حصہ

نہیں ملے گا۔ ۷۔ اگر میت کی دو سگی بہنیں موجود ہوں تب بھی سوتیلی بہنیں محجوب ہوں گی حصہ نہ پائیں گی۔ ۸۔ اگر میت کا سگا بھائی ہو یا سگی بہن بحیثیت عصبہ مع غیرہ ہو تب بھی سوتیلی بہن یا بھائی محجوب ہوں گے یعنی حصہ نہ پائیں گے۔ ۹۔ اگر میت کا باپ، دادا، پردادا وغیرہ ہوں تو سوتیلے بھائی بہن محجوب ہوں گے ان کو حصہ نہیں ملے گا۔ جدہ صحیحہ۔ عربی میں دادی اور نانی دونوں کو کہتے ہیں لیکن اگر کسی شخص اور اس کی جدہ کا رشتہ درجہ بدرجہ لکھنے میں کسی جد فاسد کا ذکر نہ آئے تو وہ جدہ صحیحہ ہے مثلاً باپ کی ماں (دادی) باپ کے باپ کی ماں، باپ کی ماں کی ماں، ماں کی ماں (نانی)، ماں کی ماں، اگر کسی جد فاسد کا نام آجائے تو وہ جدہ فاسدہ ہوگی مثلاً نانا کی ماں، نانا کی نانی، نانی کے باپ کی ماں، دادی کے باپ کی ماں، جدّ فاسد اور جدّہ فاسدہ دونوں ذوی الارحام میں شمار ہیں لیکن جدّہ صحیحہ ذوی الفروض میں سے ہے اس کی پانچ حالتیں ہیں

۱۔ اگر صرف ایک دادی، نانی وغیرہ ہو تو ترکہ سے ۱/۶ حصہ پائے گی۔ ۲۔ اگر جدّہ صحیحہ دو یا زیادہ ہوں لیکن میت سے برابری کا رشتہ رکھتی ہوں خواہ دادھیالی ہوں یا ننھیالی ہوں تو وہ سب ۱/۶ میں سے برابر شریک ہوں گی۔ ۳۔ اگر کئی جدہ صحیحہ ہوں اور میت سے مختلف درجہ کا رشتہ رکھتی ہوں تو سب سے قریب درجہ والی کو حصہ ملے گا باقی محجوب ہوں گی ۴۔ ماں کی موجودگی میں تمام جدات یعنی دادیاں، نانیاں محجوب ہوں گی حصہ نہ پائیں گی، ۵۔ باپ کی موجودگی میں صرف دادھیالی جدات محجوب ہوں گی لیکن دادا کی موجودگی میں دادی محجوب نہ ہوگی۔ ۲۔ عصبات اور ذوی الفروض کو ان کے مقررکردہ حصوں کے مطابق ترکہ دینے

کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ جن وارثوں کا سب سے پہلے حق ہے وہ عصبات ہیں اور عصبہ وہ ہے جو میت کا دادھیالی رشتہ دار ہو اس کے اور میت کے درمیان رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ نہ ہو ان میں چار عورتیں ۱۔ بیٹی، ۲۔ پوتی، ۳۔ سگی بہن، ۴۔ سوتیلی بہن شمار کی جاتی ہیں اور باقی سب مرد دھیالی رشتہ دار ہوتے ہیں مثلاً بیٹا، باپ، دادا، پوتا، بھائی بھتیجہ، چچا وغیرہ پھر عصبہ کی تین قسمیں ہیں اوّل عصبہ بنفسہ، ہر اس مرد دادھیالی رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ بیان کرنے میں کسی عورت کا واسطہ درمیان نہ آئے مثلاً باپ، دادا، بیٹا، پوتا، بھائی وغیرہ، باپ اور دادا ذوی الفروض اور عصبہ بنفسہ دونوں ہیں اور بعض حالتوں میں ان کو دونوں حیثیتوں سے حصہ ملتا ہے، عصبہ بغیرہ میں چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ میں حصہ پاتی ہیں ۱۔ بیٹی ۲۔ پوتی، ۳۔ سگی بہن، ۴۔ سوتیلی بہن، جب ان کے بھائی موجود ہوں تو ان کو اپنے مقررکردہ حصوں کی بجائے "للذکر مثل حظ الانثیین، یعنی مرد کو عورت کا دوگنا ملے) کے اصول کے مطابق اپنے بھائیوں کا آدھا ملے گا لیکن پوتی اور پوتے کے ساتھ بھی عصبہ بغیرہ ہوتی ہے اور پرپوتے کے ساتھ بھی عصبہ ہو جاتی ہے باقی تین عورتیں صرف اپنے بھائیوں ہی کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں ان چار کے علاوہ اور کوئی عصبہ بغیرہ نہیں ہوتا عصبہ مع غیرہ۔ ان سگی اور سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں اور یا پوتیوں کے ساتھ مل کر ذوی الفروض سے بچا ہوا سب ترکہ پانے کے مستحق ہوتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کے بھائی نہ ہوں ورنہ عصبہ بغیرہ کا حصہ پائیں گے نیز یہ چار عورتیں بیٹی، پوتی، سگی بہن، اور سوتیلی بہن جب عصبہ بغیرہ

یا عصبہ مع غیرہ ہوتی ہیں تو پھر ان کا شمار ذوی الفروض میں نہیں ہوتا صرف عصبہ کی حیثیت سے انہیں حصہ ملتا ہے۔ عصبات میں ترکہ کی تقسیم کے پانچ اصول ہیں، **اصول نمبر۱** قریب ترین عصبہ ذوی الفروض سے بچا ہوا کل مال پا جاتا ہے اور دور والے اس سے محروم ہو جاتے ہیں اس لیئے رشتہ کے لحاظ سے عصبہ بنفسہ کے چار درجے مقرر کئے گئے ہیں درجہ نمبر۱ میت کی اولاد مذکر (مرد) بیٹا، پوتا، پر پوتا اور ان کے بیٹے پوتے وغیرہ، درجہ نمبر۲ میت کی اصل باپ، دادا، پردادا اور ان کے باپ دادا وغیرہ، درجہ نمبر۳ میت کے باپ کی دوسری اولاد مذکر یعنی بھائی بھتیجے اور ان کے بیٹے وغیرہ درجہ نمبر۴ میت کے دادا، پردادا وغیرہ کی اولاد دوسری مذکر یعنی چچا، چچازاد بھائی ان کے بیٹے، پوتے وغیرہ باپ کے چچا اور ان کی اولاد مذکر، دادا کے چچا اور ان کی اولاد مذکر،

اصول نمبر۲ اگر ایک ہی درجہ کے کئی عصبات ہوں تو الاقرب فالاقرب کے اصول پر عمل ہوگا جو سب سے قرب والا رشتہ دار ہوگا اسے کل ترکہ مل جائے گا باقی سب محروم ہوں گے مثلاً کسی کا بیٹا، پوتا دونوں موجود ہوں تو گو دونوں درجہ اول کے عصبہ ہیں لیکن بیٹے کا رشتہ زیادہ قریب کا ہے کیونکہ پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے قائم ہوتا ہے اس لیئے وہ دور کا عصبہ ہوا لہٰذا کل ترکہ بیٹے کو ملے گا پوتا محروم ہوگا خواہ اسی بیٹے کا بیٹا ہو یا کسی دوسرے بیٹے کا۔ **اصول نمبر۳**۔ اگر ایک ہی درجہ کے کئی عصبات ہوں اور قرابت کے لحاظ سے بھی برابری رکھتے ہوں مثلاً سب بیٹے ہوں یا سب پوتے ہوں تو پھر ہر ایک کو برابر حصہ دیا جائے گا، **اصول نمبر۴** اگر ایک ہی درجہ کے عصبات ہوں قرابت کے لحاظ سے بھی برابری رکھتے ہوں لیکن بعض مرد ہوں اور بعض عورتیں تو مردوں کو عورتوں کا دوگنا دیا جائے گا مثلاً بیٹوں کو بیٹیوں کا دوگنا ملیگا۔

اصول نمبر۵ اگر تمام عصبات ایک درجہ کے ہوں اور رشتہ میں بھی ایک ہوں لیکن رشتہ کی نوعیت میں فرق ہو تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہے اس کو حصہ ملے گا دوسرے محجوب ہو جائیں گے ان کو حصہ نہیں ملے گا مثلاً سگے بھائی اور سوتیلے بھائی ہوں تو سگے بھائی کو ترکہ ملے گا اور سوتیلا بھائی محجوب ہوگا اسے کچھ نہ ملے گا ان پانچ اصولوں کے تحت عصبات میں ترکہ تقسیم ہوگا درج ذیل جو عصبات ہیں ان میں ہر عصبہ اپنے نیچے والے کو محروم کر دے گا ۱۔ بیٹے، بیٹیاں ۲۔ پوتے پوتیاں، ۳۔ پرپوتے، پرپوتیاں ۴۔ اس طرح نیچے کی پشتوں کے پوتے پوتیاں وغیرہ، ۵۔ باپ، ۶۔ دادا ۷۔ پردادا ۸۔ اس طرح اوپر کی پشت کے پردادا، ۹۔ حقیقی بھائی بہن، ۱۰۔ علاتی بھائی بہنیں، ۱۱۔ حقیقی بھتیجے، ۱۲۔ علاتی بھتیجے، ۱۳۔ حقیقی بھائی کا پوتا۔ ۱۴۔ علاتی بھائی کا پوتا، ۱۵۔ حقیقی بھائی کا پرپوتا۔ ۱۶۔ علاتی بھائی کا پرپوتا اس طرح حقیقی بھائی اور علاتی بھائی کی نیچے کی پشت کی اولاد یکے بعد دیگرے، ۱۷۔ حقیقی چچا، ۱۸۔ علاتی چچا کا بیٹا، ۲۰۔ علاتی چچا کا بیٹا، ۲۱۔ حقیقی چچا کا پوتا، ۲۲۔ علاتی چچا کا پوتا، ۲۳۔ حقیقی چچا کا پرپوتا، ۲۴۔ علاتی چچا کا پرپوتا اس طرح حقیقی چچا اور علاتی چچا کی اولاد مذکر یکے بعد دیگرے ۲۵۔ باپ کے حقیقی چچا، ۲۶۔ باپ کے علاتی چچا، ۲۷۔ باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، ۲۸۔ باپ کے علاتی چچا کا بیٹا اسطرح نیچے کی پشت میں یکے بعد دیگرے بہرکیف اگر میت کے وارثوں میں ذوی الفروض اور عصبات

دونوں ہوں تو پہلے ذوالفروض کو ان کے مقرر کردہ حصے دیئے جائیں گے ان سے جو بچ رہے تو وہ عصبات میں تقسیم کیا جائے گا مثلاً محمود فوت ہوا اس نے ماں شریفاں چھوڑی اور ایک بیوی حفیظاں ایک بیٹی فرزانہ اور ایک بھائی منظور حسین چھوڑا تو یہاں پہلے ذوی الفروض بیوی، بیٹی ماں کو ان کے حصوں کے مطابق دیا جائے گا باقی جو بچے وہ بھائی کو بطور عصبہ دیا جائے گا۔ یہاں چونکہ پہلی قسم سے ثمن دوسری قسم (ثلثان وثلث وسدس) کے فرض کے ساتھ مخلوط ہوا ہے تو مسئلہ ۲۴ سے ہوگا

المسئلہ ۲۴ ـ محمود

بیوی	ماں	بیٹی	بھائی
حفیظاں	شریفاں	فرزانہ	منظور حسین
$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{5}{24}$

حفیظاں کو ۲۴ سے ۳ حصے شریفاں کو ۴ حصے فرزانہ کو ۱۲ حصے اور باقی منظور کو ۵ حصے ملیں گے اس سے ظاہر ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو دیا جائے گا، ما بقی عصبہ میں تقسیم ہوگا۔ ۳۔ ذوی الارحام یہ میت کے وارث وہ تمام داد ھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو کہ نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ ہی عصبہ اور میت سے ان کا رشتہ کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورت ہو مثلاً نانا، نواسہ، نواسی، ماموں، خالہ، پھوپھی۔ جدّ فاسد، جدّہ فاسدہ، اخیافی چچا، اخیافی بھتیجہ، اخیافی ماموں اور ان کی اولاد سب ذوی الارحام میں شمار ہوتے ہیں جب میت کے کوئی ذوی الفروض اور عصبہ وارث نہ ہوں تو ان کو وراثت ملتی ہے۔ اگر ذوی الفروض سے یا عصبات سے کوئی بھی ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ سے کچھ نہیں ملتا البتہ

بیوی یا شوہر ایسے ذوی الفروض ہیں جن کی موجودگی میں بھی ذوی الارحام محروم نہیں ہوتے بلکہ ان سے بچا ہوا ترکہ ذوی الارحام کو مل جاتا ہے کیونکہ ان پر رد نہیں ہوتا جیسے کہ عصبات کے چار درجے تھے اس طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں درجہ نمبر ۱ میت کے وہ جزء یعنی اولاد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں مثلاً نواسہ، نواسی بیٹے اور پوتے کے نواسے، نواسیاں اور ان کی اولاد وغیرہ، درجہ نمبر ۲ میت کے وہ اصول یعنی باپ اور ماں سے اوپر کے رشتہ والے جو ذوی الفروض یا عصبات نہ ہوں مثلاً نانا، پرنانا وغیرہ ماں کے دادا، نانا، دادی، پردادی وغیرہ غرضیکہ تمام جدّ فاسد اور جدّہ فاسدہ۔ درجہ نمبر ۳ میت کے باپ یا ماں کے وہ جزء جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں مثلاً بھتیجی۔ بھانجا بھانجی اور ان کی اولاد اور اخیافی بھائی بہن کی اولاد وغیرہ اور علاتی بھائی بہن کی اولاد وغیرہ درجہ نمبر ۴ میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کے وہ جزء جو ذوی الارحام ہوں مثلاً پھوپھی، خالہ، ماموں خواہ سگے ہوں یا علاتی یا اخیافی ان سب کی اولاد نیز حقیقی و علاتی، چچاؤں کی مؤنث اولاد اور میت کے باپ اور ماں کی پھوپھی، خالہ ماموں وغیرہ، اور ذوی الارحام میں وراثت کے عام اصول درج ذیل ہیں۔

اصول نمبر ۱ درجہ اول جب کوئی ذی فرض یا عصبہ نہ ہو یا صرف بیوی یا شوہر ہو تب ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں بیوی یا شوہر سے بچا ہوا ان کو ملتا ہے

اصول نمبر ۲ درجہ اوّل کی موجودگی میں بقیہ سب محروم ہوں گے اگر درجہ اول والے نہ ہوئے تو پھر دوسرے وارث ہوں گے اگر دوسرے نہ ہوئے تو تیسرے ہوں گے اگر تیسرے نہ ہوئے تو پھر چوتھے درجے والے وارث

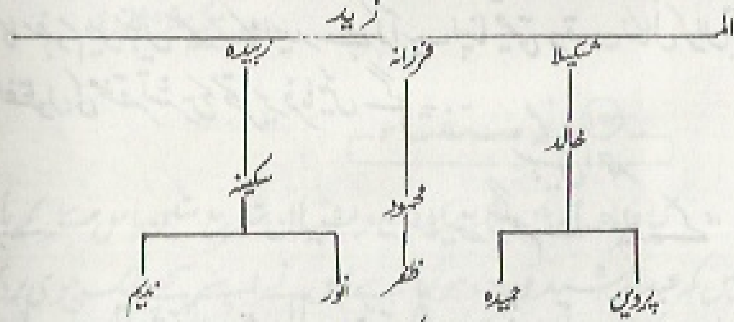
ہوں گے۔

اصول نمبر ۳ اگر ایک ہی درجے کے رشتہ دار ذوی الارحام ہیں تو "الاقرب فالاقرب" کے اصول کے مطابق وراثت تقسیم ہوگی یعنی جو زیادہ قریبی ہوگا اس کو ترکہ ملے گا اور دور والا محروم رہے گا مثلاً نواسہ، نواسے کا بیٹا اور نواسے کا پوتا تینوں ہوں تو گویا درجہ اول کے رشتہ دار ہیں لیکن نواسہ زیادہ قریبی ہے اس لئے اس کو ملے گا دوسرے محروم ہوں گے۔

اصول نمبر ۴ برابر درجے والے ذوی الارحام میں ذی فرض یا عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد پر مقدم ہوگی مثلاً پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا بیٹی ہوں تو پوتی ذی فرض کی اولاد کو ترکہ ملے گا اور نواسی ذی رحم کی اولاد محروم ہوگی اس طرح بھتیجے کی بیٹی اور بھتیجی کا بیٹا ہو تو بھتیجہ عصبہ ہے اس لئے اس کی بیٹی مقدم ہوگی اور بھتیجی ذی رحم ہے اس کا بیٹا محجوب ہوگا اس کو حصہ نہیں ملے گا اگر کچھ ذی فرض کی اولاد ہوں اور کچھ عصبہ کی اولاد ہوں اور قرابت میں برابر کا رشتہ ہو تو دونوں کو ترکہ ملے گا یہ نہیں ہوگا کہ ذی فرض کی اولاد عصبہ کی اولاد کو محروم کردے۔

اصول نمبر ۵ حسب سابق لذکر مثل حظ الانثیین کا اصول بھی ملحوظ رکھا جائے گا برابر کے ذوی الارحام میں مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا لیکن اخیافی رشتہ کے ذوی الارحام میں مرد اور عورت کے حصے برابر ہی رہیں گے لیکن یہاں مرد کو عورت کا دوگنا دینے کا قاعدہ عصبات سے کچھ مختلف ہے عصبات میں تو موجودہ وارثوں کے مرد یا عورت ہونے کے مطابق ان کے حصے دوہرے یا اکہرے ہوتے ہیں لیکن ذوی الارحام میں موجودہ وارثوں کے بجائے ان کی اصل کا لحاظ کیا جاتا ہے جن کے واسطے

یہ وارث ہوئے ہیں اور جہاں پہلے پہل جنس کا اختلاف ہوا ہے چنانچہ جس پشت میں جنس کا اختلاف پہلے پہل ہوتا ہے وہیں اصل کی تعداد بھی بڑھا کر اتنی کر دی جاتی ہے جتنی تعداد موجودہ افراد کی اس شاخ میں ہے پھر مرد کا دوہرا اور عورت کا اکہرا حصہ لگتا ہے اور اگر مردوں اور عورتوں کی تعداد بھی کئی کئی ہوں تو مردوں کا مجموعی حصہ انکی اولاد پر منتقل کر دیا جاتا ہے اور عورتوں کا مجموعی حصہ ان کی اولاد پر اسے درج ذیل مثال میں ملاحظہ کیجئے



اس مثال میں نواسوں یعنی خالد اور محمود کی دو بیٹیاں (پروین، حمیدہ) اور ایک بیٹا ظفر، اور نواسی (سکینہ) کے دو بیٹے (انور، ندیم) ہیں چونکہ جنس کا اختلاف سب سے پہلے دوسری پشت (خالد، محمود، سکینہ) میں ہوا ہے اس لئے وہاں پہلے بیٹے خالد کو دو بیٹے مان لیں گے اور بیٹی سکینہ کو دو بیٹیاں مان لیں گے اب جیسے کہ وارث پروین، حمیدہ، ظفر، انور، ندیم، پانچ افراد ہیں اس طرح ان کے اصل (خالد، محمود، سکینہ) بھی پانچ ہو جائیں گے کل سہام سولہ ہونگے۔ پروین، حمیدہ کو تین تین حصے ملیں گے ظفر کو ۶ حصے اور انور، ندیم کو دو دو حصے ملیں گے یعنی ۳، ۳، ۶، ۲، ۲ مجموعہ ۱۶۔

اصول نمبر ۶ اگر کوئی ذو رحم دو رشتوں سے کسی ترکہ کا حصہ دار ہوتا ہے تو اسے دونوں رشتوں سے حصہ ملے گا یہ چھ اصول ہیں جن کا استعمال ذوی الارحام کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یوکے"

۲ مئی ۱۹۸۸ء

الاستفتاء - (۱۸۵)

جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم، کے بعد گزارش ہے کہ فتویٰ موصول ہوا، شکریہ، لیکن فتویٰ میں عصبہ بنفسہ، عصبہ لغیرہ، اور عصبہ مع غیرہ کا جو ذکر کیا گیا ہے ان الفاظ کا مفہوم میں نہیں سمجھ سکا امید ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر ان تین لفظوں کی مختصر تشریح تحریر فرمائیں گے۔

سہیل احمد
سالیتھ برنگھم ۱۰ "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

عصبہ عربی زبان میں پٹھے کو کہتے ہیں اور شریعت کی زبان میں عصبہ وہ شخص ہے جو گوشت پوست میں شریک ہو جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے عصبہ نسب کے لحاظ سے تین قسم پر ہے، عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ عصبہ بنفسہ وہ ہے جو بذات خود عصبہ ہو عصبہ بغیرہ وہ ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں دوسرے عصبہ کا محتاج ہو عصبہ مع غیرہ وہ ہے جو عصبہ ہونے میں دوسرے عصبہ کا محتاج تو ہو مگر محتاج الیہ خود عصبہ نہ ہو ان کی مثالیں پہلے فتویٰ میں ملاحظہ کریں پھر عصبہ بنفسہ چار قسم پر ہے ۱ جزء میت جیسے بیٹا، پوتا ۲ اصل میت جیسے باپ دادا ۳ میت کے باپ کا جزء جیسے بھائی بھتیجا ۴ میت کے دادا کا جزء جیسا چچا اور اس کی اولاد ان میں سے جو سب سے زیادہ قرابت دار ہو وہ مقدم ہوتا ہے اس کے بعد جو اس سے نیچے ہو تو میت کا جزء

میت کے اصل پر مقدم ہوگا یعنی پہلے بیٹا پھر پوتا اس کے بعد باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا پھر چچے پھر باپ کے چچے پھر دادا کے چچے ترتیب وار۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول برنگھم ۱۱ "یو کے"
۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء

الاستفتاء - (۱۸۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عبدالرشید فوت ہوگیا ہے اس نے اپنے پیچھے ایک بیوی پروین اور دو لڑکیاں روبینہ اور کوثری اور ایک چچا نور احمد چھوڑا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ نور احمد کو بھی وراثت سے کچھ ملے گا یا نہ جبکہ پروین کا کہنا ہے کہ ہم نور احمد کو کچھ نہیں دیں گے۔

مظفر علی خان
وہائٹ روڈ سپارک بروک برنگھم "یو کے"

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں بعد از وضع مصارف تجہیز و تکفین و ادائے دیون و اجرائے وصیت کے پروین (زوجہ) اور دونوں لڑکیاں روبینہ اور کوثری ذوی الفروض سے ہیں پہلے ان کو حصہ دیا جائے گا اور بقیہ مال نور احمد کو بطور عصبہ ملے گا چونکہ اس صورت میں ثمن اور ثلثان مخلوط ہوئے

ہٰذا مسئلہ ۲۴ سے ہوگا۔

المسـ مسئلہ ۲۴ عبدالرشید

پروین	روبینہ، کوثری	نوراحمد
زوجہ	بنتان	عم
۳	۱۶	۵

کل ترکہ ۲۴ حصے ہوں گے جن میں سے تین پروین لے گی اور ۱۶ حصے روبینہ اور کوثری کو مجموعۃً ملیں گے اور فی کس آٹھ آٹھ لے لیں اور باقی ۵ حصے نوراحمد کو بطور عصبہ ملیں گے اور پروین کا یہ کہنا کہ نوراحمد کو ترکہ سے کچھ نہیں دیں گے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جبکہ شریعت اسلامیہ نوراحمد کو ترکہ سے حصہ بطور عصبہ دیتی ہے تو وہ ہر صورت میں اس کو ملے گا۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب!

مفتی غلام رسول، برمنگھم ۱۱ "یو کے"
۸؍جون ۱۹۸۸ء

(۹۴) الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمیل احمد فوت ہوا اس نے اپنے پیچھے درج ذیل وارث چھوڑے، ایک بیوی رشیدہ بیگم اور دو لڑکیاں ساجدہ، اور زاہدہ اور ایک ماں شریک بھائی محمد علی اور ایک والدہ صفیہ بیگم اس صورت میں ان وارثوں کو کتنے کتنے حصے آئیں گے۔

بینوا وتوجروا۔

سائل
ذوالفقار علی
والتھم سٹو لندن

الجواب ھو الموفق للصدق والصواب

صورت مسئولہ میں بعد ادائے ماتقدم علی الارث ورفع موانع ارث کل ترکہ کے ستائیس حصے ہوں گے جن میں سے تین حصے رشیدہ بیگم کو ملیں گے اور سولہ حصے مجموعۃً ساجدہ اور زاہدہ کو اور فی کس ان کو آٹھ آٹھ اور چار حصے محمد علی کو اور چار ہی حصے صفیہ بیگم کو ملیں گے اصل مسئلہ ثمن، ثلثان کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے چوبیس ۲۴ سے ہے چونکہ یہاں پر حصوں کے مخرج کا عدد کم ہے اور سہام زیادہ ہیں لہٰذا مخرج میں اضافہ کریں گے تاکہ سب حصہ والوں کو ان کے سہام پہنچ جائیں اس اضافہ کا نام عول ہے اور چوبیس کا عول صرف ستائیس تک ہوتا ہے مسئلہ کی صورت یہ ہے۔

المسـ مسئلہ ۲۴ عول ۲۷ جمیل احمد

بیوی رشیدہ بیگم	بیٹی ساجدہ	بیٹی زاہدہ	اخیافی بھائی محمد علی	والدہ صفیہ بیگم
۳	۸	۸	۴	۴

واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب،

مفتی غلام رسول دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن۔ ۸؍دسمبر ۱۹۸۰ء

خاتمہ

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ نے فقہ کو مدوّن و مرتب کیا یہ ظاہر ہے کہ اسلامی علوم کی ابتدا، اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی مگر چونکہ ایک خاص ترتیب و انداز کے ساتھ زمانہ نبوت و دور خلافت میں یہ علوم مدوّن نہ ہوئے تھے اور نہ ہی ان کو فن کی حیثیت حاصل تھی اس لیے وہ کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔ جب دوسری صدی ہجری میں ترتیب و تدوین شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز و فکر کے ساتھ ترتیب کی وہ ان کے مدوّن و بانی کہلائے اسی مناسبت سے امام ابوحنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ فقہار نے تدوین فقہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود نے بویا علقمہ نے اس کو سینچا ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد نے اس کو ماندا یعنی اناج کو بھوسی سے الگ کیا ابوحنیفہ نے پیسا ابو یوسف نے اس کو گوندھا محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب اس کے کھانے والے ہیں یعنی اجتہاد و استنباط کا طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے شروع ہوا علقمہ نے اس کو تقویت پہنچائی ابراہیم نخعی نے اس کے فوائد متفرقہ کو جمع کیا حماد نے فروع کو زیادہ کیا امام ابوحنیفہ نے اس کو کمال پر پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کی تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل و جزئیات کی تنقیح کرا کر ابواب فقہ پر مرتب کرایا۔ پھر آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر امام مالک امام شافعی، امام احمد، قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام زفر نے اصول تفریع مرتب

کیے اور فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث ورجال وغیرہ پر بہترین کتابیں وجود میں آئیں چنانچہ اصول فقہ حنفی میں سب سے پہلے قاضی ابو یوسف نے کتابیں لکھیں اور اصول فقہ شافعی میں سب سے پہلے امام شافعی نے کتاب تصنیف فرمائی اور قاضی ابو یوسف کے بعد فقہ حنفی پر ہلال الرائی اور علامہ احمد خصاف نے کافی حد تک کام کیا ان کے بعد ابوجعفر طحاوی اور ان کے بعد ابوالحسن کرخی امام جرجانی اور علامہ کاسانی وغیرہ فقہ حنفی کے زبردست مؤید پیدا ہوئے اور چھٹی صدی ہجری میں فقہ حنفی پر جامع کتاب "ہدایہ" لکھی گئی جو کہ ہر دور کے علماء اور فقہاء اور ماہرین قانون کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی اس چھٹی صدی میں ہی فتاویٰ جمع کرنے کا کام بھی شروع ہوا فتاویٰ کی تالیف و ترتیب کا خیال سب سے پہلے علامہ ولوالجی کو ہوا انہوں نے فتاویٰ والوالجیہ مرتب کیا اس کے بعد فتاویٰ عتابیہ، فتاویٰ دیناریہ، فتاویٰ قاضی خان، ملخص الفتاویٰ، فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ ترتیب دیئے گئے تاکہ بعد میں آنے والے مفتیان شرع کو فتویٰ دینے کے لیے سہولت ہو دراصل فتویٰ دینا مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنّت، اجماع وقیاس سے وہی دے سکتا ہے فتویٰ دینے کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے یہ حقیقتاً فتویٰ دینا نہ ہوا بلکہ سوال کرنے والے کے لیے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے اگر نقل کر دینے میں فتویٰ دینے والے سے غلطی ہو جائے تو یہ اپنی غلطی میں رجوع کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرے لیکن ہمارے زمانے میں علماء کرام اور مفتیان عظام کے حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ جو بات ایک مرتبہ اپنے منہ سے نکال

دیتے ہیں اگرچہ صریح غلط ہی کیوں نہ ہو اس کو غلط تسلیم کرنے کی بجائے صحیح ثابت کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں ہمارے اس زمانہ میں علماء یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے اسلاف دین کو دین سمجھتے تھے انہوں نے کبھی بھی حق کی طرف رجوع کرنے سے گریز نہیں کیا وہ مسائل اجتہادیہ میں جب دوسری جانب دلائل کی تقویت اور مضبوطی دیکھتے اور سمجھتے تو اپنے قول سے رجوع کر لیتے اگر کوئی مسئلہ وقتی طور پر ان کے زیر نظر نہ ہوتا تو بلا تامل وہ کہہ دیتے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا کہ میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں فرمایا کہو کیا ہے اس نے بیان کیا آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں وہ حیران ہو کر بولا اچھا تو میں اپنے شہر والوں سے کیا کہوں فرمایا کہہ دینا مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے غور کیجئے کہ امام مالک نے کیا جواب دیا کیا اس زمانے میں کوئی با ہمت عالم اور مفتی ایسا ہے جو کہ مسئلہ نہ جانتا ہو اور پھر عوام کے سامنے کہہ دے کہ میں اپنی لاعلمی کا اقرار کرتا ہوں لیکن اس زمانہ میں ہزار کوشش کے باوجود بھی ایسا عالم اور مفتی نہیں ملے گا۔ حضرت امام مالک کے علاوہ دیگر ائمہ اور اسلاف نے بھی متعدد مسائل کے جواب میں لاادری کہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے فقہی اور اجتہادی مسائل میں مرجوعات اقوال بھی ہیں امام ابوحنیفہ کا ۹۵ مسائل میں رجوع ثابت ہے اور ابویوسف کا ۸۹ مسائل میں رجوع ثابت ہے اور امام محمد نے بیس ۲۰ مسائل میں رجوع کیا ہے اب ظاہر ہے کہ ان کے لاادری (میں نہیں جانتا) کہنے یا رجوع کرنے سے ان کے وقار میں کبھی بھی کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی لیکن ہمارا فکری انداز ہی کچھ اور نوعیت کا ہے کہ ہم صریح غلط بیانی سے رجوع کو اپنے وقار کی کمی سمجھتے ہیں حالانکہ عزت اور وقار تو اس میں ہی ہے کہ ہمارا عمل اس بات پر ہو جس میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی شامل ہو۔ پھر فتویٰ یا کسی کو مسئلہ بتانا دلائل اور علم کے ساتھ ہونا چاہیئے یعنی مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ کا علم بھی رکھتا ہو اگر فتویٰ کا علم نہیں رکھتا تو پھر فتویٰ ہرگز نہ دے علامہ ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ ، لکھتے ہیں الفرق بین علم الفتیا و فقہ الفتیا، ففقہ الفتیا ھو العلم بالاحکام الکلیۃ و علمہا ھو العلم بتلک الاحکام مع ترتیبھا علی النوازل (الاشباہ والنظائر ص ۴۶۱) علم فتویٰ اور فقہ فتویٰ میں فرق ہے پس فقہ فتویٰ احکام کلیہ کا نام ہے اور علم فتویٰ ان احکام کلیہ بمعہ ترتیب واقعات و حوادثات کا نام ہے گویا کہ فقہ فتویٰ عام ہے اور علم فتویٰ خاص ہے علامہ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ افریقہ کے حاکم اعلیٰ نے اسد[1] بن فرات المتوفی ۸۲۸ء (عیسوی) سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا ایک مالک اپنی لونڈیوں کے ساتھ بلا پردہ حمام

---

[1] قاضی اسد کا آبائی وطن نیشاپور (خراسان) ہے لیکن ان کی ولادت دیار ابی بکر میں ۱۳۲ھ میں ہوئی ان کے والد کا نام فرات اور دادا کا نام سنان تھا اور دیار ابی بکر سے وہ قیروان آئے اور پانچ سال کی عمر میں وہ ٹیونس پہنچے ابتدائی تعلیم ٹیونس میں حاصل کی جہاں علی بن زیاد کا دار العلوم تھا پھر مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت امام مالک کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اس وقت عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمان بن قاسم بھی

میں داخل ہو سکتا ہے تو اسد بن فرات نے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ داخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لونڈیاں اس کی مملوک ہیں لہٰذا مالک کے لیے ان کے ساتھ بلا پردہ حمام میں داخل ہونا جائز ہے، علامہ ابومحرز نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ مالک کے لیے ناجائز ہے کہ وہ بے پردہ اپنی

لونڈیوں کے ساتھ حمام میں داخل ہو، کہا کہ اگر لونڈیاں بے پردہ ہیں تو مالک کے لیے اگرچہ ان کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن لونڈیوں کا آپس میں ایک دوسری کی طرف دیکھنا تو ناجائز ہے۔ بایں وجہ مالک کے لیے بھی منع ہے اب یہاں پر اسد بن فرات نے اس صورت جزئیہ خاصہ کی طرف توجہ نہیں کی کہ لونڈیوں کا ایک دوسری کی طرف دیکھنا ناجائز ہے جس کا ابومحرز نے خیال رکھا ہے گویا کہ ابومحرز کی نظر اس مسئلہ میں اسد بن فرات سے زیادہ اعلیٰ اور وسیع ہے اس سے ظاہر ہے کہ مفتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف احکام کلیہ کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ نہ دے بلکہ احکام کلیہ کے ساتھ ساتھ ترتیب واقعات و حوادثات نازلہ اور صور جزئیہ

یہاں موجود تھے اسد موطاء کی تکمیل کے بعد یہاں سے رخصت ہوئے امام مالک نے رخصت کرتے وقت تقویٰ اور امت مسلمہ کی بھلائی کے لیے کام کرنے کی تلقین فرمائی اس کے بعد وہ عراق آئے جہاں علماء احناف کی مسند درس بچھی ہوئی تھی، امام ابویوسف اسد بن عمرو اور امام محمد بن حسن (جو امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ سے ہیں) کے حلقہائے درس قائم تھے۔ اسد نے یہاں پہنچ کر کافی اہمیت حاصل کرلی اور فقہ حنفی سے پورا پورا استفادہ کیا، امام مالک کی وفات حسرت آیات کے بعد اسد مرجع انام بن گئے اسد کے مقام فی الحدیث کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابویوسف اور امام محمد نے اس تشنہ علم کو سیراب کرنے کے بعد خود فقہ مالکی میں ان سے استفادہ کیا اور موطاء امام مالک کا درس لیا اس حیثیت سے اسد کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اولین کے درمیان ایک سلسلۃ الذہب کی قرار پاتی ہے صاحبین سے علم حدیث حاصل کرنے کے بعد اسد نے یحییٰ بن زکریا، ابوبکر بن عیاش، ہیثم بن شریک وغیرہ سے جو شیوخ عراق میں سے تھے علم حدیث پڑھا پھر اسد مصر کی طرف چلے گئے اور وہاں پہنچ کر عبدالرحمان بن قاسم سے استفادہ کرنا شروع کردیا اسد سوالات کرتے تھے عبدالرحمان بن قاسم جوابات دیتے جاتے تھے اسد ان کو سپرد قلم کرتے جاتے تھے یہ تمام مواد ساٹھ جزوں میں مکمل ہوا اور فقہ مالکی کا سب سے زیادہ مستند ضابطہ قرار پایا اسد نے اس کا نام اپنے نام پر الاسدیہ رکھا پھر اسد مصر سے قیروان پہنچے اور یہاں آپ نے موطا امام مالک اور

الاسدیہ کی تعلیم دینی شروع کردی یہاں آپ کے حلقہ درس کے دو فاضلوں محمد بن رشید اور سحنون نے آپ کی لاعلمی میں الاسدیہ کی نقل شروع کردی، بعض جگہوں میں ترمیم کردی بعض قضایا سے رجوع کرلیا بایں وجہ اسد نے فقہ مالکی کو چھوڑ کر فقہ حنفی کے تحت فتوے دینے شروع کردیئے یہاں تک کہ افریقہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے اسد، عبداللہ بن غانم کی وفات کے بعد قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، اسد جیسے کہ علمی دنیا میں مجتہدانہ قوتوں کے مالک تھے اسی طرح بہت بڑے شجاع اور بہادر تھے یہی وجہ تھی کہ بحیرہ روم کے جزیرہ صقلیہ (سسلی) کے فتح کے لیے امیر زیادۃ اللہ نے جو اسلامی فوج روانہ کی اس کا سپہ سالار قاضی اسد کو مقرر کیا گیا اسد اسی جنگ میں ۲۱۳ھ میں شہید ہوئے۔

ے خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(تاریخ صقلیہ ص ۲۵۷ ج ۲، ابن اثیر ص ۲۳۷ ج ، اخبار اندلس ص ۱۳ ج ۲) مفتی غلام رسول

کا بھی خاص خیال رکھے جیسے کہ ابو محرز نے صورت جزئیہ خاصہ کا خیال رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اگر لونڈیاں مالک کی مملوکہ ہیں اور مالک کے لیے بحیثیت مالک ان کے اجسام کی طرف بلا حجاب دیکھنا جائز ہے تو اس کے ساتھ شرعاً خرابی یہ لازم آتی ہے کہ جب وہ لونڈیاں اپنے اجسام سے کپڑے اتار دیں گی تو ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بھی دیکھیں گی جو کہ ان کے لیے یہ دیکھنا ایک دوسری کو ناجائز ہے جب ایک صورت مطلقہ میں ایک مقرر صورت مقیدہ ناجائز ہو تو وہ صورت مطلقہ بھی ناجائز ہو گی لہذا حمام کے اندر بلا حجاب لونڈیوں کے ساتھ مالک کو داخل ہونا بھی منع ہو گا (الاشباہ صـ ۴۶۰)

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی مسئلہ یا فتویٰ کو بیان کیا جائے تو وہ علم فتویٰ کے مطابق بیان کیا جانا چاہیئے امام ابو حنیفہ نے آخری وقت میں جو قاضی ابو یوسف کو وصیت کی تھی اس میں فرمایا تھا اگر لوگ تم سے فتویٰ پوچھیں تو جواب کو دلیل کے ساتھ بیان کرو۔ امام ابو حنیفہ کی یہ وصیت تمام مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے یہاں ہم اس کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اے یعقوب (امام ابو یوسف) بادشاہ کی عزت کر اور اس کو بڑا سمجھ اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور جا بے جا وقت بے وقت اس کے پاس آنے جانے سے گریز کر ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کثرت آمد و رفت سے وہ تجھ سے بے پرواہی برتے گا اور تجھے حقیر سمجھے گا تو اس سے اس طرح فائدہ حاصل کر جس طرح آگ سے (بقدر ضرورت فائدہ حاصل کیا جاتا ہے) اس

وجہ سے کہ بادشاہ جیسے اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا اور بادشاہ کے سامنے کثرت کلام سے بھی گریز کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اس پر گرفت کر سکتا ہے اس صورت وہ اپنے حاشیہ نشینوں میں اپنے کو بہت بڑا عالم اور تجھے خطا کار اور کم درجہ ثابت کرے گا جس وقت بادشاہ کے پاس ہو تو یہ پیش نظر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبے میں امتیاز کرنے والا ہو ایسے وقت داخل نہ ہونا کہ اس کے پاس اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے نا آشنا ہیں۔ اگر وہ تجھ سے کم درجہ ہیں تو اپنے آپ کو بڑے درجہ کا ثابت کریں گے اور تجھے نقصان پہنچائیں گے اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کریں گے، جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کرنا جب کہ علم اور حکم میں وہ تیرے مذہب اور فیصلے کو پسند کرے ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑے گا، بادشاہ کے خدام اور احباب سے دوستی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں بوقت ضرورت ان سے ملاقات کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن خادموں اور حاشیہ نشینوں سے دوری بہتر ہے اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا، عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں جتنا وہ تم سے دریافت کریں کیونکہ زیادہ کلام سے وہ یہ محسوس کریں گے کہ کہیں تم ان کے مال کی طرف تو راغب نہیں ہو اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے اور امرد (قریب بلوغ) لڑکوں سے بھی بات نہ کرو کیونکہ وہ فتنہ ہوتے ہیں ہاں بچوں سے کلام کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں مضائقہ نہیں ہے، مشائخ اور عوام

کے ساتھ سڑکوں پر بھی نہ چلو کیونکہ اگر تم ان سے آگے چلے تو ان کی تحقیر اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی کیونکہ وہ تم سے عمر میں بڑے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کی ہم میں سے نہیں ہے دیکھو شاہراہ پر ہرگز نہ بیٹھنا ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجد میں بیٹھو۔ بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہے سقایہ سے سقوں کے ہاتھوں پانی نہ پینا (کیونکہ) معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو) دیکھو! دکان پر نہ بیٹھو۔ اور زیورات اور ریشمی کپڑا نہ پہنو، کیونکہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے ہمبستری کے وقت اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں اس سے زیادہ بوس وکنار بھی نہ کرو جب بیوی سے صحبت کرو تو اللہ تعالی کا نام لے کر کرو اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کردے گی۔ بیوہ اور ماں باپ بال بچے والی عورت سے نکاح مت کرو مگر اس کے ساتھ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر آجا سکیں (کیونکہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی لہٰذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دے گی، ایسی عورت سے ہی امام اعظم نے منع فرمایا ہے) اور حتی الامکان اپنے سسرال میں بھی نہ رہو۔ خبردار اپنے سسرال میں اپنی بیوی سے ہرگز صحبت نہ کرنا کیونکہ تم اس صورت میں پھنس جاؤ گے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تمہارا مال مفت میں اڑائیں گے۔

خبردار اولاد والی عورت سے ہرگز شادی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا سب مال ان کو کاٹ کاٹ کر دے دے گی کیونکہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی ایک گھر میں دو سوکنوں کو بھی نہ رکھنا۔ اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تم اس قابل نہ بن جاؤ کہ اس کی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکو! پہلے علم طلب کرو پھر حلال طریقہ سے مال جمع کرو پھر شادی کرو اس لیے کہ اگر تحصیل علم کے وقت تم نے مال فراہم کرنا شروع کر دیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے۔ اپنے مال سے باندیاں، غلام نہ خریدو کیونکہ پھر تم ان کی ہی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے اور تمہارا وقت ضائع ہوگا اور علم سے کورے رہ جاؤ گے۔ عنفوان شباب میں فارغ قلب ہو کر علم حاصل کرو۔ اللہ تعالی کا ڈر اور ادائے امانت اور ہر خاص وعام کو نصیحت کرنا اپنے اوپر لازم کرلو۔ کسی انسان کو ذلیل اور اپنے کو باعزت نہ سمجھو عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو، البتہ بقدر تعلیم وتعلم کچھ حرج نہیں اس لیے اگر کوئی ان میں سے اہل ہے تو تحصیل علم میں لگ جائے گا ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کبھی تم سے کوئی فتویٰ دریافت کرے تو بقدر سوال جواب دو ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا اگر تم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست رہو تو علم سے ہرگز اعراض نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی جو طلبا تم سے فقہ حاصل کریں ان سے اولاد کی طرح برتاؤ کرو کیونکہ اس سے ان کی رغبت علم میں زیادہ ہو گی، عوام اور بازاری لوگوں سے ہرگز جھگڑا نہ کرو اس سے تمہاری عزت خراب ہوگی حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو، جب

تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا اس لئے کہ عوام تمھیں زیادہ کرتے نہ دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ تمھیں اپنے علم سے فائدہ نہ ہوا جتنا انہیں اپنی جہالت سے ہو گیا، جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا کہ تم ہی تنہا اس میں صاحب اقتدار ہو۔ بلکہ اور اہل علم کی طرح رہو تاکہ وہ خیال کریں کہ تم کو ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے ورنہ وہ سب مل کر تمھیں نکالنے کی کوشش کریں گے اور تمھارے مسلک میں طعن کرنا شروع کر دیں گے اور تم بلاوجہ مطعون ہو کر رہ جاؤ گے اور اگر تم سے وہ فتویٰ پوچھیں تو اس کا جواب بلادلیل بیان ہرگز نہ کرو ان کے اساتذہ میں بھی عیب نہ نکالو عوام سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے ظاہراً و باطناً یکساں معاملہ رکھو کیونکہ ایسا کرنے سے تمھارے اندر علم کی قابلیت پیدا ہو گی۔ بادشاہ تمھارے سپرد جب کوئی کام کرے تو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرو جب تک اس کی قابلیت تمھارے اندر نہ ہو۔ جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو وہاں کلام نہ کرو کیونکہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور زبان بوجھل ہو جائے گی زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے قلب مُردہ ہو جاتا ہے راستہ میں وقار اور اطمینان سے چلو، اور میں جلد بازی نہ کرو، جو تمھیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو کیونکہ چوپاؤں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے اور جب کلام کرو تو چیخ کر اور بلند آواز سے نہ کرو اور نہ زیادہ حرکت کرو (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے) لوگوں کے درمیان کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا

کرو خصوصاً تلاوت قرآن۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں صبر اور شکر اور دوسری نعمتیں عنایت فرمائی ہیں، ہر مہینہ میں چند دن روزہ بھی رکھا کرو۔ تاکہ لوگ تمھاری اتباع کریں اور نفس سے محاسبہ کرتے رہو، دوسروں کی حفاظت کرو تاکہ وہ تمھاری دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہو سکیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے سوال ہو گا۔ اپنے آپ کو سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو کیونکہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمھارے پاس ڈھیر لگا دیں گے اگر تم ان کو پورا کرنے کی سعی اور کوشش کرو گے تو تمھاری عزت ہو گی اور اگر پورا نہ کر سکو گے تو لوگ تمھارا تمسخر کریں گے غلطیوں میں لوگوں کی اتباع مت کرو بلکہ درستگی اور صواب میں کرو جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شریر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو خیر کا تذکرہ کرو وہاں دین کے معاملہ میں لوگوں کو خبردار کر دو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں اور اس کی اتباع نہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے فاجر میں جو عادتیں ہیں، ان کو ظاہر کر دو تاکہ لوگ اس فاجر سے پرہیز کریں اگرچہ وہ فاسق و فاجر صاحب اقتدار ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمھارا اور دین کا مددگار رہے اگر ایک مرتبہ ایسا کر دیا تو فاجر لوگ تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی بھی اظہار بدعت پر دلیری نہ کر سکے گا جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف امر دیکھو تو اس کی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کر دو کیونکہ اس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ سے قوی ہے یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں ہم آپ کے تابع ہیں۔ لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں جو دین کے موافق معلوم نہیں

ہوتی پس ایک مرتبہ بھی کہہ دیا ہے تو کافی ہے ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے
تم پر وہ غصے ہو جائے گا جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو
تنہائی میں اس کے پاس جا کر نصیحت کرو اگر اس کا رجحان طبع بدعت کی
طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو اور کتاب وسنت سے متعلق تمہارے پاس
جو علم ہے اس پر پیش کر دو، اگر وہ تم سے حق قبول کرے تو بہتر ہے اور
اگر انکار کر دے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے
موت کو یاد رکھو، اپنے استاذ کے لیے استغفار کرتے رہو، قرآن پاک
کی تلاوت پر مداومت اور مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہو
عوام الناس میں سے جو رویا صالحہ دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں اس کو رد نہ کرو، فاسقوں اور فاجروں کے پاس
نہ بیٹھو۔ ہاں تبلیغ دین کے لیے مضائقہ نہیں ہے، کھیل، کود اور سب وشتم
سے پرہیز کرو، جب مؤذن اذان دے تو مسجد کے لیے تیاری کرو تاکہ
عوام تم سے اس معاملہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ بادشاہ کے پڑوس
میں مکان ہرگز نہ بنانا، پڑوسی کی عیب پوشی کرنا، لوگوں کی پوشیدہ باتیں
ظاہر نہ کرنا جو تم سے مشورہ کرے اپنے علم کے مطابق دینا۔ امام ابوحنیفہ
نے فرمایا میری وصیت کو قبول کرو اس سے موجودہ لوگوں اور آنے والوں
کو فائدہ پہنچے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور فرمایا بخل سے پرہیز کرو اس
کے سبب سے بندہ مبغوض ہو جاتا ہے۔ جھوٹے اور لالچی نہ بنو بلکہ اپنی
مروتوں کا تمام امور میں خیال رکھو۔ سفید لباس پہنو اپنے کو حریص نہ ہونے
کے لیے اپنے کو ہر وقت غنی ظاہر کرو اگرچہ تم فقیر ہی کیوں نہ ہو صاحب
ہمت بنو اس لیے کم ہمت کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے جب راستہ میں چلو

تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ زمین پر نظر رکھو جب حمام میں داخل ہو یا مزدوروں
سے کوئی کام کراؤ تو اجرت میں اور لوگ کی مساوات نہ کرو بلکہ دستور سے
کچھ زیادہ دو تاکہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں، کوئی
چیز پیشہ اور دستکار کے سپرد نہ کرو بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں
اعتماد ہو، غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو، درہم، دینار کو نہ تولو،
روپیہ پیسہ کو شمار نہ کرو بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو، اہل علم کے مقابلہ
میں دنیا کو حقیر سمجھو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہی بہتر ہے
اپنے امور میں دوسروں کو شریک کرو تاکہ علم حاصل کرنے کے لیے کچھ وقت
بچ جائے۔ خبردار بے وقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور
اہل علم کے دلائل نہ سمجھیں، طلب جاہ کے لیے کوشاں ہوں اور تمہارے
شرمندہ کرنے کے لیے مسائل یاد کریں ان سے ہرگز بات نہ کرو اس لیے اگر
وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کریں گے۔ جب رؤساء کے
پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو جب تک تم کو وہ خود اس جگہ نہ
بٹھائیں اور جب تم کسی قبیلہ اور قوم میں پہنچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ
بنائیں نماز نہ پڑھاؤ حمام میں صبح اور دوپہر کو داخل نہ ہو، تفریح گاہ میں نہ
جاؤ مظالم سلطان پر ہرگز حاضر نہ ہونا، ہاں جب یقین ہو کر تمہاری بات
سن لی جائے گی تو مضائقہ نہیں۔ خبردار! مجلس علم میں غضب ناک نہ ہونا
عوام میں قصہ گوئی نہ کرنا اس لیے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا جب
کسی اہل علم کے اعزاز میں کوئی مجلس منعقد کرو تو اس کے استقبال کے لیے
بنفس نفیس خود حاضر ہونا اور کچھ معلوم ہو بیان کرنا ورنہ نہیں تاکہ تمہاری
موجودگی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم

تصوّر کریں حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہو جس کے تم مالک ہو، کسی آدمی کو مسند درس پر نہ بٹھاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے درس دے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو، تاکہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں، مجلس وعظ اور اس مجلس میں جو تیرے اعزاز یا تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لیے منعقد کی گئی ہو نہ جانا (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لیے اور اظہار شیخیت کے لیے ایسا کر رہا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا) نکاح کے معاملات کو اپنے محلہ کے نکاح خواں اسی طرح عید اور جنازہ کی نماز کو اس کے مستحق کے لیے چھوڑ دو (کہ وہی یہ کام کرے) میری اس نصیحت کو قبول کرو جس کو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت کے لیے بیان کیا ہے، (اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے)۔

والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المخلوقات وعلی الہ الطاهرین المطهرین وصحابتہ الهادین المهتدین ورضوان اللہ و مغفرتہ للتابعین وتابعیهم باحسان الی یوم الدین۔

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن، برطانیہ

۱۲ر جون ۱۹۹۱ء